مسئلہ کفاءت

[اسلامک فقہ اکیڈمی (انڈیا) کے گیارہویں فقہی سمینار منعقدہ
مؤرخہ ۱۶ - ۱۹/اپریل ۱۹۹۹ء کو امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں
پیش کئے گئے علمی، فقہی اور تحقیقی مقالات ومناقشات کا مجموعہ]

ایفا پبلیکیشنز- نئی دھلی

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ

نام کتاب : مسئلہ کفاءت
صفحات : ۲۰۸
سن طباعت : جون ۲۰۱۰ء
قیمت : ۲۱۰/روپئے

ناشر

ایفا پبلیکیشنز
۱۶۱-ایف بیسمنٹ، جوگابائی، جامعہ نگر، نئی دہلی-۲۵
ای میل: ifapublications@gmail.com
فون: 011 - 26983728, 26981327

مجلس ادارت

۱- مولانا مفتی محمد ظفیر الدین مفتاحی
۲- مولانا محمد برہان الدین سنبھلی
۳- مولانا بدر الحسن قاسمی
۴- مولانا خالد سیف اللہ رحمانی
۵- مولانا عتیق احمد بستوی
۶- مولانا عبید اللہ اسعدی

بسم الله الرحمن الرحيم

فہرست

پیش لفظ	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۹

باب اول: تمہیدی امور

سوالنامہ		۱۳
اکیڈمی کا فیصلہ		۱۶
تلخیص	مولانا ہشام الحق ندوی	۱۹
عرض مسئلہ سوال نمبر ۱، ۲	مفتی جمیل احمد نذیری	۶۰
عرض مسئلہ سوال ۳	مولانا عتیق احمد بستوی	۷۴
عرض مسئلہ سوال ۴	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۸۴
عرض مسئلہ سوال ۵، ۶	مولانا ظفر عالم ندوی	۹۰
عرض مسئلہ سوال ۷، ۸	قاضی عبدالجلیل قاسمی	۹۷

باب دوم: تفصیلی مقالات

مسائل کفاءت-اور اسلام کا نقطہ نظر	مولانا خالد سیف اللہ رحمانی	۱۰۹
مسئلہ کفاءت کی شرعی حیثیت	مولانا عبید اللہ اسعدی	۱۱۴
مسئلہ کفاءت کی شرعی حیثیت	مفتی محبوب علی وجیہی	۱۲۷
مسئلہ کفاءت کی ضرورت واہمیت	مولانا زبیر احمد قاسمی	۱۳۲
مسئلہ کفاءت اور اسلام	مولانا عبدالحنان قاسمی	۱۴۰

شریعت اسلامی میں کفاءت کی حقیقت	مولانا اختر امام عادل	۱۴۴
مسئلہ کفاءت اسلامی، تاریخی اور سماجیاتی تناظر میں	پروفیسر عبدالرحمن مومن	۱۷۵
مسئلہ کفاءت اسلامی تناظر میں	مولانا نور الحق رحمانی	۱۹۱
نکاح میں کفاءت	مولانا اسماعیل بھدکودروی	۲۲۱
مسئلہ کفاءت پر ایک نظر	مولانا راشد حسین ندوی	۲۲۸
مسئلہ کفاءت-اسلامی نقطہ نظر	مفتی محمد جمال الدین قاسمی	۲۴۳
کفاءت اسلام کی نظر میں	مفتی محمد جنید عالم قاسمی	۲۵۴
کفاءت کی شرعی حیثیت	مفتی نسیم احمد قاسمی	۲۸۶
مسئلہ کفاءت اور اسلام کا نقطہ نظر	مولانا ابوسفیان مفتاحی	۳۰۸
زوجین کے درمیان کفاءت ضرورت واہمیت	مفتی حبیب اللہ قاسمی	۳۱۸
مسئلہ کفاءت کی حقیقت ومصلحت	مولانا عبدالسلام خطیب ندوی	۳۲۴
کفاءت کن چیزوں میں مطلوب ہے	مفتی عبدالرحمن پالنپوری	۳۲۸
اسلام میں کفاءت کی حقیقت اور اس کی مصلحت	مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی	۳۳۵
کفاءت کا شرعی حکم	مولانا عبدالرشید قاسمی	۳۴۷
کفاءت کا شرعی حکم	مفتی سعید الرحمن قاسمی	۳۵۹
زوجین کے درمیان کن چیزوں میں کفاءت ضروری ہے	مولانا خورشید احمد اعظمی	۳۷۴
مسئلہ کفاءت موجودہ حالات کے تناظر میں	مولانا سید اسرار الحق سبیلی	۳۸۴
مسئلہ کفاءت کی بنیادیں	مولانا ولی اللہ مجید قاسمی	۳۹۶
اسلام میں کفاءت	مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی	۴۰۳
مذہب اسلام اور مسئلہ کفاءت	مفتی سعید الرحمن فاروقی	۴۱۲
کفاءت اور اس کی حقیقت ومصلحت	مفتی عبدالرحیم قاسمی	۴۱۸

مسئلہ کفاءت اور اسلام	مولانا مبارک حسین ندوی	۴۲۷
مسئلہ کفاءت کی شرعی حیثیت	مفتی محمد احسان قاسمی	۴۳۲
اسلام میں کفاءت کی شرعی حیثیت	مولانا فیاض عالم قاسمی	۴۳۷
مسئلہ کفاءت اور اسلامی تعلیمات	مولانا ابوبکر قاسمی	۴۴۷
زوجین کے درمیان کفاءت اور اسلامی تعلیمات	مولانا محمد ظفر عالم ندوی	۴۵۶
مسئلہ کفاءت کی اسلامی حیثیت	مفتی ضیاء الحق قاسمی	۴۷۵
کفاءت کی حقیقت اور اس کے مسائل	مولانا عبدالقیوم پالنپوری	۴۸۱
مسئلہ کفاءت فی النکاح	مفتی سید مصلح الدین بڑودوی	۴۸۸
مسئلہ کفاءت اور اس کی بنیادیں	مولانا اعجاز احمد قاسمی	۴۹۴
نکاح میں کفاءت کا مسئلہ	مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی	۴۹۹
مسئلہ کفاءت	مولانا محمد ارشد قاسمی	۵۰۴
مسئلہ کفاءت اور اسلامی تعلیمات	مولانا محمد روح الامین	۵۰۹

باب سوم: مختصر تحریریں

کفاءت کا مسئلہ اسلامی شریعت میں	حضرت مفتی نظام الدین اعظمیؒ	۵۱۵
مسئلہ کفاءت	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی	۵۱۹
مسئلہ کفاءت قرآن وحدیث کی روشنی میں	مولانا شمس پیرزادہ ممبئی	۵۲۳
مسئلہ کفاءت	مولانا محمد رضوان القاسمی	۵۲۷
مسئلہ کفاءت	مولانا ارشاد احمد اعظمی	۵۳۱
اسلام میں کفاءت کی حیثیت	مولانا محمد ابوالحسن علی	۵۳۳
اسلام میں مسئلہ کفاءت کی شرعی حیثیت	مفتی جمیل احمد نذیری	۵۴۲

مسئلہ کفاءت کی حقیقت و مصلحت	ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی	۵۴۵
مسئلہ کفاءت شرعی تناظر میں	مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری	۵۴۷
کفاءت کے چند مسائل	مولانا تنویر عالم قاسمی	۵۵۰
نکاح میں کفاءت-حقیقت و مصلحت	مولانا عطاء اللہ قاسمی	۵۵۴
مسئلہ کفاءت	مولانا عبداللطیف پالنپوری	۵۵۷
اسلامی شریعت میں مسئلہ کفاءت کی اہمیت	مولانا ابراہیم فلاحی	۵۶۰
زوجین کے درمیان کفاءت اور اسلام	مولانا محمد امین بنگلہ دیش	۵۶۳
مسئلہ کفاءت اور شریعت اسلامیہ	مولانا محمد ارشاد القاسمی	۵۶۸
مناقشہ		۵۷۱

پیش لفظ

قرآن مجید میں شوہر و بیوی کو ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے، ''ھن لباس لکم و أنتم لباس لھن'' (بقرہ۱۸۷)۔ انسان کا مزاج یہ ہے کہ وہ لباس کے لئے میچنگ اور مناسبت کا متلاشی ہوتا ہے، آج کل تو اس پر توجہ اور زیادہ ہوگئی ہے اگر ایک شخص لال رنگ کی ٹوپی، سبز رنگ کا کرتہ اور سیاہ رنگ کا پاجامہ پہن کر بازار میں چلا جائے تو عجب نہیں کہ لوگ اس کے دماغی توازن کے بارے میں شبہہ کرنے لگیں، یہ تو ایسے لباس کا معاملہ ہے جسے انسان ماہ دو ماہ یا سال بھر کے لئے خریدکرتا ہے، جو لباس ''لباسِ زندگی'' ہو، جو موت تک کے لئے ہو اور جسے کہنگی اور پرانا پن کی وجہ سے چھوڑنے کی اجازت نہ ہو اس میں یقیناً اس سے کہیں زیادہ مناسبتوں کی رعایت مطلوب ہوگی۔ اسلام میں کفاءت کی بنیاد یہی ہے۔

اسلام کی نظر میں اتفاقی باتوں کی وجہ سے کوئی انسان نہ بڑا ہوتا ہے نہ چھوٹا، انسان کی شرافت کا معیار ایسی باتیں ہیں، جن میں انسان کے کسب و اختیار کو دخل ہو، اسی لئے قرآن نے کہا کہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ باعزت وہ ہے، جو سب سے زیادہ تقوی اختیار کرے''إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم'' (حجرات:۴۹)۔

اسلام میں خاندان، پیشہ اور دولت وغربت کی وجہ سے بڑے اور چھوٹے ہونے کا کوئی تصور نہیں ہے، لیکن تعلقات کو ہموار اور پائیدار رکھنے میں مناسبتوں کی اہمیت ہوتی ہے، ایک خاندان کے افراد کو ایک دوسرے سے اُنس ہوتا ہے، ایک پیشہ کے لوگوں کو ایک دوسرے سے مناسبت ہوتی ہے، معاشی حالات کے اعتبار سے انسان کا معیار زندگی بنتا ہے اور دوسرا فریق بھی اسی معیار کا حامل

ہوتو ایک دوسرے کے ماحول کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے، یہی معاملہ تعلیم کا ہے۔

پھر یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ان اسباب کے تحت ایک خاص قسم کی ثقافت پروان چڑھتی ہے اور تہذیبی وثقافتی یکسانیت ایک دوسرے کو مربوط رکھنے میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

اسی پس منظر میں فقہاء نے کفاءت کے احکام متعین کئے ہیں، لوگوں میں عام طور پر اس بارے میں افراط وتفریط پائی جاتی ہے، بعض لوگ اسے اسلام میں برہمنیت سمجھتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے، اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص سے نکاح کا تعلق نہ رکھنا چاہتا ہو تو یہ اس کی تحقیر وتوہین نہیں ہے، دوسرا پہلو یہ ہے کہ بعض حضرات نے واقعی اس کو مسلمانوں کے بعض گروہوں کی تحقیر وتوہین کی بنیاد بنالیا ہے، انہوں نے خاندانی نسبتوں کو تعارف کے بجائے تفاخر اور پہچان کے بجائے اونچ نیچ کی میزان بنالیا ہے، یہ سوچ پہلی سوچ سے بھی زیادہ غلط ہے۔

اس افراط وتفریط کو دیکھتے ہوئے اسلامک فقہ اکیڈمی نے اپنے گیارہویں فقہی سمینار منعقدہ مورخہ ۱۶ تا ۱۹/ اپریل ۱۹۹۹ء میں اس کو غور وفکر کا موضوع بنایا تھا، اس وقت بانی اکیڈمی حضرت قاضی مجاہد الاسلام صاحب قاسمیؒ حیات سے تھے اور ان کی براہ راست نگرانی میں امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ میں یہ سمینار منعقد ہوا، اس موقع سے جو مقالات پیش کے گئے، جو تجاویز منظور کی گئیں اور سمینار کے درمیان جو مناقشات پیش ہوئے، ان کا مجموعہ اکیڈمی کے شعبہ علمی کے رفیق عزیزی مولانا محمد سراج الدین قاسمی نے بڑی خوش اسلوبی سے مرتب کیا ہے، امید ہے کہ یہ مجموعہ بعض غلط فہمیوں کے ازالہ اور مسئلہ کی صحیح نوعیت کو واضح کرنے میں مدد ومعاون ہوگا، دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ دوسرے مجموعوں کی طرح اسے بھی قبولیت سے نوازے اور امت کے لئے نافع بنائے۔ وباللہ التوفیق وھو المستعان۔

خالد سیف اللہ رحمانی
(جنرل سکریٹری)

۱۲/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۱ھ
۲۷/ اپریل ۲۰۱۰ء

پہلا باب

تمہیدی امور

سوالنامہ:

اسلام نے اسلامی اخوت اور عظیم انسانی برادری کا تصور دیا ہے، اور اس حقیقت کا واشگاف اعلان کیا ہے کہ سارے انسان ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہیں، رنگ ونسل قوم وقبیلہ کی بنیاد پر کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں اور عزت وشرافت کا معیار تقوی ہے، ارشاد باری تعالی ہے:

" یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر و أنثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند الله أتقاکم "

اور رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:

" لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأبیض علی أسود ولا لأسود علی أبیض إلا بالتقوی"۔

دوسری طرف اسلام نے نکاح کو خوشگوار اور پائدار بنانے کیلئے بہت سی ہدایات دی ہیں، کیونکہ اسلام یہ نہیں چاہتا کہ نکاح کا رشتہ کھیل تماشہ بن جائے اور ازدواجی زندگی کے عدم استحکام سے انسانی سماج کو طرح طرح کے خطرات لاحق ہوجائیں، رشتہ نکاح کے استحکام واستواری کیلئے میاں بیوی کے درمیان ہم آہنگی، مزاجوں کی یکسانیت اور دونوں کی سماجی ومعاشی سطح میں قربت ومناسبت بنیادی عوامل ہیں، بے جوڑ شادیاں عام طور پر ناکام رہتی ہیں، شریعت نے اسی مصلحت کے پیش نظر کفاءت کا مسئلہ رکھا لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس دور میں کفاءت کے مسئلہ میں خاصہ افراط وتفریط کا رجحان چل رہا ہے، ایک طبقہ کلیۃ کفاءت کو مسترد کرنے کا رجحان رکھتا ہے تو دوسرے طبقہ نے مسئلہ کفاءت کو ذات برادری، اونچ نیچ کے ان تصورات سے وابستہ کردیا ہے جنہیں ختم کرنا اسلام کے اولین مقاصد میں ہے، ان حالات میں کفاءت

کے مسائل پر غور کرنے اور اس بابت اسلام کی راہ اعتدال اجاگر کرنے کیلئے درج ذیل سوالات آپ کی خدمت میں پیش کئے جارہے ہیں:

۱- شریعت اسلامی میں کفاءت کی کیا حقیقت ہے، اور نکاح میں کفاءت کو مشروع قرار دینے کے مصالح کیا ہیں؟

۲- کفاءت کا اعتبار کن کن چیزوں میں کیا جائے گا، اس سلسلہ میں فقہاء و مجتہدین کے مسالک و دلائل کیا ہیں؟ فقہاء نے کفاءت کے بارے میں جن چیزوں کی تعیین کی ہے ان کا مدار نصوص پر ہے یا ان کے دور کے حالات پر، جو حالات اور عرف کی تبدیلی سے بدل سکتے ہیں؟

۳- ہندوستان کے بہت سے مسلم خاندان نسبی کفاءت کے بارے میں غلو اور بے اعتدالی میں گرفتار ہیں، اپنے نسب اور خاندان میں مناسب رشتہ نہ پانے کی وجہ سے بسا اوقات ان کی لڑکیاں طویل عمر تک بن بیاہی رہتی ہیں اور اس کے نتیجے میں بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں، ضرورت کے باوجود دوسرے نسب وخاندان میں رشتہ کرنے میں نسبی بنیاد پر اونچ نیچ کے تصورات بھی رکاوٹ بنتے ہیں، یہ ایک حقیقت ہے کہ ہندوستان کا مسلم معاشرہ کسی حد تک ہندو سماج کی طبقاتی تقسیم اور نسب وپیشہ کی بنیاد پر اونچ نیچ کے تصورات سے متاثر رہا ہے، ہمارے سماج کی اس کمزوری کا فائدہ اٹھا کر اور اسے بہت بڑھا چڑھا کر پیش کر کے ہمارے دشمن ہندوستانی مسلمانوں کو سیاسی اور سماجی طور پر ذات برادری کے نام پر مختلف خانوں میں بانٹنے اور ان کے درمیان نفرت وعداوت کی دیوار کھڑی کرنے کی منظم اور مربوط کوشش کر رہے ہیں، تا کہ ہندوستان میں ملت اسلامیہ بالکل بے وقعت اور بے اثر ہو جائے۔ ہمیں انتہائی افسوس کے ساتھ اعتراف کرنا پڑ رہا ہے کہ اسلام دشمن طاقتوں کی یہ منحوس کوششیں دن بدن کامیاب ہوتی جارہی ہیں۔

اس پس منظر میں نسبی کفاءت کی شرعی حیثیت پر تفصیل کے ساتھ غور کرنے کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں درج ذیل نکات جواب طلب ہیں:

الف - اسلامی شریعت میں نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟

ب- اگر نسب میں کفاءت معتبر ہے تو اس کا اعتبار صرف اہل عرب کے لئے ہے یا عرب وعجم سب کے لئے معتبر ہے؟

ج- نسبی کفاءت کے شرعی ضابطے اور ضروری تفصیلات کیا ہیں؟

۴- موجودہ حالات میں کفاءت میں کیا قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار کیا جائے گا؟ جب کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ تصور نو مسلموں کو مسلم سوسائٹی میں جذب کرنے اور ان کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہے، اور ایک حد تک خود اسلام کی دعوت وتبلیغ میں سد راہ ہے۔

۵- اگر کفاءت کا مسئلہ ہر دور کے عرف وحالات پر مبنی ہے تو دور حاضر میں آپ کے نزدیک کفاءت میں کن چیزوں کا لحاظ کیا جانا ضروری ہے؟

۶- کفاءت کا اعتبار مرد وعورت دونوں کے بارے میں کیا جائے گا یا صرف عورت کے بارے میں؟

۷- (الف): کفاءت ولی کا حق ہے یا عورت کا یا دونوں کا؟

(ب) عاقلہ بالغہ خاتون نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد اور لازم ہوگا یا نہیں؟

(ج) مذکورہ بالا نکاح اگر منعقد ہوگیا تو کیا ولی اس نکاح کو فسخ کرا سکتا ہے؟

۸- کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے اگر رشتہ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالت کے بارے میں خلاف واقع باتیں بیان کرکے لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کیا اور نکاح کرلیا، لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوئی تو اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ کیا لڑکی اور اس کے اولیاء کو یہ نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہے؟

اکیڈمی کا فیصلہ:

۱- اسلام تمام بنی نوع انسان کو ایک اور برابر تسلیم کرتا ہے اور آدمی آدمی کے درمیان کوئی فرق روا نہیں رکھتا اور بحیثیت انسان ہر ایک کو برابر عزت دیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر و أنثى وجعلناكم شعوباً و قبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم"** (حجرات/۱۳)۔

اس لئے اسلامی نقطۂ نظر سے انسانوں کی طبقاتی تقسیم اور رنگ ونسل کی بنیاد پر انسانوں کو اعلیٰ اور گھٹیا سمجھنا گوارہ نہیں کیا جا سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **''ولقد كرّمنا بني آدم''** (الاسراء/۷۰)۔

۲- اسلام نے بہت صاف لفظوں میں اخوت اسلامی کا نظریہ پیش کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: **"إنما المؤمنون إخوة"** (حجرات/۱۰)۔

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: **"المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضا"** اور فرمایا: **''مثل المؤمنين في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم كمثل الجسد الواحد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى''**۔

اس لئے ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، کسی کا دوسرے کو ذات برادری کی بنیاد پر حقیر سمجھنا اور نسب ونسل اور زبان پر فخر کرنا اسلامی تعلیمات کی صریح خلاف ورزی ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: **''لا يحل لمسلم أن يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه''**۔

۳-نکاح کے ذریعہ دو اجنبی مرد وعورت زندگی بھر کی رفاقت کا عہد و پیمان کرتے ہیں اور ایک دوسرے کے رازدار، پردہ پوش اور وجہ سکون بن جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: "هن لباس لكم و أنتم لباس لهن" (بقرہ/۱۸۷)۔

"و من آياته أن خلق لكم من أنفسكم أزواجا لتسكنوا إليها و جعل بينكم مودة و رحمة" (روم/۲۱)۔

اسلام نکاح کو استوار اور پائیدار دیکھنا چاہتا ہے اور ایسی ہدایات دیتا ہے جن پر عمل کرنے سے نکاح اپنے مقاصد کو پورا کرے اور میاں بیوی تا حیات خوشگوار زندگی گذار سکیں۔

۴-کفاءت کی حقیقت مماثلت اور یگانگت ہے، میاں بیوی کے درمیان فکر وخیال، معاشرت، طرز رہائش، دینداری وغیرہ میں یکسانیت یا قربت ہونے کی صورت میں اس کی زیادہ امید ہوتی ہے کہ دونوں کی ازدواجی زندگی خوشگوار گذرے، اور رشتہ نکاح مستحکم ہو، بے جوڑ نکاح عموماً ناکام رہتے ہیں، اور اس ناکامی کے برے اثرات ان دونوں شخصوں سے متجاوز ہوکر دونوں کے گھروں اور خاندانوں تک پہنچتے ہیں، اس لئے احکام نکاح میں شریعت نے کفائت کی رعایت کی ہے۔

۵-مسلمان عاقل بالغ لڑکے اور لڑکی کا باہمی رضامندی سے کیا گیا عقد نکاح شرعاً منعقد ہو جاتا ہے، کفاءت لزوم عقد میں مؤثر ہے، صحت وانعقاد نکاح میں نہیں۔

۶-کوئی بھی غیر مسلم اسلام قبول کر لینے کے بعد مسلم سوسائٹی کا معزز فرد بن جاتا ہے، اسے پشتینی مسلمانوں کے برابر حقوق و احترام حاصل ہو جاتا ہے۔ مسلمان لڑکیوں کا نکاح اگر نومسلم نوجوانوں سے کیا جائے تو نہ صرف یہ کہ یہ جائز ہوگا بلکہ موجب اجر وثواب ہے۔

۷-مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے، عورت مرد کی کفو ہو یا نہ ہو، واضح رہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف عورت کی طرف سے ہے، یعنی ضروری ہے کہ شوہر عورت کے معیار کا ہو یا اس سے

بڑھ کر، عاقل بالغ مرد نے کفو میں نکاح کیا ہو یا غیر کفو میں، شرعاً منعقد اور لازم ہے، اس پر مرد کے اہل خانہ کو اعتراض کا حق نہیں ہے۔

۸ – اگر عاقلہ بالغہ خاتون نے غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگا، لیکن اولیاء کو قاضی کے یہاں مرافعہ کا حق ہوگا۔

۹ – کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالت کے بارے میں خلاف واقعہ باتیں بیان کر کے نکاح کرلیا لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی ظاہر ہوئی تو وہ نکاح منعقد ہوگا، لیکن لڑکی یا اس کے اولیاء کو مرافعہ کا حق ہوگا۔

۱۰ – مسئلہ کفاءت میں دینداری کا اعتبار تو ضروری ہے، دیگر امور ایسے ہیں جن کا تعلق عرف وعادت اور سماجی حالات سے ہے، اس لئے پوری دنیا اور تمام ممالک واقوام کے لئے امور کفاءت کی تعیین وتحدید یکساں نہیں ہوسکتی، لہذا ہر ملک وعلاقہ کے علماء وفقہاء وہاں کے عرف وعادات اور سماجی احوال کے پیش نظر امور کفائت کی تحدید وتعیین کریں گے، بلا اس کے کہ کفاءت کو آپس میں عزت وذلت اور شرافت اور ذلالت کے ساتھ جوڑا جائے۔

تلخیص مقالات:

مسئلہ کفاءت

مولانا ہشام الحق ندوی ☆

۱- کفاءت کی حقیقت اور شریعت میں اسے مشروع قرار دینے کے مصالح

کفاءت کی حقیقت اور اعتبار کی حیثیت:

کفاءت کی حقیقت سے متعلق تمام حضرات نے فقہاء کی اس عبارت کو نمایاں حیثیت دی ہے، جو فقہ کی تمام مشہور کتابوں میں مذکور ہے اور اسے جمہور کی رائے بتایا ہے، وہ عبارت یہ ہے: "مساواۃ الرجل للمرأۃ أو کون المرأۃ أدنی" اور اس کی دلیل میں مندرجہ ذیل نصوص ذکر کئے ہیں:

الف-لا یزوج النساء إلا الأولیاء ولا یزوجن إلا فی الأکفاء (دارقطنی فی باب النکاح)۔

ب-تخیروا لنطفکم وأنکحوا الأکفاء وأنکحوا إلیھم (ابن ماجہ کتاب النکاح)۔

ج- یا علی! ثلاث لا تؤخرھا: الصلوۃ إذا آنت، والجنازۃ إذا حضرت، والأیم إذا وجدت لھا کفواً (جامع ترمذی، ابواب الصلوۃ)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے مذکورہ احادیث کا فنی تجزیہ بھی کیا ہے اور ضعف کے باوجود تعدد طرق اور تلقی بالقبول کی بناء پر انہیں قابل استناد بتایا ہے، اکثر مقالہ نگاروں کے نزدیک

☆ سابق رفیق شعبہ علمی اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا۔

کفاءت لزوم نکاح کے لئے شرط ہے نہ کہ صحت عقد کے لئے، البتہ مولانا ظفر عالم ندوی اور مولانا مصلح الدین قاسمی نے متأخرین احناف کے نزدیک اسے بعض حالات میں شرط صحت، بعض میں شرط نفاذ اور بعض میں شرط لزوم قرار دیا ہے، مفتی نظام الدین صاحب فرماتے ہیں کہ خاندان کے باہر نکاح کے بارے میں فقہاء نے جو لکھا ہے کہ نکاح صحیح نہ ہوگا ان کا یہ کہنا غلط و غیر صحیح ہے، مولانا اسرار الحق سبیلی کے نزدیک باب کفاءت کی جو احادیث صریح ہیں وہ ضعیف ہیں اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں، لہذا ان سے استحباب ثابت ہوسکتا ہے لزوم نہیں، مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی صاحب فرماتے ہیں کہ نسب میں کفاءت کی روایتیں ضعیف بلکہ موضوع بھی ہیں، صنعت و حرفت میں کفاءت کی کوئی روایت موجود نہیں، صرف دینداری میں کفاءت کی روایتیں صحیح، مضبوط اور صریح ہیں، لہذا کفاءت کوئی تشریعی حکم نہیں بلکہ نکاح کی دشواری کے لئے شفقۃ للأمۃ ایک مشورہ ہے، مولانا عبید اللہ اسعدی کے نزدیک یہ ایک سماجی مسئلہ ہے اور مولانا عبد العظیم اصلاحی نے اسے شریعت کی ایک سفارش اور امر مستحسن قرار دیا ہے، جب کہ جناب شمس پیرزادہ نے کفاءت کو فقہاء کا استنباط بتاتے ہوئے ان سے اختلاف کیا ہے، مولانا سراج الدین قاسمی نے کفاءت کی فقہی تعریف کے دوسرے جزء پر رد المحتار کے حوالہ سے رملی کا ایک اعتراض نقل کیا ہے کہ رملی کے نزدیک عورت کا شوہر سے کمتر ہونا کفاءت نہیں ہے، اس لئے کہ کفاءت کی اصطلاحی تعریف اور اس کے لغوی معنیٰ کے درمیان مناسبت ہونی چاہئے اور ظاہر ہے کہ کفاءت کے لفظ میں کسی بھی طرح کمتری کا مفہوم نہیں پایا جاتا۔

اس کی مشروعیت کے مصالح:

تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات کے نزدیک کفاءت کو مشروع قرار دینے کے مصالح یہ ہیں:

☆ زوجین کے درمیان حسن معاشرت کا قیام۔

☆ رشتۂ نکاح کی پائیداری۔

☆ لڑکی اور اس کے اولیاء کو ننگ وعار سے بچانا۔

☆ معاشرہ کو اختلاف وانتشار سے پاک رکھنا۔

مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی اور مولانا ابصار عالم ندوی نے جمہور علماء کے خلاف رائے رکھنے والوں کا نقطۂ نظر بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام ابو الحسن کرخی، ابوبکر جصاص، سفیان ثوری، ابن حزم اور حسن بصری کے نزدیک کفاءت کا کوئی اعتبار نہیں، جبکہ مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی کی رائے ہے کہ جن بزرگوں کی طرف انکار کفاءت کی نسبت کی گئی ہے اس سے مراد مطلق کفاءت نہیں بلکہ کفاءت فی النسب ہے، اس لئے کہ ان کے دلائل بھی وہی ہیں جو کفاءت فی الدین کے قائلین نے پیش کئے ہیں، معلوم ہوا کہ کفاءت فی الدین ان کے یہاں معتبر ہے۔

ان حضرات کا استدلال قرآن کی مندرجہ ذیل آیات سے ہے:

الف- إنما المؤمنون إخوة (حجرات/۱۰)۔

ب- فانکحوا ما طاب لکم من النساء (نساء/۳)۔

ج- وأحل لکم ما وراء ذلکم (نساء/۲۴)۔

ان حضرات نے عہد نبوی کے مندرجہ ذیل واقعات سے بھی استدلال کیا ہے:

الف- آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ کا نکاح اپنے مولیٰ حضرت زیدؓ سے کرایا۔

ب- آپ ﷺ نے حضرت مقدادؓ کا نکاح ضباعہؓ بنت زبیر بن عبد المطلب سے کرایا۔

ج- آپ ﷺ کا فرمان: أنکحوا أبا طیبة إن لا تفعلوا تکن فتنة في الأرض وفساد عریض (ترمذی کتاب النکاح)۔

د- آپ ﷺ کا حضرت بلال کے ذریعہ انصار کو یہ کہلوانا: ” قل لهم إن رسول الله یأمر کم أن تزوجوني“۔

ھ- اسلام کا " **لا فضل لعربی علی عجمی و لا لعجمی علی عربی**" کا عمومی مزاج۔

و- حدود وقصاص میں باوجود بہت احتیاط برتنے کے کفاءت کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے، تو پھر نکاح میں اس کا اعتبار کیوں کیا جائے؟ خصوصاً جبکہ نکاح میں حدود وقصاص کی سی احتیاط نہیں برتی گئی ہے۔

جمہور کی رائے کے مؤیدین نے ان واقعات کو خصوصیت پر اور صاحب حق کی طرف سے حق کے اسقاط پر محمول کیا ہے، اخوت ومساوات سے متعلق آیات اور احادیث کو امور آخرت سے متعلق قرار دیا ہے، حدود وقصاص پر قیاس کو محل نظر بتاتے ہوئے ان کا کہنا ہے کہ حدود وقصاص میں کفاءت کا اعتبار مصالح قصاص کو باطل کرتا ہے اور نکاح میں اس کا عدم اعتبار نکاح کے مقاصد کو باطل کرتا ہے، لہذا نکاح میں کفاءت کا اعتبار کیا جائیگا۔

۲-امور کفاءت اور ائمہ کے مسالک:

کفاءت کا اعتبار کن چیزوں میں کیا جائے گا اور کن چیزوں میں نہیں؟ اس سلسلے میں تمام مقالہ نگار حضرات نے فقہائے مذاہب اربعہ کی آراء اور ان کے اختلاف کی تفصیل یہ بیان کی ہے: مجموعی حیثیت سے فقہاء نے سات امور میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے:

(۱) دیانت وتقویٰ (۲) حسب ونسب (۳) آزادی (۴) صنعت وحرفت (۵) مال اور معاشی سطح (۶) اسلام یعنی خاندانی مسلمان ہونا اور (۷) عیوب سے محفوظ ہونا۔

احناف کے یہاں امور کفاءت چھ ہیں: نسب، دیانت، اسلام، حرفت، آزادی، مال۔

شوافع کا مسلک احناف سے قریب تر ہے، ان کے یہاں کل پانچ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے: دیانت، نسب، حریت، پیشہ اور جسمانی عیوب سے سلامتی۔

حنابلہ کا بھی بحیثیت مجموعی کفاءت کے بارے میں وہی مسلک ہے جو امام شافعی کا ہے فرق صرف یہ ہے کہ انہوں نے جسمانی عیوب سے سلامتی کے بجائے مال کا اعتبار کیا ہے۔

مالکیہ کے نزدیک صرف دو امور میں کفاءت کا اعتبار ہے: (۱) دینداری (۲) خیار فسخ، نکاح کو ثابت کرنے والے عیوب مثلاً برص، جذام وغیرہ سے سلامتی۔

امور کفاءت کی تفصیل اور ان کے دلائل:

کفاءت فی الدین:

اس کا مطلب تمام ہی مقالہ نگار حضرات کے نزدیک تقوی اور تدین میں مرد کا عورت کے برابر ہونا ہے، بیشتر مقالہ نگار حضرات نے اس کی تائید میں یہ دو حدیثیں نقل کی ہیں:

(۱) تنكح المرأة لأربع : لمالها و لحسبها و لجمالها و لدينها، فاظفر بذات الدين ، تربت يداک۔

(۲) إذا خطب إليكم من ترضون دينه و خلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض و فساد عريض۔

اس ذیل میں بعض مقالہ نگار حضرات نے مزید دو پہلوؤں پر گفتگو کی ہے: ایک تو یہ ہے کہ کفاءت فی الدین میں کس کا اعتبار ہوگا، خاندان کا یا عورت کا؟ اس سلسلہ میں ائمہ کا اختلاف نقل کرنے کے بعد مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا ابصار عالم ندوی، مولانا عبدالرحمن پالنپوری اور مولانا اختر امام عادل نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ عورت اور خاندان میں سے کوئی بھی ایک، یا عورت یا صرف خاندان، نیک وصالح ہو تو فاسق مرد کو عورت کا کفو نہیں قرار دیا جائے گا، نیز مولانا اختر امام عادل، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، اور مولانا ابصار عالم ندوی نے کفاءت فی الدین کے حوالہ سے فسق اعتقادی پر بھی روشنی ڈالی ہے، ان حضرات نے ابن قدامہ کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے اعتقادی فسق وصلاح میں بھی کفاءت کے اعتبار کو ترجیح دی ہے، لہذا ان کے نزدیک اگر عورت اہل سنت والجماعت سے تعلق رکھتی ہے تو کسی گمراہ فرقہ سے وابستہ مرد اس کا کفو نہیں ہوگا۔

تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے اس کی صراحت کی ہے کہ جمہور کے نزدیک بھی دیگر اشیاء میں کفاءت سے صرف نظر کرنا اور صرف دین وتقویٰ میں کفاءت کا اعتبار افضل ہے، احناف میں سے امام محمد رحمہ اللہ نے دیانت میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا ہے، اس لئے کہ دیانت امور آخرت سے متعلق ہے، الا یہ کہ مرد کا فسق اتنا بڑھ گیا ہو کہ لوگ اس سے تمسخر واستہزاء کرتے ہوں، تو ایسی صورت میں وہ کسی صالحہ عورت کا کفو نہیں ہوگا، امام ابو یوسف کا ایک قول یہ ہے کہ فاسق معلن صالحہ کا کفو نہیں ہوسکتا اور اگر اس کا فسق پوشیدہ ہو تو وہ صالحہ کا کفو ہوسکتا ہے، مولانا محمد احسان صاحب کا رجحان بھی امام ابو یوسف کے قول کی طرف ہے، جناب شمس پیرزادہ کی رائے ہے کہ ایک صالح عورت کے لئے صالح مرد کا ہونا مطلوب ضرور ہے، لیکن اسلام نے اس کو نکاح کے لئے شرط نہیں قرار دیا ہے۔

آزادی:

آزادی اور غلامی کے کفاءت میں معتبر ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے کتب فقہ کے حوالہ سے بیان کیا ہے کہ احناف، شوافع اور صحیح قول کے مطابق حنابلہ کے نزدیک آزادی اور غلامی امور کفاءت میں سے ہیں، صرف مالکیہ اسے کفاءت میں معتبر نہیں مانتے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے حضرت عائشہ کی اس حدیث "أن بريرة أعتقت، فخيرها رسول الله ﷺ" (بخاری ومسلم) کو آزادی میں کفاءت کے اعتبار کی دلیل کے طور پر پیش کیا ہے، وجہ استدلال یہ ہے کہ دوران نکاح حریت پیش آنے پر جب خیار ثابت ہوا تو ابتدائے نکاح کے وقت آزاد عورت کے لئے بدرجۂ اولیٰ خیار ثابت ہوگا، مولانا محمد اسعد فلاحی نے شرح مہذب کے حوالہ سے اس کی ایک اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ چونکہ شوہر کے ذمہ عورت اور بچہ کا نفقہ ہے اور غلام اس کی طاقت نہیں رکھتا، اس لئے بھی کفاءت میں آزادی کا اعتبار کیا جانا

چاہئے ،مولانا مصلح الدین قاسمی نے کفاءت میں آزادی کے اعتبار کی دلیل یہ دی ہے کہ غلامی کی بناء پر چونکہ اس میں ایک قسم کا نقص ہے اور مالکانہ تصرف سے غلام ممنوع ہوتا ہے، اس لئے کفاءت میں آزادی کا اعتبار ہوگا،مولانا محمد اسعد فلاحی نے اس کے اعتبار کی دلیل کےطور پر قرآن کی یہ آیت بھی پیش کی ہے: **ضرب الله مثلاً عبداً مملوکا لا یقدر علی شئ ومن رزقناه منا رزقا حسنا فهو ینفق منه سراً وجهراً، هل یستوون، الحمد لله بل أكثرهم لا يعلمون۔**

وجہ استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالی نے واضح طور پر مملوک اور آزاد کے درمیان مساوات کی نفی کی ہے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے کتب فقہ کے حوالہ سے آزادی اور غلامی میں کفاءت کے اعتبار کی تفصیل یہ بتائی ہے:

آزادی میں کفاءت اسلام میں کفاءت کی نظیر ہے، غلام مرد آزاد عورت کا کفو نہیں ہوگا، اگر کسی کے باپ، دادا آزاد ہوں تو وہ اس کا بھی کفو ہے جس کی متعدد نسلیں آزاد چلی آتی ہوں، اور اگر کوئی خود آزاد ہو تو وہ اس کا کفو نہیں ہوگا جس کا صرف باپ آزاد ہو، اور جس کا صرف باپ آزاد ہو وہ اس کا کفو نہیں ہوگا جس کا دادا بھی آزاد ہو۔

مولانا محمد احسان صاحب اور مولانا محبوب علی وجیہی صاحب کی رائے یہ ہے کہ کفاءت میں حریت کا اعتبار عرف وعادت زمانہ کے اعتبار سے ہے،مولانا محمد احسان نے امام ابو یوسف کے اس قول کا حوالہ دیا ہے کہ اگر کسی نو آزاد کو کوئی ایسا شرف حاصل ہو جائے جس سے عار دور ہو جائے تو پھر نو آزادی کا اعتبار نہیں، بلکہ وہ قدیم الحریت کا بھی کفو ہوگا،مولانا محبوب علی وجیہی کے بقول اب چونکہ غلامی کا وجود نہیں رہا، اس لئے اس زمانہ میں اس اعتبار سے سب برابر ہیں، مولانا راشد حسین ندوی کی رائے ہے کہ حریت کا اعتبار عرف کے پیش نظر ہے،مولانا ولی اللہ مجید قاسمی کے بقول حضرت بریرہ کا واقعہ کفاءت سے غیر متعلق ہے، کیونکہ کفاءت کا اعتبار ابتداءعقد میں ہوتا ہے،عقد ہونے کے بعد کفو یا غیر کفو ہونے کا اعتبار نہیں، ان کی رائے ہے کہ یہ حدیث

خیارات کی قبیل سے ہے، جب کہ مولانا مسعود فلاحی کی رائے یہ ہے کہ یہ حدیث صحیح ہونے کے باوجود قرآن کی اس آیت سے متعارض ہونے کی بناء پر قابل عمل نہیں ہے: ''ومن لم یستطع منکم طولا أن ینکح المحصنٰت المؤمنٰت فمن ما ملکت أیمانکم من فتیاتکم المؤمنٰت والله أعلم بإیمانکم بعضکم من بعض فانکحوهن بإذن أهلهن'' اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر غریب آزاد مسلمانوں کو لونڈیوں سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، انہوں نے اس حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ آپ ﷺ نے شوہر کے غلام ہونے کی وجہ سے بریرہؓ کو اختیار نہیں دیا تھا، بلکہ اس کی وجہ یہ تھی کہ چونکہ غلام اور باندی کی شادی اس کی مرضی سے نہیں بلکہ آقا کی مرضی سے ہوتی ہے، اس لئے آزاد ہونے کے بعد انہیں دوبارہ اپنی مرضی کے استعمال اور آقا کے فیصلہ پر نظر ثانی کا موقع دیا جانا چاہئے، یہی طریقہ یہاں اختیار کیا گیا، ان کا اعتراض یہ ہے کہ اگر آپ نے عدم کفاءت کی بناء پر فسخ نکاح کا اختیار دیا تھا تو ان کے شوہر کی درخواست پر بریرہؓ سے دوبارہ نکاح باقی رکھنے کو کیوں کہا تھا؟ مولانا مسعود فلاحی اور مولانا اسعد اللہ قاسمی نے کفاءت فی الحریت کے عدم اعتبار کا اشارہ دیتے ہوئے بالترتیب معارف ۱۹۲۸ء اور مخزن اخلاق کے حوالہ سے یہ واقعہ نقل کیا ہے کہ نواسہ رسول ﷺ حضرت حسینؓ نے غرور نسب کو مٹانے کے لئے عجمی یا سندھی کنیز سے نکاح کیا تھا، اور اسی طرح امام زین العابدین نے اپنی ایک لڑکی کی شادی غلام سے کی تھی اور ایک لونڈی کو آزاد کر کے خود اس سے شادی کی تھی۔ جناب شمس پیرزادہ، مولانا فیاض عالم قاسمی اور مولانا اسعد اللہ قاسمی کے خیال میں چونکہ غلامی اب قصہ پارینہ ہو چکی ہے اس لئے اس پر مزید بحث کی ضرورت نہیں۔

آزادی میں کفاءت کے اعتبار کا ایک پہلو یہ ہے کہ کیا حریت کا اعتبار عرب وعجم دونوں میں ہے؟ یا صرف عجم میں؟ مولانا محمد روح الامین، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری اور مولانا حبیب اللہ قاسمی کی رائے یہ ہے کہ حریت کا اعتبار عرب وعجم سب میں ہے، جبکہ مولانا ابصار عالم ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا

فیاض عالم قاسمی اور مولانا اختر امام عادل کی رائے یہ ہے کہ حریت کا اعتبار صرف عجم میں ہے، اس لئے کہ عرب اس کفاءت کا محل نہیں ہیں۔

صنعت وحرفت:

پیشہ اور صنعت میں کفاءت کے معتبر ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے ائمہ فقہ کے یہ مسالک درج کئے ہیں:

امام ابوحنیفہ کی ظاہر الروایت اور امام محمد کی ایک روایت کے مطابق پیشہ میں کفاءت معتبر نہیں ہے، امام ابویوسف اور امام محمد کی دوسری روایت اور امام ابوحنیفہ کی دوسری روایت اور شوافع وحنابلہ کی معتمد روایت کے مطابق پیشہ میں کفاءت معتبر ہے، اور امام ابویوسف سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ پیشہ میں کفاءت معتبر نہیں، مگر جب کہ پیشہ بہت زیادہ حقیر ہو تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کے اختلاف کو کتب فقہ کے حوالہ سے عرف وعادت کے اختلاف پر محمول کیا ہے، اکثر مقالہ نگار حضرات نے امام صاحب کے دونوں اقوال کی توجیہ یہ کی ہے کہ پہلا قول اس عرف پر مبنی ہے کہ کمتر پیشہ سے دناءت کو محسوس کیا جاتا ہے، اس لئے اس کا لحاظ ہونا چاہئے، دوسرے قول کی توجیہ یہ ہے کہ پیشہ کوئی لازمی شئی نہیں، اس لئے عارضی چیز کو بنیاد کیوں بنایا جائے؟ (الموسوعہ ۲۵/۵) لیکن مولانا اختر امام عادل کا کہنا ہے کہ فقہاء کی توجیہ ان تصریحات سے متعارض ہے جن میں کفاءت کے لئے عقد کے وقت کی حالت کا اعتبار کیا گیا ہے، نہ کہ پہلے اور بعد کے حالات کا، اس لئے امام صاحب کا پہلا قول ہی زیادہ معتبر ہے۔

پیشہ میں کفاءت کے اعتبار سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ مرد وعورت کے درمیان پیشہ میں من کل الوجوہ اتحاد ضروری نہیں ہے بلکہ تقارب اور تناسب کافی ہے (البدائع ۲/ ۳۲۰) اسی طرح کفاءت فی الحرفت ضروری نہیں ہے بلکہ تمام مقالہ نگار حضرات نے یہ وضاحت کی ہے کہ اگر کوئی گھٹیا پیشہ اختیار کئے ہوئے تھا اور اب اس

نے اس پیشہ کو چھوڑ دیا اور اس پر اتنا عرصہ گذر گیا کہ وہ نسیاً منسیاً ہوگیا تو اب وہ اچھے پیشہ والے کا کفو بن سکتا ہے، اور اگر وہ اب بھی سابقہ پیشہ کی بنیاد پر کمتر سمجھا جاتا ہے تو وہ اچھے پیشہ والے کا کفو نہ ہوگا۔

پیشہ میں کفاءت کے اعتبار اور عدم اعتبار پر اکثر مقالہ نگار حضرات نے **مدلل** طور پر روشنی ڈالی ہے۔

اعتبار کے قائلین کے دلائل:

۱- **واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق**، اس آیت میں معاش میں تفاوت کی صراحت موجود ہے۔

۲- **قالوا أنؤمن لک واتبعک الأرذلون**، کفار نے نبی ﷺ کے متبعین کو ارذل کہا اور اللہ نے اس کی نکیر نہیں فرمائی، اور مفسرین کا قول ہے کہ وہ جولاہے تھے، اس لئے ان کو ارذل کہا (مغنی المحتاج ۳؍۱۶۹) معلوم ہوا کہ صنعت کا اعتبار ہوگا۔

۳- آپ ﷺ نے فرمایا: **العرب بعضهم لبعض أكفاء إلا حائكا أو حجاما** (المغنی لابن قدامہ)۔

۴- چونکہ عرف میں بعض پیشہ کو کمتر اور بعض کو برتر سمجھا جاتا ہے، اگرچہ انسان اس کے ترک کرنے پر بھی قادر ہے، پھر بھی وہ عار کا باعث بنتا ہے، اس لئے عقلاً بھی اس کا اعتبار ہونا چاہئے، واضح ہو کہ زیادہ تر مقالہ نگار حضرات صرف عرف کی بناء پر اس کے اعتبار کے قائل ہیں۔

مانعین کے دلائل:

۱- شریعت نے ہر جائز پیشہ کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھا ہے، صنعت وحرفت میں شرافت ودناءت کا امتیاز کسی شرعی دلیل سے ثابت نہیں، اللہ کے رسول ﷺ نے کسب بالید کو

افضل عمل قرار دیا ہے، كان أصحاب رسول الله ﷺ عمال أنفسهم (بخاری)۔
ما أكل أحد طعاما قط خيراً من أن يأكل من عمل يده، وإن نبي الله داؤد عليه السلام كان يأكل من عمل يده (بخاری مع الفتح ۴؍۳۰۳)۔

۲- امام بخاری نے اپنی صحیح میں خیاط ونساج اور حداد وبنکر سب کا باب مقرر کیا ہے، اگر یہ پیشے باعث دناءت ہوتے تو آپ ﷺ سے اس سلسلہ میں ضرورت کے وقت سکوت وقرار منقول نہ ہوتا، ابن حجر نے باب الخیاط کے تحت لکھا ہے: وفيه دلالة على أن الخياطة لا تنافي المروءة۔

۳- آپ ﷺ نے صاحب صنعت کی اعانت یا صنعت سے ناواقف شخص کے لئے صنعت اختیار کرنے کو افضل قرار دیا ہے (صحیح مسلم)۔

۴- نسب وحرفت میں کوئی تناقض نہیں ہے، عالی نسب حیاکت یا زیت کا پیشہ اختیار کر سکتے ہیں، كان الزبير بن العوام وعمرو بن العاص وعامر بن كريز خزازين أي يعملون الخز وهي نساجة من صوف وإبريسم، رسول اللہ ﷺ کے ننہیال میں بنائی کا کام ہوتا تھا، مدینہ منورہ میں حضور کے میزبان ایک حائک ابو ایوب انصاری تھے (دستکار اہل شرف از مولانا حبیب الرحمٰن اعظمی)۔

۵- لباس کی اہمیت کے لئے اتنا ہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بطور تذکیر نعمت اس کا ذکر فرمایا اور اس کی نسبت اپنی طرف فرمائی: يابني آدم قد أنزلنا عليكم لباسا يواري سوء اتكم وريشا، ولباس التقوىٰ ذلك خير۔

۶- اللہ تعالیٰ نے حضرت داؤد علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا: وعلمناه صنعة لبوس لكم لتحصنكم۔

آخر کوئی تو حکمت ہوگی، لفظ صنعت کا بھی ذکر کیا اور اسے علی الاطلاق لبوس کی طرف مضاف کیا اور پھر اس کی تعلیم کی نسبت اپنی طرف فرمائی۔

۷- یہ عام مشاہدہ ہے کہ وہ گھر جن میں کوئی صنعت اور پیشہ ہوتا ہے، ان کی عورتیں بیوہ ہونے کے بعد بھی اسی صنعت کے ذریعہ اپنی اور اپنی اولاد کی آبرو بچا لیتی ہیں، غیر کے آگے ہاتھ پھیلانے سے محفوظ رہتی ہیں۔

۸- آپ ﷺ نے فرمایا: **أنكحت زيد بن حارثة زينب بنت جحش و أنكحت المقداد ضباعة بنت الزبير بن عبد المطلب ليعلموا أن أشرف الشرف للإسلام** (سنن سعید بن منصور ۱۴۲/۲)۔

اور یہ معلوم ہے کہ زینب بنت جحش قرشیہ اور مقداد بن الاسود قبیلہ کندہ کے تھے اور کندہ میں بنائی کا کام ہوتا تھا (تذکرۃ النساجین)۔

۹- أفضل الخلائق بعد الأنبیاء سیدنا صدیق أکبر نے اپنی بہن ام فروہ کا نکاح ایک حائک ابن الحائک اشعث کندی کے ساتھ کیا۔

۱۰- ابن القیم الجوزیہ نے اپنی کتاب **المنار المنيف في الصحيح و الضعيف** میں قاعدہ کلیہ بیان کیا ہے کہ ہر وہ حدیث جو بنکروں، موچیوں، رنگریزوں یا مباح پیشوں کی مذمت کرتی ہے وہ حدیث نہیں رسول اللہ ﷺ پر بہتان ہے، دوسرا قاعدہ یہ بیان کیا کہ ہر وہ حدیث جس میں عرب کا لفظ آیا ہے موضوع ہے سوائے **لا فضل لعربي على عجمي و لا لعجمي على عربي إلا بالتقوىٰ** کے، کیوں کہ امام احمد نے اس کو صحیح سند کے ساتھ روایت کیا ہے (کتاب مذکور ر ۱۰۵)۔

یہ دونوں قاعدے فقہاء کے پیش کردہ دلائل پر منطبق ہوتے ہیں، اسی لئے **العرب بعضهم أكفاء بعض و الموالي بعضهم أكفاء بعض إلا حائكا أو حجاما** والی حدیث کو ابو حاتم، ابن عبد البر، دار قطنی وغیرہ نے منکر، کذب اور منقطع قرار دیا ہے۔

۱۱- کسی پیشہ کو حقیر سمجھنا عجمی فکر کی پیداوار ہے اور غیر مسلموں کو اسلام سے دور کرنے کا باعث ہے۔

پیشہ میں کفاءت کے عدم اعتبار کے قائلین کے نام یہ ہیں:

مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا مسعود عالم فلاحی، مولانا اسعد اللہ قاسمی اور مولانا فیاض عالم قاسمی۔

حکیم ظل الرحمٰن کے بقول پیشہ کی وجہ سے نسب میں عزت وذلت نہیں پیدا ہوتی، بلکہ ان خصوصیات کی بناء پر ہوتی ہے جو بالعموم اس پیشہ میں ہوتی ہیں، مثلاً طرز رہن سہن، انداز گفتگو، علم وفضل کا فقدان، مزید برآں اس کی حیثیت مختلف حالات میں مختلف ہوتی ہے، اور فقہاء نے پیشہ کی مماثلت کی شرائط میاں بیوی کے تعلقات کو زیادہ خوشگوار بنانے اور ان میں مودت وہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے لگائی ہیں، جہاں ان چیزوں کے خود بخود موجود ہونے کا امکان ہوتو ان شرائط کو نظر انداز کرتے ہوئے صرف اسلام اور تقویٰ کی شرط کافی ہوسکتی ہے۔

کفاءت فی الحرفت کے قائلین میں سے مولانا اختر امام عادل، مولانا ابصار عالم ندوی، مولانا سراج الدین قاسمی اور مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری کا خیال ہے کہ چونکہ اس کا مدار عرف پر ہے اور آج کے عرف میں بعض پیشوں نے اونچا مقام حاصل کرلیا ہے جیسے چمڑے کی دباغت، جوتا سازی اور کپڑا بننے کی بڑی بڑی فیکٹریاں، اس لئے ان کو اعلیٰ پیشہ سمجھنا چاہئے بلکہ مولانا سراج الدین قاسمی نے شامی کی عبارت: **فليس في زماننا أنقص من البزاز والعطار**'' کے حوالہ سے یہ رائے ظاہر کی ہے کہ عرف کی بدولت آج کے حالات میں تمام صنعتوں کو مساوی یا قریب ضرور متصور کیا جائے اور صنعت وحرفت کے سلسلہ میں ہر مسلم کو دوسرے مسلم کا کفو قرار دیا جائے۔

مالی ومعاشی سطح:

اس سلسلہ میں تمام مقالہ نگار حضرات نے ائمہ کے مسالک اور ان کے اختلافات کا تذکرہ اس طرح کیا ہے:

حنابلہ اور احناف کے نزدیک مال میں بھی کفاءت کا اعتبار ہوگا، امام مالک اور امام

شافعی کے اصح قول کے مطابق اور احناف میں امام ابو یوسف کے نزدیک مال میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

قائلین کے دلائل:

۱- فاطمہ بنت قیسؓ کو حضرت معاویہؓ نے نکاح کا پیغام دیا تو انہوں نے آپ ﷺ سے مشورہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کی مفلوک الحالی کا ذکر کیا اور حضرت اسامہؓ سے نکاح کا حکم دیا: أما معاوية فصعلوک لا مال له (السنن الکبری للبیہقی ۷/۱۳۵)۔

۲- الحسب المال و الکرم التقوی (ترمذی کتاب تفسیر القرآن)۔

۳- تنکح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداک (بخاری جلد ۲، کتاب النکاح)۔

۴- نیز انہوں نے عرف کا بھی اعتبار کرتے ہوئے اس میں کفاءت کو معتبر قرار دیا ہے، اس لئے کہ عرف میں مال دار کو احترام وعزت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے اور اس پر فخر کیا جاتا ہے اور فقر کو معیوب سمجھا جاتا ہے۔

مانعین کے دلائل:

۱- آپ ﷺ کا یہ فرمان: "فاظفر بذات الدين تربت يداک" آپ ﷺ نے ان چار امور کے ذکر کے بعد اس کا ذکر فرمایا جن کی وجہ سے عورت سے شادی کی جاتی ہے، اور آخر میں فرمایا: "تربت يداک" اس سے معلوم ہوا کہ اگر مال و جمال اور نسب وغیرہ کی اہمیت ہوتی تو اسے بھی آپ ﷺ اسی طرح بیان فرماتے جس طرح آپ ﷺ نے دینداری کی اہمیت بیان فرمائی۔

۲- آپ ﷺ نے فقر کی دعا مانگی ہے: اللهم أحيني مسكينا و أمتني مسكينا (سنن ابن ماجہ ابواب الزہد)۔

۳- آپ ﷺ نے فرمایا: "إن فقراء أمتي يدخلون الجنة قبل أغنيائهم بنصف يوم وهو خمسمأة عام (حوالہ سابق)۔

۴- آپ ﷺ نے الحسب المال والكرم التقوى میں مال اور تقوی کو ایک دوسرے کے بالمقابل بیان فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ دونوں میں کوئی ربط نہیں، اور تقوی کی اہمیت واضح ہے۔

۵- حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنی بیٹی اسماء (جو رسول اللہ ﷺ کی سالی تھیں) کی شادی انتہائی غریب شخص حضرت زبیرؓ بن عوام سے کردی جب کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ مالدار تھے اور حضرت اسماءؓ نے اپنے شوہر کی غربت کی داستان خود بیان کی ہے (دیکھئے اسلامی شادی از قاضی اطہر مبارکپوری بحوالہ طبقات ابن سعد رجلد ۸، بیہقی ۷ر ۲۹۳)۔

۶- مال آنی جانی چیز ہے جس کو کسی لحاظ سے استقرار نہیں، لأن المال غادر ورائح (ہدایہ ۲، کتاب الاولیاء والأکفاء)۔

جن لوگوں نے مال میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، ان کے یہاں بھی اس کی تفصیل اور تحدید میں اختلاف ہے، اس اختلاف کو تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے اس طرح واضح کیا ہے:

احناف اور حنابلہ دونوں کا مفتیٰ بہ قول یہ ہے کہ دونوں کی معاشی سطح میں یکسانیت ضروری نہیں (الموسوعة الفقہیة ۳۴ر۲۷۸) بلکہ اگر شوہر مہر مثل اور نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو تو وہ متمول سے متمول خاندان کا کفو ہوگا (بدائع الصنائع ۲ر۳۱۹) نفقہ پر قدرت کی تصریح حصکفی نے اس طرح کی ہے کہ نفقہ پر قدرت کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ کمانے والا ہو اور ہر روز اتنا کما لیتا ہو جو اس دن کے خرچ کے لئے کافی ہو (ردالمحتار ۲ر۳۲۱)۔

مقالہ نگار حضرات کی آراء:

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے موجودہ زمانہ میں معاشی اہمیت کے پیش نظر مال میں

کفاءت کے اعتبار کی تائید کی ہے، نیز امام ابو بکر اسکاف کی اس رائے سے اتفاق کیا ہے کہ مرد کی معاشی سطح عورت کی معاشی سطح سے بہت زیادہ متفاوت نہ ہونی چاہئے (البحر الرائق ۳/۱۳۲)۔
مولانا ابو الحسن علی نے مال میں کفاءت کے اعتبار کی وضاحت یہ کی ہے کہ یہاں مالداری سے مراد نفقہ ہے، مال کثیر جو فساد دین کا باعث ہوتا ہے وہ مراد نہیں، حکیم ظل الرحمن کے خیال میں مال ایک اضافی شق ہے، اور لڑکی کو تکلیف سے بچانے کے لئے اس کا اعتبار ہونا چاہئے، آج کے حالات میں ان کے نزدیک ایک اضافہ ضروری ہے اور وہ یہ کہ شوہر کے لئے ایسا مکان یا مکان کا کوئی ایسا حصہ جہاں وہ آزادانہ طور پر بیوی سے روابط قائم رکھ سکے اور اپنے مال و سامان کی حفاظت کر سکے، اس کے قبضہ اور استعمال میں ہو، مولانا سراج الدین قاسمی کی رائے میں معمولی حیثیت کی وجہ سے لڑکی یا اس کے اولیاء کا ایک غیر معمولی پوزیشن کا رشتہ تلاش کرنا اور نہ ملنے پر برسہا برس تک لڑکی کو بے نکاح رکھنا صنف نازک پر ظلم ہے، تاہم اگر معمولی حیثیت کے لڑکے سے نکاح کر دینے پر ازدواجی زندگی تلخ ہو جانے کا اندیشہ ہو تو آج کے حالات کی وجہ سے معاشی حیثیت سے کفاءت کا رشتہ تلاش کرنا ضروری ہوگا (بحر ۳/۱۳۲)۔

مولانا مسعود فلاحی، پروفیسر عبد الرحمن مومن اور جناب شمس پیرزادہ کا خیال ہے کہ مالی حالت کوئی چیز نہیں، جناب شمس پیرزادہ کا کہنا ہے کہ جب حدیث میں عورت کے مالدار ہونے کی وجہ سے اس سے نکاح کرنے کو فروتر قرار دیا گیا ہے تو مرد کے مالدار ہونے کو عورت کے نکاح کے لئے ضروری قرار دینا کس طرح جائز ہوگا؟ مولانا عبد الرشید قاسمی کے بقول ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے بھی عدم اعتبار کو راجح قرار دیا ہے۔

عیوب سے سلامتی:

اس سلسلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے ائمہ کے جو مسالک بیان کئے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے کہ مالکیہ، شوافع اور کچھ حنبلی فقہاء کے نزدیک کسی صحت مند عورت کا کفو وہی مرد ہو سکتا ہے جو جسمانی اعتبار سے سنگین قسم کے امراض وعیوب سے سالم ہو، جیسے جذام، برص،

جنون وغیرہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد کے نزدیک ان تمام عیوب کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق ملے گا (المغنی ۶/۴۸۵)، البتہ امام ابوحنیفہ کے نزدیک صرف جُبّ اور نامردی کی بناء پر عورت تفریق کا مطالبہ کرسکتی ہے، احناف میں سے امام محمد کا مسلک وہی ہے جو حنابلہ کا ہے اور یہی مفتیٰ بہ قول ہے (البحر الرائق ۳/۱۳۴)، بلکہ بعض فقہی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر مرد میں ایسا کوئی عیب ہو کہ اس کی وجہ سے عورت کے لئے اس کے ساتھ رہنا مشکل ہے تو بھی امام محمد کے نزدیک عورت فسخ نکاح کا مقدمہ دائر کرسکتی ہے (تبیین الحقائق ۳/۲۵)۔

ائمہ فقہ کے اس اختلاف کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جن فقہاء نے اس میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے ان کے نزدیک عورت کے سوا خود اس کے اولیاء بھی تفریق کا مطالبہ کر سکتے ہیں، کیونکہ کفاءت عورت اور اولیاء دونوں کا حق ہے، اس لئے کہ کفاءت کی بنیاد عار اور عیب پر ہے جو دونوں کو لاحق ہوتے ہیں، اس کے برخلاف جن فقہاء نے اس میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا ہے، ان کے نزدیک مطالبہ تفریق کا حق صرف عورت کو ہے اولیاء کو نہیں، اور ان کے نزدیک اس کی بنیاد دفع ضرر ہے اور یہ صرف عورت کو لاحق ہوتا ہے، اولیاء کو نہیں۔ مقالہ نگار حضرات میں سے مولانا اختر امام عادل کا کہنا ہے کہ جو ائمہ عیب کی بناء پر نکاح کے بعد نکاح توڑنے کا مشورہ دیتے ہیں وہ نکاح سے قبل عیب زدہ شخص سے نکاح کو کیسے پسند کر سکتے ہیں، اس سے کیا یک گونہ کفاءت کا فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اور اگر "تنکح المرأة لأربع" والی حدیث میں لفظ جمال سے مراد اندرونی و بیرونی جمال لے لیا جائے تو معاشرہ میں عورت کے معیار انتخاب اور اس کے نتیجہ میں مسئلہ کفاءت پر روشنی پڑسکتی ہے، حکیم ظل الرحمٰن، مولانا مصلح الدین قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری کے نزدیک عمر وثقافت اور حسن وجمال میں بھی کفاءت کی رعایت مناسب اور مقاصد نکاح کے حصول میں مفید ہے۔

حکیم ظل الرحمٰن نے مندرجہ ذیل چیزوں کو بھی عیوب میں شامل کیا ہے:

(۱) عورت بانجھ ہو (۲) مرد وظیفہ زوجیت کا اہل نہ ہو (۳) مرد یا عورت کسی طویل المدت مرض میں مبتلا ہو (۴) دونوں میں سے کوئی کریہہ الشکل ہو یا کوئی گونگا، بہرا، نابینا، کانا ہو۔

مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا سراج الدین قاسمی اور مولانا اختر امام عادل کے نزدیک بھی امام محمد کا قول راجح ہے، مولانا اختر امام عادل نے یہ حدیث پیش کی ہے: ''فر من المجذوم فرارک من الأسد'' اور اس سے نتیجہ نکالا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعض امراض ایسے ہیں جن سے احتیاط کرنا شریعت میں مطلوب ہے، ان کے نزدیک آج کے دور میں امراض کی کثرت اور ان کے نتائج بد کے پیش نظر شادی میں جسمانی صحت کا لحاظ رکھا جانا چاہئے، مولانا سراج الدین قاسمی کی رائے ہے کہ ارباب فتاوی کو چاہئے کہ امام محمد کے قول میں جو صرف تین امراض میں منحصر کردیا گیا ہے وسعت دیں اور اس میں ان تمام امراض کو شامل کریں جن کی وجہ سے عورت کے لئے مرد کے ساتھ زندگی بسر کرنا پر مشقت ہوجاتا ہے (طحاوی ۲/۲۱۳)۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی کا خیال ہے کہ حسن کو کفاءت کا معیار کسی نے نہیں قرار دیا ہے حالانکہ عیوب سے پاکی کو شرط قرار دیا جائے تو بدصورتی بھی کفاءت کے خلاف ہوگی، جناب شمس پیرزادہ کے نزدیک عورت کے لئے مرد کے انتخاب میں عورت کی نفسیات کو ملحوظ رکھنا اور عمر وغیرہ کے اعتبار سے مرد کا عورت کے مناسب حال ہونا ایک مصلحت کی بات ضرور ہے لیکن اسے شریعت کا حکم تصور کرنا صحیح نہیں اور نہ یہ شرائط نکاح میں سے ہے۔

حسب ونسب:

مقالہ نگار حضرات میں سے مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا مسعود عالم فلاحی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ظفر عالم ندوی اور مولانا محمد اسعد فلاحی نے حسب میں کفاءت کے اعتبار کے سلسلہ میں درج ذیل تفصیل بیان کی ہے: بعض فقہاء کے خیال میں حسب مال ہے، بعض کے نزدیک دین واخلاق، سب سے جامع رائے یہ ہے کہ حسب سے مراد وہ وجاہت اور حیثیت عرفی ہے جو کسی شخص کو اس کی خاندانی شرافت، دولت، علم قومی خدمت یا عہدہ کی بناء پر حاصل ہوتی ہے (مرقاۃ ۶/۱۸۸)۔

فقہی جزئیات سے اندازہ ہوتا ہے کہ فقہاء نے کفاءت میں حسب کو کافی اہمیت دی

ہے، چنانچہ عجمی عالم کو اس کے علم کی بناء پر ہاشمی اور عرب جاہل کا کفو قرار دیا گیا (ردالمحتار ۲/ ۲۲۳)۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک عرفاً اس کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔

امور کفاءت کا مدار نصوص پر ہے یا عرف و حالات پر:

امور کفاءت کا مدار نصوص پر ہے یا عرف اور حالات پر، کیا ان میں عرف و حالات کے مطابق تبدیلی ہوسکتی ہے؟

اس سلسلہ میں مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا ابصار عالم ندوی اور مولانا عبدالرحمن پالنپوری کے نزدیک کفاءت میں دیانت وتقویٰ، نسب وخاندان اور صنعت وحرفت کے معتبر ہونے کی تائید نص سے ہوتی ہے، ان کے علاوہ دیگر امور کی تعیین عرف کے مطابق ہے جو تبدیل ہوسکتی ہیں، جب کہ حکیم ظل الرحمن اور مولانا محمد امین کی رائے میں کفاءت کا مدار صرف دو چیزوں میں نصوص پر ہے، اسلام اور تقویٰ، بقیہ امور کا مدار عرف پر ہے اور آج کے حالات کے مطابق حکیم صاحب کے خیال میں تعلیم کی مناسبت بھی ضروری ہے، لہذا آج کے عرف کے مطابق کسی جاہل مرد کو کسی پڑھی لکھی عورت کا کفو نہ ہونا چاہئے، اس لئے کہ جاہل لڑکا پڑھی لکھی لڑکی سے شادی کی صورت میں ہمیشہ احساس کمتری کا شکار رہے گا اور یہی چیز ان کے درمیان اختلاف کی بنیاد بن سکتی ہے۔

مولانا مصطفی قاسمی کے نزدیک امور کفاءت کا مدار عرف پر نہیں نصوص پر ہے۔

پروفیسر عبدالرحمن مومن صاحب فرماتے ہیں کہ مسئلہ کفاءت کا تعلق شرعی احکام اور عرف وعادت دونوں سے ہے، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا شاہد قاسمی، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبدالقیوم قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا محمد روح الامین اور مولانا ولی اللہ مجید قاسمی کے نزدیک امور کفاءت کا دارومدار عرف پر ہے۔

مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی اور مولانا ابو الحسن علی کی رائے میں آج کے دور میں بدلتے ہوئے معیار کا تقاضا ہے کہ سوائے چند کے تمام امور خصوصاً نسب اور مولانا ظفر عالم ندوی کے خیال میں ''نسب اور مال'' میں کفاءت کا اعتبار نہ کیا جائے، اس لئے کہ اس سے طبقاتی کشمکش کو ہوا مل رہی ہے، غیر مسلم اسلام سے متنفر ہو رہے ہیں اور برادری وغیرہ کی تلاش میں بے شمار لڑکیاں بن بیاہی پڑی رہ جاتی ہیں۔

مولانا محمد امین صاحب کے نزدیک دیانت وتقویٰ کے علاوہ جن چیزوں کی تعیین کی گئی ہے ان میں سے بعض کا مدار نصوص پر ہے جو قوی نہیں بلکہ بیشتر منکر یا موضوع حدیثیں ہیں، اور بعض کا مدار عرف پر ہے جو حالات کی تبدیلی سے بدل سکتے ہیں، مولانا حبیب اللہ قاسمی کی رائے ہے کہ نسب میں اعتبار کا ثبوت حدیث سے ملتا ہے اور فقہاء نے اصول شریعت کو مدنظر رکھتے ہوئے عرف وعادت کے تناظر میں اپنے زمانہ کے احوال وکیفیات کے اعتبار سے چند دیگر امور کا اعتبار کیا ہے، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی کے خیال میں قرآن کی متعدد آیتیں خاندان وغیرہ میں کفاءت کے تصور کو رد کرتی ہیں، درحقیقت اس کا اعتبار عرف پر ہے جو حالات کے اعتبار سے بدل سکتے ہیں۔

۳-(الف) اسلامی شریعت میں نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے ائمہ فقہ کے مسالک کی وضاحت اس طرح کی ہے:

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام محمد کے قول کے مطابق امام احمد بن حنبل نسب میں کفاءت کے قائل ہیں، امام مالک، ابو الحسن کرخی، ابو بکر جصاص، سفیان ثوری، علامہ ابن حزم نسب میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں۔

نسبی کفاءت کے اعتبار کے دلائل:

جو ائمہ نسب میں کفاءت کے قائل ہیں، ان کے دلائل یہ ہیں:

۱- قريش بعضهم أكفاء لبعض، بطن ببطن، والعرب بعضهم أكفاء لبعض، قبيلة بقبيلة (السنن الکبریٰ ۷/ ۱۳۴)۔

۲- عن أبي اسحاق الهمداني قال: خرج سلمان وجرير في سفر، فأقيمت الصلوٰة فقال جرير: لسلمان، تقدم أنت قال: سلمان بل أنت، فإنكم معشر العرب، لا نتقدم عليكم في صلوٰتكم ولا ننكح نسائكم إن الله فضلكم علينا بمحمد ﷺ وجعله فيكم (السنن الکبریٰ ۷/ ۱۳۴)۔

۳- قال عمرؓ: لأمنعن زواج ذوات الأحساب إلا من الأكفاء، قال، قلت: ما الأكفاء؟ قال: في الأحساب (المغنی ۶/ ۴۸۳)۔

۴- عرف میں نسب تفاخر کی بنیاد ہے، اس لئے اس کا اعتبار ہونا چاہئے۔

۵- خير نساء ركبن الإبل ،صالح نساء قريش، أحناه على ولد في صغره وأرعاه على زوج في ذات يده (بخاری ۲/ ۷۶۰)۔

پھر جن کے نزدیک نسب میں کفاءت معتبر ہے، انہوں نے نسب کے اعتبار سے پوری دنیا کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے:

۱- قریش یعنی وہ تمام عرب جن کا سلسلۂ نسب مضر بن کنانہ سے ملتا ہے، یہ سب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

۲- دوسرا درجہ قریش کے علاوہ تمام عربوں کا ہے، وہ سب ایک دوسرے کے کفو ہیں، بعض فقہاء نے بنو باہلہ کو دوسرے عرب قبائل کا کفو قرار نہیں دیا ہے لیکن محققین نے ان کی اس رائے سے اختلاف کیا ہے (البحر الرائق ۳/ ۱۳۰)۔

۳- تیسرا طبقہ غیر عرب کا ہے، جن کو فقہاء موالی کہتے ہیں، یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

نسبی کفاءت کے عدم اعتبار کے دلائل:

جولوگ نسب میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں، ان کے دلائل دو قسم کے ہیں، ایک تو وہ آیات اور احادیث جن میں اخوت ومساوات کی تعلیم دی گئی ہے، دوسرے حدیث میں مذکور واقعات وآثار، ان میں سے چند واقعات یہ ہیں:

۱- آپ ﷺ نے بنوزہرہ کے مقداد بن اسود کا نکاح اپنی چچازاد بہن ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب سے کیا (المغنی ۳۷۶/۷)۔

۲- حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت بلال حبشیؓ سے اپنی ہمشیرہ کا نکاح کیا (فتح القدیر ۴/۲۱۸)۔

۳- حضرت ابوحذیفہؓ نے ایک انصاریہ کے آزاد کردہ غلام سالم کو متبنی بنالیا تھا اور انہیں سے اپنی برادرزادی ولید بن عقبہ بن ربیعہ کی لڑکی کی شادی کر دی (احکام القرآن للجصاص ۳/۳۴۹)۔

۴- حضرت ابوبکرؓ نے اپنی بہن ام فروہؓ کا نکاح اشعثؓ بن قیس سے کیا جو قریشی نہ تھے (المغنی ۳۷۶/۷)۔

۵- آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ کا نکاح حضرت فاطمہؓ بنت قیس سے کیا جب کہ وہ قریشی نہ تھے (فتح القدیر ۴/۲۱۸)۔

مقالہ نگار حضرات کی آراء:

قائلین کفاءت نسبی:

مقالہ نگار حضرات میں سے مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا ابصار عالم ندوی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عبدالقیوم قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا عبدالحنان، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا

ابوسفیان مفتاحی، مولانا اسعد فلاحی، مفتی جمیل احمد نذیری اور مولانا محمد روح الامین کے نزدیک نسب میں کفاءت کا اعتبار ہونا چاہئے۔

عدم قائلین کفاءت نسبی:

مولانا سعید الرحمن اعظمی ندوی، مولانا مفتی نظام الدین اعظمی، مولانا اسرارالحق سبیلی، پروفیسر عبدالرحمن مومن، مولانا نورالحق رحمانی، جناب شمس پیرزادہ، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا مسعود عالم فلاحی، مولانا مصلح الدین قاسمی، مولانا محمد امین، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا فیاض عالم قاسمی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، حکیم ظل الرحمن، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، اور مولانا شاہد قاسمی ان تمام حضرات کے نزدیک نسب میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔

بیشتر مقالہ نگار حضرات نے کفاءت نسبی سے متعلق احادیث پر تفصیلی روشنی ڈالی ہے، اور ان تمام روایات کو ضعیف ومنکر بلکہ موضوع تک قرار دیا ہے اور نسبی کفاءت کے عدم اعتبار کو قرآن وسنت کے عمومی مزاج اور آثار صحابہ وسلف صالحین سے قریب تر بتایا ہے۔

پروفیسر عبدالرحمن مومن صاحب نے قرآنی آیات، احادیث واسوۂ نبوی، تعامل صحابہ وتابعین نیز سماجی ونفسیاتی پس منظر میں کفاءت نسبی کے مسئلہ پر تفصیلی کلام کرتے ہوئے یہ ثابت کیا ہے کہ اسے امور کفاءت میں شمار کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

بعض مقالہ نگار حضرات نے جمہور ائمہ کے دلائل اور ان کی آراء کو ترجیح دی ہے اور عدم اعتبار کے قائلین کے دلائل کا بالتفصیل رد بھی کیا ہے، مولانا جمال الدین قاسمی اور مولانا اختر امام عادل کی رائے یہ ہے کہ یہ تمام روایات تعدد طرق، تائید بالعرف اور حسن لغیرہ کے مرتبہ تک پہنچنے کی وجہ سے قابل استدلال ہیں، مولانا اختر امام عادل کی رائے یہ بھی ہے کہ چونکہ جمہور ائمہ کفاءت

نسبی کے قائل ہیں، اس لئے اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ائمہ تک جن طرق سے یہ روایت پہنچی وہ عیب سے پاک تھے، بعد میں اگر اس کے طرق میں کچھ ضعف پیدا ہوا تو اس سے ان کی استدلالی حیثیت ساقط نہیں ہوتی بلکہ ائمہ کے استدلال کی وجہ سے محفوظ ہو جاتی ہے۔

لیکن مولانا عبید اللہ اسعدی کی رائے یہ ہے کہ دونوں طرح کی روایات ہیں توسع اور عدم رعایت والی روایات بھی کافی قوی اور معتبر ہیں لہذا دونوں کی رعایت ہونی چاہئے، اور یہ اس طرح ممکن ہے جب اس کے خلاف نکاح کو باطل وغیر منعقد نہ قرار دیا جائے، مولانا سراج الدین قاسمی نے حدیث: "إن الله اصطفى كنانة من ولد إسماعيل و اصطفى من كنانة قريشا و اصطفى من قريش بني هاشم و اصطفاني من بني هاشم" (مسلم ۲؍۲۴۵) کو آپ ﷺ کی عظمت پر محمول کیا ہے، ورنہ اس حدیث کی رو سے قریش کے دیگر قبائل کو بنوہاشم کا کفو نہ ہونا چاہئے، مولانا اختر امام عادل اس کا جواب یہ دیتے ہیں کہ کفاءت کا تعلق عرف سے ہے، یہ عرف متعین کرے گا کہ کون سا خاندان کس کا کفو ہے؟ حدیث سے بلاشبہ تمام قبائل پر بنوہاشم کا تفوق ثابت ہوتا ہے، مگر کفاءت میں قریبی یکسانیت بھی کافی ہے، جس کی تعیین عرف سے ہوتی ہے، حضرت سلمان کے واقعہ کو مولانا سراج الدین قاسمی نے ان کی عقیدت پر محمول کیا ہے، مگر مولانا اختر امام عادل نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت سلمان کا واقعہ اس عہد کا ایک عام احساس ہے اور حضرت جریر نے اس کی خاموش تائید کی، صحابہ کبھی اپنی عقیدت سے اتنے مغلوب نہیں ہوتے تھے کہ شریعت کے قانون یا اس کے مجموعی مزاج کی خلاف ورزی کریں، رہا ان کا عمل یعنی انہوں نے حضرت ابوبکر و عمر کی صاحبزادیوں سے نکاح کا پیغام دیا تو اس سے کفاءت نسبی کی نفی نہیں ہوتی، بلکہ یہ صاحب حق کی طرف سے اپنا حق ساقط کردینے پر محمول ہے، دوسری بات یہ کہ اگر عجمی شخص کسی ایسی اضافی صفت کا حامل ہو جائے جس سے اس کی حیثیت عرفی عام عربوں کے برابر ہو جائے تو وہ عرب کا کفو ہو سکتا ہے۔

جن واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض موالی صحابہ کا نکاح قریش یا

دیگر عالی نسب خاندان میں کرایا ان واقعات کے بارے میں مولانا جمال الدین قاسمی اور مولانا اختر امام عادل کی رائے یہ ہے کہ واقعات ان مصالح پر مبنی ہیں جن کی وجہ سے نسبی کفاءت کی مصلحت ساقط ہوجاتی ہے، معاشرتی حکمت کے پیش نظر نسبی کفاءت کے سلسلے میں مولانا سراج الدین قاسمی کا خیال ہے کہ اس سلسلہ میں دو باتوں کا خیال رہنا چاہئے: ایک تو یہ کہ شریعت نے ان حکمتوں کو تسلیم کیا ہے جو شریعت کے بنیادی اصول سے نہ ٹکراتی ہوں، دوسرے اگر کسی مصلحت کی رعایت سے دوسری مصلحت فوت ہورہی ہو یا کوئی بگاڑ پیدا ہورہا ہو تو پھر ایسی مصلحت کو نظر انداز کیا جائے گا، اصطلاح فقہ میں اسی کو أهون البليتين کہتے ہیں، اب نسبی کفاءت میں ایک طرف اسلام کے بنیادی اصولوں کی خلاف ورزی ہے اور دوسری طرف طبقاتی عصبیتوں کے جنم لینے کا موقع ہے، تو کیا پھر بھی نسبی کفاءت کا اعتبار ہوگا؟

کفاءت نسبی کے قائلین نے غزوۂ بدر کے واقعہ سے بھی استدلال کیا ہے کہ جب اس موقع پر بعض اہل مکہ مقابلہ کیلئے باہر نکلے اور مسلمانوں کو للکارا تو ادھر سے ایک انصاری صحابی تشریف لے گئے، اہل مکہ کہنے لگے ہم ان سے نہیں لڑیں گے، بلکہ ہمارے لئے ہمارے ہی جیسے آدمیوں کو بھیجو، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت حمزہؓ اور حضرت علیؓ کو بھیجا، اس واقعہ سے مولانا اختر امام عادل کا استدلال یہ ہے کہ جب آپ ﷺ نے جنگ جیسے غیر دوستانہ اور عارضی عمل میں اس احساس کی رعایت فرمائی تو نکاح جیسے دوستانہ اور دائمی عمل میں اس کی رعایت کیوں کرنہ ہو؟ مولانا سراج الدین قاسمی اور مولانا اسعد اللہ قاسمی نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ اگر ایک انصاری صحابی کو ہٹا کر حضرت حمزہ وعلی کو میدان مقابلہ میں نکالنے کو نسبی شرف تصور کیا جائے گا تو پھر حضرت اسامہؓ کو قافلہ کا سپہ سالار بنادینا جس میں بڑے بڑے صحابہ شریک تھے کفاءت فی النسب کی نفی کو ثابت کر رہا ہے، بہت ممکن ہے ایسا اس لئے کیا گیا ہو تاکہ اہل مکہ سمجھ لیں کہ رشتہ داری کے باوجود حق کی خاطر کسی قسم کی مداہنت نہیں کی جائے گی، یا اس لئے تاکہ اہل مکہ کو شرم محسوس ہو کہ کل جن لوگوں کو تنگ کرکے انہوں نے مکہ سے نکالا تھا، آج وہی تلواریں لے کر ہم سے برسرپیکار ہیں۔

(ب) کیا نسب میں کفاءت صرف اہل عرب کے لئے معتبر ہے یا عرب وعجم سب کے لئے؟

اس سلسلے میں بیشتر مقالہ نگار حضرات نے جمہور ائمہ سے اتفاق کرتے ہوئے صرف اہل عرب کے لئے یا ان خاندانوں کے لئے جو قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ کی طرف منسوب ہوں اور ان کی نسبت صحیح اور ان کا نسب محفوظ ہو، نسبی کفاءت کا اعتبار کیا ہے، بیشتر مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ چونکہ بالعموم عجمیوں نے اپنے نسب کو محفوظ نہیں رکھا اس لئے ان میں نسبی کفاءت کا اعتبار نہ ہوگا، مگر جن خاندانوں نے اپنے انساب کی حفاظت کی ان میں کفاءت نسبی کا اعتبار ہوگا، اسی طرح عموماً اہل عجم نسب پر فخر نہیں کرتے، اس لئے ان میں اس کا اعتبار نہ ہوگا، لیکن اگر عرفی طور پر بعض عجمی خاندانوں میں اسے بناء تفاخر وتفاضل سمجھا جاتا ہو تو پھر ان میں بھی کفاءت نسبی کا اعتبار ہوگا، البتہ مولانا مصطفی قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی اور حکیم ظل الرحمٰن صاحب کے نزدیک کفاءت نسبی کا اعتبار سب کے لئے ہے۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا مسعود عالم فلاحی اور جناب شمس پیرزادہ کا خیال ہے کہ اگر نسب میں کفاءت کی بنیاد تفاخر ہے تو یہ غیر عرب میں بھی پائی جاسکتی ہے جبکہ اللہ کے رسول علیہ السلام نے تفاخر بالآباء کی شدید مذمت کی ہے، دوسری طرف ان حضرات کی رائے میں نسبی کفاءت کی بنیاد طبقاتی تقسیم اور نسلی برتری پر ہے جو قطعی طور پر ناجائز اور حرام ہے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی کی رائے ہے کہ اس رعایت کو شرط لزوم میں رکھنا مناسب ہے، اس کو شرط صحت اور وجوب کا درجہ دینا مناسب نہیں، بس ایک تاکیدی امر قرار دیا جائے اور اس پر اعتراض اور نظر ثانی کا حق رکھا جائے۔

مولانا محبوب علی وجیہی اور مولانا ارشاد احمد اعظمی کی رائے ہے کہ اب عجمیوں کی طرح عربوں کے انساب بھی محفوظ نہیں، لہذا (محبوب علی وجیہی صاحب کے نزدیک) اب عربوں میں بھی اس کا اعتبار نہ ہوگا، اسی بناء پر اب ولی کو بھی حق اعتراض وفسخ نہ ملنا چاہئے۔

(ج) نسبی کفاءت کے شرعی ضابطے اور ضروری تفصیلات:

نسبی کفاءت کے قائلین حضرات کے نزدیک کفاءت نسبی کے شرعی ضابطے اور ضروری تفصیلات درج ذیل ہیں:

۱- کفاءت نسبی معتبر ہے اور اس کی بنیاد عرف پر ہے۔

۲- مخصوص حالات میں اہم مصالح کے پیش نظر اس کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

۳- اگر مرد اضافی خوبیوں کا حامل ہو تو نسبی کمتری کے باوجود مرد اپنے سے اعلیٰ نسب کی عورت کا کفو ہوسکتا ہے۔

۴- کفاءت کا حق اولیاء یا عورت کی رضامندی سے ساقط ہوسکتا ہے۔

۵- کفاءت کے فقدان سے ظاہر الروایہ کے مطابق صحت نکاح پر نہیں بلکہ اس کے لزوم و بقاء پر اثر پڑتا ہے، البتہ متاخرین احناف کے مفتیٰ بہ قول کے مطابق اس سے صحت نکاح بھی متاثر ہوتی ہے۔

۶- کفاءت نسبی میں عرب وعجم کا فرق اعتباری ہے، یعنی چونکہ عجم نے اپنے انساب کا تحفظ نہیں کیا اس لئے ان کے ہاں اس کا اعتبار نہیں ہوگا، اگر ان میں بھی عرفاً نسبی تفاوت کا لحاظ ہوتا ہو تو پھر ان میں بھی اس کا اعتبار ہوگا۔

۷- برصغیر میں، سید، شیخ، صدیقی، فاروقی، عثمانی اور علوی کی نسبتیں اگر درست ہیں تو یہ عجمی نہیں بلکہ عربی خاندان ہیں اور ان میں کفاءت نسبی کا اعتبار ہوگا۔

۸- کفو میں رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے لڑکی کی زندگی برباد کرنا ہرگز جائز نہیں، بلکہ ایسی صورت میں مصلحت یہ ہے کہ نسبی کفاءت کو نظر انداز کرکے غیر کفو میں شادی کردی جائے تاکہ مفاسد نہ پیدا ہوں۔

۹- نسب میں اعتبار باپ کا ہے، ماں کا نہیں۔

۱۰- حکیم ظل الرحمٰن صاحب کی رائے میں نسبی شرافت اسی وقت قابل شمار ہوگی جب تک

شرافت کے اوصاف باقی رہیں۔

۱۱- ان تمام تفصیلات کے باوجود اصل اہمیت تقویٰ اور تدین ہی کو دی جانی چاہئے۔ البتہ جو مقالہ نگار حضرات اس کے قائل ہی نہیں تو ان کے نزدیک معیار کفاءت صرف دینداری ہے۔

۴- موجودہ حالات میں کفاءت میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار کیا جائے گا یا نہیں؟

اس سلسلے میں تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے ائمہ فقہ کے مسالک یہ بیان کئے ہیں:

اسلام یعنی خاندانی مسلمان ہونا امام ابوحنیفہ کے نزدیک کفاءت میں معتبر ہے، عام فقہاء کے نزدیک نومسلم قدیم مسلمانوں کے کفو ہیں خواہ عرب ہوں یا عجم (المغنی ۶/۱۸۶)۔

عربوں کے بارے میں احناف اور دوسرے ائمہ کے درمیان اتفاق ہے، لیکن عجمیوں کے سلسلہ میں احناف کی رائے یہ ہے کہ ایک نومسلم ایک پیدائشی مسلمان عورت کا کفو نہیں ہوسکتا، اسی طرح جس نے خود اسلام قبول کیا ہو اور اس کے والدین کافر ہوں وہ بھی امام ابوحنیفہ اور امام محمد کے نزدیک ایسے شخص کا کفو نہیں ہوسکتا جس کے خاندان میں دو پشتوں سے اسلام ہو، البتہ جس شخص کے خاندان میں دو پشتوں سے اسلام ہو یعنی باپ اور دادا دونوں مسلمان ہو وہ تمام مسلمانوں کا کفو ہے، چاہے وہ کئی پشتوں سے مسلمان ہوں، لیکن امام ابو یوسف کے نزدیک جس کے والدین مسلمان ہوں یعنی ایک پشت سے اس کے خاندان میں اسلام ہو تو وہ تمام مسلمانوں کا کفو ہے (البحر الرائق ۳/۱۳۱)، اس مسئلہ میں عرب وعجم کے درمیان فرق کی وجہ احناف نے یہ بیان کی ہے کہ عرب اسلام پر فخر نہیں کرتے بلکہ نسب پر فخر کرتے ہیں (رد المحتار ۲/۳۱۹)۔

اس کے اعتبار میں فقہاء نے عرف اور سماج کے حالات کو پیش نظر رکھا ہے، چنانچہ ایسی آبادی جہاں قریبی زمانہ میں اسلام پھیلا ہو اور وہاں جدت اسلام کو عیب نہ سمجھا جاتا ہو تو وہاں کے لئے یہ حکم نہ ہوگا (بدائع الصنائع ۲/۳۱۹)۔

مقالہ نگار حضرات کی آراء:

مندرجہ ذیل حضرات نے احناف کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے کفاءت میں قدامت اسلام کا اعتبار کیا ہے، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا محمد احسان صاحب، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری اور مولانا عبد اللطیف پالنپوری۔

جبکہ مولانا ابصار عالم ندوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا مسعود عالم فلاحی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا محبوب علی وجیہی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا روح الامین، مولانا عبد الحنان، جناب شمس پیر زادہ، مولانا اسعد اللہ قاسمی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، فیاض عالم قاسمی، مبارک حسین ندوی، مولانا ابو سفیان مفتاحی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا محمد اسعد فلاحی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا اسرار الحق سبیلی، پروفیسر عبد الرحمٰن مومن اور حکیم ظل الرحمٰن صاحب کے نزدیک تبلیغ اسلام کی راہ میں رکاوٹ کی وجہ سے اس شق کا اعتبار نہ ہوگا۔

مولانا ابو الحسن علی کی رائے ہے کہ من وجہ اس کا اعتبار کیا جائے اور من وجہ اس کو لازم بھی نہ سمجھا جائے، اور مولانا عبد القیوم قاسمی کی رائے ہے کہ ایسے موقع پر قدیم مسلمانوں کو مصالح دینی سے واقف کرایا جائے اور ان کو نو مسلم سے نکاح پر آمادہ کیا جائے، مولانا اختر امام عادل کی رائے ہے کہ قدیم وجدید کا مدار عرف پر ہے مگر نو مسلموں کے دیگر مسائل کا لحاظ بھی ضروری ہے اور ایسے موقع پر ایثار کی ضرورت ہے۔

اعتبار کے قائلین نے قدامت اور جدت اسلام میں کفاءت کو خدمت دین اور اشاعت اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننے کی بات کو بے بنیاد ٹھہراتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں کفاءت ہی کی کیا تخصیص ہے؟ جہاد و استرقاق، تعدد نکاح، اور ذبح حیوانات جیسے بیشتر قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ نصوص سے ثابت مسائل بھی بعض کفار کے لئے مانع عن الاسلام ہیں، تو

کیا ان سب سے ابطال کا التزام کیا جائے گا؟ دوسری بات یہ ہے کہ اس مسئلہ میں مشہور ہونے کے باوجود ہر دور میں ہزاروں کفار اسلام قبول کرتے رہے ہیں اور جن کو بعد میں معلوم ہوا وہ سب کے سب مرتد بھی نہیں ہوئے (امداد الفتاویٰ ۲/ ۳۵۴)۔

عدم اعتبار کے قائلین کی دلیل یہ ہے کہ صحت نکاح کے لئے صرف ایمان کی شرط ہے: ''ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن'' (سورہ بقرہ/۲۲۱) قدامت اور جدت اسلام کی نہیں، ان حضرات نے یہ دلیل بھی دی ہے کہ اکثر صحابہ نومسلم تھے جو اس امت کے افضل ترین لوگ تھے تو کیا یہ کہنا درست ہوگا کہ وہ تابعین کے کفو نہیں تھے؟ (المغنی ۶/ ۱۸۶) مولانا اختر امام عادل نے بدائع الصنائع کے حوالہ سے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ جہاں اشاعت اسلام کی مدت بالکل نئی نئی ہو وہاں قبل سے قائم شدہ معیار پر ہی دارومدار ہوگا، اس لئے کہ وہاں سب نومسلم ہیں، عربوں میں چونکہ نسب باعث افتخار تھا، اس لے وہاں جدید وقدیم کا معیار قائم نہیں ہوسکتا تھا (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۹)۔

مولانا مصطفی قاسمی اور جناب شمس پیرزادہ کی رائے ہے کہ نومسلم سے نکاح کے سلسلہ میں دیکھنے کی چیز یہ ہے کہ وہ اپنے اسلام میں پختہ ہے یا نہیں تا کہ آئندہ عورت کے لئے کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو، حکیم ظل الرحمن صاحب کی رائے ہے کہ مؤلفۃ القلوب کے اصول کے تحت نومسلموں کو زیادہ عزت دی جانی چاہئے، مولانا محبوب علی وجیہی کا خیال ہے کہ آج مسلمان نومسلم کو اپنے سے بہتر تصور کرتا ہے، ایک تو اس لئے کہ اسلام قبول کرنے سے اس کے تمام گناہ معاف ہوگئے، دوسرے اس وجہ سے کہ اس نے تمام موانع کی پروانہ کرتے ہوئے اسلام قبول کیا ہے اور اپنے کو ایک صبر آزما مصیبت میں ڈال دیا ہے، لہذا کفاءت میں اس کا اعتبار نہیں کیا جانا چاہئے۔

عدم اعتبار کے قائلین میں سے تقریباً تمام ہی حضرات نے نومسلمہ سے نکاح کو دوہرے اجر کا موجب قرار دیا ہے اور موجودہ دور میں قدامت اسلام اور جدت اسلام کی اشاعت اسلام کے لئے رکاوٹ بننے کی متعدد مثالیں حوالوں کے ساتھ ذکر کی ہیں، بعض مثالوں سے معلوم ہوتا ہے کہ

کتنے ہی خاندان اس کی وجہ سے یا تو اسلام قبول نہیں کر سکے یا قبول اسلام کے بعد مرتد ہو گئے (مسئلہ کفاءت اور اسلام، مسلم معاشرے میں برادری واد، ہندوستانی معاشرے میں مسلمانوں کے مسائل)۔

۵- دورحاضر میں کفاءت میں کن چیزوں کا لحاظ کیا جائے گا؟

بیشتر مقالہ نگار حضرات کے نزدیک دورحاضر میں وہ تمام اوصاف امور کفاءت قرار پائیں گے جو عرفاً شرم و عار اور عیب کی بنیاد بنتے ہیں، یعنی نسب و خاندان، دیانت وعفت، مال و دولت، صنعت وحرفت، علم وعقل، حسن وجمال، تفاوت عمر، عیوب سے سلامتی، خاندانی روایات میں یکسانیت۔

البتہ مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا مسعود عالم فلاحی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا محمد امین، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مبارک حسین ندوی اور ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی کے نزدیک دین واخلاق ہی کا اعتبار ہوگا۔

حکیم ظل الرحمٰن صاحب کے نزدیک دیندار اور بدعتی اسی طرح شیعہ اور سنی ایک دوسرے کے کفو نہیں ہیں، سماجی اعتبار سے برے پیشہ میں ملوث مثلاً شراب کا کاروبار کرنے والے، بھنگی، منشیات کی اسمگلنگ، چوری وغیرہ کرنے والے لوگ، مفتی محبوب علی وجیہی اور حکیم ظل الرحمٰن صاحب کے خیال میں اپنے سے اعلیٰ پیشے والے کے کفو نہ ہوں گے، نسب کے سلسلہ میں حکیم ظل الرحمٰن صاحب نے یہ تفصیل بیان کی ہے کہ جو اولاد نکاح سے پہلے پیدا ہوئی ہو اور جو بعد میں پیدا ہوئی ہو ان کے درمیان فرق کیا جائے، خواہ دونوں کے ماں باپ ایک ہوں، طوائف کی اولاد کو خواہ نکاح کے بعد پیدا ہوئی ہو کمتر درجہ ملے گا، اسی طرح ان کے نزدیک مسلمان عورت اور غیر مسلم باپ کی اولاد بھی نجیب الطرفین شمار نہ ہوگی، البتہ اگر اولاد اسلامی کردار کی حامل ہو تو سیرت وکردار تمام باتوں پر حاوی ہوگی۔

اس پر تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات کا اتفاق ہے کہ مالدار گھرانہ کی لڑکی کی شادی حتی

الامکان مفلس، بے سہارا، نکما اور بے صلاحیت سے نہیں کرنی چاہئے، مولانا ارشاد احمد اعظمی اور حکیم ظل الرحمٰن صاحب کے نزدیک خطرناک امراض جیسے ایڈز، کینسر وغیرہ سے سلامتی بھی نظر میں رکھی جانی چاہئے، صرف دیانت ہی کو معیار قرار دیتے ہوئے مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا خورشید احمد اعظمی اور مولانا مسعود عالم فلاحی نے لکھا ہے کہ اگر تمام اوصاف پورے ہوجائیں تو بہتر ہے، اسی طرح ان حضرات کے نزدیک دیانت کے معیار قرار پانے کا مطلب یہ نہیں کہ ہر شخص کے لئے دوسرے خاندان میں شادی کرنا ضروری ہے، بلکہ سماجی معیار اور طرز زندگی کا لحاظ (ان حضرات کے نزدیک بھی) کیا جانا چاہئے، مولانا مسعود عالم فلاحی کے نزدیک خاندان اور برادری کی مماثلت کے باوجود بھی کبھی لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے کفو نہیں ہوپاتے ہیں، اور ایسا اس وقت ہوتا ہے جب دونوں خاندان علم، تہذیب اور طرز زندگی کے اعتبار سے کافی مختلف ہوتے ہیں اور کبھی کبھی دو مختلف برادری کے لڑکا اور لڑکی علم، تہذیب اور رہن سہن کے معیار کی وجہ سے ایک دوسرے کے کفو ہوجاتے ہیں، انہوں نے دلیل میں نیل الاوطار کے حوالے سے وہ حدیث نقل کی ہے جس میں آیا ہے کہ ایک خاتون آپ ﷺ کے پاس آئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کردیا ہے تا کہ میرے سبب سے اس کی کم رتبگی دور ہوجائے اور اسے بلندی حاصل ہو، آپ ﷺ نے خاتون کو اختیار دے دیا تو اس نے کہا کہ میرے والد نے جو کچھ کیا ہے میں اس کو قبول کرتی ہوں، میرے احتجاج کا مقصد صرف اتنا تھا کہ میں عورتوں کو بتادوں کہ آباء کو لڑکیوں کا زبردستی نکاح کرانے کا کوئی حق نہیں ہے (نیل الاوطار ۶/ ۱۳۷)۔

مولانا محبوب علی وجیہی کے نزدیک حالات کے اعتبار سے دیانت کو وجہ نزاع نہ بنایا جائے، ان کے نزدیک صالحہ کا نکاح فاسق غیر معلن یا اس سے جو شرعاً فاسق تو ہو مگر عرفاً وعادۃً معزز سمجھا جاتا ہو، درست ہونا چاہئے، اسی طرح ان کے نزدیک لڑکی کا صالح ہونا بھی کفاءت میں داخل ہونا چاہئے، مولانا اسعد اللہ قاسمی کے نزدیک اگر لڑکی فاسق ہے اور دیندار لڑکے سے

نکاح کرنے پر راضی ہے تو چونکہ شوہر کو حاکمیت حاصل ہوتی ہے، اس لئے اس امید پر کردیں گے کہ ممکن ہے لڑکی صالح ہوجائے، مگر اس کے برعکس میں کرنا درست نہیں، **مولانا** اخلاق الرحمٰن قاسمی کے نزدیک دین واسلام کے ساتھ ایسے مقام کی تعیین بھی ہونی چاہئے جہاں زوجین کے مزاج میں ہم آہنگی اور رشتۂ ازدواج مستحکم ہوسکے، **مولانا** ارشاد احمد اعظمی کے نزدیک دونوں خاندان ایسے دوممالک سے نہ ہوں جن کے مابین آزادانہ آمدورفت اور شہریت کے حصول میں مشکلات پیدا ہوتی ہوں، **مولانا** راشد حسین ندوی کے نزدیک موجودہ حالات میں (ان کے اپنے علاقہ کی حد تک) پیشہ میں تو کفاءت کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے، مگر پیشہ سے جو برادریاں بن گئی ہیں ان میں کفاءت کا اعتبار ہونا چاہئے جبکہ جناب شمس پیرزادہ کے نزدیک کفاءت صرف ایک مصلحت کی بات ہے نہ کہ شرعی مسئلہ۔

۶ - کفاءت کا اعتبار مرد وعورت دونوں کے بارے میں کیا جائے گا یا صرف عورت کے بارے میں؟

اس سلسلہ میں تمام مقالہ نگار حضرات نے فقہاء کا مسلک یہ لکھا ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک کفاءت کا اعتبار صرف عورت کی طرف سے ہوتا ہے، مرد کی طرف سے نہیں، یعنی مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے نہ کہ عورت کو مرد کا، لیکن صاحبین کے نزدیک مرد وعورت دونوں میں کفاءت کا اعتبار ہوگا، مفتیٰ بہ قول جمہور ہی کا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۰، الدر المختار ۲/ ۳۱۷) **مولانا** مسعود عالم فلاحی اور **مولانا** عبد اللطیف پالنپوری نے بعض فقہاء کی یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ اگر نابالغ لڑکے کا نکاح باپ نے کسی ایسی عورت سے کردیا جو اس کے برابر نہیں ہے تو یہاں کفاءت کا اعتبار عورت کی جانب سے بھی ہوگا اور بلوغ کے بعد مرد کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو نکاح فسخ کرادے یا چاہے تو باقی رکھے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۰)۔

تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے صرف عورت کی طرف سے کفاءت کے اعتبار کی دلیل کے طور پر اس حدیث کو نقل کیا ہے کہ منزلت ورتبہ میں کوئی آپ ﷺ کے برابر نہیں

ہوسکتا، حالانکہ آپ ﷺ نے عرب کے متعدد قبیلوں میں شادیاں کی اور صفیہ بنت حیی سے آپ ﷺ نے نکاح کیا جو یہودیہ تھیں اور اسلام قبول کرچکی تھیں (فقہ السنہ ۲/ ۱۴۰)۔

اسی طرح فقہاء کی یہ دلیل بھی تقریباً تمام مقالہ نگاروں نے نقل کی ہے کہ عورت مرد کے ہم پلہ نہ ہو تو بھی بیوی ہونے کی وجہ سے وہ مرد کے برابر سمجھی جائے گی اور مرد کو کوئی عار بھی نہ ہوگا، اس کے برعکس صورت میں عورت اپنے سے کمتر مرد کی فراش بننے سے عار محسوس کرے گی اور لوگ بھی اس کو عار دلائیں گے (البحر الرائق ۳/ ۱۲۷)۔

مندرجہ ذیل مقالہ نگار حضرات نے جمہور فقہاء کی رائے کی تائید کی ہے:

مولانا اختر امام عادل، مولانا عبد الرحمن پالنپوری، مولانا عبد القیوم قاسمی، مولانا عبد الحنان، مولانا مصطفی قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا ارشاد احمد قاسمی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا محمد امین، مولانا ابصار عالم، مولانا عبد الرشید قاسمی اور مفتی جمیل احمد نذیری۔

البتہ مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا محمد امین، مولانا ابو الحسن علی، مولانا سراج الدین قاسمی اور مولانا جمال الدین قاسمی نے دو مسئلوں کو کتب فقہ کے حوالہ سے جمہور فقہاء کے اصولوں سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، وہ دو مسئلے یہ ہیں:

۱- اگر کسی صغیر یا مجنون کا نکاح باپ، دادا اور بیٹے کے علاوہ کسی نے کرایا یا ان تینوں میں سے کسی ایک نے کرایا جو کہ سوء اختیار میں مشہور ہو تو ایسی صورت میں نکاح درست ہونے کے لئے کفاءت شرط ہے، اگر عورت اس صورت میں مرد کی کفو نہ ہو تو نکاح درست نہ ہوگا۔

۲- اگر کسی شخص نے دوسرے کو بلا کسی قید و پابندی کے نکاح کرانے کا وکیل بنادیا تو

صاحبین (اور بقول مولانا عبد الرشید قاسمی) امام مالک کے نزدیک وکیل کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ کفو میں نکاح کرائے، ان دونوں صورتوں میں عورت کی جانب میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا۔

مندرجہ ذیل حضرات کے نزدیک مرد وعورت دونوں کے بارے میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا:

مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، اور حکیم ظل الرحمن صاحب۔

مولانا مسعود عالم فلاحی کی رائے ہے کہ عورت اگر مال، پیشہ، نسب وغیرہ میں مرد کے برابر نہ ہو (اور ان کے نزدیک ان چیزوں میں کفاءت ضروری بھی نہیں) تو معاملہ درست ہوسکتا ہے، لیکن خدانخواستہ عورت اگر زانیہ نکل گئی تو مرد کبھی برداشت نہیں کرے گا، کتب احادیث میں لعان کے باب میں مذکور متعدد واقعات سے انہوں نے استدلال کیا ہے، اسی طرح سورۂ نور کی آیت/ ۳، اور آیت/ ۲۶ سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب کفاءت فی الدین ہی مطلوب ہے تو کفاءت دونوں طرف سے ہونی چاہئے، یعنی جس طرح مرد پارسا اور باعفت ہو اسی طرح عورت بھی پرہیزگار اور عفیفہ ہونی چاہئے، مولانا خورشید احمد اعظمی مرد وعورت دونوں کے بارے میں کفاءت کے اعتبار کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب اعتبار کفاءت کی علت "لأن بها تنتظم المصالح" ہی ہے تو پھر دونوں کو مماثل ہونا چاہئے، اس لئے کہ مرد کی طرف سے عدم اعتبار کی صورت میں مرد کو یہ احساس ہوگا کہ کہیں کوئی اس کی اولاد کو ابن فلانۃ کا طعنہ نہ دیدے اور عورت اس گھٹن میں گھلتی رہے گی کہ وہ اپنے شوہر کی نگاہ میں ایک گھٹیا اور ذلیل عورت ہے، مولانا ارشاد احمد اعظمی کا استدلال یہ ہے کہ بیوی خاوند کے لئے فرش نہیں بلکہ زوجین ایک دوسرے کے لئے لباس ہیں، "هن لباس لكم و أنتم لباس لهن" (سورہ بقرہ/ ۱۸۷) اور انسان (مرد ہو یا عورت) چاہے گا کہ اس کا لباس اس کی حیثیت کا ہو، ان کا کہنا ہے کہ فقہ حنفی میں مرد کے لئے

کفاءت کے اعتبار کی متعدد مثالیں ملتی ہیں (التاتارخانیہ ۳؍۶۸، ردالمحتار ۳؍۶۷-۶۸-۸۴، بدائع الصنائع ۲؍۳۱۹)۔

البتہ انہوں نے ایک فرق کیا ہے اور وہ یہ کہ لڑکوں کے نکاح میں کفاءت صرف لڑکے کا حق ہے، اگر وہ اس کو ساقط کردیتا ہے تو کسی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا، لیکن لڑکیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، یہاں کفاءت کا حق لڑکی اور ولی دونوں کو حاصل ہے، ان میں سے کوئی بھی اگر مطمئن نہیں تو اس کو قاضی کے یہاں فسخ کراسکتا ہے، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی مرد و عورت دونوں کی طرف سے کفاءت کے اعتبار کو انصاف کا تقاضا بتاتے ہیں، جبکہ جناب شمس پیرزادہ کی رائے یہ ہے کہ کفاءت کا اعتبار جس طرح مرد کے لئے شرعاً ضروری نہیں اسی طرح عورت کے لئے بھی شرعاً ضروری نہیں۔

۷: الف- بیشتر مقالہ نگار حضرات نے مندرجہ ذیل دو مثالوں سے یہ ثابت کیا ہے کہ کفاءت ولی کا بھی حق ہے اور عورت کا بھی، پہلی مثال یہ ہے کہ اگر باپ دادا کے سوا کوئی ولی چھوٹے بچے کا نکاح غیر کفو میں کردے اور ولی فاسق بھی نہ ہو تو بھی نکاح صحیح نہیں ہوتا، پس معلوم ہوا کہ کفاءت عورت کا بھی حق ہے (ردالمحتار ۴؍۲۰۷)۔

دوسری مثال یہ ہے کہ مہر مثل کے اتمام میں امام اعظم کے نزدیک عورت اور اولیاء دونوں کو حق کفاءت حاصل ہے اور صاحبین کے نزدیک صرف عورت کو یہ حق حاصل ہوگا، دوسرے کو نہیں (حوالہ سابق)۔

ان دونوں مثالوں کو بیشتر مقالہ نگار حضرات نے تنویر الابصار (۲؍۳۱۷) کی عبارت: ''وهی حق الولی لا حقها'' پر اعتراض کرتے ہوئے نقل کیا ہے، اور فقہ حنفی کا مفتیٰ بہ قول یہ بتایا ہے کہ کفاءت عورت اور ولی دونوں کا حق ہے، اور اسے جمہور کا مسلک بھی بتایا ہے۔

مولانا روح الامین، مولانا ضیاء الحق، مولانا عبد الحنان، مولانا ابراہیم گجیا فلاحی کے نزدیک یہ صرف ولی کا حق ہے، اور ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی کے نزدیک بلوغ کے بعد یہ دونوں

کا حق ہے، جبکہ **مولانا محمد** احسان صاحب کے نزدیک بالغہ کے نکاح کی صورت میں یہ صرف ولی کا حق ہے، **مولانا** مبارک حسین ندوی کے نزدیک یہ ولی کا حق ہے بشرطیکہ عصبہ ہو اگر چہ وہ غیر محرم ہو، اور ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی کے نزدیک یہ زیادہ تر عورت کا حق ہے، مگر ولی کو اس سے **بالکل لاتعلق** نہیں کہہ سکتے، لیکن جناب شمس پیرزادہ کی رائے ہے کہ کفاءت کے ولی کا حق ہونے پر کوئی شرعی **دلیل** نہیں ہے، **مولانا** اسعد اللہ فلاحی کا اعتراض یہ ہے کہ جب عاقلہ بالغہ آزاد لڑکی پر **بالاتفاق** عند **الاحناف ولایت** اجبار نہیں ہے تو پھر حق کفاءت ولی کو کیسے حاصل ہوگا؟ ان کا کہنا ہے کہ اگر اس کی علت "**دفعا لضرر العار عن أنفسهم**" (ہدایہ ۳/۱۸۷) ہے، تو یہ علت اس صورت میں بھی ہوگی جب لڑکی کسی ہم کفولڑکے کے ساتھ گھر سے بھاگ جائے یا تنہا بھاگ کر اور کہیں جا کر ہم کفو سے نکاح کر لے، **حالانکہ** اس صورت میں کوئی بھی یہ نہیں کہتا کہ ولی کو اختیار رہوگا تو پھر غیر کفو کے نکاح کو کیوں عار سمجھ کر ولی کو اختیار رہوتا ہے؟ اس لئے ان کے نزدیک یہ صرف لڑکی کا حق ہے، حکیم ظل الرحمن صاحب کے نزدیک نابالغ اولاد کے سلسلہ میں کفاءت ولی کا حق بھی ہے اور فرض بھی۔

ب، ج- عاقلہ بالغہ خاتون نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کر لیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد اور لازم ہوگا یا نہیں؟ اور اگر منعقد ہوگیا تو کیا ولی اس کو فسخ کرا سکتا ہے؟

۱- ظاہر الروایہ کے مطابق اگر عاقلہ بالغہ لڑکی ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ اولیاء کو اعتراض کرنے اور نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا، امام مالک اور امام شافعی کا یہی مسلک ہے اور امام احمد کی ایک روایت یہی ہے، اور ابن قدامہ نے اسی کو صحیح کہا ہے۔

۲- امام صاحب سے حسن بن زیاد کی ایک روایت یہ ہے کہ نکاح اصلاً منعقد ہی نہ ہوگا، متاخرین احناف نے اسی کو مفتی بہ قول قرار دیا ہے۔

مندرجہ ذیل حضرات نے ظاہر الروایہ کو ترجیح دی ہے:

مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا محمد احسان، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا مسعود عالم فلاحی، مولانا شاہد قاسمی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، حکیم ظل الرحمٰن، مولانا روح الامین، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا ارشاد احمد اعظمی اور مولانا نورالحق رحمانی۔

ان حضرات کے نزدیک اگر عاقلہ بالغہ خاتون ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لے تو ولی عصبہ کو عدم کفاءت کی بناء پر بقضاء قاضی فسخ نکاح کا حق حاصل ہے۔

جناب شمس پیرزادہ، ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی اور مولانا اسعد اللہ قاسمی کے نزدیک نکاح منعقد بھی ہوگا اور لازم بھی، ولی کو اعتراض اور فسخ نکاح کا حق حاصل نہیں ہے، مولانا اختر امام عادل، مولانا فیاض عالم قاسمی اور مولانا عطاء اللہ قاسمی کے نزدیک آج جس کثرت سے آزادانہ شادیاں ہورہی ہیں اور لڑکیوں کی جانب سے کی جانے والی ان شادیوں پر اولیاء بادل ناخواستہ خاموشی اختیار کر لیتے ہیں، اور بعد میں بیٹی اور داماد کے ساتھ ان کا سلوک یہ سب رضا کے پہلو کو تقویت پہنچاتے ہیں، اس لئے ایسی شادیوں کو جائز مان لینے میں کوئی حرج نہیں، مولانا فیاض عالم قاسمی کا خیال ہے کہ اگر متاخرین کے قول پر عمل کیا جائے گا تو بڑی دقتیں پیش آئیں گی، بہت سے نکاحوں کو غیر نافذ قرار دینا پڑے گا، اس لئے ایسے نکاحوں کو لازم و نافذ قرار دینا چاہئے، مولانا ابوالحسن علی کی رائے ہے کہ ایسے نکاح کو ولی کی اجازت پر موقوف رکھا جائے، اگر ولی نے اعتراض نہ کیا تو باقی رہے گا ورنہ قاضی زوجین کے درمیان تفریق کردے گا، موجودہ حالات میں ان کے نزدیک نفس نکاح منعقد ہوجائے گا تاکہ لڑکا اور لڑکی کا عمل زنا کاری نہ شمار کیا جائے، لیکن دوسری طرف اندیشہ ہے کہ اگر لڑکیوں کو معلوم ہوجائے کہ نکاح منعقد ہوجاتا ہے تو اس مسئلہ میں اور بھی جری ہوجائیں گی اور اولیاء کے لئے شرمندگی کا باعث ہوں گی، اس لئے ان کے خیال میں تمام پہلوؤں پر غور کرنے کے بعد کوئی فیصلہ کیا جانا چاہئے، ان کی رائے ہے کہ اسلامی ممالک کے احوال شخصیہ اور اس پر عمل کے نتائج وغیرہ سے بھی مدد مل سکتی ہے، مولانا ظفر عالم ندوی کے

نزدیک جہاں عدالت شرعی قائم ہو وہاں ظاہر الروایہ ہی پر عمل کرنا بہتر ہے اور جن جگہوں میں قضاء شرعی کا نظام نہیں ہے وہاں معاملہ دار الافتاء کے تابع رہے اور مفتی وقت واقعہ پر غور کرکے فتویٰ دے، اور اگر واقعی اولیاء کے لئے ایسا نکاح باعث عار ہو تو قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے۔

مندرجہ ذیل حضرات نے حضرت حسن بن زیاد ہی کی روایت کو اختیار کیا ہے:

مولانا ابراہیم گجیا فلاحی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا عبد القیوم قاسمی، مولانا عبدالرحمن پالنپوری، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا عبد المنان، مولانا عبد الرشید قاسمی اور مفتی جمیل احمد نذیری۔

ان حضرات کے نزدیک چونکہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوا اس لئے تحکیم قاضی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔

مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا مسعود عالم فلاحی کی رائے ہے کہ اگر کوئی خاتون ولی کی اجازت کے بغیر شادی کرلے تو وہ شادی منعقد ہوجائے گی، اس کی دلیل ان کے نزدیک یہ حدیث ہے:

”أيما امرأة نكحت بغير إذن وليها فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فنكاحها باطل، فإن دخل بها فلها المهر بما استحل من فرجها، فإن اشتجروا فالسلطان ولي من لا ولي له“ (نیل الاوطار ۱۲۷/۶)۔

ان کا استدلال یہ ہے کہ اگر نکاح شرعی لحاظ سے منعقد نہ ہوتا تو دخول کی صورت میں مرد کو عورت کا مہر ادا کرنے کا حکم نہ دیا جاتا، بلکہ مرد وعورت کو حد لگائی جاتی، ان کے نزدیک ولی کو فسخ نکاح کا حق اسی وقت ہوگا جبکہ مرد دینداری میں عورت کا کفو نہ ہو، اور اگر دینداری میں مرد عورت کا کفو ہے اور نسب، پیشہ وغیرہ میں کفو نہیں ہے تو ولی کو اس بات پر مجبور کیا جائے گا کہ اس نکاح پر راضی ہو، اس لئے کہ عورت نے ایک غلط رسم کے خلاف قدم اٹھایا ہے، تقریباً یہی رائے

مولانا خورشید احمد اعظمی کی بھی ہے۔

۸- کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے اگر رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالت کے بارے میں خلاف واقعہ باتیں بیان کر کے لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کیا اور نکاح کرالیا، لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوگئی تو اس نکاح کا کیا حکم ہے؟ کیا لڑکی اور اس کے اولیاء کو یہ نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہے؟

اس سلسلے میں بیشتر مقالہ نگار حضرات نے مختصراً یہ رائے ظاہر کی ہے کہ لڑکی اور اس کے اولیاء دونوں کو ایسی صورت میں نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا، البتہ جناب شمس پیرزادہ کے نزدیک صرف لڑکی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

مولانا راشد حسین ندوی، مولانا حبیب اللہ قاسمی، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا محمد احسان، مولانا عطاء اللہ قاسمی اور مولانا ارشاد احمد اعظمی نے اس مسئلہ کے متعدد پہلوؤں پر بھی روشنی ڈالی ہے اور ہر ایک کا حکم بھی بیان کیا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

اگر اولیاء نے ناواقفیت کی بنا پر یا یہ سمجھ کر کہ فلاں لڑکا ہم کفو ہے، اپنی لڑکی کا نکاح اس لڑکے سے کردیا تو یہ نکاح لازم ہوجائے گا، اگر چہ وہ لڑکا حقیقتاً ہم کفو نہ ہو، کسی کو حق فسخ نہ ہوگا (خانیہ علی ہامش الہندیہ ۱؍۳۵۳)، اور اگر لڑکے یا اس کے گھر والوں نے غلط بیانی کی اور بعد میں غلط بیانی واضح ہوگئی تو اس صورت میں اگر وہ لڑکی کا ہم کفو ہے تو فسخ نکاح کا حق صرف لڑکی کو ملے گا (فتح القدیر ۳؍۱۹۴) اور اگر غلط بیانی کے واضح ہوجانے کے بعد وہ لڑکی کا ہم کفو نہ رہا تو فسخ نکاح کا اختیار لڑکی اور اس کے اولیاء دونوں کو حاصل ہوگا (ہندیہ ۱؍۲۹۳) اور اگر اس لڑکی سے اعلیٰ ہو تو ایک روایت امام ابو یوسف سے یہ ہے کہ اس صورت میں اولیاء کو تو فسخ نکاح کا حق نہ ہوگا، البتہ لڑکی کو ہوگا، اس لئے کہ سماجی مغایرت کے ساتھ رفیقۂ حیات بن کر رہنا لڑکی کے لئے دشواریوں کا

باعث ہوسکتا ہے (شامی ۴/ ۳۱۷، البحر الرائق ۳/ ۱۴۸) لیکن صحیح یہ ہے کہ ایسی صورت میں نکاح لازم ہوگا اور لڑکی یا اس کے اولیاء میں سے کسی کو فسخ کا حق نہ ہوگا (قاضی خاں علی الہندیہ ۱/ ۳۵۳)۔

مولانا محمد امین صاحب نے دھوکہ دہی کی بنیاد پر کئے گئے نکاح میں لڑکی اور اس کے اولیاء کو خیار فسخ دیئے جانے کی دلیل میں درج ذیل اصول پیش کئے ہیں: **الضرر یزال** (الاشباہ والنظائر) **لا ضرر ولا ضرار، المظلوم له أن يدفع الظلم عن نفسه بما قدر عليه** (شرح السیر الکبیر)۔

حکیم ظل الرحمن صاحب کی رائے ہے کہ اگر ایسی صورت میں لڑکی رخصت ہوکر شوہر کے یہاں چلی گئی اور مباشرت ہوچکی ہے تو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق صرف لڑکی کو ہے ولی کو نہیں اور وہ بھی قاضی کے ذریعہ، اور یہاں بھی قاضی جملہ شرائط کی حد تکمیل کو ملحوظ رکھ کر فیصلہ کرے گا، مثلاً (۱) لڑکا مسلمان ہے، (۲) بد کردار نہیں ہے، (۳) اس میں بیوی کا مہر ادا کرنے کی استطاعت ہے، (۴) بیوی کی ضرورت کے بقدر اخراجات پوری کرنے کا اہل ہے، (۵) رہائش کے لئے اس کے پاس علیحدہ مکان ہے اور بیوی کو وہ شوہر ناپسند بھی نہیں ہے، تو ایسی صورت میں قاضی نکاح فسخ نہیں کرے گا، اولیاء کو بھی ان حالات میں فسخ نکاح کا کوئی اختیار نہیں ہے، فسخ نکاح کے کسی فیصلہ کے وقت یہ امر بھی ملحوظ رہنا چاہئے کہ ہندوستان میں کسی لڑکی کا نکاح ثانی بہت دشوار چیز ہے، اور بعض اوقات یہ مطالبہ صرف والدین کی انا کی وجہ سے ہوتا ہے، ان کے خیال میں اگر کسی حیثیت میں بھی زن وشو آپسی طور پر زندگی گذارنے پر راضی ہوں یا مستقبل میں ان کے حالات میں بہتری کی امید ہو تو فسخ نکاح سے گریز کرنا چاہئے اور یہ اطمینان بھی قاضی کو ذاتی طور پر ہی کرنا ہوگا۔

عرض مسئلہ

(سوال نمبر ۱، ۲)

مفتی جمیل احمد نذیری ☆

کفاءت فی الزواج اجتماعی اور دینی لحاظ سے ایک اہم مسئلہ ہے، ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور بامقصد بنانے میں اس کا کردار نہایت اہم ہے، اور اس کی ضرورت پر سب کا اتفاق ہے، اس لئے کہ کفاءت کے فقدان سے بہت سی خرابیاں لازم آسکتی ہیں، جو آگے چل کر خاندان کے شیرازہ کو منتشر بھی کرسکتی ہیں، اس مسئلہ پر جن حضرات نے اظہار خیال کیا ہے ان میں ہر ایک کے نزدیک کفاءت فی الدین ہی دراصل مطلوب ومقصود ہے، لیکن فقہاء کرام نے عرف، زمانے کے حالات اور اجتماعی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے دین وتقوی کے علاوہ متعدد امور میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، مثلاً نسب، آزادی، معاشی حالت، صحت، صنعت وحرفت وغیرہ۔

اس موضوع پر ۴۵ مقالہ نگار حضرات نے اپنے خیالات کا اظہار کتاب وسنت اور اقوال فقہائے امت کی روشنی میں فرمایا ہے، ہر مضمون نگار کی رائے مختصراً پیش کی جارہی ہے، تاکہ مجموعی طور پر علماء کرام کی رائیں سامنے آجائیں اور ان کی روشنی میں کسی ایک نقطۂ نظر پر اتفاق کی رائے ہموار ہوسکے اور اس پر عمل پیرا ہونے کی صورت میں کوئی ایسا اختلاف باقی نہ رہے جو امت کے لئے اجتماعی یا فکری انتشار کا باعث ہو۔

ذیل میں مقالہ نگار حضرات کے نام اور ان کی مختصر رائیں پیش کی جارہی ہیں:

☆ مہتمم جامعہ عربیہ احیاء العلوم مبارکپور۔

۱-مولانا عبید اللہ الأسعدی:

نکاح میں کفاءت کی رعایت کو ہر زمانہ میں ملحوظ رکھا گیا ہے، اس کی مصلحت یہ ہیکہ اس کے بغیر زوجین کے مابین ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوسکتی، اور نہ ہی رشتہ ازدواج کو استحکام حاصل ہوسکتا ہے، مقاصد نکاح کا حصول عادتا اس وقت ممکن ہے جبکہ نکاح دو ہم درجہ افراد کے درمیان ہو، کفاءت کا اعتبار دین وعقیدہ میں خاص طور پر کیا جائیگا، نکاح میں نسبی کفاءت کی رعایت نہ تو ایسی چیز ہے کہ اس کی خاطر نبی پاک ﷺ کے ارشاد ذیل سے صرف نظر کیا جائے ''جب تم کو کوئی ایسا شخص پیغام دے جس کے دین واخلاق کو تم پسند کرتے ہو تو اس سے رشتہ کردو، ورنہ زمین میں فتنہ وفساد پیدا ہوگا'' اور نہ ہی یہ کہ اس میں دین واسلام سے نسبت وتعلق کے علاوہ دوسری چیز کو نہ دیکھا جائے، ان کے نزدیک نسبی کفاءت کی رعایت نکاح کے لزوم کے لیے شرط ہے، نہ کہ یہ صحت کے لیے شرط ہے اور نہ ہی اس کو وجوب کا درجہ دینا مناسب ہے، ساتھ میں اولیاء کو اعتراض کا حق بھی دیا جائے۔

۲-مفتی نظام الدین صاحب اعظمی:

کفاءت کے ضمن میں ان کی رائے ہیکہ بعض فقہاء نے جو لکھا ہے کہ خاندان کے باہر نکاح صحیح نہ ہوگا ان کا یہ کہنا غلط اور غیر صحیح ہے۔ اس کی حکمت ومصلحت یہ ہیکہ ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور مستحکم بنایا جائے، استثنائی حالات میں اسکی خلاف ورزی کو گوارہ کیا جانا چاہیے۔

۳-مولانا نور الحق رحمانی:

کفاءت کے لغوی معنی مطلق برابری کے ہیں ''روح القدس لیس له کفاء'' زوجین کے مابین مخصوص چیزوں میں برابری ومساوات کا نام کفاءت ہے۔ کفاءت کے ثبوت میں انھوں نے قرآن کی متعدد آیتیں پیش کی ہیں: ''ولا تنکحوا المشرکات حتی یؤمن'' ''الزانی لا ینکح إلا زانیة'' ''الخبیثات للخبیثین والخبیثون للخبیثات'' حدیث

''لا تنکحوا النساء إلا من الأکفاء'' تخیروا لنطفکم و أنکحوا الأکفاء''

رشتہ ازدواج کی پائیداری، لڑکی اور اس کے خاندان کو عار سے بچانا ہی دراصل کفاءت کی اہم ترین مصلحت ہے، انھوں نے منکرین کفاءت کی بھی تردید کی ہے، ان کے نزدیک تقوی اور دیانت داری میں کفاءت ضروری ہے، بقیہ چیزوں میں اضافی پیشہ میں کفاءت کا اعتبار نہ کیا جائے تو اچھا ہے، البتہ انتہائی گھٹیا پیشہ ہو تو اعتبار کیا جاسکتا ہے۔

۱- کفاءت کی حقیقت اور شریعت میں مشروع قرار دینے کے مصالح۔

۲- امور کفاءت وائمہ کے مسالک یعنی کفاءت کا اعتبار کن کن چیزوں میں ہے۔

۴- مولانا ظفر عالم ندوی:

ان کے نزدیک کفاءت کا حکم مواقع کے اعتبار سے بدلتا رہتا ہے کبھی تو نکاح صحیح ہونے کے لئے کفاءت شرط ہوگی کبھی لازم ہونے اور کبھی نفاذ کے لیے۔ کفاءت کا تمام تر مدار عرف اور حالات پر ہے، تمام امور بالخصوص مالی اور نسبی کفاءت کا اعتبار نہ کیا جانا چاہئے، البتہ مالی اعتبار سے غیر معمولی فرق ہو تو اس میں کفاءت کا اعتبار کیا جانا چاہیے، پیشہ میں کفاءت کا اعتبار عرف پر ہے حالات کے بدلنے سے تبدیل ہوسکتا ہے۔

۵- مولانا اختر امام عادل:

نکاح میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، کفاءت کے مصالح رشتہ ازدواج کی پائیداری اور استحکام، گھریلو زندگی میں باہم تعاون کا جذبہ ننگ وعار اور اختلاف وانتشار سے خود کو اور خاندان کو محفوظ رکھنا۔

اسلام اور دیانت وتقویٰ میں کفاءت ضروری ہے، البتہ پیشہ میں کفاءت کا مدار حالات اور عرف پر ہے، اس لئے اس دور میں اس کا اعتبار ضروری نہیں ہے۔

۶ –مولانا ابوسفیان مفتاحی:

مخصوص چیزوں میں مساوات وبرابری کوکفاءت کہتے ہیں۔

مصالح کفاءت یہ ہے کہ زوجین کے درمیان یکسانیت رہے اور زندگی خوشگوار گذر سکے، کفاءت کا اعتبار چھ چیزوں میں کیا جائیگا: (۱) نسب (۲) حریت (۳) مال (۴) دینداری (۵) صنعت وحرفت (۶) پیشہ، لیکن اصل کفاءت دین داری اورتقوی ہے۔

۷ –پروفیسر عبدالرحمٰن مومن:

ان کے نزدیک بھی کفاءت کی مصلحت وہی ہے جو جمہور کے نزدیک ہے، کفاءت کا تعلق نصوص اورعرف دونوں سے ہے، چھ چیزوں میں کفاءت ضروری ہے۔

۸ –مفتی اسماعیل بھرکودروی:

کفاءت کی حقیقت میں یہ بھی جمہور سے متفق ہیں، چھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، کفاءت فی الحریہ کے مسئلہ پر اس دور میں بحث کرنا غیر ضروری ہے۔

۹ –مفتی جمیل احمد نذیری:

کفاءت کی تعریف معروف ہے، مصلحت زوجین کے مابین ذہنی ہم آہنگی اورحسن معاشرت کو وجود میں لانا، کفاءت کا اعتبار اسلام، دیانت وتقوی، نسب ومال، پیشہ اورحریت میں ہے، بعض کا ثبوت مثلاً دیانت وتقوی کا تعلق نصوص سے ہے اوربعض کا عرف وعادت سے موجودہ دور میں قدیم الاسلام اورجدید الاسلام میں کفاءت کا اعتبار غور طلب ہے۔

۱۰ –مولانا سید اسرارالحق سبیلی:

کفاءت نکاح کے لیے شرط نہیں ایک امر استحبابی ہے۔

زوجین کے مابین تعلقات استوار اور خوشگوار رہوں، رشتۂ نکاح میں پائیداری رہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ کفاءت کے باب میں جو احادیث صریح ہیں وہ ضعیف ہیں اور جو صحیح ہیں وہ صریح نہیں ہیں، اس لئے ضعیف حدیث سے زیادہ سے زیادہ استحباب ثابت ہوسکتا ہے، کفاءت کا لزوم ثابت کرنا مناسب نہیں۔

۱۱ - مولانا ارشاد احمد اعظمی:

نصوص میں دینداری اور تقوی کو چھوڑ کر کسی اور چیز میں کفاءت کی صراحت نہیں ملتی، اس لئے بقیہ چیزوں کا مدار فی الحقیقت عرف پر ہے، کفاءت فی النسب کا اعتبار کرنا اسلام کی روح کے خلاف ہے، اس لئے اس کا اعتبار صحیح نہیں ہے، نیز بعض خطرناک امراض مثلاً ایڈز وغیرہ میں بھی کفاءت کا خیال کیا جانا چاہئے۔

۱۲ - مولانا خورشید احمد اعظمی:

کفاءت کے لغوی معنی مطلق برابری کے ہیں۔ زوجین کے درمیان مخصوص چیزوں میں برابری اور مساوات کا نام کفاءت ہے۔ کفاءت کو مشروع قرار دینے کے مصالح میں اہم ترین مصلحت یہ ہے کہ دونوں کے درمیان موافقت و یگانگت ہوتا کہ انتظامی امور میں انتشار نہ ہو۔ ان کی رائے ہے کہ فی الحقیقت کفاءت کا اعتبار دین ہی میں ہوتا تھا، بعد میں فقہاء نے اپنے اپنے زمانے کے لحاظ سے عرفی امور میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا ہے، جن کا مدار عرف پر ہے اور وہ حالات کے بدلنے سے بدل سکتے ہیں۔

۱۳ - ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی:

کفاءت کا اعتبار مستحسن یا مستحب ہے، اس کی مصلحت یہ ہے کہ ازدواجی زندگی کو خوشگوار اور مستحکم بنایا جائے استثنائی حالات میں اسکی خلاف ورزی کو گوارہ کیا جانا چاہیے۔

فقہاء نے کفاءت میں جن چیزوں کا اعتبار کیا ہے ان میں سے اکثر کا مدار عرف پر ہے، تمام لوگوں نے دینداری اور تقوی میں کفاءت کا اعتبار ضروری قرار دیا ہے، بقیہ چیزوں میں ضروری نہیں ہے، کفاءت فی النسب کا اعتبار قرآنی آیات ومتعدد احادیث کے خلاف ہے، قدیم الاسلام اور جدید الاسلام میں فرق کرنا غیر اسلامی ہے۔

۱۴-مفتی محبوب علی وجیہی:

ان کے نزدیک کفاءت فی النسب کا اعتبار اس زمانے میں مناسب نہیں ہے اور نہ ہی اس میں ولی کو اعتراض کا حق ہونا چاہیے، نیز قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کے مابین فرق کرنا بھی غیر مناسب ہے، کفاءت کا مدار عرف وعادت پر ہے۔

۱۵-مولانا ابوالحسن علی:

کفاءت کی حقیقت مساواۃ وبرابری کا ہونا ہے، اس کی مشروعیت کی مصلحت یہ ہے کہ رشتہ مضبوط اور مستحکم رہے، عورت یا اس کے اولیاء شوہر سے عار محسوس نہ کریں، کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، کفاءت میں دینداری کو ترجیح کی بنیاد بنانا ہی بہتر ہے۔

۱۶-مولانا عبدالقیوم پالنپوری:

مرد وعورت کے درمیان مخصوص امور میں برابری کا نام کفاءت ہے، اس کی مصلحت یہ ہے کہ ازدواجی تعلقات کو دوام بخشا جائے، اور عورت کے خاندان کو عار سے محفوظ رکھا جائے، چھ چیزوں میں کفاءت معتبر ہے، بعض کا ثبوت احادیث سے ہے اور اکثر کا مدار عرف پر ہے۔

۱۸-مولانا عبدالحنان صاحب:

نکاح میں کفاءت ضروری ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے: "لا یزوجن إلا من الأکفاء" العرب بعضهم أكفاء لبعض" کفاءت کا مصلحت یہ ہے کہ خانگی زندگی میں میل

ملاپ اور اتحاد واتفاق قائم رہے، ذہنی ہم آہنگی اور حسن معاشرت برقرار رہے۔ حضرت سفیان ثوری کے یہاں نسبی کفاءت معتبر نہیں ہے، البتہ اسلام اور دیانت وتقوی میں سب کے نزدیک کفاءت شرط ہے۔

۱۹-مولانا مفتی حبیب اللہ قاسمی:

نکاح کے معاملہ میں زوجین کے مابین چند مخصوص چیزوں میں برابری کا نام کفاءت ہے، کفاءت کی مصلحت یہ ہے کہ زوجین کے مابین ذہنی ہم آہنگی اور رشتہ ازدواج کی پائیداری برقرار رہے۔

کفاءت کا اعتبار چھ چیزوں میں کیا جاتا ہے: ۱-نسب، ۲- اسلام، ۳- حریت، ۴-مال، ۵- دین، ۶ -صنعت وحرفت۔

۲۰-مولانا عبدالرشید قاسمی:

کفاءت کی حقیقت میں یہ بھی دوسروں سے اتفاق کرتے ہیں، کفاءت کی مصلحت رشتہ ازدواج کی پائیداری، حسن ومعاشرت اور ایک اچھے خاندان کی تشکیل بھی ہے۔

اسلام، دیانت، نسب، مال، پیشہ، حریت میں کفاءت کا اعتبار ہے۔

۲۱-ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی:

ان کے نزدیک طبقاتی اونچ نیچ کو ختم کرکے اور راہ اعتدال کو اجاگر کرنے کے لئے اسلامی شریعت میں کفاءت کو مشروع قرار دیا گیا ہے، فقہاء نے مجموعی طور پر نو چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، کفاءت کا مدار عرف پر ہے، اس لئے دور حاضر میں دیانت وتقوی کے ساتھ معاشرت اور علم وصحت میں کفاءت کا اعتبار کیا جانا چاہیے اور دونوں کے درمیان اس کا اعتبار کیا جائے۔

۲۲-مفتی سید مصلح الدین:

مانعین کفاءت کا خیال ہے کہ کفاءت نکاح کے لئے مطلقا شرط نہیں ہے، نہ شرط صحت نہ شرط لزوم، بغیر کفاءت کے نکاح صحیح اور لازم ہوگا۔ متاخرین احناف کے نزدیک بعض حالات میں نکاح کے لئے شرط صحت ہے، بعض حالات میں شرط نفاذ ہے اور بعض حالات میں شرط لزوم۔

۲۳-مولانا محمد امین:

ان کے نزدیک نکاح میں کفاءت کا اعتبار ضروری ہے، کفاءت کی مصلحت یہ ہے کہ ازدواجی زندگی پائیدار ہو سکے، اور اختلاف وانتشار سے محفوظ رہے، فی الحقیقت اسلام اور دینداری ہی میں کفاءت ضروری ہے بقیہ چیزوں میں کفاءت ضروری نہیں ہے، ان کی دلیل قرآن کی آیت: "إن أكرمكم عند الله أتقاكم" "إنما المؤمنون إخوة" اور ترمذی کی روایت ہے۔

۲۴-مولانا مبارک حسین ندوی:

اسلام اور دیانت وتقوی میں کفاءت ضروری ہے، اس کے علاوہ جو چیزیں ہیں انکا مدار عرف پر ہے جو عرف کے بدلنے سے بدل سکتے ہیں، انھوں نے پانچ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے۔

۲۵-مولانا محمد احسان صاحب:

کفاءت کے معنی مساوات وبرابری کے ہیں، اصطلاح فقہ میں زوجین کے مابین چند مخصوص چیزوں میں برابری کا نام کفاءت ہے۔ اسکی مصلحت رشتہ ازدواج کی بقا اور استحکام ہے، نیز دونوں کے درمیان ذہنی توافق اور حسن معاشرت کوفروغ دینا ہے۔

کن چیزوں میں کفاءت معتبر ہے اس کے متعلق ائمہ کے مسالک کا ذکر کیا ہے، حرفت

و پیشہ سے متعلق ان کی رائے یہ ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے جو حالات کے بدلنے سے بدل سکتے ہیں، مثلا حیا کت وغیرہ جو آج ایک باعزت پیشہ شمار کیا جاتا ہے۔

۲۶-مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی:

اسلام نے نکاح میں کفاءت وبرابری کو ملحوظ رکھا ہے، ان کی دلیل یہ حدیث ہے، ’’تخیروا لنطفکم وأنکحوا الأکفاء‘‘ کفاءت کی مصلحت یہ ہے کہ زوجین کے درمیان حسن معاشرت قائم رہے، رشتۂ ازدواج میں استحکام پیدا ہو، ذہنی ہم آہنگی برقرار رہے، اسلام اور دیانت وتقوی میں تو کفاءت شرط ہے، بقیہ چیزوں میں کفاءت کا مدار عرف پر ہے جو حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہتے ہیں۔

۲۷-مفتی ضیاء الحق قاسمی:

اعتبار کفاءت کی مصلحت یہ ہے کہ بڑوں کا لحاظ کیا جائے، بڑے لوگ بھی اچھا بننے کی کوشش کریں تقوی کی مزید راہ ہموار ہو، سرکشی سے اجتناب کریں۔ علماء نے سات چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے۔

۲۸-مولانا مفتی جمال الدین قاسمی:

کفاءت کی لغوی واصطلاحی تعریف کی ہے، مصلحت کفاءت رشتۂ ازدواج کی پائیداری، حسن معاشرت، رفع فساد، کفاءت فی العقل۔

۲۹-مولانا سراج الدین قاسمی:

کفاءت کی مصلحت خوشگوار اور پاکیزہ زندگی استوار کرنا، شرم وعار سے لڑکی کو بچانا، دونوں کے مابین اتحاد واتفاق پیدا کرنا ان کی رائے ہے کہ صنعت وحرفت میں کفاءت کا اعتبار نہ کیا جائے، بلکہ عصر حاضر میں تمام ہستیوں کو برابر یا قریب قریب سمجھا جائے اور ہر مسلمان کو دوسرے مسلمان کا کفو قرار دیا جائے، انہوں نے نو چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ثابت کیا ہے۔

۳۰-مولانا فیاض عالم قاسمی:

رشتہ ازدواج کی پائیداری اور کفاءت کا اعتبار ثابت ہے، اس کی مصلحت استحکام ہے، ان کی رائے ہے کہ کفاءت فی النسب کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے، کفاءت فی الاسلام کے متعلق ان کی رائے ہے کہ موجودہ دور میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کے درمیان فرق کو برقرار رکھا جائے تو اشاعت اسلام کے لیے رکاوٹ پیدا ہوسکتی ہے، اس لیے اس فرق کو ختم کردینا چاہیے، کفاءت فی المال میں ان کی رائے ہے کہ اگر زوجین کے درمیان معاشی حیثیت میں زیادہ فرق ہوتو کفاءت کا اعتبار کیا جانا چاہئے، عصر حاضر میں پیشہ میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہونا چاہیے جب کہ یہ دور آلات اور مشینوں کا دور ہے۔

۳۱-مولانا محمد شاہد قاسمی:

نکاح کے لیے کفاءت شرط نہیں مستحسن ہے، فقہاء نے کفاءت میں جن چیزوں کی تعیین کی ہے ان کا مدار عرف پر ہے جو عرف کی تبدیلی سے بدل بھی سکتے ہیں۔

۳۲-مولانا روح الامین صاحب:

کفاءت کی تعریف وہی ہے، اس کی مصلحت یہ ہے کہ حسن معاشرت کا قیام ہو، ازدواجی زندگی خوشگوار ماحول میں گذرے، دونوں کے درمیان الفت ومحبت برقرار رہے، چھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، البتہ کفاءت فی النسب کا اعتبار درست نہیں ہے، جن چیزں میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے ان کا مدار تو اگرچہ نصوص پر ہے لیکن جس چیز کو علت بنایا گیا ہے اس کا مدار عرف پر ہے۔

۳۳-مولانا ابراہیم گجیا فلاحی:

ان کی رائے میں لزوم نکاح کے لیے کفاءت شرط ہے بغیر کسی تفصیل کے، کفاءت کے

مصالح میں اہم مصلحت رشتۂ نکاح کی پائیداری، حسن معاشرت اور خاندان کو ننگ وعار سے بچانا ہے، خاص طور سے کفاءت فی النسب نکاح میں اس لیے ضروری ہے کہ اس کے بغیر حسن معاشرت اور رشتہ کی پختگی دشوار ہے، ساری باتیں بدائع کے حوالہ سے لکھی گئی ہیں۔

۳۴-مولانا اسعد اللہ قاسمی:

مروجہ کفاءت کے تصور کو نکاح کے لیے ضروری نہیں قرار دیتے، اور فقہاء نے اس کے ثبوت میں چند ضعیف احادیث بیان کی ہیں۔

لیکن احادیث سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ اصل کفاءت دین واخلاق کے اندر ہے جیسا کہ ترمذی شریف اور مسلم شریف کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے۔

۳۵-مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی:

کفاءت کی حقیقت ان کے نزدیک بھی وہی ہے جو دوسرے لوگوں نے بیان کی ہے، کفاءت کی مصلحت یہ ہے کہ رشتہ ازدواج میں پائیداری رہے، عورت ومرد کے درمیان باہم ذہنی توافق ہو، ان کے نزدیک نسب، دین، مال، حرفت وصنعت اور اعاجم میں کفاءت کا اعتبار ہوگا، البتہ کفاءت فی الاسلام میں حالات حاضرہ میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کے درمیان تفریق نہ کی جائے تاکہ نومسلموں کو مسلم سوسائٹی میں جذب کرنے اور ان کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں رکاوٹ نہ بنے، کفاءت میں صحیح بات یہ ہے کہ عرف وعادت کا مدار واعتبار صنعت وحرفت اور پیشے میں ہے مابقیہ چیزوں کا مدار عرف وعادت پر مبنی نہیں ہے۔

۳۶-مولانا عطاء اللہ قاسمی:

کفاءت مساوات وبرابری کا نام ہے، اس کی مصلحت زوجین کے درمیان ہم آہنگی اور مزاجوں کی یکسانیت ہے، انہوں نے نسب، حریت، دین، حرفت، مال اور اسلام میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، اور کفاءت کا مدار عرف وعادت پر ہے نہ کہ نصوص پر۔

۳۷-شمس پیرزادہ:

نکاح منعقد ہونے کے لیے کفاءت فی الدین کے علاوہ کوئی اور شرط معتبر نہیں ہے، کفاءت کا اعتبار کرنے میں فقہاء کی رائیں مختلف ہیں، لیکن اسلام شرط اولین ہے، اس کے علاوہ نسب، آزادی، دیانت اور مالی حالت کا ذکر بھی کیا گیا ہے، امام مالکؒ کے نزدیک صرف دو باتوں میں کفاءت ضروری ہے ایک دین دوسرے عیوب اور امراض سے پاکیزگی، اس کی تائید میں حضرت زیدؓ کا نکاح حضرت زینبؓ سے منعقد کرانے کا واقعہ پیش فرمایا ہے۔

۳۸-حکیم ظل الرحمٰن صاحب:

ان کے نزدیک زوجین کے مابین دینی، اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی مناسبت کا نام کفاءت ہے، ان کی دلیل حضور اکرم علیہ السلام کی یہ حدیث ہے: "تخیروا لنطفکم و أنکحوا الأکفاء" (ابن ماجہ)، إذا آتاکم من ترضون دینه و خلقه"۔

کفاءت کی مصلحت یہ ہے کہ زوجین کے درمیان تعلقات کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنایا جائے، انہوں نے ائمہ اربعہ کے مسالک کی وضاحت کرتے ہوئے چھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، لیکن ان کے نزدیک اسلام اور تقوی اور دیانت داری میں کفاءت ضروری ہے، بقیہ چیزیں اضافی ہیں اور ان کا مدار عرف پر مبنی ہے جو حالات کے بدلنے سے تبدیل ہوسکتے ہیں، ان کی رائے یہ ہے کہ عصر حاضر میں تعلیم اور مستقل ذریعہ معاش میں بھی کفاءت کے اعتبار کو ملحوظ رکھا جائے۔

۳۹-مولانا ولی اللہ قاسمی:

دینداری اور تقوی کے علاوہ کسی دوسری چیز میں کفاءت قرآن وحدیث اور آثار صحابہ سے ثابت نہیں ہے، نیز کفاءت کی پوری عمارت تفاخر اور اونچ نیچ کے تصور پر قائم ہے، لہذا اس کو آہستہ آہستہ ختم کردینا چاہئے، انہوں نے آٹھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ائمہ کے مسالک میں شمار کیا ہے۔

۴۰-مولوی محمد اسعد صاحب:

کفاءت کی حقیقت یہ ہے کہ مرد عورت کے درمیان برابری ہو، یا مرد اس سے فائق ہو، "المماثلة بين الزوجين في خصوص أمور أو كون المرأة أدنى" (البحر الرائق)۔

کفاءت کی مصلحت یہ ہے کہ لڑکی اور اس کے اولیا کو عار سے بچایا جاسکے اور زوجین کے مابین حسن معاشرت قائم ہو نیز ان کے نزدیک کفاءت سے خاندانی شرف بھی برقرار رہتا ہے۔

علی اختلاف الاقوال نو چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہوگا۔

۴۱-مولانا مسعود عالم صاحب:

کفاءت کے لغوی معنی برابری اور ہمسری کے ہیں، چھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، ان کے نزدیک بھی کفاءت کا اعتبار فی الحقیقت دین اور تقوی و دیانت داری میں ہوگا، انہوں نے امام مالکؒ کے قول کو تمام فقہاء پر ترجیح دی ہے خاص طور پر کفاءت فی النسب میں۔

۴۲-مولانا ابصار عالم ندوی:

نکاح میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا کفاءت کے ثبوت میں متعدد حدیثیں پیش کی ہیں، مثلاً "تخيروا لنطفكم و انكحوا الأكفاء" لا تنكحوا النساء إلا الأكفاء"

کفاءت کی مصلحت مقاصد نکاح کی تکمیل، ذہنی ہم آہنگی اور حسن معاشرت ہے، تقوی و دین داری میں کفاءت ضروری ہے، البتہ بقیہ چیزوں میں کفاءت کا مدار عرف پر ہے۔

۴۳-مولانا ارشاد القاسمی:

کفاءت کا اعتبار نکاح کے لیے ضروری ہے، مگر اس دور میں کفاءت فی النسب کا اعتبار ضروری نہیں ہے، اس کے بغیر بھی رشتہ ازدواج میں پائیداری آسکتی ہے، کفاءت کے مصالح رشتہ ازدواج کی پائیداری اور زوجین کے مابین ہم آہنگی ہے، کفاءت کا مدار اس دور کے حالات پر ہے، البتہ اس کی کچھ صراحت نصوص میں بھی ہے۔

۴۴-مولانا راشد حسین ندوی:

ان کے نزدیک بھی کفاءت کی وہی تعریف ہے جو اوپر متعدد جگہوں پر گذر چکی ہے، کفاءت کی مصلحت ان کے نزدیک بھی وہی ہے جو اوپر گذر چکی ہے، یعنی زوجین کے درمیان اچھے تعلقات استوار کرنا، معاشرہ کو اختلاف و انتشار سے بچانا، ننگ و عار سے لڑکی اور اس کے خاندان کے لوگوں کو محفوظ رکھنا۔

کفاءت کے متعلق ائمہ کے اختلافات کا بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے، ان کے نزدیک بھی کفاءت اسلام اور دیانت وتقوی میں ضروری ہے بقیہ چیزوں میں ضروری نہیں البتہ مستحسن ہے۔

میں اپنے محدود مطالعہ اور سوچ کے مطابق یہ سمجھتا ہوں کہ فقہاء کرام نے زمانے اور حالات کی رعایت فرماتے ہوئے متعدد امور میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، مگر اصل کفاءت دینداری اور تقوی میں معتبر ہے اور اسی سے متعلق روایتیں صحیح، مضبوط اور صریح اور اوفق بالقرآن ہیں، اس کے علاوہ دوسری چیزوں کے متعلق روایتیں اس درجہ کی نہیں ہیں اور اگر حضور ﷺ نے حالات کی رعایت فرماتے ہوئے ان چیزوں کا حکم دیا بھی ہو تو وہ شفقۃً للامۃ ہے، خاندانوں کا ذکر بھی بطور علامت کے ہے، اس کو اصل قرار دینا زیادہ صحیح نہیں ہے۔

''وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم''۔

عرض کفاءت
(سوال نمبر ۳)

مولانا عتیق احمد بستوی ☆

سوالنامہ بابت مسئلہ کفاءت کے سوال ۳ کے جوابات کا عرض مسئلہ مجھ سے متعلق کیا گیا ہے، عرض مسئلہ سے پہلے سوال ۳ کی خواندگی کی جاتی ہے، تاکہ سوال ذہن میں تازہ ہوجائے۔

اس سوال کے تین اجزاء ہیں:

سوال کا پہلا جزء (الف) یہ ہے: اسلامی شریعت میں نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟

کفاءت کے موضوع پر ۴۵ حضرات کی تحریریں اکیڈمی کو موصول ہوئی ہیں، ان میں سے ۲۶ حضرات نے اس سوال کا جواب اثبات میں دیا ہے اور نسبی کفاءت کو معتبر قرار دیا ہے، اور ۱۳، حضرات نے نسبی کفاءت کے معتبر ہونے کا انکار کیا ہے، نسبی کفاءت کو معتبر قرار دینے والے حضرات یہ ہیں:

مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا اختر امام عادل، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا عبدالحنان گجرات، مولانا ابوالحسن علی ماٹلی والا، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا احسان اللہ دارالعلوم وقف، مولانا اخلاق

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

الرحمٰن قاسمی، مولانا راشد ندوی رائے بریلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مفتی حبیب اللہ قاسمی، مولانا مبارک حسین نیپالی، مفتی اسماعیل گجرات، مولانا قدرت اللہ باقوی، مولانا محمد اسود فلاحی، مولانا روح الامین، مولانا مصطفیٰ قاسمی دربھنگہ، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا محمد ارشاد قاسمی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا محبوب علی وجیہی رامپور، مولانا ابصار عالم ندوی۔

نسبی کفاءت کو غیر معتبر قرار دینے والے حضرات یہ ہیں:

مولانا شمس پیرزادہ بمبئی، مولانا نورالحق رحمانی پھلواری شریف، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوۃ العلماء لکھنؤ، پروفیسر عبدالرحمٰن مومن بمبئی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی بلیریا گنج، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا محمد انواراللہ قاسمی میرٹھ، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا اسرارالحق سبیلی، مولانا محمد امین، مولانا شاہد قاسمی ویشالی۔

بعض حضرات نے محض مختلف ائمہ کا نقطۂ نظر نقل کرنے پر اکتفا کیا ہے کوئی واضح رائے نہیں دی ہے، مثلاً مولانا مصلح الدین بردودی ڈیوزبری برطانیہ، مولانا ارشاد اعظمی بھوپال، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا جمیل احمد نذیری اعظم گڈھ۔

کفاءت فی النکاح میں نسب کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کا مسئلہ دورِ قدیم ہی سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے، جمہور فقہاء نے فی الجملہ نسبی کفاءت کو معتبر قرار دیا ہے، امام مالکؒ نیز (حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ) امام سفیان ثوری نے کفاءت میں نسب کا اعتبار نہیں کیا ہے، فقہاء حنفیہ میں سے ابوالحسن کرخی اور ابوبکر جصاص رازی کا بھی یہی مسلک بیان کیا جاتا ہے، اس مسئلہ میں دونوں نقطۂ نظر کی تفصیل اور دونوں کے دلائل شروح حدیث اور فقہ کی مبسوط کتابوں میں موجود ہیں۔

اکیڈمی کو موصول ہونے والے مقالوں میں مولانا عبید اللہ الاسعدی اور مولانا اختر امام عادل وغیرہ کے مقالات میں جمہور فقہاء کے نقطۂ نظر اور دلائل کی بھرپور ترجمانی ہے، اس کے

برخلاف مولانا نور الحق رحمانی مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، پروفیسر عبدالرحمٰن مومن کے مقالات میں امام مالک وغیرہم کے نقطۂ نظر اور دلائل کا احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے، نسبی کفاءت کا انکار کرنے والے حضرات اپنے استدلال میں بنیادی طور پر ان آیات واحادیث کو پیش کرتے ہیں جن میں اخوت اسلامی، انسانی مساوات کا تصور پیش کیا گیا ہے اور تقوی کو معیار فضیلت قرار دیا گیا ہے، مثلاً درج ذیل آیات واحادیث:

الف-"إنما المؤمنون إخوة فأصلحوا بين أخويكم"۔

ب-"يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر و أنثىٰ وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله اتقاكم"۔

ج-"ألا إن ربكم واحد وإن أباكم واحد، ألا لا فضل لعربي على عجمي ولا لعجمي على عربي، ولا لأحمر على أسود ولا لأسود على أحمر إلا بالتقوى"۔

کفاءت نسبی کے منکرین کا خیال یہ ہے کہ نسب کی بنیاد پر اعلیٰ وادنیٰ کا تصور اخوت اسلامی اور وحدت انسانی کے نظریہ کے خلاف ہے۔

ان حضرات کا دوسرا استدلال ان احادیث سے ہے جن میں دینداری دیکھ کر نکاح کرنے کی ترغیب دی گئی ہے اور دین واخلاق پسند ہونے کے باوجود نکاح نہ کردینے پر وعید سنائی گئی ہے، ارشاد نبوی ہے:

الف- "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولجمالها ولحسبها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"۔

ب-"إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إن لا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد كبير"۔

ان حضرات کا تیسرا استدلال عہد نبوی اور عہد صحابہ کے ان واقعات سے ہے جن پر

عورتوں کا نکاح نسب کے باہر کیا گیا، بعض عجمیوں کا نکاح عرب خواتین سے کیا گیا، قریشی عورت کا نکاح غیر قریشی مرد سے کیا گیا، ان میں سے بعض نکاح رسول اکرم ﷺ کے حکم اور ایماء پر کئے گئے، مثلاً حضرت زید بن حارثہ کا نکاح حضرت زینب بنت جحشؓ سے حضرت ابو ہندؓ کا نکاح بنو بیاضہ کی ایک خاتون سے، حضرت بلال کا نکاح ایک انصاریہ خاتون سے۔

نسبی کفاءت کے منکرین نے ان احادیث و روایات پر فنی تنقیدیں کی ہیں جن سے نسبی کفاءت کے معتبر ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے، ان روایات کا ذکر اگلی سطور میں آئے گا۔

نسبی کفاءت کو معتبر قرار دینے والے حضرات تین طرح کی روایات سے استدلال یا استیناس کرتے ہیں:

۱- وہ روایات جن سے مطلق کفاءت کا معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے، مثلاً حضرت علیؓ سے مروی رسول اکرم ﷺ کا یہ ارشاد:

"یا علی ثلاث لا تؤخرها: الصلوٰة إذا آتت والجنازة إذا حضرت والأيم إذا وجدت لها كفوا" (جامع ترمذی ابواب الصلوٰۃ باب ما جاء فی الوقت الاول من الفضل؛ اخرجہ الحاکم وصححہ ھو والذھبی کلاھما، مستدرک ۲/ ۱۶۲)۔

مطلق کفاءت والی روایات سے نسبی کفاءت کے معتبر ہونے پر اس طرح استدلال کیا جاتا ہے کہ جب کفاءت کا معتبر ہونا ثابت ہوا اور شریعت نے کفاءت کی حقیقت وحدود متعین نہیں کی تو اس کو عرف پر محمول کیا جائے گا اور عرف میں کفو تصور کرنے میں جن چیزوں کا دخل ہوگا ان کا اعتبار کیا جائے گا اور عربوں کے عرف میں کفاءت کے تعلق سے نسب کو سب سے بنیادی حیثیت دی جاتی ہے، ہدایہ کے مشہور شارح علامہ ابن ہمام لکھتے ہیں:

"فإذا ثبت اعتبار الكفائة بما قدمناه فيمكن ثبوت تفصيلها أيضا بالنظر إلى عرف الناس فيما يحقرونه ويعيرون به فليستأنس بالحديث الضعيف في ذلك" (فتح القدیر ۲/ ۴۳۰)۔

۲- وہ روایات جو خاص طور سے نسب کے بارے میں وارد ہیں، نسبی کفاءت کی روایات اگر چہ انفرادی طور پر صحت اور حسن کے معیار کو نہیں پہنچتیں، لیکن متعدد طرق سے آنے کی بنا پر اتنی قوت حاصل کر لیتی ہیں کہ احکام کے باب میں معتبر قرار دی جائیں خاص طور سے اس لیے بھی کہ جمہور فقہاء نے ان روایات سے استدلال کرتے ہوئے نسبی کفاءت کا اعتبار کیا ہے، اس طرح کہا جا سکتا ہے کہ ان روایات کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔

اس سلسلے کی سب سے اہم روایت یہ ہے:

''قريش بعضهم أكفاء لبعض بطن ببطن، والعرب بعضهم أكفاء لبعض قبيلة بقبيلة، والموالي بعضهم أكفاء لبعض رجل برجل''۔

حدیث الفاظ کے معمولی فرق کے ساتھ متعدد طرق سے مروی ہے اس کا کوئی بھی سند کلام سے خالی نہیں، علامہ ابن ہمام نے اس روایت کی مختلف سندوں پر تفصیلی کلام کی ہے (ملاحظہ ہو: فتح القدیر ۱۸۹/۳)۔

محدثین اور فقہاء نے صحیحین کی درج ذیل روایت سے بھی نسبی کفاءت کا استنباط کیا ہے۔

''خير نساء ركبن الإبل صالح نساء قريش أحناه على ولد في صغره و أرعاه على زوج في ذات يده'' (بخاری و مسلم)۔

نسبی کفاءت کی تائید میں حضرت سلمان فارسیؓ کا یہ ارشاد بھی پیش کیا جاتا ہے:

''نفضلكم يا معشر العرب لتفضيل رسول الله ﷺ إياكم لا ننكح نساءكم ولا نؤمكم في الصلوٰة'' (مصنف عبد الرزاق ۱۵۳/۶، السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۳۴/۷، اعلاء السنن ۷۸/۱۱)۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے اس روایت کی اسناد کو جید قرار دیا ہے اور اس سے نسبی کفاءت پر استدلال کیا ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کے مذکورہ بالا اثر پر یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ انہوں نے خود اس کی خلاف ورزی کی اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی صاحبزادیوں کو نکاح کا پیغام دیا، کفاءت نسبی کے قائلین کا کہنا ہے کہ اس سے کفاءت نسبی کی نفی نہیں ہوتی، اس لیے کہ کفاءت کے قائلین کفاءت کو ایک حق کے طور پر دیکھتے ہیں جو عورت اور اس کے اولیاء کی مرضی سے ساقط ہوسکتا ہے، نیز اگر عجمی شخص کسی ایسی اضافی صفت کا حامل ہو جس سے اس کی حیثیت عرفی عام عربوں کے برابر ہو جائے تو وہ عرب کا کفو ہوسکتا ہے، فتح القدیر اور بزازیہ وغیرہ میں ہے:

''العالم العجمي يكون كفوا للعربي الجاهل والعلوية، لأن شرف العلم فوق شرف النسب''۔

۳- وہ روایات جن سے خاندانی ونسبی خصوصیات اور ان میں باہم تفاوت وتفاضل کا ثبوت ملتا ہے مثلاً رسول اکرم علیہ السلام کا ارشاد:

''الناس معادن كمعادن الذهب والفضة، خياركم في الجاهلية خياركم في الإسلام'' (بخاری ومسلم)۔

اسی طرح یہ ارشادات:

''الأئمة من قريش''

''قدموا قريشا ولا تقدموها''

''إن الله اصطفىٰ كنانة من ولد إسماعيل واصطفى من كنانة قريشا''

ان روایات سے نسلی ونسبی خصوصیات اور فضائل کا ثبوت ملتا ہے، اس لیے یہ بات ہر طرح معقول اور قابل فہم ہے کہ اسلامی شریعت نے نکاح جیسے نازک اور حساس مسئلہ میں نسبی کفاءت کا لحاظ رکھا ہو۔

اس مختصر سے عرض میں ان تمام روایات اور ان کی تصحیح وتضعیف کا احاطہ دشوار ہے جن سے قائلین کفاءت نسبی نے استدلال کیا ہے، اس کے لیے مفصل مضمون کی ضرورت ہے۔

کفاءت نسبی کے منکرین اور قائلین کے دلائل کے اہم نقاط کا اجمالی تذکرہ کرنے کے بعد ہم دونوں کے درمیان ترجیح ومحاکمہ کرنا چاہتے ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ منکرین کفاءت نسبی نے جن آیات وروایات کو بطور دلیل پیش کیا ہے ان میں قائلین کفاءت نسبی کی پیش کردہ روایات کے مقابلہ میں صحت وقوت زیادہ ہے، اگر ان آیات وروایات سے منکرین کا استدلال مکمل ہوتو قائلین کفاءت کی دلیلیں قابل قبول نہ ہوں، لیکن یہ محسوس کرتے ہیں کہ منکرین کا استدلال ان آیات واحادیث سے مکمل نہیں ہے۔

اسلام کے نظریہ مساوات کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ دنیا کے تمام انسانوں کو ایک ہی لاٹھی سے ہانک دیا جائے جیسا کہ کمیونسٹوں نے کوشش کی تھی اور اعلی، ادنی، اچھے برے کی تمیز باقی نہ رکھی جائے بلکہ اس کا معنی صرف اتنا ہے کہ انسان ہونے کے ناطے دنیا کے سارے انسان برابر ہیں، سب کے اپنے حقوق ہیں ذات پات کی بنیاد پر کسی کی حق تلفی کرنا یا اس کی وجہ سے تعصب وتنگ نظری کی دیوار کھڑی کرنا درست نہیں، اس لیے رشتہ نکاح کو پائیدار اور استوار بنانے نیز میاں بیوی کے درمیان یکسانیت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لیے کفاءت کی رعایت اسلام کے نظریہ مساوات کے خلاف نہیں، یہ بات مسلم رہی ہے کہ فضل وشرف کے لحاظ سے تمام انسان اور انساب برابر نہیں ہیں، عرب خصوصاً قریش کے فضائل متعدد صحیح روایات میں مذکور ہیں، فضیلت فی الرزق اور فضیلت فی العلم کا خود قرآن نے ذکر کیا ہے ”قل هل يستوى الذين يعلمون والذين لايعلمون“ ”والله فضل بعضكم على بعض فى الرزق“۔ اس لیے ”لافضل لعربى على عجمى“، میں مطلق فضل کی نفی مراد نہیں ہوسکتی، بلکہ اس سے آخرت کی فضیلت مراد ہے آخرت میں معیار فضیلت محض تقویٰ ہوگا ”تنكح المراة لأربع ..... إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه“ جیسی روایات کا مطلب صرف اتنا ہے کہ رشتہ کے انتخاب میں دین واخلاق کو سب سے زیادہ اہمیت دی جائے اور دین واخلاق کے پیش نظر مال وجمال، حسب ونسب کے پہلو کو نظر انداز کیا جاسکتا ہے بلکہ نظر انداز کردینا چاہئے یہ مطلب نہیں

ہے کہ مال و جمال وغیرہ سرے سے قابل لحاظ نہیں ہے، ورنہ رسول اکرم ﷺ مخطوبہ کو دیکھ لینے کی تاکید نہ فرماتے اور حضرت فاطمہؓ بنت قیس نے جب حضرت معاویہؓ کے پیغام نکاح کا ذکر کر کے رسول اکرم ﷺ سے مشورہ چاہا تو آپ یہ نہ فرماتے:

"أما معاوية فصعلوک لا مال له"

عہد نبوی اور عہد صحابہ میں قریشی عورت کی غیر قریشی مرد سے یا عربی عورت کی غیر عرب مرد سے شادی کے واقعات سے استدلال اس لیے صحیح نہیں کہ قائلین کفاءت نسبی کے نزدیک کفاءت ایک حق ہے جو عاقدین کی باہمی مصالح کی بنا پر عورت اور اس کے اولیاء کو دیا گیا ہے، اگر صاحب حق خود اپنا حق ساقط کر دے تو اس پر اعتراض نہیں ہے، مذکورہ بالا واقعات اسی اسقاط حق کے نمونے ہیں، کسی ایک واقعہ میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ لڑکی اور اس کے اولیاء کی مرضی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کیا گیا ہو، بعض واقعات میں اگر چہ ابتداء کچھ استنکاف تھا لیکن رسول اکرم ﷺ کے حکم کی وجہ سے استنکاف دور ہو گیا اور کامل رضامندی پیدا ہو گئی، غالباً اس میں مصلحت یہ تھی کہ رسول اکرم ﷺ امت کو یہ تعلیم دینا چاہتے تھے کہ نسبی کفاءت کی رعایت ہمیشہ لازم نہیں بلکہ بعض اس سے بڑے مصالح کے پیش نظر اسے ترک کر دینا چاہئے۔

عہد نبوی اور عہد صحابہ کے ان چند گنے چنے واقعات کو اہتمام سے نقل کیا جانا خود اس پر دلالت کرتا ہے کہ خیر القرون کا عمومی دستور اور معمول کفو کے اندر شادی کرنے کا تھا۔

سوال ۳ کا جزء ب ہے: اگر نسب میں کفاءت معتبر ہے تو اس کا اعتبار صرف اہل عرب کے لیے ہے یا عرب و عجم سب کے لئے ہے؟

ظاہر ہے کہ اس سوال کا روئے سخن ان لوگوں کی طرف ہے جو نسبی کفاءت کو معتبر مانتے ہیں، نسبی کفاءت کو معتبر قرار دینے میں چھبیس حضرات کی غالب اکثریت نے اسے صرف اہل عرب کے لیے معتبر مانا ہے عجمیوں کے لیے نہیں، اس سلسلے میں فقہ حنفی کی تصریحات نقل کی ہیں، متعدد حضرات نے فقہاء احناف کے حوالہ سے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ عرب سے مراد وہ لوگ

ہیں جن کا نسبی تعلق عرب قبائل سے ہے خواہ ان کی رہائش بلادعرب سے باہر ہو، ان میں وہ عجمی النسل لوگ شامل نہیں ہیں جو بلادعربیہ میں جا کر آباد ہو گئے ہیں اور وہاں کی شہریت لے لی ہے، خواہ وہ کتنے ہی زمانہ سے بلادعربیہ میں آباد ہوں، اسی طرح جو لوگ جعلی طور پر اپنے کو سید، شیخ، صدیقی، فاروقی، عثمانی وغیرہ کہتے اور لکھتے ہیں وہ بھی اہل عرب میں شمار نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ عجم کی جن قوموں میں نسب کے تحفظ کا اہتمام ہو اور خاندان کے باہر لڑکی کا نکاح کرنا عار مانا جاتا ہو ان میں نسبی کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا تاکہ فتنہ وفساد کی نوبت نہ آئے اس کی صراحت کرنے والے یہ حضرات ہیں: (۱) مولانا جمال الدین قاسمی (۲) مولانا اختر امام عادل (۳) مولانا مبارک حسین ندوی نیپالی (۴) مولانا عطاء اللہ قاسمی (۵) مولانا مصطفیٰ قاسمی دربھنگہ۔

واقعہ یہ ہے کہ فقہ حنفی میں اہل عجم کے لیے نسبی کفاءت کے معتبر ہونے کی صراحت نہیں ملتی بلکہ اس کی مخالف صراحتیں ملتی ہیں، ہاں شافعیہ کے یہاں عجمیوں میں بھی نسبی کفاءت کے معتبر ہونے کی صراحت ملتی ہے، عربوں کے حق میں نسبی کفاءت کے معتبر ہونے اور عجمیوں کے حق میں معتبر نہ ہونے کی علت عموماً فقہاء نے یہ بیان کی ہے کہ عربوں نے انساب کی حفاظت کا اہتمام کیا اور عجمیوں نے اس کا اہتمام نہیں کیا، عربوں میں نسب پر تفاخر ہوتا ہے عجمیوں میں نہیں، اس کے پیش نظر حکیم الامت مولانا اشرف علی تھانوی نے تحریر فرمایا: باہم عجم میں جو نسبا کفاءت معتبر نہ ہونا فقہاء نے لکھا ہے یہ بھی مقید ہے اس کے ساتھ کہ جب عرف میں اس تفاوت کا اعتبار نہ ہو، ورنہ ان میں بھی باعتبار نسب قومیت کے معتبر ہوگا (امداد الفتاویٰ ۲/۳۵۶)۔

نسبی کفاءت کے معتبر ہونے کا شرعی ماخذ اگر "**قریش بعضھم اکفاء لبعض**" والی روایت ہے تب تو عجمیوں کے مابین باہم نسبی کفاءت کا اعتبار نہ ہونا چاہئے، کیونکہ اس حدیث کے مطابق ہر عجمی دوسرے عجمی کا کفو ہے اور اگر اس کا ماخذ شرعی عرف کو مانا جائے تو عجمیوں کے ان خاندانوں میں بھی نسبی کفاءت کا اعتبار ہونا چاہیے جن میں انساب کے تحفظ کا اہتمام ہے اور

اپنے خاندان سے باہر لڑکی کے نکاح کو عیب اور عار تصور کیا جاتا ہے۔

سوال سے کا جزء ج ہے: نسبی کفاءت کے ضابطے اور ضروری تفصیلات کیا ہیں؟

سوال کے اس جز پر بہت کم لوگوں نے توجہ دی ہے، بعض حضرات نے اس سلسلے میں فقہاء کی بعض عمومی عبارتیں نقل کرنے پر اکتفاء کیا ہے، مختلف حضرات نے جو ضابطے تحریر کیے ہیں ان کا مختصر خلاصہ ذیل میں درج کیا جاتا ہے:

(۱) اسلامی شریعت میں فی الجملہ نسبی کفاءت معتبر ہے۔

(۲) قریش کی تمام شاخیں ایک دوسرے کی کفو ہیں، غیر قریشی مرد قریشی عورت کا کفو نہیں ہے۔

(۳) قریش کے علاوہ باقی قبائل عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، عجمی مرد عربی عورت کا کفو نہیں ہوتا۔

(۴) برصغیر میں سید، شیخ، صدیقی، فاروقی، عثمانی، علوی وغیرہ کی نسبتیں اگر حقیقی ہوں تو یہ عربی قبائل ہیں عجمی خاندان نہیں ہیں۔

(۵) بعض استثنائی صورتوں میں مصالح کے پیش نظر کفاءت نسبی کو نظر انداز کیا جا سکتا ہے۔

(۶) نسبی کمتری کی صورت میں اگر مرد میں بعض ایسی خوبیاں ہوں جو اس نقصان کی تلافی کر دیں، مثلاً غیر معمولی علم و تقویٰ تو کمتر نسب کا مرد اعلیٰ نسب کی عورت کا کفو ہو سکتا ہے۔

(۷) کفاءت ایک حق ہے جو عورت اور اس کے اولیاء کی رضامندی سے ساقط ہو سکتا ہے۔

(۸) نسبی کفاءت میں اس قدر شدت کہ خاندان میں مناسب رشتہ نہ پانے کی وجہ سے شادی میں غیر معمولی تاخیر کی جائے اور جوان لڑکیاں طویل مدت تک بن بیاہی پڑی رہیں غیر اسلامی طریقہ ہے، جسے ہر قیمت پر ختم کیا جانا چاہئے۔

عرض مسئلہ

(سوال نمبر ۴)

مفتی حبیب اللہ قاسمی ☆

مسئلہ مذکورہ سے متعلق موصول شدہ مقالات کا جائزہ لینے سے قبل سوال ہی سپرد قلم ہے تا کہ جوابات کے نشیب وفراز سامنے آسکیں اور صورت مسئلہ منقح ہوجائے۔

''کفاءت فی النکاح'' کا سوال یہ ہے کہ موجودہ حالات میں کفاءت میں کیا قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار کیا جائے گا؟ جب کہ بعض حضرات کا خیال ہے کہ یہ تصور نومسلموں کو مسلم سوسائٹی میں جذب کرنے اور ان کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہے، اور ایک حد تک خود اسلام کی دعوت وتبلیغ میں سد راہ ہے۔

اس سوال سے متعلق راقم السطور کو کل چوالیس ۴۴ مقالات موصول ہوئے، ان میں سے پچیس ۲۵، مقالہ نگار حضرات کی رائے یہ ہے کہ موجودہ حالات میں کفاءت میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، ان مقالہ نگار حضرات کے اسماء درج ذیل ہیں:

مولانا ضیاء الحق قاسمی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا خورشید اعظمی، مولانا شاہد قاسمی، مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری، حکیم ظل الرحمٰن صاحب، مولانا روح الامین، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا نور الحق

☆ مہتمم وبانی دار العلوم مہذب پور، سنجر پور اعظم گڈھ۔

رحمانی، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا راشد ندوی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اسعد اللہ قاسمی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا ابصار عالم ندوی، مولانا عبد الحنان گجرات، مولانا قدرت اللہ باقوی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، راقم السطور مفتی حبیب اللہ قاسمی۔

درج ذیل سات مقالہ نگارحضرات کی رائے میں موجودہ حالات میں بھی کفاءت میں قدامت اورجدت اسلام کا اعتبار کیا جائے گا:

حضرت مفتی نظام الدین صاحب، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مفتی احسان صاحب، مولانا اختر امام عادل، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا اسماعیل بھڑکودروی، مولانا جمال الدین قاسمی۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ پانچ مقالہ نگار نے کفاءت میں قدامت اورجدت اسلام ہونے کے اعتبار کرنے اورنہ کرنے میں عار اورعدم عار کافرق کیا ہے، یعنی جس خطے کاماحول ایسا ہوکہ قدیم الاسلام افرادجدید الاسلام سے نکاح اورشادی کرنے میں عاروتوہین سمجھتے ہوں، ایسی جگہ کفاءت میں قدامت اورجدت اسلام کا اعتبار کیا جائے گا تاکہ زوجین کے درمیان خوش گوار تعلقات بحال ہوسکیں، لیکن جس جگہ جدید الاسلام سے شادی کرنے میں شرم محسوس نہ کی جاتی ہو اورقدیم وجدید میں امتزاج پایا جاتا ہوتو ایسی جگہ کفاءت میں قدامت اورجدت اسلام کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، اس رائے کے قائلین درج ذیل ہیں:

۱-مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا ارشاد احمد اعظمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی۔

ان حضرات کے علاوہ سات ایسے مقالہ نگار ہیں جن کی تحریر سے اثبات ونفی کا کوئی پہلو متعین نہیں ہوتا، کفاءت میں قدامت اورجدت اسلام کا اعتبار ہے یانہیں کوئی رائے ظاہرنہیں ہو پارہی ہے، مثلاً مولانا سعید الرحمٰن صاحب اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں کہ خاکسار کی رائے میں فقہاء کی رائے اگرچہ درست ہے، لیکن جولوگ کسی نومسلم سے بنیت اشاعت اسلام اورایک نومسلم کی

حوصلہ افزائی کے لیے اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ کریں تو اجر وثواب کے مستحق ہوں گے، مولانا ابوالحسن صاحب رقم طراز ہیں: ”حاصل یہ ہے کہ مسلمانوں کو رواداری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے جدید الاسلام مرد وعورت دونوں کا استقبال کرنا چاہیے“، اس طرح غیر واضح تحریر درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا سید مصلح الدین بڑودی، مولانا ولی اللہ مجید قاسمی، مولانا محمد اسعد فلاحی، مولانا سعید الرحمٰن اعظمی، پروفیسر عبدالرحمٰن مؤمن، مولانا ابوالحسن، مولانا عبید اللہ الاسعدی۔

جن حضرات نے کفاءت میں قدامت اور جدت اسلام کا اعتبار نہیں کیا ہے ان میں سے اکثر مقالہ نگار نے اپنے مدعا کے ثبوت کے لیے نومسلموں کو مسلم سوسائٹی میں جذب کرنے اور ان کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں رکاوٹ اور سدراہ کو علت قرار دیا ہے، بالخصوص آج کے بدلے ہوئے حالات میں جب کہ ہر جانب اسلام دشمن طاقتیں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کررہی ہیں، اگر قدامت اور جدت اسلام کا فرق کیا جائے گا تو تبلیغ اور اشاعت اسلام میں بڑی دقت کا سامنا کرنا پڑے گا۔

(مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا شمس پیرزادہ، مولانا جمیل احمد نذیری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا مبارک علی قاسمی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا روح الامین، حکیم ظل الرحمٰن، مولانا شاہد قاسمی، مولانا عبدالرحمٰن پالنپوری، مولانا خورشید اعظمی، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی، مفتی ضیاء الحق)۔

مولانا نور الحق رحمانی نے اپنے مقالے میں اس طرف ذہن مبذول کرانے کی کوشش کی ہے کہ عہد رسالت اور تابعین میں اس کا اعتبار نہیں تھا، خود آپ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کرایا تھا، اس لیے آج بھی قدامت اور جدت اسلام میں امتیاز نہ ہونا چاہئے۔

ان حضرات کے علاوہ چار مقالہ نگار نے اپنے دعوے کے اثبات میں حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کا فتویٰ نقل کیا ہے، آپ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا تھا" نومسلم جو نیک صالح اور صوم وصلوٰۃ کے پابند ہوں ان کولڑکی دینا جائز بلکہ موجب اجر وثواب ہے، جولوگ اس نیک کام میں رخنہ اندازی کریں وہ گنہگار ہوں گے" (کفایت المفتی ۲۴۱/۵)" اسعد اللہ قاسمی، عبدالحنان کجرت، پروفیسر عبدالرحمن، عبدالقیوم"۔

البتہ مولانا اسعد اللہ صاحب نے عقود رسم المفتی کی ایک عبارت نقل کرکے مسئلہ کومزید منقح کیا ہے:

"إن كثيراً من الأحكام التي نص عليها المجتهد صاحب المذهب بناءً على ما كان في عرفه وزمانه قد تغيرت بتغير الأزمان بسبب فساد أهل الزمان أو عموم الضرورة" (عقود رسم المفتی ۳۸)۔

جس کا حاصل یہ ہے کہ جو مسائل دائر علی العرف ہوں ان میں تغیر عرف پر نگاہ رکھنے کی ضرورت ہے، اور ایسی صورت میں عرف حادث پر کسی مسئلہ کی تطبیق خروج عن المذہب کے مترادف نہیں ہوگی اور مسئلہ معروضہ بھی مبنی علی العرف ہے جیسا کہ ردالمحتار کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے:

"وكان أبو يوسف إنما قال في موضع لا يعد كفر الجد عيباً بعد أن كان الأب مسلماً وهما قالاه في موضع يعد عيباً (ردالمحتار ۳۱۹/۲)

اعتبار کے قائلین حضرات حضرت تھانوی کے حوالے سے قدامت اور جدت اسلام میں کفاءت کوخدمت دین اور اشاعت اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننے کی بات کو بے بنیاد ٹھہراتے ہوئے کہا ہے کہ اس میں کفاءت ہی کی کیا تخصیص ہے؟ جہاد واسترقاق، تعدد نکاح اور ذبح حیوانات جیسے بیشتر قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نصوص سے ثابت مسائل بھی بعض کفار کے لیے مانع عن الاسلام ہیں، تو کیا ان سب سے ابطال کا التزام کیا جائے گا، دوسری بات یہ ہے کہ اس

مسئلہ کے مشہور ہونے کے باوجود ہر دور میں ہزار کفار اسلام قبول کرتے آرہے ہیں اور جن کو بعد میں معلوم ہوا وہ سب کے سب مرتد بھی نہیں ہوئے (امداد الفتاوی ۲/۵۴۳)، اس تحریر سے استشہاد تین حضرات نے کیا ہے (مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا احسان صاحب)۔

مولانا جمال الدین قاسمی کا کہنا ہے کہ مذکورہ باتوں کے باوجود اگر عورت اور اس کے اولیاء اپنے حق سے دست بردار ہوجائیں تو کوئی حرج نہیں ہے اور مصالح کی بناء پر ایسا کرلینا بہتر ہوگا مگر یہ اخلاقی بات ہوگی۔

راقم السطور کی رائے میں قدامت اور جدت اسلام میں کفاءت کا عدم اعتبار راجح ہے، کیونکہ حالات بڑی تیزی کے ساتھ بدلتے جارہے ہیں، روزمرہ جغرافیائی اور سائنسی اعتبار سے ایسی باتیں ظہور پذیر ہورہی ہیں جو اسلام کو روشن اور حق ثابت کرتی ہیں، غیر مسلموں کی آئے دن اسلام سے قربت اس کی واضح مثال ہے، ظاہر بات ہے کہ ایسے نازک وقت میں قدامت اور جدت اسلام میں کفاءت کا مسئلہ کھڑا کردیا جائے تو اس پریشانی کو دیکھتے ہوئے ہزاروں قبول اسلام کے خواہش منداس کی حقانیت کو ماننے کے باوجود قبول اسلام سے باز آجائیں گے اور یہ اشاعت اسلام میں رکاوٹ بن جائے گا، جہاں کہ اس کی متعدد مثالیں ہمارے سامنے ہیں۔

حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ نے اسی جانب اشارہ کرتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا: ”بھئی! تاریخ اٹھا کر دیکھو مسلمانوں نے غلاموں کو اپنی بیٹیاں دیں مگر ہندوستان میں غلط طریقہ چل رہا ہے، نومسلموں کو بیٹیاں نہ دینا، انہیں اپنے برابر نہ بٹھانا، یہ سب برائیاں ہیں، میرے بھائیو، چھوڑو، ان سب برائیوں کو دین کی راہ میں یہ سب باتیں رکاوٹیں بن گئی ہیں“ (دینی تعلیم اوراس کے تقاضے ر ۱۸)۔

ایک موقعہ پر فرمایا ”ان لوگوں کی ایسی حرکات ناشائستہ کی وجہ سے صرف یہی نہیں ہوتا کہ غریب مسلمانوں اور پیشہ ور مسلم برادریوں اور نومسلم خاندانوں کے دل اور دماغ پر سنگین اور

دلخراش ٹھیس لگتی ہے، بلکہ اشاعت اسلام اور اس کی ہمہ گیری میں بھی فرق پڑتا ہے، اسلامی اصول اور اس کا تفوق چکنا چور رہتا ہے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور راہ نمائی کے لئے حجاب بنتے ہیں، امت مرحومہ کی زیادتی میں روڑے اٹکتے ہیں، جس کی اسلامی تعلیمات میں انتہائی ممانعتیں وارد ہیں'' (نقش حیات ۱/۲۲)۔

عرض مسئلہ
(سوال نمبر ۵، ۶)

مولانا ظفر عالم ندوی ☆

نحمده و نصلی علیٰ رسوله الکریم اما بعد!

حضرات! اس گیارہواں فقہی سیمینار کے موضوع، مسئلہ کفاءت کے سوال نمبر ۵ اور سوال نمبر ٦ کا عرض مسئلہ ناچیز کے ذمہ کیا گیا ہے، قبل اس کے کہ مسئلہ کی تفصیلات پیش کروں پہلے دونوں سوالوں کو پڑھ دینا مناسب سمجھتا ہوں۔

سوال نمبر ۵ یہ ہے کہ اگر کفاءت کا مسئلہ عرف وحالات پر مبنی ہے تو دورحاضر میں آپ کے نزدیک کفاءت میں کن چیزوں کا لحاظ کیا جانا ضروری ہے؟

سوال نمبر ٦ یہ ہے کہ کفاءت کا اعتبار مرد وعورت دونوں کے بارے میں کیا جائے گا یا صرف عورت کے بارے میں؟

ان دونوں سوالوں کے جواب میں مقالہ نگاروں کی آراء اور تحقیقات جو ناچیز کے پاس پہونچی ہیں ان کا حاصل ذیل کی سطروں میں پیش کیا جارہا ہے:

سوال نمبر ۵ کہ دور حاضر میں کفاءت میں کن چیزوں کا لحاظ کیا جائے گا؟

اس کے جواب میں بیشتر مقالہ نگاروں کی رائے یہ ہے کہ دور حاضر میں وہ تمام اوصاف امور کفاءت قرار پائیں گے جو عرف میں نکاح اور شرم وعار کی بنیاد بنتے ہیں، یعنی نسب

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

وخاندان، دیانت وعفت، مال ودولت، صنعت وحرفت، علم وعقل، حسن وجمال، تفاوت عمر اور عیوب سے سلامتی اور خاندانی روایات میں یکسانیت، یہ وہ اوصاف ہیں جن کا کفاءت میں لحاظ کیا جانا ضروری ہے —— اس رائے کے حاملین درج ذیل حضرات ہیں:

مولانا عطاء الرحمٰن قاسمی، **مولانا** عبد القیوم پالنپوری، **مولانا** اسعد فلاحی، **مولانا** شاہد قاسمی، **مولانا** اختر امام عادل، **مولانا** مصطفیٰ قاسمی، **مولانا** ابصار عالم ندوی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مفتی جمیل احمد نذیری، **مولانا** اخلاق الرحمٰن قاسمی، **مولانا** اسماعیل بھدکودروی، **مولانا** عبد الرحمٰن پالنپوری، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، **مولانا** عبید اللہ الاسعدی، مفتی ضیاء الحق، **مولانا** جمال الدین قاسمی، **مولانا** ابراہیم فلاحی، **مولانا** عبد الحنان صاحب۔

ان حضرات کے علاوہ دیگر مقالہ نگاروں کی آراء قدرے فرق کے ساتھ دین واخلاق کے متعلق ہیں۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی، **مولانا** محمد امین بنگلہ دیشی، **مولانا** ابوسفیان مفتاحی کی رائے ہے کہ موجودہ دور میں صرف دین کو معیار بنانا چاہئے، **مولانا** ابو الحسن علی گجراتی کے نزدیک دین کے ساتھ صنعت وحرفت کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے، **مولانا** مبارک حسین ندوی کے نزدیک دین واخلاق کے ساتھ تعلیم کو بھی کفاءت میں شامل کیا جانا چاہئے، **مولانا** فیاض عالم کے نزدیک دین کے ساتھ مال اور حسب بھی معتبر ہے، **مولانا** محبوب علی وجیہی نے تعلیم تہذیب وتمدن اور حرفت کو، ڈاکٹر عبد العظیم صاحب نے دین کے ساتھ تہذیب وتمدن، تعلیم وتربیت، دولت، حسن اور قد وقامت کو معیار بتایا ہے، ڈاکٹر قدرت اللہ صاحب نے یہ رائے دی ہے کہ دین وتقوی کے ساتھ وجاہت، معاشرت، علم اور صحت پر دھیان دینا چاہئے۔ **مولانا** راشد حسین ندوی اور **مولانا** نور الحق رحمانی کے نزدیک دین کے ساتھ مال، حریت اور حرفت، **مولانا** خورشید احمد اعظمی کے نزدیک دین واخلاق کے ساتھ حرفت ومعاشرت، **مولانا** اسرار الحق سبیلی کے نزدیک دین کے ساتھ محض حال (یعنی عیوب وامراض سے سلامتی) اور **مولانا** سید مصلح الدین کے نزدیک تمام امور میں عرف کے

مطابق اعتبار کیا جائے گا۔ البتہ نسب کا اعتبار کرنا اسلامی مزاج کے خلاف ہے۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی کی رائے میں دین وتقویٰ کی بنیادی حیثیت تو منصوص ہے اور ضروری ہے، البتہ دوسری چیزیں مقام اور زمانہ کو سامنے رکھ کر متعین ہوں گی۔ مولانا خورشید احمد اعظمی کی رائے ہے کہ ترجیح تو دین ہی کو ہے، البتہ اگر رشتہ نکاح کرنے میں ہم پیشہ، ہم خیال، عادات اور رہن سہن میں موافق ہو جائے تو بہتر ہے۔

جناب شمس پیرزادہ کا خیال ہے کہ کفاءت صرف ایک مصلحت کی بات ہے نہ کہ شرعی مسئلہ، حضرت مولانا نظام الدین صاحب صدر مفتی دارالعلوم دیوبند کے کلام سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ باب نکاح میں کفاءت کی حیثیت علت تامہ یا علت فاعلی کی نہیں بلکہ یہ حکمت ومصلحت کے قبیل سے ہے اور اس کی علت غائیہ دو ہیں: ایک زوجین میں خوشگوار زندگی گذارنا نصیب ہو جائے۔ دوسری اس نکاح سے لوگوں میں عار پیدا نہ ہو۔

حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب ندوی کی تحریر کا بھی حاصل یہی ہے کہ کفاءت کا حکم کوئی تشریعی نہیں، بلکہ زوجین کی زندگی کی بہتری اور دونوں کے خاندان کے درمیان تعلقات استواری کے پیش نظر ایک نبوی مشورہ ہے جسے قبول کیا جانا چاہئے نہ کہ اسے نکاح کے لئے معیار بنانا چاہئے۔

اکثر مقالہ نگاروں نے اپنی آراء میں دلائل بھی درج کئے ہیں۔ چونکہ ہر ایک کے دلائل کا تذکرہ اس مختصر تحریر میں بہت مشکل ہے، تاہم بیشتر مقالہ نگار حضرات جنہوں نے ان تمام چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، جو ننگ وعار اور فخر کی بنیاد بنتی ہیں، ان کے دلائل میں ثبوت کفو سے متعلق روایات وآثار اور کتب فقہ کی عبارتیں ہیں اور جن حضرات نے مختلف الگ الگ آراء پیش کیں ہیں ان کے دلائل میں ایک تو وہ روایات ہیں جو دین واخلاق سے متعلق ہیں۔ دوسری دلیل عرف وحالات ہیں یعنی جن حضرات کے نزدیک جو چیزیں موجودہ دور میں زوجین اور ان کے خاندان کے درمیان مشکلات پیدا کرنے کی بنیاد بنتی ہیں ان کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔

سوال نمبر ۵ کے سلسلہ میں مقالہ نگار حضرات کی آراء اور دلائل کا حاصل پیش کرنے کے بعد راقم صرف اتنا عرض کر دینا کافی سمجھتا ہے کہ بلاشبہ دین واخلاق تو بنیادی چیز ہے، جس کا ہر دور میں لحاظ رکھنا ضروری ہے، لیکن ان کے علاوہ جو دیگر امور کفاءت ہیں عرف پر مبنی ہیں اس لئے جس زمانہ میں جو اوصاف معیار عزت وذلت بن جائیں کفاءت میں ان کا لحاظ کیا جانا چاہئے، لیکن ان اوصاف کو صحت نکاح کا مدار نہیں سمجھنا چاہئے، بلکہ انہیں ازدواجی زندگی کی خوشگواری اور دونوں خاندان کی استواری کے لئے محض متوقع ذرائع وامکان معاون سمجھنا چاہئے۔

جہاں تک سوال نمبر ۶ کی بات ہے یعنی کفاءت کا اعتبار مرد وعورت دونوں کے بارے میں کیا جائے گا یا صرف عورت کے بارے میں؟ اس سلسلہ میں تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ جمہور فقہاء کے نزدیک کفاءت کا اعتبار صرف عورت کی طرف سے ہوتا ہے مرد کی طرف سے نہیں، مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے نہ کہ عورت کو مرد کا، لیکن صاحبین کے نزدیک مرد عورت دونوں میں کفاءت کا اعتبار ہوگا، لیکن مفتی بہ قول جمہور ہی کا ہے۔

تقریباً تمام مقالہ نگار حضرات نے بدائع الصنائع، درمختار ورد المحتار اور المغنی لابن قدامہ کی عبارتوں کو دلیل میں پیش کیا ہے۔

بدائع کی عبارت ہے: "فالكفاءة تعتبر للنساء لا للرجال على معنى أنه تعتبر الكفاءة في جانب الرجال للنساء ولا تعتبر في جانب النساء للرجال، لأن النصوص وردت بالاعتبار في جانب الرجال خاصة، وكذا المعنى الذى شرعت له الكفاءة يوجب اختصاص اعتبارها بجانبهم، لأن المرأة هي التى تستنكف لا الرجل، لأنها هى المستفرشة، فأما الزوج فهو المستفرش فلا تلحقه الأنفة من قبلها" (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۰)۔

درمختار کی عبارت اس طرح ہے: "الكفاءة معتبرة في ابتداء النكاح للزومه أو لصحته من جانبه أي الرجل لأن الشريفة تأبى أن تكون فراشاً للدنئ ولذا لا

تعتبر من جانبها لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل في الصحيح، أي يعتبر أن يكون الرجل مكافئا لها في الأوصاف الآتية بأن لا يكون دونها فيها، ولا تعتبر من جانبها، بأن تكون مكافئة له فيها، بل يجوز أن تكون دونه فيها" (درمختار مع ردالمحتار ۲/ ۳۴۴)۔

المغنی ابن قدامہ کی درج ذیل عبارت بھی تقریباً تمام مقالوں میں موجود ہے۔

"فالكفاءة معتبرة في الرجل دون المرأة لأن النبي ﷺ لا مكافئ له وقد تزوج من أحياء العرب" (المغنی ۷/ ۳۷۹)۔

بعض حضرات نے فقہ السنہ و دیگر کتب حدیث کے حوالہ سے یہ روایت بھی پیش کی ہے کہ منزلت و رتبہ میں کوئی آپ ﷺ کے برابر نہیں ہوسکتا، حالانکہ آپ ﷺ نے عرب کے متعدد قبیلوں میں شادیاں کیں، اور صفیہ بنت حیی سے آپ ﷺ نے نکاح کیا جو یہودیہ تھیں، اور اسلام قبول کرچکی تھیں (فقہ السنہ ۲/ ۱۴۰)۔

البحر الرائق و متعدد کتب فتاویٰ کے بھی حوالے بعض حضرات نے دیئے ہیں۔

مذکورہ بالا رائے درج ذیل حضرات کی ہے:

مولانا عبد الرحمن پالنپوری، مولانا اخلاق الرحمن قاسمی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا مبارک حسین ندوی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا حبیب الرحمن قاسمی، مولانا عبد الحنان صاحب، مولانا ارشاد احمد قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ابصار عالم ندوی، مولانا فیاض عالم قاسمی، مفتی محبوب علی وجیہی، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا نور الحق رحمانی، مولانا روح الامین، مولانا راشد حسین ندوی، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا محمد امین بنگلہ دیشی، مفتی جمیل احمد نذیری، مولانا ابوسفیان مفتاحی، مولانا ضیاء الحق قاسمی، مولانا ابو الحسن گجرات، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا عبد الرشید قاسمی، مولانا ارشاد قاسمی، مولانا محمد امین نے دو مسئلوں کو جمہور کے اصول سے مستثنیٰ قرار دیا ہے، یہ دونوں مسئلے یہ ہیں:

۱- اگر کسی صغیر یا مجنون کا نکاح باپ، دادا اور بیٹے کے علاوہ کسی نے کرایا یا ان تینوں میں سے کسی ایک نے کرایا جو کہ سوء اختیار میں مشہور ہو تو ایسی صورت میں نکاح درست ہونے کے لئے کفاءت شرط ہے، اگر عورت اس صورت میں مرد کی کفو نہ ہو تو نکاح درست نہ ہوگا۔

۲- دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی شخص نے دوسرے کو بلا کسی قید و پابندی کے نکاح کرانے کا وکیل بنادیا، تو صاحبین (اور بقول مولانا عبد الرشید) امام مالک کے نزدیک وکیل کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ کفو میں نکاح کرائے، ان دونوں صورتوں میں عورت کی جانب سے کفاءت کا اعتبار نہ ہوگا۔

اسی طرح مولانا مسعود عالم فلاحی اور مولانا عبد اللطیف پالنپوری نے بعض فقہاء کی یہ رائے بھی نقل کی ہے کہ اگر نابالغ لڑکے کا نکاح باپ نے کسی ایسی عورت سے کر دیا جو اس کے برابر نہیں ہے تو یہاں کفاءت کا اعتبار عورت کی جانب سے ہوگا اور بلوغ کے بعد مرد کو اختیار ہوگا کہ چاہے تو نکاح فسخ کرادے یا چاہے تو باقی رکھے۔

مذکورہ حضرات کے علاوہ کچھ حضرات کی رائے یہ ہے کہ مرد و عورت دونوں کے بارے میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، اس رائے کے حاملین میں مولانا عبد الرشید صاحب، مولانا خورشید اعظمی، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی، مولانا اسرار الحق سبیلی، ڈاکٹر قدرت اللہ صاحب، حکیم ظل الرحمن صاحب ہیں، حکیم صاحب نے مزید یہ بھی ذکر کیا ہے کہ دونوں کی جانب سے کفاءت کا اعتبار جن حالت میں کیا جائے گا وہ حالت اضافی ہیں، اور حسب حالت اس کا اعتبار قابل ترمیم ہے، کبھی نیک عورت کا نکاح فاسق و فاجر مرد سے کرنے سے اسے بھی نیک بنادیتا ہے۔

مولانا مسعود عالم فلاحی کی رائے ہے کہ عورت اگر مال، پیشہ، نسب وغیرہ میں مرد کے برابر نہ ہو (اور ان کے نزدیک ان چیزوں میں کفاءت ضروری بھی نہیں) تو معاملہ درست ہوسکتا ہے، لیکن خدانخواستہ عورت اگر زانیہ نکل گئی تو مرد کبھی برداشت نہیں کرے گا، کتب احادیث میں لعان کے باب میں مذکور متعدد واقعات سے انہوں نے استدلال کیا ہے، اسی طرح سورۂ نور کی آیات: ۱۳

اور آیت ۲۶ سے انہوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا ہے کہ جب کفاءت فی الدین ہی مطلوب ہے تو کفاءت دونوں طرف سے ہونی چاہئے ،یعنی جس طرح مرد پارسا اور باعفت ہو اسی طرح عورت بھی پرہیز گار اور عفیفہ ہونی چاہئے ،مولانا خورشید احمد اعظمی مرد وعورت دونوں کے بارے میں کفاءت کے اعتبار کی دلیل یہ دیتے ہیں کہ جب اعتبار کفاءت کی علت ''لأن بها تنتظم المصالح'' ہی ہے تو پھر دونوں کو مماثل ہونا چاہئے ، اس لئے کہ مرد کی طرف سے عدم اعتبار کی صورت میں مرد کو یہ احساس ہوگا کہ کہیں کوئی اس کی اولاد کو ابن فلانہ کا طعنہ دیدے اور عورت اس گھٹن میں گھلتی رہے گی کہ وہ اپنے شوہر کی نگاہ میں ایک گھٹیا اور ذلیل عورت ہے ،مولانا ارشاد احمد اعظمی کا استدلال یہ ہے کہ بیوی خاوند کے لئے فراش نہیں، بلکہ زوجین ایک دوسرے کے لئے لباس ہیں :''هن لباس لكم و أنتم لباس لهن'' (سورۂ بقرہ: ۱۸۷) اور انسان (مرد ہو یا عورت) چاہے گا کہ اس کا لباس اس کی حیثیت کا ہو، ان کا کہنا ہے کہ فقہ حنفی میں مرد کے لئے کفاءت کے اعتبار کی متعدد مثالیں ملتی ہیں (التاتارخانیہ ۳/ ۶۸ ،ردالمحتار ۳/ ۶۷ ، ۶۸ ، ۸۴ ، بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۹)۔

البتہ انہوں نے ایک فرق کیا ہے اور وہ یہ کہ لڑکوں کے نکاح میں کفاءت صرف لڑکے کا حق ہے، اگر وہ اس کو ساقط کر دیتا ہے تو کسی کو اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہوگا،لیکن لڑکیوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، یہاں کفاءت کا حق لڑکی اور ولی دونوں کو حاصل ہے، ان میں سے کوئی بھی اگر مطمئن نہیں تو اس کو قاضی کے یہاں فسخ کرا سکتا ہے، ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی مرد وعورت دونوں کی طرف سے کفاءت کے اعتبار کو انصاف کا تقاضا بتاتے ہیں، جب کہ جناب شمس پیرزادہ کی رائے یہ ہے کہ کفاءت کا اعتبار جس طرح مرد کے لئے شرعاً ضروری نہیں اسی طرح عورت کے لئے بھی شرعاً ضروری نہیں ہے۔

اس مسئلہ میں بلا کسی بحث وتبصرہ کے ناچیز کا خیال ہے کہ جمہور کی رائے راجح ہے، اس لئے کفاءت میں محض مرد کی جانب دیکھا جائے گا، سوائے ان دو استثنائی مسئلوں کے جن کا ذکر اوپر ہوا ہے کہ ان میں عورتوں کی جانب سے کفاءت دیکھی جائے گی۔

عرض مسئلہ
(سوال نمبر ۷، ۸)

قاضی عبد الجلیل قاسمی ☆

مجھے مسئلہ کفاءت میں سوال ۷ و ۸ کے بارے میں عرض مسئلہ کی ذمہ داری دی گئی ہے۔

سوال نمبر ۷ کاالف یہ ہے:

کفاءت ولی کا حق ہے، یا عورت کا یا دونوں کا؟

جناب شمس پیرزادہ صاحب نے لکھا ہے کفاءت کے ولی کا حق ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ عورت کو حق کفاءت ہے یا نہیں، اس بارے میں انہوں نے کچھ نہیں لکھا ہے۔ ان کا پورا مقالہ سامنے نہیں ہے کہ کفاءت کے بارے میں ان کا نقطۂ نظر سمجھا جاسکے۔

مولانا عبد العظیم اصلاحی صاحب نے لکھا کہ کفاءت عورت کا حق ہے، مگر ولی کو بھی بالکل بے تعلق نہیں کر سکتے، اس کے لئے انہوں نے کوئی حوالہ نہیں دیا ہے۔

مفتی ضیاء الحق صاحب نے لکھا ہے کہ فقہ کی تمام کتابیں متفق ہیں کہ کفاءت کا حق ولی کو ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شامی کی عبارت پر نگاہ نہیں پڑی ہے، جس کو تقریباً تمام ہی مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے۔

☆ دار القضاء، امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

مولانا محمد ابراہیم فلاحی نے لکھا ہے کہ کفاءت ولی کا حق ہے۔ مگر عورت کا حق ہے یا نہیں اس کی وضاحت نہیں کی ہے۔ اور بدائع کی ایک عبارت لکھا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفاءت ولی کا حق ہے۔

مولانا مبارک حسین ندوی نے لکھا ہے کہ کفاءت ولی کا حق ہے اور کسی حوالہ کے بغیر ایک عبارت ذکر کی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ کفاءت کا حق عورت کو ہے۔

مولانا محمد روح الامین بنگلہ دیش اور مولانا محمد احسان دیوبند نے لکھا ہے کہ کفاءت ولی کا حق ہے عورت کا حق نہیں ہے اور بحر کی ایک عبارت نقل کی ہے: "وحق الولی لا حقها"۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کو ان دونوں بزرگوں نے علامہ شامی کی اس بحث سے اتفاق نہیں کیا ہے جو انہوں نے اس قول پر کی ہے، اکثر مقالہ نگار حضرات نے علامہ کی اس بحث کو نقل کیا ہے، جس میں مثالوں کے ذریعہ ثابت کیا گیا ہے کہ کفاءت عورت کا بھی حق ہے اور جس مسئلہ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ عورت کو یہ حق نہیں ہے اس کی توجیہ کی ہے کہ چونکہ عورت نے خود وہ نکاح کیا ہے، اس لئے اس کو حق کفاءت حاصل نہیں ہوگی۔

حضرت مولانا نظام الدین صاحب، حضرت مولانا سعید الرحمٰن صاحب اعظمی، مولانا مصلح الدین صاحب، مولانا عبید اللہ اسعدی، مولانا اسماعیل، مولانا عبدالحنان، مفتی حبیب اللہ اور مولانا عبدالرحمٰن مؤمن نے اس مسئلہ کو ذکر نہیں کیا ہے۔

مولانا اسعد اللہ قاسمی نے علامہ شامی کی بحث ذکر کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ولی کو حق کفاءت کیسے حاصل ہوگا، جب کہ عاقلہ بالغہ آزاد لڑکی پر ولایت اجبار حاصل نہیں ہے، اگر ولی کو حق کفاءت ہو اور وہ نکاح فسخ کرادے تو یہ اجبار ہے، اگر یہ کہا جائے کہ "دفعا لضرر العار عن أنفسهم" ہے تو اگر کوئی لڑکی کسی کفولڑکے کے ساتھ بھاگ جائے اور نکاح کرلے یا اکیلے بھاگ کر کہیں چلی جائے اور کسی کفو سے نکاح کرلے تو یہ بھی باعث عار ہے، مگر کوئی نہیں کہتا کہ ولی کو فسخ نکاح کرانے کا حق ہوگا۔

مولانا غور کریں تو واضح ہوگا کہ حق کفاءت کے استعمال سے ولایت اجبار لازم نہیں آتا ہے۔ ولایت اجبار کا مطلب ہے کہ اس کی رضامندی واجازت کے بغیر ولی اس کا نکاح کسی سے کرسکتا ہے۔ احناف کے نزدیک بالغہ عاقلہ حرہ میں ولی کو یہ اختیار حاصل نہیں ہے اور ولی اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح کسی سے نہیں کرسکتا۔ بلکہ ایسی عورت اپنا نکاح خود ولی کی رضامندی کے بغیر کرسکتی ہے۔ البتہ اس کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اپنے اولیاء کی عزت ووقار کو بالکل نظر انداز کردے، اس لئے اگر وہ اپنا نکاح کسی مرد سے کرلیتی ہے تو نکاح صحیح ہوجائے گا البتہ اگر ولی کی عزت ووقار کے منافی ہوتو ولی اپنی عزت ووقار کی حفاظت کی غرض سے اس کے کئے ہوئے نکاح کو فسخ کراسکتا ہے۔

مولانا نے لڑکی کے بھاگنے کی جو مثال دی ہے۔ اس میں اگر وہ غور کریں تو محسوس کریں گے، اس صورت میں عار اس کے بھاگنے کی وجہ سے ہے، اس لئے اگر وہ بھاگ کر چلی جائے، کفو سے نکاح کرے یا غیر کفو سے، یا بغیر نکاح کے ہی واپس آجائے ہر حال میں باعث عار ہے۔

باقی تمام مقالہ نگار حضرات نے لکھا ہے کہ کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے، اکثر حضرات نے علامہ شامی کی بحث نقل کی ہے، بعض حضرات نے دوسرے فقہاء کی کتابوں سے بھی نقل کیا ہے، ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا عبد اللطیف پالنپوری، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا ارشاد قاسمی بھاگلپوری، مولانا محمد امین، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا ابو سفیان، مولانا ابو الحسن علی قاسمی، مولانا محبوب علی وجیہی، مولانا عبد القیوم پالنپوری، مولانا عطاء اللہ قاسمی، مولانا اسعد فلاحی، مولانا ابصار عالم ندوی، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا مصطفیٰ قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ولی اللہ قاسمی، مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا راشد حسین، مولانا اخلاق الرحمٰن، مولانا ارشاد

احمد اعظمی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مفتی جمیل احمد نذیری اور مولانا نور الحق رحمانی۔

میرے نزدیک کفاءت کا حق ولی اور عورت دونوں کو ہونا چاہئے۔

سوال نمبر ۷ (ب):

عاقلہ بالغہ خاتون نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کر لیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد اور لازم ہوگا یا نہیں؟

ج - مذکورہ بالا نکاح اگر منعقد ہو گیا تو کیا ولی اس نکاح کو فسخ کرا سکتا ہے؟

اس بارے میں جوابات مختلف ہیں:

مولانا محمد مصطفیٰ قاسمی نے ب کے جواب میں لکھا ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق نکاح منعقد ہوگا، البتہ اولیاء کو حق اعتراض ہوگا۔ (ج) کے جواب میں لکھا ہے، حسن بن زیاد کے مطابق نکاح منعقد ہی نہیں ہوا تو فسخ کی بحث کیسی؟ اپنی کوئی رائے ظاہر نہیں کی ہے۔

مولانا محبوب علی وجیہی اور مولانا عبد الرشید قاسمی نے ایک طرف اس نکاح کو منعقد تسلیم نہیں کیا ہے، دوسری طرف ان کی رائے ہے کہ اولیاء کو فسخ کرانے کا اختیار ہوگا، حالانکہ اگر نکاح منعقد نہیں ہوا تو فسخ کا کیا معنی؟

مولانا محمد امین بنگلہ دیشی اور مولانا نور الحق رحمانی نے لکھا ہے کہ ایسا نکاح منعقد نہیں ہوگا، البتہ اگر غیر مفتی بہ قول کے مطابق منعقد تسلیم کیا جائے تو اولیاء کو فسخ کرانے کا حق ہوگا۔ مولانا مبارک حسین ندوی اور مولانا عبد الحنان گجراتی نے دونوں اقوال نقل کئے ہیں، اپنی رائے ظاہر نہیں کی ہے، مولانا اسعد فلاحی، مفتی حبیب اللہ، مولانا راشد حسین، مولانا عبد الرحمٰن پالنپوری، مولانا ابصار عالم ندوی نے دونوں رائیں ذکر کی ہیں۔ اپنا موقف واضح نہیں کیا ہے، البتہ مجھے محسوس ہوا کہ ان کا رجحان نکاح کے عدم انعقاد کا ہے، مولانا ارشاد اعظمی نے اس نکاح کو موقوف قرار دیا ہے۔

مولانا عبداللطیف پالنپوری، مولانا عبدالرشید قاسمی، مولانا ابوسفیان، مولانا عبدالقیوم پالنپوری، مولانا عطاء الرحمن قاسمی، مولانا ابراہیم فلاحی، مولانا اسماعیل، مولانا جمیل احمد نذیری نے لکھا ہے کہ ایسا نکاح منعقد نہیں ہوگا اور جب نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا تو پھر فسخ نکاح کا سوال ہی کیا ہے؟

ان حضرات نے فتاویٰ دارالعلوم، الحیلۃ الناجزہ، امداد الفتاویٰ، فتاویٰ رحیمیہ، فتاویٰ ہندیہ، شامی، قاضی خاں وغیرہ کی عبارات ذکر کیا ہے۔

اس قول کی بنیاد اس پر ہے کہ ہر ولی معاملہ کو قاضی کی عدالت میں اچھی طرح پیش نہیں کرسکتا، نہ یہ ضروری ہے کہ ہر قاضی انصاف سے کام لے، نیز عدالت میں بار بار جانے کی زحمت کی وجہ سے بھی اولیاء اپنا حق چھوڑ دیں گے۔

بہت سے مقالہ نگار حضرات کی رائے ہے کہ ایسا نکاح منعقد ہوگا۔ ان کے اسماء گرامی یہ ہیں:

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دارالعلوم دیوبند، جناب شمس پیرزادہ، جناب مولنا عبید اللہ اسعدی، مولانا جمال الدین قاسمی، مولانا ظفر عالم ندوی، مولانا اسرار الحق سبیلی، مولانا ارشاد قاسمی بھاگلپوری، مولانا فیاض عالم قاسمی، مولانا ابوالحسن علی، مولانا روح الامین، مولانا محمد شاہد قاسمی، مولانا اختر امام عادل، مولانا ولی اللہ، مولانا اسعد اللہ، مولانا خورشید احمد اعظمی، مولانا سراج الدین قاسمی، مولانا محمد احسان، مولانا اخلاق الرحمن، مولانا عبدالعظیم اصلاحی، ڈاکٹر قدرت اللہ باقوی، مولانا ضیاء الحق۔

ان حضرات نے ظاہر الروایہ پر اعتماد کیا ہے، وجہ یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ اپنے مال ونفس میں تصرف کی مجاز ہے، اگر عدم انعقاد نکاح کا فتویٰ دیا جائے تو گویا اس کو اپنے نفس میں جائز تصرف سے روکنا ہے، البتہ اگر اس نے اپنے نکاح میں اولیاء کے وقار کا لحاظ نہیں کیا ہے، اور اولیاء محسوس کرتے ہیں کہ یہ نکاح ان کے لئے باعث ننگ وعار ہے تو وہ قاضی کے ذریعہ ایسا نکاح

فسخ کرا سکتے ہیں۔

عدم انعقاد کے قائلین کے استدلال کا جواب دیتے ہوئے مفتی جنید عالم صاحب اپنے مقالہ میں فرماتے ہیں:

ہمارے اس زمانہ میں خصوصاً بہار اور اڑیسہ میں الحمدللہ ہر جگہ دارالقضاء کا مستحکم نظام قائم ہے، امیر شریعت کے تحت قاضی کی تقرری ہوتی ہے، قاضی حضرات الحمدللہ نہایت ہی دیانت داری وصاحب تقویٰ ہوتے ہیں، پوری دیانت داری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں، یہاں نہ تو قاضی کے انصاف نہ کرنے کا سوال ہے اور نہ ہی حکام کے سامنے پیشی کی زحمت کا، جو مفتی بہ قول کے بنیاد ہے، اور یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ جس عرف وعادت پر احکام کی بناء ہو اس کے بدل جانے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں، دوسری طرف لوگوں کا مزاج بگڑ چکا ہے، دین سے دوری اور احکام شرعی پر عمل سے بیزاری عام ہے، اگر تھوڑی سی بھی اولیاء کی پسندیدگی کے خلاف نکاح ہو جائے، تو کفو کو غیر کفو قرار دے کر نکاح کو ختم کر سکتے ہیں، یا یہ ممکن ہے کہ بوقت نکاح راضی ہوں اور بعد میں اگر کسی طرح کی ناراضگی ہو تو یہ کہہ کر نکاح کو ختم کر دیں گے کہ ہماری اجازت کے بغیر نکاح ہوا ہے، جس سے فتنہ کے دروازے کھلے گیں، نیز جب یہاں دارالقضاء کا مستحکم نظام قائم ہے، اولیاء اپنا حق وصول کر سکتے ہیں تو احتیاط بھی اسی میں ہے کہ انعقاد نکاح کا فتویٰ دیا جائے، اس بحث کی روشنی میں اور حالات کے پیش نظر میری رائے یہ ہے کہ اگر عاقلہ بالغہ ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لے تو نکاح شرعاً صحیح ہوگا، البتہ اولیاء کو حق اور اعتراض حاصل ہوگا۔ دارالافتاء امارت شرعیہ سے یہی جواب دیا جاتا ہے۔

مولانا ظفر الاسلام ندوی لکھتے ہیں:

پہلی رائے رکھنے والے حضرات کا استدلال یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہر ولی اپنا معاملہ الخ.....لیکن اگر گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو اس استدلال میں کوئی مضبوطی نہیں ہے، کیونکہ اسلامی معاشرہ میں تمام معاملات میں نظام قضاء کو بڑی اہمیت حاصل ہے محض یہی ایک

مسئلہ نہیں ہے کہ جس کی وجہ سے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے سے امت کو بچالیا جائے اور مالی بار سے بچالیا جائے۔

مولانا عبید اللہ اسعدی نے لکھا ہے:

احقر یہ سمجھتا ہے کہ اس رعایت کو شرط لزوم کے درجہ میں ہی رکھنا مناسب ہے، اس کو شرط صحت کا درجہ دینا مناسب نہیں، بس ایک تاکیدی امر قرار دیا جائے اور اس پر اعتراض اور نظر ثانی کا حق رکھا جائے، ایک تو اس لئے کہ اب وہ بنیاد معدوم ہوتی جارہی ہے، جس کے پیش نظر اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی اور نکاح کے عدم انعقاد کو فقہاء نے سوچا، جن لوگوں کے حق میں اس کی رعایت کی جاتی تھی یا کی جاتی ہے۔ خود وہ اس بابت کافی توسع اختیار کر چکے ہیں اچھے اچھے گھرانوں میں مختلف انداز کے ایسے رشتے ہو چکے ہیں جو ان کی پرانی قدروں کے بالکل خلاف ہیں اور اس کے بعد نہ ان کا نسب محفوظ ہے اور نہ وہ خاندانی اور نسبی وعرفی حیثیت، باپ، دادا، چچا وغیرہ نے جب اس رعایت کے بغیر نکاح کیا ہو تو اب چھوٹوں کے اقدام پر یکسر عدم صحت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے، بلکہ اعتراض کا معاملہ بھی قابل غور ہوگا، اور بکثرت اب اولیاء ہی راضی رہتے ہیں اور ماضی کی طرح کچھ زیادہ تحقیق واطمینان کے پیچھے نہیں پڑتے، ہاں جو خانوادے برابر اپنے نسب کی حفاظت اور اپنے خاندانی قدروں کی قدر ومنزلت کو ملحوظ رکھتے چلے آئے ہیں ان کو ضرور حق اعتراض حاصل ہوگا۔

حضرت مولانا مفتی نظام الدین صاحب دامت برکاتہم تحریر فرماتے ہیں:

اور تمام فقہی جزئیات کو سامنے رکھتے ہوئے صرف اتنا عرض ہے کہ نکاح کے مسئلہ کفاءت میں کفاءت اس کی علت تامہ وعلت فاعلی نہیں ہے کہ اس کا تخلف معلول سے نہ ہو سکے، بلکہ مسئلہ کفاءت میں کفاءت محض اس کی حکمت ومصلحت اور سبب کے درجہ میں ہے اور حکمت ومصلحت اور سبب کا تخلف ذی حکمت وذی مصلحت اور ذی سبب سے ہو سکتا ہے، اور اسی طرح حکمت ومصلحت اور سبب کا توافق وتوارد اس کی علت غائیہ سے بھی ہو سکتا ہے، اور کفاءت کے علت غائیہ

دو ہیں اوران ہی دونوں کے اعتبار سے گفتگو کی گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ نکاح صحیح ہونے میں علت غائیہ صرف دو چیزیں ہیں:

۱- زوجین میں خوشگوار زندگی گزارنا نصیب ہوجائے۔

۲- لوگوں میں اس نکاح سے عار پیدا نہ ہو۔

پس علت غائیہ نمبر ۱ کہ زوجین میں خوشگوار زندگی گذارنا نصیب ہوجائے، اس کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد سے نکاح کرنا چاہے اور دونوں کا معاشرہ بالکل یکساں اور ہم رنگ ہو اور دونوں مسلمان ہوں خواہ کسی مختلف خاندان کے ہوں تو ان دونوں کا دو گواہوں کے سامنے نکاح کرلینا شرعاً درست رہے گا، اوران کی اولاد کو جائز النسب اور حلال کہنا بھی لازم رہے گا، اور اگر عورت کے کسی عصبہ اقرب کو عار ہوتو دارالقضاء شرعی میں اپنا معاملہ رکھ کر تفریق کی کوشش کرسکتا ہے، ورنہ صبر کرے، اور یہ جو بعض فقہاء نے لکھ دیا ہے کہ نکاح ہی صحیح نہ ہوگا۔ ان کا یہ کہنا غلط وغیر صحیح ہے، اس لئے کہ اولاً تو حکومت شرعیہ موجود نہیں ہے، اور اگر موجود بھی ہو جب بھی ضروری نہیں ہے کہ دخول سے پہلے ہی حکومت تفریق کردے یا کرادے اور اگر ذرا بھی تخلف ہوجائے اور دخول ہوجائے تو یہ دخول حرام کاری وزنا کے حکم میں ہوگا اور یہ کسی طرح جائز نہیں، اور بعضوں کا یہ وجہ بیان کرنا کہ شرفاء کو دارالقضاء اور عدالت میں جانے آنے میں عار ہوتا ہے اور نہیں جاتے اور یوں ہی گھٹ گھٹ کر مرتے ہیں، اس لئے اس نکاح کو ہی جائز نہ کہا جائے تو یہ وجہ بھی فی زمانہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اب تو اچھے اچھے شرفاء بھی عدالتوں میں آتے جاتے ہیں اور عار نہیں سمجھتے، اس لئے یہ وجہ بیان کرنا غلط اور غیر صحیح اور بے موقع ہے، تیسرے یہ کہ اصل شرعی "و امور المسلمین محمولة على السداد والصلاح" اس کی واضح مثال بھی قواعد الفقہ صفحہ ۱۲ میں بیان کردی گئی ہے، یہ بھی اس حکم مذکور کے خلاف ہے اور چوتھے یہ کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے کتاب الآثار میں ہے کہ ہر مسلمان عاقل بالغ کے قول وفعل کو محمل حسن پر محمول کرنا ضروری ہے اور صورت مذکورہ میں احتمال زنا ہوجانے کی وجہ سے یہ حمل محمل حسن پر

محمول کرنا نہ ہوگا، بلکہ محمل خبیث پر محمول کرنا ہوجائے گا، اس لئے یہ بھی عدم صحت نکاح کی وجہ کسی طرح صحیح اور جائز نہ ہوگی اور ظاہر الروایۃ پر عمل کرنے سے نکاح منعقد وصحیح ہوجائے گا، اور ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہ آئے گی۔

آج کے اس دور میں جب کہ لڑکیوں کی شادی ایک اہم مسئلہ ہے، کنواری لڑکیوں کی شادی کے لیے گارجین کو کتنی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اہل بہار وحیدرآباد اچھی طرح واقف ہیں، ان حالات میں اگر کوئی لڑکی خواہشات نفسانی سے مغلوب ہوکر کسی غیر کفو مرد کے ساتھ نکاح کرلے تو اکثر اولیاء یہ سوچ کر کہ جب کنواری تھی تب تو ہم کوشش کے باوجود اس کی شادی نہیں کرسکے، اب جب کہ اس نے اپنی شادی کرلی ہے اگر ہم اس نکاح کو فسخ کراتے ہیں تو اس کی دوسری شادی مشکل ہی نہیں تقریباً ناممکن ہوجائے گی، وہ صبر سے کام لیتے ہیں اور اپنی بچی کی شادی کو کڑوا گھونٹ سمجھ کر پی لیتے ہیں، اب اگر اس نکاح کو غیر منعقد قرار دیا جائے تو گویا وہ زندگی بھر زنا کے گناہ میں مبتلا رہیں گے، اور اولاد بھی ناجائز ہوگی، اس لئے مولانا ابوالحسن علی کی رائے ہے:

موجودہ حالات کی نزاکت، ملکی قانون نیز اولاد کا اس بے حیائی وبے شرمی والے ماحول سے متاثر ہوکر کسی بھی وقت کوئی غلط قدم اٹھاتے ہوئے غیر کفو میں نکاح کر لینے کے واقعات کا روزمرہ ظہور پذیر ہونا یہ سب اس بات کا تقاضہ کرتے ہیں کہ آج کے ماحول میں فتوی ظاہر الروایہ کے مطابق دیا جائے، تاکہ نفس نکاح تو منعقد ہوجائے اور لڑکا لڑکی کا یہ عمل زنا کاری وحرام کاری نہ شمار ہو یہ ان کو اس فعل قبیح پر آمادہ کرنے کے لئے نہیں ہے، بلکہ حرام کاری کی نسبت سے بچانا ہے۔

الغرض آج کے اس دور میں حالات کا تقاضا ہے کہ ایسے نکاح کو منعقد قرار دیا جائے۔

جناب شمس پیرزادہ، مولانا عبد العظیم اصلاحی، مولانا اسعد اللہ، مولانا اسرار الحق سبیلی کی رائے ہے کہ اس نکاح کو فسخ کرانے کا اختیار ولی کو نہیں ہے، مولانا خورشید احمد اعظمی کا خیال

ہے کہ ولی کو فسخ نکاح نہیں کرانا چاہئے۔

باقی تمام حضرات جنہوں نے اس نکاح کو تو صحیح قرار دیا ہے، ولی کو فسخ نکاح کرانے کا حق بھی دیا ہے اور اس کے لئے فقہ کی کتابوں سے عبارتیں بھی نقل کی ہیں۔

میرا اپنا خیال ہے کہ آج کے دور میں اولیاء کو فسخ نکاح کی کوشش نہیں کرنی چاہئے، اس لئے کہ جس عار کو دور کرنے کے لئے وہ فسخ کرائیں گے فسخ نکاح سے وہ عار تو دور نہیں ہوگا، البتہ اس لڑکی کی شادی میں مزید دشواریاں پیدا ہو جائیں گی۔

سوال ۸ کے جواب میں تمام مقالہ نگار حضرات اس پر متفق ہیں کہ دھوکہ دہی اور غلط بیانی کی صورت میں عورت کو فسخ نکاح کا حق ہوگا، اکثر لوگوں نے اولیاء کو بھی فسخ کرانے کا حق دیا ہے۔

دوسرا باب

تفصیلی مقالات

مسائل کفاءت اور اسلام کا نقطہ نظر

مولانا خالد سیف اللہ رحمانی ☆

ہمارے عہد کے معاشرتی اور سماجی حالات کے پس منظر میں کفاءت کا مسئلہ بہت اہمیت اختیار کر گیا ہے۔ اس کا سبب کچھ تو مسلمانوں کا برادران وطن کا اثر قبول کرنا ہے، اور کچھ یہ ہے کہ ہندو مذہب میں طبقاتی تقسیم کی نسبت سے اکثریتی طبقہ کو جو شرمندگی ہے وہ اس کو کم کرنے کے لئے مسلمانوں کو بھی اپنا شریک ٹھہرانے کی غرض سے اور سیاسی طور پر مسلمانوں کو اونچی اور نیچی ذاتوں کے عنوان سے تقسیم کرنے کے لئے کفاءت کے مسئلہ کو طبقاتی تقسیم کا رنگ دے رہے ہیں، حالانکہ ہندو مذہب میں ذات پات کی تفریق ایک اعتقادی مسئلہ ہے اور مسلمانوں میں برادران وطن سے تاثر کے نتیجہ میں ذات پات کا جو تصور پیدا ہوا ہے وہ محض ایک سماجی مسئلہ ہے۔

۱- کفاءت سے مراد یہ ہے کہ شوہر بیوی کے برابر درجہ کا ہو یا اس سے فائق ہو۔

"مساواۃ الرجل للمرأۃ أو کون المرأۃ أدنی" (ردالمحتار ۳۱۷/۲)۔

کفاءت کو مشروع قرار دینے کا مقصد رشتۂ ازدواج میں پائیداری اور استحکام پیدا کرنا ہے (ارشاد الساری علی البخاری ۱۹/۸)۔

۲- بحیثیت مجموعی فقہاء نے نو امور میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے: نسب و خاندان، آزادی، اسلام میں قدامت، دیانت و تقوی، معاشی سطح، حسب، صنعت و حرفت، پیشہ، عیوب سے محفوظ ہونا اور عقل، فقہاء نے کو کفاءت کو مشروع ہونے کی بابت بعض روایات بھی نقل کی

☆ ناظم المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

ہیں، لیکن یہ روایات ضعف سے خالی نہیں، نیز ان احادیث میں مطلقاً ''أکفاء'' کا یا ''کفو'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، وجوہ کفاءت کا ذکر نہیں، حقیقت یہ ہے کہ کفاءت بنیادی طور پر عرف سے متعلق ہے، اس لئے علامہ ابن ہمام نے بھی لکھا ہے کہ نفس کفاءت کا ثبوت تو دوسرے دلائل سے ہے، لیکن کفاءت سے متعلق تفصیلات عرف ہی سے متعلق ہے۔

''إذا ثبت اعتبار الكفاءة بما قدمناه فيمكن ثبوت تفصيلها أيضا بالنظر إلى عرف الناس فيما يحقرونه ويعرفون به'' (فتح القدیر ۳؍۴۲)۔

۳: الف- امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک نسب میں بھی کفاءت معتبر ہے، یعنی قریشی غیر قریشی کا اور عربی عجمی کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، امام مالک، حنفیہ میں ابو الحسن کرخی، ابوبکر جصاص رازی، نیز سفیان ثوری، علامہ ابن حزم اور عام فقہاء نسب میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں (فتح القدیر ۳؍۱۸۷، رد المحتار ۴؍۳۱۹)۔

ب- نسب میں کفاءت کے تین درجے ہیں: اول: قریش، یہ سب ایک دوسرے کے کفو ہیں، دوسرے: غیر قریشی عرب، یہ قریش کے علاوہ ایک دوسرے کے کفو ہیں، تیسرے: غیر عرب، یہ بھی ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں۔

''ولا تكون الموالي أكفاءً للعرب لفضل العرب على العجم والموالي بعضهم أكفاء للبعض بالنص'' (بدائع الصنائع ۲؍۳۳۷ مع تحقیق عدنان)۔

ج- کفاءت سے متعلق تفصیلات سوال ۶، ۷، ۸ کے جواب سے ظاہر ہے، یہاں صرف اس تذکرہ پر اکتفا کیا جاتا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک بھی صرف دین میں کفاءت کا اعتبار کرنا افضل ہے۔

''وعندنا الأفضل اعتبار الدين والاقتصار عليه'' (بدائع الصنائع ۴؍۳۱۹)۔

۴- حنفیہ کے نزدیک اہل عجم کے درمیان قدامت اسلام بھی کفاءت کے وجوہ میں سے ہے، اس کی تفصیل یوں ہے کہ جس شخص نے خود اسلام قبول کیا ہو اور اس کے والدین کافر

ہوں اور جس کے والدین کافر ہوں اور خود مسلمان ہو وہ امام ابوحنیفہؒ اور امام محمد کے نزدیک ایسے شخص کا کفو نہیں جس کے خاندان میں دو پشتوں سے اسلام ہو، البتہ ایسا شخص جس کے یہاں دو پشت سے اسلام ہو، یعنی باپ اور دادا دونوں مسلمان ہوں وہ تمام مسلمان کا کفو ہے چاہے وہ کئی پشت سے مسلمان ہو، قاضی ابویوسف کو اس کے ایک نکتہ میں اختلاف ہے، ان کے نزدیک جس کے والدین مسلمان ہوں، یعنی ایک پشت سے اس کے خاندان میں اسلام ہو تو وہ تمام مسلمان کے کفو ہیں (ردالمحتار ۲/ ۳۱۹، البحر الرائق ۳/ ۱۳۲)۔

یہ تفصیل حنفیہ کے مسلک پر ہے، دوسرے فقہاء کے نزدیک نومسلم قدیم مسلمانوں کا کفو ہے (المغنی ۷/ ۳۰)۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ عرف ورواج کے مقابلہ اسلام کی مصلحت زیادہ قابل توجہ ہے، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ نومسلموں کو اپنے خاندان میں جذب نہ کرنے کا رجحان فی زمانہ دعوت اسلام کے موانع میں سے ہے، اس لئے موجودہ حالات میں قدامت اسلام میں کفاءت کا اعتبار نہ ہونا چاہئے۔

۵- اگر کفاءت کا اعتبار کیا جائے تو یہ خیال ہوتا ہے کہ درج ذیل امور میں کفاءت کا اعتبار کیا جانا چاہئے:

۱- دین واخلاق، یعنی فاسق وفاجر مرد صالح اور نیک عورت کا کفو نہیں ہوسکتا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۸)۔

۲- حسب، یعنی وہ وجاہت جو کسی خاندان یا فرد کو اس کے علم، عہدہ، حیثیت عرفی اور حکومت واقتدار کی وجہ سے حاصل ہوجایا کرتی ہے، چنانچہ چلپی کا بیان ہے:

"الحسب ما يعده الإنسان من مفاخر آبائه ...... قال ابن السكيت: الحسب والكرم يكونان في الرجل وإن لم يكن له آباء لهم شرف" (حاشیہ چلپی علی الجلبی ۲/ ۱۲۹)۔

(وہ باتیں جو خاندانی مفاخر میں تلاش کی جاتی ہیں، حسب ہے...... ابن سکیت نے کہا ہے کہ بعض دفعہ انسان کو آبائی شرف حاصل نہیں ہوتا، لیکن اس میں کرم وحسب پایا جاتا ہے)۔

اسی طرح محیط میں صدر الاسلام سے نقل کیا گیا ہے کہ صاحب جاہ وحشمت اور اہل عہدہ ومنصب صاحب حسب کہلائیں گے۔

"الحسيب الذی له جاه و حشمة و منصب" (البحر الرائق ۳/۱۳۰)۔

موجودہ دور میں تعلیمی اعتبار سے شوہر کا بیوی کے برابر نہ ہونا بھی حسب میں کفاءت نہ پائے جانے کا مصداق ہے، اور تجربہ یہ ہے کہ یہ بھی ان اسباب میں سے ہے جن کی وجہ سے عورت احساس برتری میں مبتلا رہتی ہے، اور شوہر کی کم علمی اس کے لئے اپنے تئیں حقارت کے احساس کا باعث ہوتا ہے۔

کفاءت کا اعتبار صرف عورت کے حق میں ہوگا، یعنی مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے، اسی پر فتوی ہے۔ علامہ حصکفی نے یہ رائے نقل کر کے لکھا ہے:

"هذا عند الكل فی الصحيح" (درمختار ۲/۳۱۷)۔

۷: الف- صحیح تر قول یہ ہے کہ کفاءت عورت اور ولی دونوں کا حق ہے۔ جیسا کہ علامہ شامی کی تحقیق ہے (الدر المختار ۲/۳۱۷)۔

ب- عاقلہ بالغہ خاتون نے اگر ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لیا تو نکاح منعقد ہو جائے گا لیکن لازم نہ ہوگا، یعنی اولیاء کو اس پر اعتراض اور قاضی کے ذریعہ نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا، فقہاء احناف کی کتابوں میں ظاہر روایات کی حیثیت سے یہی بات مشہور ہے، حسن بن زیاد نے امام ابوحنیفہ سے نقل کیا ہے کہ لڑکی کا غیر کفو میں کیا ہوا نکاح نافذ ہی نہ ہوگا، بعض متاخرین نے اسی پر فتوی دیا ہے۔ لیکن ہمارے موجودہ زمانہ میں اس رائے پر فتوی دینے میں بڑی دقتیں پیدا ہو جائیں گی اور شہروں کے سماج میں ہونے والے بہت سے ایسے نکاح جو ولی کی اجازت کے بغیر ہو جاتے ہیں اور اپنی ناراضگی کے باوجود انجام کار ولی اس پر خاموشی

اختیار کرلیتا ہے، حرام قرار پائے گا، اس لئے موجودہ حالات میں ظاہر الروایت والا قول ہی زیادہ صحیح اور قابل عمل ہے۔

ج - جیسا کہ مذکور ہوا ولی قاضی کے یہاں فسخ نکاح کے لئے استغاثہ کرسکتا ہے، بشرطیکہ ابھی عورت کو اس سے ولادت نہیں ہوئی ہو (ولایت کے باب میں یہ بحث آ چکی ہے)۔

۸ - اس صورت میں لڑکی کو بھی اور اس کے اولیاء کو بھی نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا، مذکورہ ذیل جزئیہ سے اس پر روشنی پڑتی ہے، جسے علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

''لو زوج بنته الصغيرة ممن ينكر أنه يشرب المسكر فإذا هو مدمن له وقالت: لا أرضى بالنكاح أي بعد ما كبرت إن لم يكن يعرفه الأب بشربه وكان غلبة أهل بيته صالحين فالنكاح باطل لأنه إنما زوج على ظن أنه كفوا'' (رد المحتار ۲/ ۳۰۴)۔

البتہ مسئلہ کفاءت میں ناواقفیت کا اعتبار نہیں ہے، یعنی مرد نے خود کو کفو ظاہر نہ کیا، عورت کی طرف سے کفو ہونے کی شرط لگائی نہ گئی، لیکن لڑکی اور اس کے ولی نے کفو سمجھ کر نکاح کر دیا، بعد کو معلوم ہوا کہ وہ کفو نہیں تھا، تو اب کفاءت نہ پائے جانے کی وجہ سے مطالبہ تفریق کا حق باقی نہ رہے گا، چنانچہ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

''ولو زوجوها برضاها ولم يعلموا بعدم الكفاءة ثم علموا لا خيار لأحد إلا إذا شرطوا الكفاءة أو أخبرهم بها وقت العقد فزوجوها على ذلک ثم ظهر أنه غير كفوء كان لهم الخيار'' (درمختار ۲/ ۳۱۸)۔

مسئلہ کفاءت کی شرعی حیثیت

مولانا محمد عبید اللہ الاسعدی ☆

نکاح میں کفاءت کی رعایت کا مسئلہ کم از کم یہ حیثیت تو ضرور رکھتا ہے کہ اس کو خالص شرعی ودینی نہیں کہا جاسکتا، اگرچہ شارع علیہ السلام کی زبان مبارک پر بھی اس کا ذکر آیا ہے اور شرع کے ترجمانوں نے اس کی کافی وضاحت کی ہے اور اس کو کافی اہمیت دی ہے۔

اصلاً یہ مسئلہ ایک معاشرتی مسئلہ ہے اور ایسا معاشرتی مسئلہ جو عادی اور فطری مسائل و امور میں سے ہے، اس کا فی الجملہ لحاظ ہر زمان ومکان، اور ہر قوم ومعاشرہ میں پایا جاتا رہا ہے، ہاں معیار میں یقیناً فرق رہا ہے، لیکن یہ فرق ناگزیر ہے۔

اس کی وجہ بہت واضح اور انتہائی معقول ہے اور وہ یہ کہ رشتۂ ازدواج کی جو اہمیت ہے اس کے پیش نظر اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ یہ گاڑی اس وقت تک کم از کم صحیح ومناسب طور پر نہیں چل سکتی جب تک کہ زوجین کے درمیان مکمل نہ سہی، بڑی حد تک ہم آہنگی نہ ہو، اور یہ ہم آہنگی دونوں کے مزاج میں مناسبت اور توافق کے بغیر نہیں ہوسکتی۔

بہر حال نکاح کے لئے زوجین کے مزاجوں میں ہم آہنگی کا لحاظ ایک اہم اور ناگزیر امر ہے اور اس میں ان تمام امور کا لحاظ کیا جائے گا جو انسانی مزاج وکردار کے بنانے میں موثر ہوتی ہیں، وہ امور جن کا ذکر ہمارے قدیم فقہاء نے کیا ہے اور وہ امور بھی جن کی رعایت آج ضروری محسوس کی جارہی ہے، اس لئے اسلام کے بعد نسب وپیشہ، مالی حیثیت وغیرہ کی رعایت

☆ سکریٹری برائے سمینار اسلامک فقہ اکیڈمی، انڈیا۔

کے ساتھ اس کی رعایت بھی مطلوب ہوگی کہ زوجین کا رہائشی ماحول شہر و دیہات اور تمدن کی ترقی وغیرہ کے اعتبار سے کیا ہے، دیہات کی بچی شہری زندگی کی ذمہ داریاں سنبھال سکتی ہے مگر شہر کی بچی دیہات کی گھریلو ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے عاجز ہوگی، ایک زمیندار اور انتہائی صاحب حیثیت گھرانے کی لڑکی جو گھر کے چولھے اور باورچی خانے وغیرہ جیسے امور سے واسطہ نہیں رکھتی وہ اس گھر کو نہیں سنبھال سکے گی، جہاں گرہستی کا سارا کام گھر کی عورتوں کے ہاتھوں انجام پاتا ہے۔

آخر ''دین و اسلام'' کی رعایت کے تحت صلاح تقوی اور سنت و بدعت کی رعایت بھی تو ضروری ہے، صرف یہ مراد نہیں ہے کہ بس مسلمان ہونا دیکھا جائے۔ نام دیکھ لیا جائے اور خاندانی مذہب، بس، اور اسلام کے احکام پر عمل، نیز زندگی میں عملی اسلام کو اہمیت نہ دی جائے (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۴ر ۲۷۴)۔

اسی بنا پر فقہاء نے جہاں یہ صراحت کی ہے کہ فاسق صالحہ کا کفو نہیں ہے وہیں اس کی بھی صراحت کی ہے کہ اہل سنت والجماعۃ کے لئے دوسرے فرقہ کے لوگ کفو نہیں ہیں (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۴ر ۲۷۴)، شوافع و حنابلہ کے یہاں اس کی صاف لفظوں میں صراحت آئی ہے، امداد الفتاوی (۲ر ۲۲۷ تا ۲۴۲) میں متعدد فتاوی اس بابت آئے ہیں اور استدلال تدین سے متعلق عام عبارتوں سے کیا گیا ہے۔ اگر چہ ان کو دائرہ اسلام سے خارج و باہر قرار نہیں دیا جاتا، اس لئے کہ فکر و عقیدہ کا یہ اختلاف مزاج و معاشرت اور معمولات میں بھی اثر انداز ہوتا ہے اور یہ اختلاف باہمی نزاع اور اختلاف و افتراق کا باعث بھی بنا کرتا ہے۔

اس دور کے اہل نظر فقہاء نے بھی اس بحث کو اور اس کی جزئیات کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۴ر ۲۶۶، ۲۸۶، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷ر ۲۲۹، ۲۳۸)۔

اس بابت فقہاء نے جن امور کے لحاظ کا تذکرہ کیا ہے یہ منصوص بھی ہیں اور ان میں عرف و احوال کا بھی دخل ہے، ظاہر ہے کہ ایسے امور زمان و مکان کے فرق کے ساتھ یقینی طور پر

تبدیلی کو قبول کریں گے۔

ان امور میں سب سے زیادہ اہمیت جس چیز کو دی جاتی رہی ہے، اور جس کو سوالنامہ کے اندر بھی کافی نمایاں کر کے ذکر کیا گیا ہے بلکہ اس سوالنامہ وموضوع کی محرک بھی وہی ہے وہ ہے نسبی کفاءت۔

نکاح میں نسبی کفاءت کے لحاظ کی بابت احقر کے غور وفکر کا حاصل یہ ہے کہ یہ رعایت نہ تو ایسی چیز ہے کہ اس کی خاطر نبی پاک ﷺ کے ارشاد ذیل سے صرف نظر کیا جائے: ''جب تم کو کوئی ایسا شخص پیغام دے جس کے دین واخلاق کو تم پسند کرو تو اس سے رشتہ کردو ورنہ زمین میں فتنہ اور بڑا فساد پیدا ہوگا''۔

اور نہ ہی یہ کہ اس بابت دین واسلام سے نسبت وتعلق کے علاوہ دوسری کسی چیز کو نہ دیکھا جائے، بلکہ بقیہ تمام امور سے صرف نظر کرلیں اور آنکھیں بند کرلی جائیں۔

اس لئے کہ کردار سازی اور مزاج سازی میں دین اور علم دین کا بہت بڑا بلکہ سب سے بڑا دخل واثر پایا جاتا ہے اور یہ امر بقیہ امور پر بھاری پڑتا ہے حتی کہ اس کے پیش نظر بقیہ امور سے صرف نظر کیا جاسکتا ہے بلکہ کرلیا جاتا ہے، مگر اس کے لئے شرط یہ ہے کہ آدمی کا دین سے تعلق صحیح ہو، حقیقی اور واقعی ہو، محض نسبتی، اور رسمی ونسبی دین وعلم نہ ہو، ورنہ تو یہ عام تجربہ ہے کہ صرف ظاہری دینی توافق مقاصد نکاح کے حصول کے لئے اور گھریلو نظم وانتظام کو سنبھالنے وبنانے کے لئے کافی نہیں ہوتا۔

یہی وجہ ہے کہ حکماء اسلام نے اس بابت جو گفتگو کی ہے اس میں دین کو اہمیت وعظمت دینے کے ساتھ اس رعایت کا تذکرہ بھی اہمیت سے کیا ہے، اور اس کو فطریات میں شمار کیا ہے جیسا کہ واقعہ بھی ہے اور شریعت فطریات کا رخ بدلنے کا اور ان کو سنوارنے ومہذب بنانے کا کام کرتی ہے، لیکن اس سے بالکلیہ صرف نظر واعراض اور اس کے ختم کردینے کو نہیں کہتی اور نہ اختیار کرتی ہے۔

جہاں تک فقہاء اسلام اور ائمہ اجتہاد کے یہاں احکام نکاح میں اس کے اعتبار کا سوال ہے، تو ایسا نہیں ہے کہ یہ چیز آج مزاجوں کی خرابی سے پیدا ہوئی ہو، بلکہ اوائل اسلام سے ان حضرات کے یہاں اس کا چرچا وذکر ملتا ہے، اور ایسا بھی نہیں ہے کہ یہ صرف ''فقہ حنفی'' کے مسائل یا ''تفردات وشذوذ'' میں سے ہے، بلکہ اس کی جو نوعیت اوپر ذکر کی گئی ہے اس کی وجہ سے اس کو ایک درجہ قبول عام حاصل رہا ہے۔

چنانچہ حنفیہ کے ساتھ شوافع وحنابلہ، تینوں کے یہاں اس کی اہمیت ہے، جیسے کہ تینوں مذاہب میں پیشے کی بھی اہمیت اور اس کے اعتبار کا ذکر کیا گیا ہے، نیز اس قسم کے بعد دیگر امور کا بھی اس لئے استدلال و دلائل میں اور احکام میں اشتراک پایا جاتا ہے (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۴/۲۷۲،۲۷۶، ۲۷۷، الفقہ الاسلامی ۷/۲۴۰، ۲۴۱)۔ بلکہ حافظ ابن حجر وغیرہ فرماتے ہیں کہ نسبی کفاءت جمہور کے نزدیک معتبر ہے (فتح الباری ۹/۱۳۲، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۲۲۹)، الفقہ الاسلامی میں بھی اس کو جمہور کا مذہب بتایا گیا ہے۔

نسبی کفاءت سے متعلق روایات اور ان کی حیثیت:

فقہاء کے یہاں نسبی کفاءت کی یہ اہمیت وحیثیت صرف عقل اور فطرت وطبیعت کی رعایت میں نہیں ہے بلکہ ان کے پیش نظر وہ نصوص بھی ہیں جو اس بابت نبی کریم ﷺ یا حضرات صحابہؓ سے مروی ہیں، جن سے انہوں نے اس کی تاکید واہمیت کو سمجھا ہے۔

یہ نصوص وروایات تین قسم کی ہیں، بعض تو عام ہیں جن میں مطلق کفاءت ومناسبت کا تذکرہ آیا ہے اور بعض میں خصوصیت سے نسبی پہلو وخصوصیت کا تذکرہ ہے، اور بعض میں ایسے مضامین آئے ہیں جن سے اس کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء نے ان تینوں اقسام کی روایت سے اس موضوع پر استدلال کیا ہے جیسا کہ ''الفقہ الاسلامی'' میں نقل بھی کیا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۲۳۲، ۲۳۳)۔

ان میں سے پہلی اور تیسری شق کی روایات مجموعی طور پر قوت وصحت کے ساتھ بعض انفرادی حیثیت سے بھی صحیح وقوی ہیں، اور دوسری شق یعنی خصوصی صراحت ورعایت پر مشتمل روایات کا معاملہ یہ ہے کہ ان میں سے اکثر کی حیثیت کافی کمزور ہے، لیکن ایسا نہیں ہے کہ وہ مجموعی طور پر بھی کوئی حیثیت نہیں رکھتیں اور نہ یہ کہ انفرادی حیثیت سے سب کی سب غیر معتبر اور کمزور ہیں، مجموعی حیثیت سے بہر حال ان کا یہ مقام ہے کہ ضعف کے باوجود ان سے صرف نظر نہیں کیا جاسکتا، جیسا کہ اصول حدیث واصول فقہ کا ضابطہ بھی ہے اور معروف ہے کہ طرق کا تعدد ضعیف روایات کو قوت پہنچاتا ہے، خواہ ایک ہی روایت ایک سے زائد سند سے مروی ہو یا مضمون ایک ہو اور متعدد صحابہ اس کو روایت کرتے ہوں، اس کے تحت سب شکلیں داخل ہیں۔

نیز تقویت کا دوسرا پہلو ''تلقی بالقبول'' کا ہے، کہ اکثر علماء وائمہ مجتہدین نے اس امر و مضمون کو اہمیت دی ہے، یہ بھی ایک مستقل اصل ہے جس سے حدیث ضعیف کی تقویت ہوتی ہے، بلکہ اس کو قطعیت تک حاصل ہوجاتی ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو احقر کا مقالہ بحث ونظر شمارہ ۳۵، ۳۶)۔

ہدایہ کے مشہور شارح جن کی احادیث پر بھی محققانہ وناقدانہ نظر تسلیم کی جاتی ہے، یعنی کمال الدین ابن ہمام ان کی بابت فرماتے ہیں:

یہ ضعیف احادیث متعدد طرق سے مروی ہیں، لہذا ایک دوسرے کو قوت پہنچاتی ہیں اور ایک دوسرے سے قوت حاصل کرنے اور شواہد کی وجہ سے یہ حجت ہیں، جس کی وجہ سے ان کے معنی اور حضور ﷺ سے ان کے ثبوت کا ظن غالب حاصل ہوتا ہے، اور یہ ظن غالب ان کو ''حسن'' کے مرتبہ ودرجہ تک پہنچادیتا ہے، اور استناد واستدلال کے لئے اتنا کافی ہے (فتح القدیر ۴/ ۴۱۷)۔

اس موقع سے ہم تینوں قسم کی روایات کو ترتیب سے ذکر کر رہے ہیں، تا کہ مجموعی طور پر ان روایات کا تعارف اور ان سے متعلق بصیرت حاصل ہوسکے۔

الف: عمومی کفاءت کی رعایت سے متعلق روایات:

۱-حضرت علیؓ کی معروف روایت:

"یا علی ثلاث لاتؤخرها الصلوة إذا أتت، والجنازة إذا حضرت، والأیم إذا وجدت لها كفوا" (اے علی تین چیزوں کومؤخر مت کرو، نماز کو جب اس کا وقت آجائے، اور جنازہ جب آجائے اور بے نکاحی عورت جب تم اس کا ہم پلہ مرد پالو تو اس کے نکاح کومؤخر نہ کرو) (جامع ترمذی، ابواب الصلاۃ، باب ماجاء فی الوقت الاول من الفضل، اخرجہ الحاکم وصححہ ہو والذہبی کلاہما مستدرک ۲/ ۱۶۲) ترمذی کے اکثر نسخوں میں اس کی بابت "حسن" آیا ہے اور شیخ احمد محمد شاکر فرماتے ہیں: اسنادہ صحیح رجالہ ثقات (ترمذی بتحقیق احمد شاکر ۱/ ۳۲۱)، زیلعی نے جو اس کی بابت یہ نقل کیا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے (نصب الرایہ ۳/ ۱۹۶)، تو شیخ احمد شاکر اور صاحب تحفہ دونوں نے اس کی تردید کی ہے (تحفۃ الاحوذی ۱/ ۴۱)، جامع الاصول کے حاشیہ میں محقق نے جو نقد ذکر کیا ہے اس کا تعلق انقطاع سے نہیں بلکہ ایک راوی کی حیثیت سے ہے (حاشیہ جامع الاصول ۵/ ۲۳۴) مگر اس کو حافظ ابن حجر نے مقبول کہا ہے (تقریب ۱/ ۲۹۹))۔

۲-حضرت عائشہؓ کی روایت:

"تخیروا لنطفکم، وأنکحوا الأکفاء وأنکحوا إلیهم" (اپنے نطفوں کے لئے بہتری تلاش کرو، اور ہم پلہ لوگوں میں نکاح کرو اور ان کے ساتھ اپنی عورتوں کو منسوب کرو) (ابن ماجہ، کتاب النکاح، باب الأکفاء)۔ ورواہ الدارقطنی والحاکم والبیہقی عن عائشہ مرفوعا وکذا عن عمر، کشف الخفاء ۱/ ۳۰۲، ابتدائی لفظ و ٹکڑے کے ساتھ یہ روایت مختلف الفاظ میں آئی ہے جن میں سے اکثر کی تقویت نہیں کی گئی ہے بلکہ ضعف سے بڑھ کر وضع کی صراحت کی گئی ہے جیسے کہ مذکورہ لفظ جو خصوصیت سے حضرت عائشہ سے مروی ہے، اس پر بھی تنقید ہے اس لئے کہنے والوں نے "لیس له اصل" اور له اسانید فیها مقال وغیرہ کہا ہے۔ کشف الخفاء ۱/ ۳۰۲، ابن ماجہ تحقیق مصطفی اعظمی، ضعیف الجامع الصغیر ۳/ ۴۷ وغیرہ، لیکن حضرت عائشہؓ سے منقول مذکور لفظ کی تائید دیگر احادیث سے بھی ہوتی ہے مختصر المقاصد (ص ۸۴) میں اس کو حسن کہا ہے ناصر الدین البانی نے "صحیح الجامع الصغیر" میں اس کو صحیح کہا ہے (۲/ ۳۷) اور حاکم نے اس کی تصحیح کی ہے (مستدرک ۲/ ۱۶۳) حافظ نے درایہ میں تو سکوت کیا ہے مگر فتح میں فرمایا ہے: "أخرجه أبو نعیم من حدیث عمر أیضا، وفي إسناده مقال یقوی أحدا لإسناد ین بالآخر" (فتح الباری ۹/ ۱۲۵، دار قطنی میں مختلف سندوں سے آئی ہے)۔

۳-حضرت جابر بن عبداللہ کی روایت:

''لا تنكحوا النساء إلا الأكفاء'' (عورتوں کو ان لوگوں کے نکاح میں ہی دو جو کہ ہم پلہ وکفو ہوں) (رواہ الدارقطنی والبیہقی، وفیہ بشر بن عبید اللہ وہو متروک، نصب الرایہ ۱۹۶/۲، دارقطنی النکاح، البیہقی ۱۳۳/۷ اور زیلعی نے دوسرے حضرات کی طرف بھی اس کو منسوب کیا ہے اگرچہ علامہ نقدی نقل کیا ہے دارقطنی وبیہقی وغیرہ سب نے تضعیف کی ہے)۔

ب-نسبی کفاءت کی رعایت وبیان پر مشتمل روایات:

۱-حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت:

''العرب بعضهم أكفاء لبعض قبيلة بقبيلة ورجل برجل'' (عرب بعض بعض کے لئے کفو ہیں، قبیلہ قبیلہ کا، اور فرد فرد کا) (یہ روایت مختلف لفظوں کے ساتھ آتی ہے اس کے شروع میں "قريش بعضهم أكفاء لبعض" کا جملہ بھی آیا ہے۔ مسند بزار میں یہ روایت حضرت معاذؓ سے مروی ہے جس کو جمع الفوائد میں اور فتح الباری میں ضعیف کہا گیا ہے مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے مروی ہے اور حضرت عائشہؓ سے بھی مروی ہے (جمع الفوائد ۲۱۸/۱، فتح الباری ۱۳۳/۹، نصب الرایہ ۱۹۷/۳، ۱۹۸))۔

۲-حضرت ابوہریرہؓ کی روایت:

''خير نساء ركبن الابل صالح نساء قريش أحناه على ولد في صغره و أرعاه على زوج في ذات يده'' (اونٹ پر سواری کرنے والی عورتوں میں سب سے بہتر قریش کی نیک خواتین ہیں جو عورتوں میں سب سے زیادہ بچوں پر، ان کی صغرسنی میں شفیق ہوتی ہیں اور سب سے زیادہ اپنے شوہروں کا ان کی املاک وغیرہ میں خیال ولحاظ کرتی ہیں) (بخاری، کتاب النکاح، باب الی من ینکح وای النساء خیر، وسلم فضائل الصحابۃ باب فضائل نساء قریش)۔

اس حدیث میں قریش کی عورتوں کی تعریف جن صفات وخصوصیات کی وجہ سے ہے، ان کا تعلق عائلی اور ازدواجی زندگی وذمہ داریوں سے ہے، اسی لئے محدثین نے اس کو اسی سیاق میں ذکر کیا ہے اور اس سے نسبی کفاءت وخصوصیت کی رعایت کا استنباط کیا ہے، اس کا تذکرہ امام

دہلویؒ کے کلام میں گذر چکا ہے، اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نسبی کفاءت معتبر ہے اور یہ کہ غیر قریشی عورتیں ان کی کفو نہیں ہیں (فتح الباری ۹/۱۲۶)۔

۳-حضرت ابوہریرہؓ کی روایت:

''تنكح المرأة لأربع: لمالها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك'' (بخاری، کتاب النکاح، باب الاکفاء فی الدین ومسلم باب استحباب نکاح ذات الدین) (عورت سے نکاح چار چیزوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اس کے مال کی وجہ سے، اور اس کے حسب ونسب کی وجہ سے، اور اس کے جمال کی وجہ سے، اور اس کے دین کی وجہ سے، تم تو نیک ودین والی عورت کو حاصل کرو، تمہارے ہاتھ خاک آلودہ ہوں)۔

اس حدیث میں اگرچہ اخیر میں حکم اور تاکید دین کی بنیاد پر رشتہ کرنے کی ہے، مگر اس کے ساتھ ان امور میں جن کی رعایت عامۃ کی جاتی ہے، حسب ونسب کا بھی تذکرہ آیا ہے، اس لئے یہ اس کا مطلقاً رد وانکار نہیں ہے جیسا کہ شاہ ولی اللہ صاحب کا ارشاد گذر چکا ہے، حافظ ابن حجرؒ قرطبی سے نقل کرتے ہیں: یہ چاروں خصلتیں وہ ہیں جن کی وجہ سے کسی عورت سے نکاح کی رغبت کی جاتی ہے، تو یہ جو چیز واقع ہے اس کی خبر وبیان ہے، یہ نہیں کہ حکم ہے (کہ ایسا کیا کرو اور اس کے خلاف نہ کیا کرو) بلکہ بظاہر تو یہ ان میں سے ہر امر کو مدنظر رکھ کر نکاح کرنے کی اباحت و اجازت ہے، البتہ دین کی رعایت وقصد اولی ہے (فتح الباری ۹/۱۳۶)۔

۴-حضرت ابوسعید خدری کی روایت:

''إياكم وخضراء الدمن'' (بچو گھوڑے کے سبزے سے) یعنی بظاہر خوبصورت وباجمال اور بباطن خبیث وبدخصال عورت سے بچو (رواہ الدارقطنی فی الافراد وابن عدی فی الکامل والخطیب والدیلمی وغیرہم من حدیث الواقدی عن ابی سعید مرفوعاً۔ ورواہ فی تحفۃ العروس عن عمر موقوفاً، کشف الخفاء ۱/۲۷۴، المقاصد الحسنہ میں اس کو ضعیف کہا ہے المقاصد الحسنہ ص ۱۳۵ اور کشف الخفاء میں ملا علی قاری سے نقل کیا ہے: موقوف ہو یا مرفوع مگر یہ موضوع نہیں ہے)۔

۵-اور حضرت عمرؓ سے مروی ہے:

''إیاکم وخضراء الدمن فانها تلد مثل أصلها وعلیکم بذات الأعراق فانها تلد مثل أبیها وعمها وأخیها''۔

(بچو بظاہر خوبصورت بباطن بدسیرت عورت سے کہ ایسی عورت اپنی اصل کے مانند بچہ جنے گی، اور ایسی عورت اپناؤ جو حسب ونسب والی ہو کہ وہ اپنے باپ و چچا اور بھائی کی مانند بچے پیدا کرے گی)۔

۵-حضرت عمرؓ کا ارشاد:

''والذی نفس عمر بیده لأمنعن فروج ذوات الأحساب، إلا من الأکفاء، وفی روایة: قلت: وما الأکفاء؟ قال: فی الأحساب'' (اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں عمر کی جان ہے، میں حسب والی عورتوں کو ضرور روکوں گا کہ وہ شادی صرف کفو میں کیا کریں، ایک روایت میں ہے ان سے پوچھا گیا کہ کفو سے کیا مراد ہے؟ تو فرمایا: حسب والے) (حضرت عمر کا یہ ارشاد متعدد کتابوں میں آیا ہے، دارقطنی نے حضرت عائشہ سے بھی اس کو نقل کیا ہے اور مصنف عبد الرزاق میں یہ بھی آیا ہے "وکان یشدد فی الاکفاء"،مصنف عبد الرزاق ۶/ ۱۵۲، ۱۵۴،سنن البیہقی ۷/ ۱۳۳،والدارقطنی ۳/ ۲۹۸،نیل الاوطار ۶/ ۱۴۴)۔

۶-حضرت سلمان کا ارشاد:

"نفضلکم یا معشر العرب لتفضیل رسول الله ﷺ إیاکم، لا ننکح نسائکم ولا نؤمکم فی الصلاة" (جماعت عرب، ہم لوگ تم کو افضل قرار دیتے ہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے تم کو افضل بتایا ہے، ہم تمہاری عورتوں سے نکاح نہیں کر سکتے اور نہ نماز میں تمہاری امامت کریں گے) (حضرت سلمان کا یہ ارشاد بھی متعدد کتابوں میں آیا ہے بعض لوگوں نے اس کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے مگر بیہقی وغیرہ کا کہنا ہے کہ محفوظ موقوف ہے ابن ابی حاتم اور سعید بن منصور وغیرہ نے بھی روایت کیا ہے شیخ الاسلام ابن تیمیہ نے اس کی سند کی بابت فرمایا ہے "وهذا اسناد جید" اور اس کو تفصیل سے نیز متعدد طرق والفاظ سے نقل کیا ہے (اقتضاء الصراط المستقیم ص ۹۳ تا ۹۴، مصنف عبد الرزاق ۶/ ۱۵۳، البیہقی ۷/ ۱۳۴، اعلاء السنن ۱۱/ ۷۸))۔

ج۔نسبی ونسلی طور پرصفات وخصوصیات کے پائے جانے کو بتانے والی روایات:

احقر یہ سمجھتا ہے کہ اس بابت وہ روایات بھی اہمیت رکھتی ہیں جن سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ گوشت وپوست، خون ودودھ کے ساتھ اور ان کے واسطے سے ان میں پائی جانے والی خصوصیات بھی اگلے افرادیعنی اولاد کی طرف منتقل ہوتی ہیں، جس کا صاف مطلب یہ ہے کہ ہر فرد کے اندراس کے خاندانی اثرات، صفات وصلاحیتیں، اوپر کے افرادیعنی باپ، ماں اوردادا وغیرہ سے منتقل ہوتے ہیں، تو جب یہ صفات منتقل ہوتی ہیں، جیسے کہ وہ روایات معروف ہیں جو مصاحبت کی بناپر اثرات وصفات کے منتقل ہونے کو بتاتی ہیں تو زوجین کا باہمی تاثر اور اس سے آگے بڑھ کر پھر اولاد کا ان سے تاثر ناگزیر ہے۔اورظاہر ہے کہ انسان کے اندر پائی جانے والی تمام صفات اور خصلتیں پسندیدہ نہیں ہوتیں۔ اور جب یہ سب چیزیں منتقل ہوتی رہتی ہیں تو رشتہ کرنے میں اس کا لحاظ کرنا ہوگا کہ جس سے رشتہ کرنا ہے اس کے اندر پائی جانے والی صفات کس قسم کی ہیں۔

گذشتہ صفحات میں جن روایات کا تذکرہ آیا ہے ان میں سے بھی بعض اس کو بتاتی ہیں، جیسے "ایاکم وخضراء الدمن" والی روایت، مزید روایات ذکر کی جاتی ہیں ان روایات کو دوسرے حضرات نے بھی ذکر کیا ہے۔

۱۔حضرت ابوہریرہؓ کی روایت:

"الناس معادن کمعادن الذهب والفضة، خیارکم فی الجاهلیة خیارکم فی الإسلام" (بخاری، کتاب الانبیاء، باب المناقب ومسلم کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش۔ یہ روایت لفظ کے فرق واختلاف کے ساتھ دوسرے مواقع وکتب میں بھی آئی ہے)۔

اس حدیث کا مفہوم یہ ہے کہ آدمی اپنی خاندانی صفات وحالات میں معدنیات کی کانوں کی طرح ہوتا ہے کہ جیسے ہر چیز کی کان سے وہی چیز نکلتی ہے جس کی کان ہوتی ہے، اسی طرح ہر گھرانہ وقبیلہ کا فرد اپنے گھرانہ وقبیلہ کی صفات کا حامل ہوا کرتا ہے اور یہ صفات دین ومذہب کے

بدلنے سے بدلتی نہیں ہیں بلکہ برقرار رہتی ہیں، ہاں بدلا ہوا ماحول، فکر، عقیدہ ومذہب، ان کے رخ کو بدل دیتا ہے، اس لئے جو قبائل وافراد جاہلیت وکفر کے حال میں امتیازات وخصوصیات رکھتے تھے اسلام کی بعثت کے بعد اسلام سے تعلق نے ان کو ختم نہیں کیا بلکہ رخ بدلا اور جلا بخشی۔

نسبی کفاءت کا لحاظ واعتبار اسی پر مبنی ہے کہ اس قسم کی صفات جہاں گھرانہ کے افراد میں متحد ومتفق ہوتی ہیں وہیں گھرانہ وخاندان کے بدلنے میں مختلف ومتضاد بھی ہوجاتی ہیں، اسی لئے اس روایت کو بھی کفاءت کے بیان ولحاظ میں ذکر کیا جاتا ہے (نیل الاوطار ۱۳۶/۶، الفقہ الاسلامی ۲۳۳/۷)۔

۲-حضرت عبداللہ بن السائب کی روایت:

''قدموا قریشا ولا تقدموها'' (قریش کو آگے رکھو اور برتری وتفوق دو، اور ان سے آگے مت ہو) (یہ روایت حضرت عبداللہ بن السائب کے علاوہ حضرت ابوہریرہؓ وحضرت علیؓ وغیرہ سے بھی مروی ہے اور اس کو امام شافعی، بیہقی، طبرانی، وبزار وغیرہ نے روایت کیا ہے مجمع الزوائد (۲۵/۱۰) میں اس کی بابت آیا ہے، رواہ الطبرانی وفیہ ابومعشر وحدیثہ حسن وبقیۃ رجالہ رجال الصحیح، اور ناصر الدین البانی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے (صحیح الجامع الصغیر ۱۳۶/۴))۔

اس کو اس سیاق میں اس حیثیت سے ذکر کیا جاتا ہے کہ اس سے پہلے بنی کنانہ اور قریش وغیرہ کے تفوق وامتیاز کو ذکر کیا گیا ہے، اس لئے اس سے بھی اس بابت استدلال کر لیتے ہیں جیسا کہ حافظ ابن حجر نے بھی فرمایا ہے (فتح الباری ۱۳۳/۹)۔

۳-حضرت عائشہؓ کی روایت:

''لاتسترضعوا الحمقاء فإن اللبن یورث'' (کم عقل عورت سے دودھ مت پلواؤ، اس لئے کہ دودھ دودھ والی کی صفات کا وارث بناتا ہے) (جمع الفوائد ۲۲۱/۱ رفیہ للصغیر بضعف، یعنی اس کو طبرانی نے المعجم الصغیر میں روایت کیا ہے اور روایت ضعیف ہے مجمع الزوائد ۲۶۵/۴)۔

۴-اس قسم کی روایات اور بھی ہیں چند روایات مقصد کی وضاحت کے لئے کافی ہیں، پیچھے ''إیاکم وخضراء الدمن'' والی روایت میں وضاحت کے ساتھ آیا ہے کہ جیسی ماں ہوگی

ویسی ہی صفات کی اور اس کے گھرانہ کے افراد کی صفات کی اولاد بھی ہوگی۔

خلاصہ یہ کہ یہ مختلف قسم کی روایات ہیں جن کا مجموعہ، کافی قوت واعتماد رکھتا ہے ان سے انسانی افراد کے اندر گھرانوں وخاندانوں کی صفات کا پایا جانا اور یہ کہ نکاح ورشتہ میں اس کا لحاظ کیا جانا چاہئے۔ثابت ہوتا ہے۔

نسبی کفاءت کی رعایت کا حکم:

جہاں تک اس کا سوال ہے کہ یہ رعایت کس حد تک مطلوب ہے اور باعتبار حکم اس کا کیا درجہ ہے، یہ شرط صحت ہے یا شرط لزوم۔

تو مذاہب ثلاثہ میں اس کی حیثیت شرط لزوم کی ہے اور حنفیہ کے یہاں بھی ظاہر الروایۃ یہی ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کے خلاف کرنے کی صورت میں نکاح ہوتو جاتا ہے مگر اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہوتا ہے اور دارالقضاء وقاضی کے واسطے سے نکاح کو فسخ کرایا جاسکتا ہے۔حنفیہ کے یہاں دوسری روایت یہ ہے کہ شرط صحت ہے، نکاح ہوگا ہی نہیں اگر اس کے خلاف کیا جائے، متاخرین فقہاء حنفیہ نے اسی کے موافق فتوی دیا ہے مگر اس بابت کچھ تفصیلات بھی فتاوی میں ملتی ہیں۔

احقر یہ سمجھتا ہے کہ اس رعایت کو ''شرط لزوم'' کے درجہ میں ہی رکھنا مناسب ہے، اور اس کو شرط صحت اور وجوب کا درجہ دینا مناسب نہیں، بس ایک تاکیدی امر قرار دیا جائے اور اس پر اعتراض اور نظر ثانی کا حق رکھا جائے، ایک تو اس لئے کہ اب وہ بنیاد منہدم ہوتی جارہی ہے جس کے پیش نظر اس کی اہمیت بہت زیادہ تھی، اس لئے کہ جن لوگوں میں اس کی رعایت کی جاتی تھی یا کی جاتی ہے خود وہ اس بابت کافی توسع اختیار کر چکے ہیں، اچھے اچھے گھرانوں میں مختلف انداز کے ایسے رشتے ہو چکے ہیں جو ان کی پرانی قدروں کے بالکل خلاف ہیں اور اس کے بعد نہ ان کا نسب محفوظ ہے اور نہ وہ خاندانی اور نسبی وعرفی حیثیت ،باپ، دادا، چچا وغیرہ نے اس رعایت کے بغیر نکاح کیا ہوتو اب چھوٹوں کے اقدام پر یکسر عدم صحت کا حکم نہیں لگایا جاسکتا، بلکہ اعتراض کا

معاملہ بھی قابل غور ہوگا۔ اور بکثرت اب اولیاء ہی راضی رہتے ہیں اور ماضی کی طرح کچھ زیادہ تحقیق و اطمینان کے پیچھے نہیں پڑتے۔ ہاں جو خانوادے برابر اپنے نسب کی حفاظت اور اپنی خاندانی قدروں کی قدر و منزلت کو ملحوظ رکھتے چلے آرہے ہیں ان کو ضرور حق اعتراض حاصل ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اس کی اصل دلیل وہ روایات ہیں جو دونوں قسم کی ہیں توسع اور عدم رعایت والی روایات بھی کافی قوی و معتبر ہیں جن کی وجہ سے بہت سے حضرات نے اس کو رد ہی کردیا ہے، تو حکم میں دونوں کی رعایت کی جانی چاہئے، اور یہ اس طرح ممکن ہے کہ اس کے خلاف نکاح کو باطل و فاسد اور غیر منعقد قرار نہ دیا جائے بلکہ حالات کی رعایت و لحاظ کے بعد اعتراض کا حق دیا جائے، حضرت مولانا ظفر احمد صاحب نے اعلاء السنن میں ان روایات کی بناپر ہی استحباب کی رائے اختیار کی ہے، اور یہی زیادہ مناسب معلوم ہوتی ہے۔

ان روایات سے مراد وہ روایات ہیں جن میں حضرت زینب بنت جحش کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ کے نکاح کا، اور حضرت فاطمہ بنت قیس کے ساتھ حضرت اسامہ کے نکاح کا، اور حضرت ہند بنت الولید کے ساتھ حضرت سالم مولی ابوحذیفہ کے نکاح کا، اور بنو بیاضہ کی ایک خاتون کے ساتھ حضرت ابو ہند کے نکاح کا اور حضرات انصار میں حضرت بلال کے نکاح کا تذکرہ آیا ہے (الفقہ الاسلامی ۷/۲۳۱، اعلاء السنن ۱/۵۷تا۸۰)۔ مذکورہ روایات صحاح ستہ وغیرہ میں آئی ہیں اور معروف ہیں، مذکورہ حضرات صحابہ موالی وغلاموں میں سے اور خواتین قریش یا انصار کے معزز قبائل سے تعلق رکھتی تھیں مگر اس کے باوجود خاندانی کفاءت سے صرف نظر کرکے نکاح کیا گیا، اگر چہ اس میں صحابہ کی دینی حیثیت کا لحاظ کیا گیا ہے اور اس کے مقابلہ میں خاندانی حیثیت کو اہمیت نہیں دی گئی ہے۔

مسئلہ کفاءت کی شرعی حیثیت

مفتی محبوب علی وجیہی ☆

اسلام نے نکاح کو پائیدار بنانے شوہر اور بیوی کے درمیان انتہائی محبت واخلاص پیدا کرنے اور اس کو تاحیات باقی رکھنے پر انتہائی توجہ دی ہے، نکاح میں دو انسانوں کے درمیان بعض فطری چیزیں ایک دوسرے سے مزاجاً علاحدہ علاحدہ ہیں، ان میں اتحاد اور طریقہ زندگی میں زائد سے زائد ہم آہنگی اور میل ملاپ قائم رکھنے کے لئے بہت سے اقدامات کئے ہیں، مثلاً عام رواج کے خلاف بیوی کو بہت سے حقوق عطا کئے اور یہ احساس پیدا کرنے کی کوشش کی کہ شوہر بیوی کو عزت اور وقار دے اور اپنا مخلص رفیق سفر سمجھے، اسی میں سے کفو کا مسئلہ بھی ہے، شوہر بیوی سے اگر بعض چیزوں میں کمتر وحقیر ہوگا تو بیوی کی نظر میں باوقار اور باعزت نہیں ہوگا جس کی وجہ سے شوہر کی حاکمیت متاثر ہوگی اور یہ چیز باعث نزاع ہوگی اور فتنوں کو پیدا کرے گی اور گھر جہنم ہوجائے گا، کفاءت کا مدار عرف وعادت پر ہے، اس لئے عرف کے بدلنے کے ساتھ اس کے احکام بھی بدل جائیں گے، مثلاً عرب میں نسب پر بہت زور اور توجہ دی جاتی تھی وہ انساب کو خلط ملط نہیں ہونے دیتے تھے، اس لئے ان کے یہاں نسب میں ذرا بھی کمی بیشی کو عیب سمجھا جاتا تھا، برخلاف عجمیوں کے کہ ان کے یہاں اس میں اتنی احتیاط نہیں تھی، اس لئے ان کے نسب خلط ملط ہوگئے اور عرفاً عجمیوں میں اس کا اعتبار نہیں رہا اور فقہاء نے یہ فیصلہ کردیا کہ "لا اعتبار في النسب بين الأعاجم في مسئلة الكفاءة، لأن الأعاجم ضيعوا أنسابهم" لیکن بعض

☆ دار العلوم فرقانیہ رامپور۔

سیاسی اور کچھ دیگر اسباب کی وجہ سے ہندوستان میں ذات برادریوں میں انسانوں کو بانٹ دیا گیا ہے اور ایک برادری کے لوگ تعصباً دوسری برادری میں شادی نہیں کرتے، علماء کا یہ فرض منصبی ہے کہ اس کے خلاف مؤثر تحریک چلائیں، تا کہ مسلمان ذات برادری میں نہ تقسیم ہوں، میرے نزدیک اس مسئلہ میں نہ ولی کو اعتراض ہونا چاہئے اور نہ اسے حق فسخ ملنا چاہئے اور اب تو عرب میں بھی نسب کا اعتبار تقریباً جاتا رہا، خال خال کچھ خاندان ایسے ملیں گے جنہوں نے اپنے نسب کو باقی رکھا ہوگا۔ آج سے بہت پہلے علامہ ابن عابدین اپنی کتاب شامی میں فرماتے ہیں، شام وعرب میں اکثریت موالی وغیرہ کی ہے، وہ لوگ عربی زبان ضرور بولتے ہیں، لباس وغیرہ بھی ویسا ہی استعمال کرتے ہیں لیکن وہ خالص عرب نہیں ہیں۔

علامہ شامی کہتے ہیں: ''أفاد أن الإسلام لا يكون معتبرا في حق العرب كما اتفق عليه أبو حنيفة و صاحباه، لأنهم لا يتفاخرون به و إنما يتفاخرون بالنسب''۔

فقہاء نے نومسلم اور قدیم الاسلام مسلمان میں بھی فرق کیا ہے، چنانچہ درمختار میں ''حرية و إسلاما'' کے تحت لکھا ہے: ''فمسلم بنفسه أو معتق غير كفوء لمن أبوها مسلم أو حر أو معتق أو أمها حرة الأصل ومن أبوه مسلم أو حر غير كفوء لذات أبوين''۔

میں کہتا ہوں یہ اعتبار اس زمانہ کی عادت اور عرف کے اعتبار سے صحیح ہے، لیکن اس زمانہ میں حریت کے اعتبار سے سب سے برابر ہیں، کیونکہ اب غلامی کا وجود کہیں نہیں ہے اور ایسے ہی پہلے مسلم بنفسہ اور لمن ابو ہا مسلم کے درمیان عیب و عار ہوگا، لیکن اب یہ عیب نہیں رہا، اب مسلم بنفسہ اور دو تین پشت کے مسلمان میں کوئی عیب و عار نہیں سمجھا جاتا ہے، اس لئے میرے نزدیک اس شق کا کوئی اعتبار نہیں اور نہ اس کی وجہ سے ولی کو حق اعتراض ملنا چاہئے۔

نوٹ: سوال نمبر ۱ کا جواب تمہید میں آ گیا، سوال نمبر ۲ کا جواب یہ ہے کہ میں لکھ چکا ہوں کہ کفاءت کا اعتبار عرف و عادت پر ہے اور جو نصوص ملتے ہیں، ان کے اندر بھی روح عرف

وعادت ہی ہے، لہذا حالات کے اعتبار سے کفاءت کے مسئلہ میں تبدیلی کی جاسکتی ہے اور کفاءت کا اعتبار کن چیزوں میں کیا جائے اس کا جواب آئندہ صفحات پر آئے گا۔

۳: الف-شریعت مطہرہ میں نسب میں کفاءت کا اعتبار نہیں۔فقہاء متقدمین سے لے کر متأخرین تک بالاتفاق کہتے چلے آئے ہیں:"لأن الأعاجم ضيعوا أنسابهم" البتہ اہل عرب میں فقہاء نے کفاءت کا اعتبار کیا ہے، جیسے مذکورہ بالا سطور میں احقر نے صراحت کی ہے، لیکن فی زماننا عرب میں بھی انساب ضائع ہو چکے ہیں اور ان کے انساب بھی خلط ملط ہو گئے، اس لئے میرے نزدیک جو عجمیوں کے لئے حکم تھا وہی آج کل عرب کے لئے بھی ہے۔

ب-اس کا جواب الف میں آ گیا۔

ج-نسبی کفاءت کے شرعی ضابطے:

اس کا جواب یہ ہے کہ فقہاء کے نزدیک اہل عرب میں نسب کا اعتبار ہے، اور قریش قریش کے کفو ہیں اور بقیہ عرب ایک دوسرے کے لئے کفو ہیں، لیکن اس پر میں اپنی رائے مخالفت میں ظاہر کر چکا ہوں۔

۴-ہر زمانے کا معاشرہ اور تہذیب الگ الگ ہوتی ہے، جس زمانے میں فقہاء نے جدید الاسلام اور قدیم الاسلام مسلمانوں میں فرق کیا ہے، اس زمانہ کا مزاج اور عرف ایسا ہی ہوگا، اور یہ بات اشاعت اسلام کے لئے رکاوٹ نہیں ہوگی، لیکن اس زمانہ میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام مسلمان میں کوئی فرق نہیں سمجھا جاتا، بلکہ اس وقت کے مسلمانوں کی سوچ یوں ہے کہ جدید الاسلام مسلمان ہم سے بہتر ہے بچند وجوہ۔

۵-یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ کفاءت کا اعتبار صرف عرف وعادت پر مبنی ہے۔فقہاء نے جیسے نسب میں حالات کے بدلنے سے نرمی اختیار کی ہے، چنانچہ دیانت کے مسئلہ میں متأخرین نے فاسق کی دو قسمیں کی ہیں، معلن اور غیر معلن اور غیر معلن کو اکثر فقہاء نے بنت

صالح کا کفو مانا ہے (شامی)۔

٦- عام طور سے فقہاء نے عورت کی طرف سے کفاءت کا اعتبار کیا ہے، مرد کی طرف سے اس کا اعتبار نہیں کیا ہے، لیکن بعض فقہاء نے جانبین سے کفاءت کا اعتبار کیا ہے۔ درمختار میں ہے:

''ولذا لا تعتبر من جانبها، لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دنائة الفراش وهذا عند الكل في الصحيح، كما في الخانية، لكن في الظهيرية وغيرها هذا عنده وعندهما تعتبر في جانبها أيضا ۔ وقال الشامي عليه وذكر أن ما في الظهيرية غريب ورده أيضا في البدائع كما بسطه في النهر'' اس سے معلوم ہوا کہ مرد کو عورت کے مقابلہ میں ادنی نہیں ہونا چاہئے، اور یہ بھی پتہ چلا کہ ظہیریہ وغیرہ میں جو عورت کے لئے بھی مرد کے مدمقابل ہونا بیان کیا گیا ہے وہ ضعیف ہے۔

۷: الف- درمختار کی عبارت تو یہ بتارہی ہے کہ کفاءت ولی کا حق ہے عورت کا نہیں: ''والكفاءة حق الولي لا حقها'' لیکن علامہ شامی کہتے ہیں: ''وفيه نظر بل هي حق لها أيضا'' اس سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں کا حق ہے۔

پیشے میں بھی کفاءت کا اعتبار کرنا چاہئے، مال میں بھی کفاءت کا اعتبار ضروری ہے۔ اس لئے کہ آج کل مال کی طرف لوگ بہت توجہ دیتے ہیں۔ حرفہ میں بھی کفاءت کا اعتبار فقہاء نے کیا ہے اور وہ صحیح ہے، لیکن بہت سے وہ پیشے جو پہلے زمانہ میں حقیر سمجھے جاتے تھے اس زمانہ میں وہ حقیر نہیں رہے، مثلاً پہلے زمانہ میں حائک کفو نہیں تھا خیاط کا مگر اس زمانہ میں ایسا نہیں ہے، نیز پہلے زمانہ میں خیاط بزاز کا کفو نہیں سمجھا جاتا تھا، لیکن اس زمانہ میں خیاط بھی اعزاز کی نظر سے دیکھا جاتا ہے، اور وہ بزاز اور درمیانی قسم کے تاجر سے کسی طرح کم نہیں ہے۔

ب- اگر کسی عاقلہ بالغہ عورت نے غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو شرعاً یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، ولی کو حق ہے کہ وہ قاضی کے یہاں دعوی کرکے نکاح ختم کروادے۔

۸-لڑکے یا اس کے متعلقین نے غلط بیانی سے کام لیا اور رشتہ طے کرتے وقت اپنا نسب اور خاندان یا معاشی اور سماجی حالات کے بارے میں واقع کے خلاف باتیں بیان کیں، لڑکی کے متعلقین یا لڑکی نے ان کی باتوں پر اعتبار کر کے دھوکہ کھایا یا بعد کو حقیقت حال واضح ہوئی تو لڑکی اور اس کے متعلقین کو حق ہے کہ وہ قاضی کے یہاں مرافعہ دائر کرنے کے بعد اور ثبوت بہم پہنچانے کے بعد نکاح کو فسخ کرا سکتے ہیں۔ جیسا کہ شامی میں ہے:

''أخبرهم بها وقت العقد فزوجوها على ذلك، ثم ظهر أنه غير كفوء كان لهم الخيار''۔

امام مالکؒ کفاءت کا اعتبار نہیں فرماتے، اور ہمارے حنفیہ میں سے امام ابو الحسن کرخی، امام ابوبکر جصاص نکاح میں کفاءت کا اعتبار نہیں کرتے۔ مؤخر الذکر دونوں حضرات کے بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہ سے عدم کفاءت کی کوئی ضرور روایت ہے جس کی بناء پر ان حضرات نے عدم کفاءت کا قول کیا ہے، اس لئے اگر حالات زمانہ پر نظر کرتے ہوئے کفاءت کا مسئلہ ختم کر دیا جائے اور اس بات پر اکتفاء کر لیا جائے کہ مزاجوں کی ہم آہنگی اور رہن کے سہن کے طور طریق ہی پر کفاءت کو منحصر کر دیا جائے تو فتنوں کا دروازہ بند ہو جائے گا۔

مسئلہ کفاءت کی ضرورت واہمیت

مولانا زبیر احمد قاسمی ☆

مسئلہ کفاءت کے متعلق جو کچھ ہم نے پڑھا ہے اور اس سلسلہ میں آیات قرآنی، احادیث نبوی، اقوال وآراء فقہاء اور بعض معاصرین کی تازہ تحریریں جو نظروں سے گذری ہیں سبھوں پر جہاں تک ہم نے غور کیا ہے اور جو کچھ سمجھا ہے وہ دفعہ وار درج ذیل ہے:

۱- بین الزوجین **مطلق** کفاءت ومماثلت کا کسی نہ کسی درجہ میں شرعاً مطلوب ہونا ایک امر قطعی ثابت **بالنص** ہے، صحیحین کی معروف روایت اس پر شاہد عدل اور **دلیل** محکم ہے۔

"**ثلاث لا تؤخرها: الصلاة إذا آتت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفوا**" اس کے ساتھ رشتہ نکاح کے استحکام کے لئے زوجین کے مابین کچھ مخصوص اوصاف میں یکسانیت ومماثلت کی ضرورت کا انکار بھی کرنا مشکل ہے۔ واقعات، تجربات اور مشاہدات سب ہی شہادت دیتے ہیں کہ کیف ما اتفق کیا ہوا نکاح کبھی نہ پائیدار رہا ہے، نہ مقاصد ومصالح نکاح کا حصول وتحقق ہوا ہے، اسی لئے فقہاء کی صراحت ہے:

"**إن النكاح لا يراد لذاته بل لمقاصده من السكن، والاستقرار لتحصيل النسل وتربيته، ولا يتحقق ذلك مع كل زوج**" (فتح القدیر ۳/۱۵۸، ۱۵۷)، "**لأن المصالح إنما تنتظم بين المتكافئين عادة**" (بحر ۳/۱۲۷)۔

بہر حال واقعات وتجربات کی شہادت، نصوص شرعیہ کی ہدایت اور فقہاء کی صراحت

☆ اشرف العلوم کنہواں، سیتامڑھی، بہار۔

سے بین الزوجین کچھ اوصاف میں مماثلت اور مطلق کفاءت کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا، یہ یقیناً قابل لحاظ اور ایک مسلمہ حقیقت ہے ورنہ مصالح نکاح بھی فوت ہوتے رہیں گے اور مقاصد نکاح کا حصول بھی بعید تر رہے گا۔

۲- اب طے یہ کرنا ہے کہ کن کن اوصاف میں بین الزوجین کفاءت ومماثلت ضروری اور اہم ہے، جس کے بغیر نکاح کے مصالح ومقاصد عموماً حاصل نہیں ہوسکتے۔

اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ رحمہم اللہ کے اقوال اپنی جگہ مع تعدد اقوال منقول ہیں، حاصل یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے یہاں چھ امور دین، نسب، اسلام، پیشہ، حریت اور مال تک میں کفاءت ضروری ہے، جبکہ امام مالک اور امام شافعیؒ کے ایک ایک قول کے مطابق صرف وصف دین میں مماثلت ضروری ہے، امام مالک کے دوسرے قول میں شوہر کا برص، جذام، جنون وغیرہ جیسے موذی امراض سے محفوظ ہونا کو ضروری معلوم ہوتا ہے لیکن یہ ایک علاحدہ شرط ہے، جس کے نوت سے اولیاء کو نہیں صرف عورت کو خیار فسخ کا حق ملتا ہے، جبکہ امام احمد کا ایک قول یہ ہے کہ صرف دین ونسب میں کفاءت ضروری ہے (المغنی ۷/ ۳۷۴، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/ ۸۵)۔

ہم دیکھتے ہیں کہ ان اوصاف بالا میں سے صرف دینداری وصالحیت ہی ایک ایسی صفت ہے جس میں مماثلت وکفاءت کا ضروری ہونا بین الائمہ متفق علیہ ہے اور اسی وصف کے قابل لحاظ ہونے کی اہمیت نصوص شرعیہ سے بھی واضح ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں فرمایا گیا ہے:

"الخبیثات للخبیثین و الخبیثون للخبیثات و الطیبات للطیبین و الطیبون للطیبات" اور اس کے بعد جب اس حدیث رسول پر نظر کیا جاتا ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ:

"تنکح المرأۃ لأربع......فاظفر بذات الدین" تب تو یہی بات مزید منقح ہوجاتی ہے کہ نکاح میں اصل اہمیت وضرورت دینداری ہی کو حاصل ہے اور زوجین کی صفت دینداری ہی دراصل قابل التفات اور لائق توجہ ہے، مال، جمال اور نسب کی کوئی اہمیت نہیں اور اگر زوجین وصف دینداری میں مماثل ومساوی ہوں گے تو نکاح کامیاب ہی ہوگا، کہ دیندار حقوق اور

معاشرت بالمعروف کی ادائیگی میں کوتاہی ہرگز نہیں کرے گا۔

۳-گرچہ وصف تدین کا کفاءت میں معتبر واہم ہونا بین الائمہ متفق علیہ ہے اور باندازِ محکم ظاہر نصوص سے اس کا ثبوت بھی مل جاتا ہے، لیکن کیا دوسرے اوصاف میں کفاءت بین الزوجین جو ائمہ کے درمیان مختلف فیہ ہے، انہیں صرف اس لئے کہ اس کے متعلق کوئی نص صحیح نہیں ہے، مطلقاً اہمیت نہیں دی جائے گی؟ ظاہر ہے کہ ایسی جرأت محض ایک جہالت اور زیادتی ہوگی۔ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کا مدار نصوص پر نہیں بلکہ محض ایسے عرف پر ہے جو خلاف نص نہیں، بلکہ اس عرف کی تشکیل وترویج میں شرعی نصوص کو یقیناً دخل ہے اور ایسے عرف پر مبنی احکام کے متعلق سب ہی جانتے ہیں کہ "الثابت بالعرف کالثابت بالنص" اس لئے جب تک یہ عرف نہیں بدلے گا وہ حکم واجب الاعتبار ہوگا، اس کی تبدیلی صحیح نہیں ہوگی۔

اس موقع سے مسئلہ کی وضاحت مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ایک دو اوصاف جن کا اعتبار باب کفاءت میں کسی بھی امام کے یہاں ثابت ہے، اس کا تجزیہ کر دیا جائے۔

الف-مثلاً امام ابوحنیفہ کفاءت فی الاسلام کے قائل ہیں اور اس رائے میں امام صاحب بالکل منفرد ہیں، بقیہ ائمہ ثلاثہ رحمہم اللہ میں سے کوئی اس کے قائل نہیں، ظاہر ہے کہ امام صاحب کی یہ رائے کسی نص صحیح وقوی اور ظاہر ومحکم پر مبنی نہیں مگر یہ خلاف نص ہرگز نہیں۔نص میں آخر مسابقت الی الخیر کا حکم آیا ہی ہے۔

''السابقون الأولون من المهاجرين والأنصار'' کی مدح اور فوز عظیم کی بشارت ملی ہی ہے، فی سبیل اللہ انفاق وجہاد قبل الفتح وبعد الفتح کرنے والے کے درمیان فرق مراتب کا بیان موجود ہے۔ان نصوص قطعیہ کی بنیاد پر اگر کسی معاشرہ میں جدید الاسلام اور قدیم الاسلام کے مابین فرق مراتب کا ذہن بن کر یہ عرف وروایت قائم ہوجائے کہ پشتینی مسلمان کا ہمسر وہم رتبہ نووارد مسلمان نہیں ہوسکتا اور اس طرح پورے معاشرہ کی نفسیات ہی یہ بن جائے کہ ایک قدیم الاسلام عزت وشرافت اور درجہ ورتبہ میں حدیث جدید الاسلام سے بہرحال فائق

وبہتر ہے، تو اس نفسیات اور عرف وروایت کی تشکیل میں نصوص شرعیہ کے دخیل ہونے سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اس لئے ممکن ہے کہ قدیم الاسلام کسی جدید الاسلام سے رشتہ جوڑنے کو اپنی عرفی عزت کے لئے باعث ہتک اور لائق عار سمجھے، تو کیا اس تصور ونفسیات اور اس عرف وروایت کی رعایت نہ ہونی چاہئے؟

میرا خیال ہے کہ جب تک ایسا عرف رہے اس کا اعتبار ضرور ہونا چاہئے، ورنہ زوجین کے اس نفسیاتی اختلاف کے نتیجہ میں ممکن ہے کہ ذہن ومزاج میں ہم آہنگی وموافقت نہ ہوسکے، اور طبعی انقباض کے سبب باہمی حقوق کی ادائیگی اور معاشرت بالمعروف میں خلل ہوکر نتیجتاً سارے مقاصد ومصالح نکاح ہی فوت ہوجائیں۔

ب- دوسرا مسئلہ نسب وپیشہ میں کفاءت کا ہے۔ کفاءت فی النسب کے صرف امام مالکؒ قائل نہیں ورنہ امام ابوحنیفہؒ وامام احمدؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ ان حضرات کا مسلک اس کے اعتبار ولحاظ ہی کا ہے (المغنی ۷؍۳۷۴)۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ تفاخر بالانساب ولآباء شرعاً مذموم اور انتہائی غلط چیز ہے اور یہ بھی صد فیصد مسلم ہے کہ عند اللہ محض دین وتقوی ہی لائق اعتبار اور قابل صد افتخار ہے۔ مگر بحث یہاں لوگوں سے ہے کہ کیا علو نسب کی مطلقاً کوئی حقیقت نہیں؟ اور کیا نسب ونسل اور قبیلہ وخاندان میں کوئی فرق مراتب نہیں؟ اور کیا کسی نسب وخاندان کے لئے بین الناس اور عرفاً شرافت وحسن معاشرت میں کوئی خاص خصوصیت نہیں؟ میرا خیال ہے کہ اس کا انکار ایک ثابت واقعہ اور بدیہی حقیقت کا انکار ہوگا۔

آخر الائمة من قریش، انا ابن عبد المطلب، صدقہ وزکاۃ یعنی اوساخ ناس کی حرمت بنو ہاشم کے لئے، اور نص قرآنی "والذين آمنوا واتبعتهم ذريتهم بايمان الحقنا بهم ذريتهم" وغیرہ سے جو کچھ مستفاد ہوتا ہے، اس سے انساب وقبائل کے درمیان فرق مراتب اور کسی کے عالی تو کسی کے ادنی ہونے کا ثبوت نہیں ملتا؟ اگر ملتا ہے اور یقیناً ملتا ہے تو اگر کسی معاشرہ

میں نسل ونسب کی بنیاد پر کسی خصوصیت کا تفوق عرف بن جائے تو اسے یکسر نظر انداز کردینا قرین مصلحت ہرگز نہیں کہا جا سکتا، جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں کہ یہاں بحث ما عند اللہ سے نہیں بلکہ بحث صرف ما عند الناس سے ہے۔ اگر اسے باب نکاح اور مسئلہ کفاءت میں کلیتًا نا قابل لحاظ قرار دے دیا جائے تو پھر اس ما عند الناس سے جس مزاج وذہن اور طبیعت وفطرت کی تشکیل ہو چکی ہے، اس کے تحت امکان اسی کا ہوگا کہ بعد نکاح زوجین کے درمیان ذہنی بعد وتنفر کے سبب ایسے طبعی وفطری عمل اور ردعمل کا ایک ایسا اضطراری سلسلہ ہو جائے جو آخر سارے مصالح ومقاصد کو فوت کرتا ہوا انقطاع نکاح کا سبب بن جائے۔

حرفت وپیشہ کا بھی تقریباً یہی حال ہے، جو امام مالک کے سوا بقیہ تینوں امام کا ایک قول کے اعتبار سے متفقہ مسلک ہے اور عرف میں یقیناً بعض پیشے اچھے اور بعض گھٹیا سمجھے جاتے ہیں اور ان پیشوں کی بنیاد پر بھی بین الناس شرافت وخساست کی نفسیات پیدا ہوتی ہے اور بعض پیشوں کو وجہ افتخار تو دوسرے بعض کو باعث عار سمجھا جاتا ہے۔ چنانچہ جب امام احمدؒ سے باب نکاح میں کفاءت فی الصنائع کے قابل اعتبار ہونے کا مسئلہ سنا گیا، جس کی بنیاد بظاہر ایک حدیث ضعیف پر رکھی گئی تھی، تو پوچھنے والے نے امام احمدؒ سے پوچھا:

''وكيف تأخذ به وأنت تضعفه؟ قال: العمل عليه يعني ورد موافقا لأهل العرف''(المغنی ۷/ ۳۷۷)۔

معلوم ہوا کہ امام احمدؒ کے نزدیک کفاءت فی الصنائع کی اصل بنیاد تو وہی عرف وتعامل تھا اور محض بطور استیناس اس حدیث ضعیف سے اس کی تائید وموافقت بیان کرتے تھے۔

مذکورہ بالا تفصیلات اور تجزیہ وتحلیل سے میرا مقصد دراصل مسئلہ کفاءت سے متعلق چند امور کی توضیح وتنقیح تھی: اولاً یہ کہ باب نکاح میں کفاءت کو کلیتًا مسترد کردینے کا جو رجحان چل رہا ہے، اس کی تائید اور حوصلہ افزائی ہرگز نہیں کی جا سکتی۔ اس سے جہاں مختلف مفاسد کو راہ مل سکتی ہے وہاں رشتۂ نکاح کا استحکام بھی متزلزل ہوگا، اور مقاصد نکاح عموماً فوت ہونے لگیں گے اور

ایک امارکی چھیلے گی۔

دوسرے یہ کہ کفاءت سے متعلق حضرات ائمہ رحمہم اللہ کے جو اقوال ومسالک ہیں وہ مصالح سے بھرپور ہیں بغیر ان امور مخصوصہ میں کفاءت کا لحاظ کئے زندگی بھر کے اس سودے یعنی رشتہ نکاح میں وہ استواری واستحکام عادۃً نہیں ہوا کرتا جو شرعاً مطلوب ہے، اور نہ وہ مقاصد نکاح ہی اغلباً حاصل ہو سکتے ہیں جو مشروعیت نکاح کی اصل بنیاد ہے، اس طرح یہ کفاءت کا مسئلہ کوئی ناقابل لحاظ لایعبا بہ کے درجہ کی کوئی رائے نہیں، بلکہ درحقیقت ایک مطلوب شرعی اور مقصد شرعی کا ناگزیر وسیلہ وذریعہ اور عادۃً موقوف علیہ ہے، اس طرح یہ بھی ایک شرعی مطلوب اور شرعاً مقصود ہے، جسے کلیتاً مسترد کرنا ایک شرعی مطلوب ومقصود کا رد کرنا ہی کہا جا سکتا ہے۔

تیسرے یہ کہ بین الائمہ خواہ بالاتفاق یا مع الاختلاف جن اوصاف میں کفاءت بین الزوجین معتبر ہے، ان میں تدین وتقوی کے علاوہ تقریباً تمام ہی اوصاف میں کفاءت عرف وتعامل ہی پر مبنی ہے، اور اس سلسلے میں حدیث وآثار کے قبیل کی جتنی روایتیں نقل کی جاتی ہیں وہ ضعیف ہونے کے باوجود محض استیناساً عرف وتعامل کی تائید وتوافق کے طور پر ہی پیش کی جاتی ہیں۔ اور بس، اور اپنی جگہ ثابت بالعرف والتعامل کی اہمیت واعتبار مسلم ہی ہے۔

اب اس کے بعد آخر بحث میں ہمیں صرف یہ کہنا ہے کہ یہ مسئلہ تو اپنی جگہ مسلم اور متفق علیہ ہے کہ نکاح کی صحت وانعقاد کے لئے زوجین کے مسلمان یا شوہر کے لئے ”خیرہا دیناً ومذہباً“ ہونے کی شرط لازم کے سوا کسی دوسرے اوصاف مخصوصہ میں مساوات کیا اشتراک تک بھی شرط کی حیثیت سے ضروری نہیں، اور اوپر کی تفصیل اور تجزیہ وتحلیل سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ مسئلہ کفاءت دراصل عرف وتعامل ہی پر مبنی ہے، جو عرف وتعامل کے بدلنے سے یقیناً بدل سکتے ہیں، اس لئے مذکورہ بالا تفصیل اور تجزیہ وتحلیل کی روشنی میں زیر بحث مسئلہ کفاءت کے متعلق میری ذاتی رائے حسب ذیل ہے:

الف- موجودہ دور وعرف میں اگر کسی نکاح کے اندر کفاءت بین الزوجین، تدین،

صلاح وتقوی کے اعتبار سے نہ پائی جائے تو حسب تفصیل فقہاء دفعا للعار اولیاء کو بھی حق اعتراض ملنا چاہئے، اور زوجین کو بھی خیار بلوغ اور حق فسخ دیا جانا چاہئے، کیونکہ صحیح قوی اور ظاہر نصوص سے دین اور تقوی کا وجہ افتخار ہونا اور قابل امتیاز ہونا ثابت ہے۔

ب- اس کے بعد اسلام میں جدید وقدیم ہونے میں کفاءت کا مسئلہ ہے، ہمارا خیال ہے کہ آج کے دور میں اسلام کی وراثت وقدامت عرفاً بھی کوئی وجہ افتخار نہیں رہ گئی ہے۔ ایک پشتینی مسلمان اگر کسی علاقہ میں نومسلم کو اپنا ہمسر وہم رتبہ نہیں سمجھتا ہے اور اس سے رشتہ کرنے میں طبعی انقباض اور عار محسوس کرتا ہے تو دراصل اس کی بنیاد وہی نسب وخاندان والی عرفی مزیت اور احساس تفوق پر ہوتی ہے۔ یہ پشتینی مسلمان اپنے کو شیخ، انصاری، مغل پٹھان وغیرہ معروف نسب وخاندان کا فرد سمجھتے ہوئے عالی النسب قرار دیتا ہے، جبکہ یہ نومسلم بحالت موجودہ ظاہراً اس معروف نسب وخاندان کا فرد نہیں ہوتا، گویا ایک قدیم الاسلام کا جدید الاسلام سے رشتہ کرنے سے انکار واعراض کا سرا نسباً عدم کفاءت ہی سے ملا ہوا ہے، اور یہ اپنی جگہ تقریباً طے شدہ ہے کہ کسی عظیم دینی مصلحت کے تحت خاندانی ونسبی کفاءت کو نظر انداز کردینا زوجین اور اس کے اولیاء دونوں کے لئے شرعاً محمود ومطلوب ہے۔

حضرت مفتی شفیع صاحب علیہ الرحمہ نے معارف القرآن سورہ احزاب میں بڑی نفیس بات لکھی ہے، ''حاصل یہی ہے کہ دینی اعتبار سے کفاءت ومماثلت تو لازم وضروری ہے، کسی مسلمان کا نکاح کسی کافر سے باجماع امت حلال نہیں، گو زوجین اور اس کے اولیاء اس پر راضی بھی ہوجائیں کہ یہ کفاءت صرف حق العبد ہی نہیں بلکہ حق اللہ اور فریضہ الٰہیہ ہے، بخلاف نسبی ومالی کفاءت کے، مالی کفاءت تو صرف لڑکی کا حق ہے اور اس کے ساقط کرنے سے ساقط ہوجائے گا، نسبی کفاءت لڑکی اور اولیاء سب کا حق ہے، اگر لڑکی اور اولیاء سب اس حق کو کسی دوسری اہم مصلحت کی خاطر چھوڑ کر کسی ایسے شخص سے نکاح پر راضی ہوجائیں جو نسب وخاندان میں ان سے کم درجہ ہے، تو ان کو اس کا حق ہے، بلکہ مصالح دینیہ کے پیش نظر اس حق کو چھوڑ دینا محمود

ومطلوب ہے، اسی لئے جناب رسول اللہ ﷺ نے متعدد مواقع میں اس حق کو نظر انداز کرنے اور مصالح دینیہ کی وجہ سے نکاح کردینے کا مشورہ دیا۔

آگے لکھتے ہیں کہ نسبی کفاءت کی رعایت دوسری دینی مصالح کے بالمقابل قابل ترک ہے، رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں متعدد نکاح اسی طرح غیر کفو میں دینی مصالح کی بنا پر کئے گئے، اس سے اصل مسئلہ پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

واقعہ حضرت زینب بنت جحش میں اور دیگر روایات سے جو مزید دو واقعات میں غیر کفو میں نکاح ہونے کا ذکر ملتا ہے وہ سب دراصل مختلف اہم دینی مصالح ہی کے تحت ہوتے ہیں، ان واقعات سے نسبی کفاءت کے عدم لحاظ پر استدلال کرنا ہرگز صحیح نہیں۔

آج اگر قدیم الاسلام کسی نومسلم سے رشتہ کرنے کو وجہ عار سمجھتا ہے، تو اس کا علاج بجز ذہن سازی اور ترغیب وتحریض کے اور کچھ نہیں، ضرورت ہے کہ علماء مسلم معاشرہ کی اس غیر شرعی ذہنیت کی بیخ کنی کریں اور طرز فکر بدلیں، اور اشاعت اسلام اور دعوت اسلام میں اس طرز عمل سے جو نقصان ہورہا ہے، اس کو ذہن نشین کرائیں، اور عظیم دینی مصالح کی بنیاد پر نسبی کفاءت کو نظر انداز کردینے کا ذہن بنائیں، اور جناب رسول اللہ ﷺ کے اسوہ پاک کو اپنانے کا مزاج بنائیں۔

جب یہ بات منقح ہوگئی کہ عرفاً آج کے دور میں جدید الاسلام اور قدیم الاسلام کا اعتبار باب کفاءت میں دراصل نسب وخاندان والی کفاءت کے ذیل میں آچکا ہے اور دینی مصالح کی بنا پر نسبی کفاءت کو نظر انداز کردینا ایک امر محمود ومطلوب ہے، تو کہا جاسکتا ہے کہ اگر بالغہ مسلمہ نے کسی دیندار نومسلم سے نکاح کرلیا تو اولیاء کو کوئی حق اعتراض نہیں ملے گا، یا اولیاء ہی نے صغیر وصغیرہ کا نومسلم سے نکاح کردیا تو ان دونوں کو بھی خیار بلوغ نہیں ملے گا۔

مسئلہ کفاءت اور اسلام

مولانا عبدالحنانؒ ☆

نکاح کے مسئلہ میں کفاءت کا ضروری ہونا:

شریعت نے نکاح کے مسئلہ میں کفاءت کو ضروری قرار دیا ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے بعد میاں اور بیوی دونوں کی خواہش یہ ہوتی ہے کہ آپس میں موافقت، محبت ومؤانست رہے، دونوں کے میل ملاپ اور اتفاق واتحاد سے خانگی امور کا انتظام ہو، دونوں راحت اور آرام کی زندگی بسر کریں۔

دوسرے یہ کہ سسرالی رشتہ داروں سے بھی کوئی بگاڑ نہ ہو، بلکہ پرانی رشتہ داریوں اور محبت ومودت کے تعلقات کی ازسرنو تجدید ہو، ایک دوسرے کے معاون ومددگار اور خوشی وراحت رنج وغمی کے شریک ہوں۔

یہ تمام صورتیں اسی وقت حاصل ہوسکتی ہیں جبکہ دونوں کے مزاجوں میں اتفاق ہو۔ اخلاق وعادات، خاندانی روایات، طرز معاشرت، خصلتیں ایک دوسرے سے عموماً ملتی جلتی ہوں اور چونکہ ہر خاندان، قبیلہ اور ہر برادری کے عادات واخلاق، طرز معاشرت، مزاجوں وغیرہ میں قدرتی طور پر اختلاف ہوتا ہے، اس لئے ضرورت اس کی داعی ہوئی کہ کفاءت کا لحاظ رکھا جائے تاکہ نکاح کے فوائد اور توافق واتحاد اور مصالح مقتضیہ فوت نہ ہوجائیں۔

۲- جمہور فقہاء کے نزدیک کفاءت پانچ چیزوں میں معتبر ہیں:

☆ سابق شیخ الحدیث دارالعلوم ماٹلی والا بھروچ۔

نسب، حریت، مساوات باعتبار مال، باعتبار پیشہ، باعتبار حسب۔

اور شیخ ابو الحسن کرخیؒ نے فرمایا کہ نکاح کے باب میں بالکلیہ کفاءت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، ان کی دلیل یہ ہے کہ کفاءت کا باب الدم میں جو نکاح سے اہم ہے، اس میں اعتبار نہیں کیا گیا تو باب النکاح میں بطریق اولی کفاءت کا اعتبار نہ کیا جائے۔ لیکن امام کرخیؒ کی یہ بات صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ کفاءت کا باب الدم میں غیر معتبر ہونا یہ اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ نکاح کے باب میں بھی معتبر نہ ہو، اس لئے کہ باب الدماء میں کفاءت دینی کا بھی اعتبار نہیں کیا گیا اور یہاں باب النکاح میں بالاتفاق معتبر ہے۔

سفیان ثوریؒ نے باب النکاح میں کفاءت نسبی کے معتبر ہونے میں جمہور سے مخالفت کی ہے، چنانچہ ان کے نزدیک نکاح میں نسب کے اعتبار سے کفاءت غیر معتبر ہے، اور ان کی دلیل حضور ﷺ کا ارشاد: "الناس سواسية كأسنان المشط الخ" ہے یعنی لوگ مثل کنگھی کے دندانوں کے برابر سرابر ہیں، کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت نہیں، البتہ فضیلت تقوی اور پرہیز گاری کے اعتبار سے ہے۔ اور اس حدیث کی تائید اللہ تعالی کے فرمان "إن أكرمكم عند الله أتقاكم" سے ہوتی ہے کہ اللہ تعالی کے نزدیک مکرم اور عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہو، اور نیز حضور ﷺ کا فرمان ہے: "الناس كإبل مائة لا تكاد تجد فيها راحلة واحدة" یعنی تمام لوگ ایسے سو اونٹوں کے مانند ہیں کہ ان میں سے ایک بھی سواری کے قابل نہیں ہے۔ پس یہ آثار مساوات پر دلالت کرتے ہیں اور فضیلت تو عمل کے اعتبار سے ہے، اور جس شخص کا عمل کا پیر لنگڑا ہو وہ نسب کے پیر سے نہیں چل سکتا۔

اور جمہور کا استدلال حضور ﷺ کا ارشاد: "قريش بعضهم أكفاء لبعض" سے ہے، مطلب یہ ہے کہ قریش کا ایک بطن دوسرے بطن کا کفو ہے، اور عرب کا ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا کفو ہے اور موالی باعتبار افراد کے ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ نیز حضرت جابرؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: "ألا لا يزوج النساء إلا الأولياء، ولا يزوجن إلا من الأكفاء الخ"

(خبر دار عورتوں کی شادی اولیاء ہی کریں اور ان کی شادی کفو ہی میں کی جائے)، اور یہ کفاءت نسبی عرب میں برابر مطلوب ہیں یہاں تک کہ قتال میں بھی جیسا کہ غزوہ بدر کا واقعہ اس پر شاہد ہے۔

۳: الف، ب، ج - عرب کے جتنے بھی قبیلے ہیں خواہ عرب عاربہ ہوں یا مستعربہ، سب ایک دوسرے کے کفو ہیں، سوائے قریش کے یہ قبائل عرب اس کے کفو نہیں، اور عرب کے چونکہ انساب محفوظ ہیں، اس لئے کفاءت نسبی کا لحاظ صرف عرب اقوام میں ہے، ان کے ماسوا عجمی قوموں کے انساب چونکہ اس طرح محفوظ نہیں رہے، اس لئے کفاءت نسبی کا اعتبار ان میں نہیں کیا جائے گا، قریش کے دس بطون آپس کے ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

قوم عجم کے عقد نکاح کے لئے کفاءت نسبی کے معتبر ہونے کے متعلق مفتی عزیز الرحمٰن سے سوال کیا گیا، آپ نے جو جواب فرمایا وہ یہ ہے:

جو قومیں عجمی ہیں ان میں کفاءت معتبر نہیں ہے، لہذا صورت مسئولہ میں نکاح مسماۃ بندی بیوی کا جو شمشاد علی خان کے ساتھ ہوا ہے وہ صحیح اور نافذ ہے اور بھائی اس نکاح کو فسخ نہیں کرا سکتا (فتاوی دار العلوم ۸/ ۲۲۸، ۲۲۹)۔

۴- نومسلم جو دینی تعلیم اور فضائل سے متصف ہو وہ قدیم الاسلام کا ہم کفو ہے۔

۵- نکاح کے مسئلہ میں کفاءت کو ضروری قرار دینے کی وجہ یہ ہے کہ نکاح کے بعد میاں اور بیوی دونوں کی تمنا یہ ہوتی ہے کہ آپس میں موافقت ومحبت ہو، اسی مقصد کے حصول کے لئے فقہاء کرام نے کفاءت میں ان امور کا لحاظ کیا جن میں ہم آہنگی کی وجہ سے یہ مقصد حاصل ہو سکے اور نیز کفاءت کے امور کی ہم آہنگی عرب وزمانہ کے اعتبار سے مختلف رہتی ہے، اس لئے فقہاء کرام نے اپنے اپنے زمانہ کے عرف کا بھی لحاظ کیا، لہذا آج کے زمانہ میں نکاح کے وقت کفاءت کے مسئلہ میں اس کا بھی لحاظ کرنا چاہئے۔

۶- کفاءت کا اعتبار مرد کے بارے میں کیا جائے گا، کیونکہ ایک شریف خاندان کی عورت اس بات سے عار محسوس کرتی ہے کہ وہ کسی کم درجہ کے آدمی کے لئے فراش بنے، اس کے

بالمقابل عورت کے بارے میں اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، کیونکہ ایک شریف خاندان کا آدمی کم درجہ کی عورت کو فراش بنانے میں عار محسوس نہیں کرتا، جیسا کہ باندی یا کتابیہ کو فراش بنانا، لیکن فتاوی ظہیر یہ اور اس کے ماسوا دوسری کتابوں میں ہے کہ یہ حکم امام صاحبؒ کے نزدیک ہے، صاحبین کے نزدیک مرد وعورت دونوں کے بارے میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا۔

۷: الف- کفاءت صرف ولی کا حق ہے عورت کا حق نہیں۔

ب، ج- عاقلہ بالغہ خاتون کا ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرنا درست نہیں ہے، اگر کرلیا تو مفتی بہ قول کے مطابق یہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، اس لئے کہ ہر ولی قاضی کی جانب اچھی طرح مرافعت نہیں کرتا اور نہ ہر قاضی انصاف کرتا ہے، اگر ولی اچھی طرح مرافعت بھی کرے اور قاضی انصاف بھی کرے، تب بھی ولی حکام کے دروازوں پر بار بار مرافعت کرنے سے عار محسوس کرے گا، جس کی بنا پر خصومت اور مرافعت کو ثقیل سمجھ کر چھوڑ دے گا، لہذا احوط طریقہ یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ کا غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنے کو جائز ہی نہ قرار دیا جائے۔

اور امام صاحب سے ظاہر روایت یہ ہے کہ نکاح منعقد ہوجائے گا، مگر ولی کو فسخ کا حق باقی رہے گا۔

''فنفذ نكاح حرة مكلفة بلا رضا ولي، وله أي للولي إذا كان عصبة الاعتراض في غير الكفء''۔

''ويفتي في غير الكفء بعدم جوازه أصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان، هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة'' (الدرالمختار مع ردالمحتار ۳/۵۵،۵۶، ۵۷)۔

۸-لڑکے یا اس کے گھر والوں نے رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا، اور اپنے نسب وخاندان کو شریف النسب ظاہر کیا، بعد نکاح اس کے خلاف ظاہر ہوا اس امر کا مقتضی ہے کہ باپ اور لڑکی دونوں کو خیار فسخ حاصل ہو اور فسخ کے لئے قضاء قاضی ضروری ہے (فتاوی ہندیہ ۱/۲۹۱)۔

شریعت اسلامی میں کفاءت کی حقیقت

مولانا اختر امام عادل ☆

کفاءت کے لغوی معنی برابری کے ہیں قرآن پاک میں ''کفو'' اسی معنی میں استعمال ہوا ہے، ''ولم یکن له کفوا أحد'' (سورۂ اخلاص: ۴) (اور نہیں اس کے جوڑ کا کوئی)، مگر فقہاء کی اصطلاح میں کفاءت کا مفہوم ہے:

''مساواة الرجل للمرأة أو كون المرأة أدنى'' (رد المحتار ۳۱۷/۲)۔

مرد کا عورت کے برابر یا اس سے برتر ہونا:

کفاءت کو اسلام کے نظام ازدواج میں اساسی اہمیت حاصل ہے جو رشتۂ نکاح کو مستحکم اور ازدواجی زندگی کو پائدار اور خوشگوار بناتی ہے، رشتۂ نکاح کے استحکام واستواری کے لئے میاں بیوی کے درمیان ذہنی ہم آہنگی، مزاجی یکسانیت اور دونوں کی سماجی ومعاشی سطح میں مناسبت وقربت بنیادی عوامل ہیں، بے جوڑ شادیاں عام طور پر ناکام رہتی ہیں، انسان کی گھریلو زندگی کی کامیابی کا سارا مدار میاں بیوی کے باہمی تعلقات پر ہے، تجربہ یہ ہے کہ انسان خارجی زندگی میں بھی بالعموم اسی وقت کامیاب رہتا ہے جبکہ وہ اپنے گھر کی داخلی زندگی میں پرسکون ہو، اور یہ ایک حقیقت ہے کہ کفاءت اس میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔

☆ مہتمم جامعہ ربانی، منوروا شریف، سمستی پور، بہار۔

کفاءت کا ثبوت قرآن سے:

قرآن میں کفاءت کا صراحت کے ساتھ ذکر تو نہیں آیا ہے، مگر بعض آیات کے پس منظر اور اشارات سے اس کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

۱-''یا أیها الناس إنا خلقناکم'' کے سبب نزول کے تحت جو مختلف روایات منقول ہوئی ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ آیت کفاءت ہی کے سلسلے میں نازل ہوئی ہے، صاحب ارشاد الساری علی البخاری اس کے تحت لکھتے ہیں:

''ویشتمل علی أغراض ومقاصد کالأزواج والصحبة والألفة و تاسیس القرابات ولا ینتظم ذلک إلا بین الأکفاء'' (ارشاد الساری ۱۹/۸)۔

یعنی یہ آیت متعدد اغراض ومقاصد پر مشتمل ہے، مثلاً شادی، بیاہ، صحبت، الفت، اور قرابتوں کی تاسیس اور یہ تمام چیزیں باہم کفوہی کے درمیان انتظام پذیر ہوسکتی ہیں۔

ایک مقام پر ارشاد ہے:

''الزانی لا ینکح إلا زانیة أو مشرکة والزانیة لا ینکحها إلا زان أو مشرک وحرم ذلک علی المؤمنین'' (سورۂ نور: ۳)۔

(زانی نکاح نہ کرے گا مگر زانیہ یا مشرک سے اور زانیہ سے نکاح نہ کرے گا مگر زانی یا مشرک اور یہ ایمان والوں پر حرام ہے)۔

اس آیت کے سبب نزول کے بارے میں مفسرین کا خیال یہ ہے کہ بعض مہاجرین بعض بدکار خواتین سے نکاح کرنے کے خواہشمند تھے، اس سلسلے میں یہ آیت نازل ہوئی۔

اس میں ''لا ینکح'' اور ''لا ینکحها'' کو رفع کے ساتھ بھی پڑھا گیا ہے، اور جزم کے ساتھ بھی، مفسرین میں یہ بات بھی موضوع بحث رہی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے یا غیر منسوخ، اور کیا یہ نفی ہے یا نہی؟ مگر ملا جیون نے تفسیرات احمدیہ میں غیر منسوخ کے قول کو ترجیح دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس کا تعلق کفاءت سے ہے، یعنی کوئی زانی کسی صالحہ کا یا زانیہ کسی صالح کی کفو نہیں ہے،

آگے لکھتے ہیں: ہمارے نزدیک اولی یہ ہے کہ یہ عام غیر منسوخ ہے، اس لئے کہ نکاح میں کفاءت بالدیانۃ ہمارے نزدیک شرط ہے، جبکہ فسق اعلانیہ ہو جیسا کہ کتب فقہ میں معروف ہے (تفسیرات احمدیہ ۳۶۵)۔

ملا جیون نے آیت کی توجیہ کے ذیل میں کفاءت کے مصالح اور مختلف طبائع کے میلانات پر بھی اچھی روشنی ڈالی ہے، لکھتے ہیں:

یعنی آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مائل بہ زنا خبیث طبیعت کبھی نیک عورتوں سے نکاح پر آمادہ نہیں ہوتی، اس کو کسی ایسی عورت کی تلاش ہوتی ہے جو خود بھی زنا اور شرک کی طرف میلان رکھتی ہو، یہی حال اس کے برعکس بھی ہے، اس لئے کہ مشاکلت سبب الفت و انتظام ہے، اور مخالفت سبب نفرت و اختلاف، اس صورت میں قول باری تعالی، "وحرم ذلک علی المومنین" میں تحریم کا معنی تنزیہ و احتیاط ہوگا، یعنی ایمان والے اس سے پرہیز کریں، مفسرین نے یہی توجیہ پیش کی ہے (تفسیرات احمدیہ ۳۶۰)۔

قرآن میں حضرت زینب بنت جحش قریشیہ، اور حضرت زید بن حارثہ کلابی کا واقعہ نکاح جس پس منظر میں آیا ہے، اس سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ اس نکاح کی ناکامی کا سبب کفاءت کا فقدان تھا، حضور ﷺ کے سامنے انہوں نے رشتۂ نکاح سے علاحدگی کا جو عذر پیش کیا وہ یہ تھا کہ:

"واللہ ما رأیت منها إلا خیرا، ولکنها تتعظم علیّ" (تفسیرات احمدیہ ۶۱۴)۔

(خدا کی قسم اس (زینب) میں کوئی خرابی نہیں ہے بس یہی ایک بات ہے کہ وہ مجھ پر اپنی برتری جتاتی ہے)۔

یہ نتیجہ تھا اسی کفاءت کے فقدان کا، ایک طرف نسبی ہم آہنگی نہیں تو دوسری طرف کفاءت فی الحریۃ کا فقدان، حضرت زینب خاندانی طور پر آزاد تھیں اور حضرت زید غلامی سے آزاد ہوئے تھے، مفسرین بالخصوص آیات احکام کے مفسرین کے یہاں یہ احساس پایا جاتا ہے، ملا

جیون لکھتے ہیں:

ہم کہتے ہیں کہ کتب فقہ میں مذکور ہے کہ نکاح میں کفاءت فی الحریۃ شرط ہے اور کوئی آزاد کردہ شخص کسی خاندانی آزاد عورت کا کفو نہیں ہے، مگر شاید حضرت زید کا نکاح (دونوں تقدیروں پر) ابتداء اسلام کا واقعہ ہے، یا یہ کہ اس کفاءت کا لحاظ صرف عجم میں ہے عرب میں نہیں، یہی خیال ہوتا ہے (تفسیرات احمدیہ ۴۱۳)۔

خواہ یہ آغاز اسلام کا واقعہ ہو یا حکم کفاءت آجانے کے باوجود متبنی کے تعلق سے جاہلانہ تصور کو ختم کرنے کے لئے مصلحتاً یہ نکاح کرایا گیا ہو قرآن کے بیان سے اتنی بات بہر حال ثابت ہوتی ہے کہ نکاح قائم نہ رہ سکا، اور شاید غیر کفو میں نکاح کا مقصد یہی تھا، تا کہ اگلے مراحل کے لئے راستہ ہموار ہو سکے، اس لئے کہ بعد کے واقعات اسی بے جوڑ شادی کے منطقی نتائج تھے، حضرت مولانا ادریس صاحب کی یہ تحریر اس سلسلے میں کافی چشم کشا ہے۔

''جب بار بار یہ جھگڑے اور قضیے پیش آتے رہے تو آپ کے دل میں یہ خیال گذرا کہ اگر زید نے زینب کو طلاق دے دی تو زینب کی دلجوئی بغیر اس کے ممکن نہیں کہ میں خود اس سے نکاح کروں، لیکن جاہلوں اور منافقوں کی بدگوئی سے اندیشہ کیا کہ یہ لوگ یہ طعنہ دیں گے کہ اپنے بیٹے کی جورو کو گھر میں رکھ لیا'' (سیرۃ المصطفیٰ ۲/ ۴۶۸)۔

کفاءت کا ثبوت روایات سے:

احادیث میں کفاءت کا ذکر صراحت کے ساتھ آیا ہے، مگر اس سلسلے کی کوئی روایت کلام سے خالی نہیں، مثلاً:

۱- حضرت علیؓ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے ان سے فرمایا:

''يا علي! ثلث لا تؤخرها: الصلوة إذا آنت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفوا'' (ترمذی ۱/ ۲۰۶ باب ماجاء فی تعجیل الجنازۃ)۔

(اے علی تین چیزوں میں تاخیر نہیں، نماز میں جب اس کا وقت آجائے، جنازہ میں جب وہ حاضر ہوجائے، اور بے شوہر کی عورت میں جب اس کا کفومل جائے)۔

امام ترمذی نے اس پر تبصرہ کیا ہے کہ اس کی سند متصل نہیں ہے، حاکم نے بھی یہ روایت نقل کی ہے مگر اس کی سند بھی ضعیف ہے (الدرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ ۲/۹۹)۔

ارشاد نبوی ہے: "**لا ینکح الزانی المجلود إلا مثله**" (ابوداؤد ۱/۲۸۰، نیل الاوطار ۶/۱۴۴) (یعنی سزا یافتہ زانی اپنے ہی جیسے سے نکاح کرے)۔

ابوداؤد نے اس کی سند کے رجال کے بارے میں سکوت کیا ہے۔

۳- حضرت عائشہؓ کی مرفوع روایت ہے:

"**تخیروا لنطفکم و أنکحوا الأکفاء**" (الدرایہ ۲/۹۹) (اپنے نطفہ کے لئے بہتر رشتہ کا انتخاب کرو اور کفو سے ان کا نکاح کرو)۔

حافظ ابن حجر نے درایہ میں اس پر سکوت کیا ہے، مگر زیلعی نصب الرایہ میں کہتے ہیں کہ "**من طرق عدیدۃ کلها ضعیفة**" (۴/۱۸)۔

امام بخاری نے حدیث کے انہی الفاظ کے ساتھ ایک باب قائم کیا ہے، "**باب إلی من تنکح و أي نساء خیر، وما یستحب أن یتخیر لنطفه من غیر إیجاب**" (بخاری ۲/۷۶۰)۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کی کچھ نہ کچھ اصل ضرور موجود ہے۔

۴- امام شافعی نے حضرت عائشہ کے واقعہ خیار عتق سے کفاءت پر استدلال کیا ہے، ان کے نزدیک حضرت بریرہ کی آزادی کے وقت ان کے شوہر غلام تھے، اور فسخ نکاح کا اختیار ان کو عدم کفاءت کی بناپر دیا گیا تھا (الدرایہ ۲/۹۹، سنن کبری للبیہقی ۷/۱۳۲)۔

لیکن حنفیہ کے نزدیک خیار عتق مستقل قانون ہے، اس کا کفاءت سے کوئی تعلق نہیں۔

۵- دارقطنی میں حضرت جابر کی روایت ہے:

''لا تنکحوا النساء إلا الأكفاء'' (عورتوں کا نکاح صرف کفوہی میں کرو)۔

مگر ابن حجر نے اس کی سند کو واہی بتایا ہے (الدرایہ ۲/ ۲۹۹)۔

بخاری نے کہا ہے کہ اس کا مدار ضعفاء پر ہے (المقاصد الحسنہ/ ۴۵۳)۔

مذکورہ روایات اگر چہ بالعموم کلام سے خالی نہیں ہیں، مگر تعدد طرق اور نظائر وشواہد کی بنا پر (جن کا ذکر زیلعی نے نصب الرایہ میں کیا ہے) یہ روایات درجہ حسن میں آ گئی ہیں، اور ان سے استدلال درست ہے (فتح القدیر ۲/ ۴۱)۔

علاوہ ازیں تمام فقہاء کفاءت کا اعتبار کرتے ہیں، اختلاف جزئیات میں ہے، مثلاً امام مالک فقط کفاءت بالدین کا اعتبار کرتے ہیں، جبکہ جمہور فقہاء دیگر کئی امور میں بھی کفاءت تسلیم کرتے ہیں، مگر نفس کفاءت پر ائمہ اربعہ کا اتفاق ہے (مرقاۃ شرح مشکوۃ ۶/ ۱۹۲)، یہ بھی روایت کے لئے باعث تقویت ہے۔

کفاءت کے مصالح:

الف: مذکورہ آیات وروایات سے مجموعی طور پر جو بات ثابت ہوتی ہے وہ یہ کہ کفاءت کا مقصد رشتہ نکاح میں استحکام، انسان کی گھریلو زندگی میں خوشگواری اور اگلی نسل کے لئے بہتر حالات وظروف پیدا کرنا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۱۵)۔

ب- نکاح میں دو اجنبی شخص باہم ایک ہوجاتے ہیں، ازدواجی زندگی ایک ایسی گاڑی ہے، جس میں مرد وعورت دو پہیئے کا کردار ادا کرتے ہیں، اس لئے کہ اگر ان دونوں کے درمیان مماثلت ملحوظ نہ ہوتو ازدواجی زندگی بالعموم کامیاب نہیں ہوتی۔

''لأن انتظام المصالح بین المتکافئین عادۃ'' (ہدایہ ۲/ ۲۹۹)۔

(مصالح کا انضباط عموماً کفو کے درمیان ہی ہوتا ہے)۔

ج- نکاح کے بعد مرد کو عورت پر حاکمیت حاصل ہوجاتی ہے، ارشاد ربانی ہے، ''الرجال قوامون علی النساء'' اس لئے عورت کبھی ایسے شخص کی حاکمیت بخوشی تسلیم نہیں

کرسکتی جو اس سے فروتر ہو۔

''لأن الشريفة تأبى أن تكون مستفرشة للخسيس فلا بد من اعتبارها'' (ہدایہ ۲/۲۹۹) (شریف عورت کسی کمینہ کا فراش بننا گوارا نہیں کرتی، اس لئے اس کا اعتبار ضروری ہے)۔

د-ہر عورت چاہتی ہے کہ زندگی کے لئے اچھے ساتھی کا انتخاب کرے اگر وہ ساتھی اس کے اپنے معیار سے کمتر ہوتو اس کے لئے باعث عار بات ہے۔

''والمرأة تعير بفسق الزوج فوق ما تعير بضعة نسبه'' (ہدایہ ۲/۳۰۰) (عورت شوہر کے فسق سے عار محسوس کرتی ہے، اس سے بھی بڑھ کر جو وہ اپنے شوہر کی دنائت نسب سے محسوس کرسکتی ہے)۔

ھ- بے جوڑ شادی سے ازدواجی زندگی میں جو تزلزل اور انتشار پیدا ہوتا ہے وہ بچوں کی نشو ونما اور ان کے دل ودماغ پر بدترین اثرات ڈالتے ہیں، جن سے اگلی نسل کے نکمے ہونے کا خطرہ پیدا ہوجاتا ہے۔

مگر یہ سارے مصالح وفوائد عمومی حالات کے پیش نظر ہیں۔

''لان انتظام المصالح بين المتكافئين عادة'' (ہدایہ ۲/۲۹۹)۔

بعض حالات ایسے ہوسکتے ہیں جن میں بے جوڑ کی شادی بے ضرر بلکہ موافق مصلحت ثابت ہو، جیسا کہ عہد نبوی یا عہد صحابہ کے بعض واقعات سے ظاہر ہوتا ہے، یا آج بھی بعض ایسی صورتیں ممکن ہیں، مگر یہ استثنائی حالات ہیں، جو قانون پر اثر انداز نہیں ہوتے، قانون ہمیشہ عمومی حالات کے پیش نظر بنتا ہے۔

کفاءت کی قانونی حیثیت:

رہی یہ بات کہ شریعت میں کفاءت کی قانونی حیثیت کیا ہے؟ تو فقہی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا استعمال بطور حق کے ہوتا ہے، یعنی کفاءت بذات خود کوئی چیز نہیں ہے،

بلکہ اس میں جو بھی لزوم یا شدت پیدا ہوتی ہے وہ حق غیر کی بناپر، کہ غیر کفو میں شادی سے کبھی عورت کی حق تلفی ہوتی ہے اور کبھی اس کے اولیاء کی، اس لحاظ سے کفاءت کا قانون دراصل تحفظ حقوق کا ضامن ہے۔

اس روشنی میں اگر کوئی لڑکی اپنی شادی اولیاء کی مرضی کے بغیر غیر کفو میں کر لے تو حنفیہ کے نزدیک ظاہر الروایہ کے مطابق نکاح تو درست ہوجائے گا مگر اولیاء کو حق اعتراض حاصل رہتا ہے، وہ چاہیں تو نکاح فسخ کراسکتے ہیں اور چاہیں تو باقی رکھ سکتے ہیں، امام ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ غیر کفو میں نکاح منعقد ہی نہیں ہوتا، اس لئے کہ عقد ہوجانے کے بعد مطالبۂ تفریق میں بعض مرتبہ بہت سی دقتیں پیش آجاتی ہیں، جن سے اولیاء گھبرا کر خاموش ہوسکتے ہیں، قاضی نے اسی قول کو اصح قرار دیا ہے، ایک روایت یہ ہے کہ امام محمد نے بھی شیخین کے قول کی طرف رجوع کرلیا تھا (ہدایہ ۲/ ۲۹۴)۔

حسن بن زیادؒ نے امام ابوحنیفہؒ سے عدم جواز کا قول نقل کیا ہے، قاضی خاں نے کہا ہے کہ اس پر فتوی ہے۔

”روى الحسن عن أبي حنيفة أنه يجوز النكاح، ان كان كفوا، و إن لم يكن كفوا لا يجوز أصلا ،واختلفت الروايات عن أبي يوسف، والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن، قال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رواية الحسن أقرب إلى الاحتياط“ (قاضی خاں باب شروط النکاح ۱/ ۱۵۴)۔

عام طور پر متاخرین حنفیہ نے بھی مفاسد کے سدباب کے لئے اسی قول پر فتوی دیا ہے (دیکھئے: درمختار ۲/ ۴۰۸، شرح وقایہ ۲/ ۲۰، فتاوی دارالعلوم دیوبند ۸/ ۲۳۶)۔

۲- کفاءت میں قابل لحاظ امور:

ثبوت کفاءت کے بعد اہم ترین مسئلہ یہ ہے کہ کفاءت میں کن امور کا اعتبار کیا جائے گا؟ فقہاء نے اس ذیل میں بعض امور کی تعیین کی ہے، لیکن ان امور کی تفصیل میں جانے سے قبل

ہمارے لئے یہ جان لینا زیادہ مناسب ہوگا کہ اس تعیین کا مدار کیا ہے؟ فقہاء کی عبارتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا مدار نص پر نہیں بلکہ عرف پر ہے، اور ان کے زمانہ کے حالات پر ہے، اس طرح یہ تعیین محض علامتی قرار پائے گی، عرف کے تعلق سے بعض عبارتیں درج ذیل ہیں، حافظ ابن ہمام رقم طراز ہیں:

''إذا ثبت اعتبار الكفاءة بما قدمناه فيمكن ثبوت تفصيلها أيضا بالنظر إلى عرف الناس فيما يحقرونه ويعيرون به'' (فتح القدیر ۳/ ۴۲)۔

(جب گذشتہ تفصیل سے کفاءت کا اعتبار ثابت ہوگیا، تو اب اس کی تفصیلات کا ثبوت بھی ممکن ہے، وہ اس طرح کہ لوگوں کے عرف کو دیکھا جائے کہ کون سی چیزیں ان کے نزدیک باعث ننگ وعار ہیں)۔

علامہ شامی تحریر کرتے ہیں:

''لأن الناس يعيرون بتزويج المجنون أكثر من الحرفة الدنيئة'' (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۳/ ۱۳۴) (اس لئے کہ لوگ کمتر پیشہ والے سے زیادہ پاگل سے شادی کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں)۔

ائمہ کے اختلاف پر بھی عرف کا اثر پڑا ہے، مثلاً پیشہ میں امام ابو یوسف کفاءت کا اعتبار کرتے ہیں، اور امام ابوحنیفہ نہیں کرتے، اس اختلاف کی ایک وجہ عرف وحالات زمانہ کی تبدیلی قرار دی گئی ہے۔

''إن أبا حنيفة بنى الأمر فيها على عادة العرب و أجاب أبو يوسف على عادة أهل البلاد'' (رد المحتار ۴/ ۳۲۴، ۳۲۵)۔

یعنی امام ابوحنیفہ نے حکم کی بنیاد عادت عرب پر رکھی اور امام ابو یوسف نے اپنے علاقے کے عرف کو مدار بنایا۔

کبھی ایک پیشہ ایک زمان ومکان میں کمتر سمجھا جاتا ہے اور دوسرے زمان ومکان میں

بہتر تو اس تفاوت عرف کا اثر حکم پر بھی پڑتا ہے، شامی ہی لکھتے ہیں:

ظاہر یہ ہے کہ ایسے خیاط جو استاذ ہوں، کاموں کو قبول کرتے ہوں، اور ان کے پاس مزدور ہوں جو ان کے لئے کام کرتے ہوں، وہ ہمارے زمانہ میں بزاز اور تاجر کا کفو ہے..... کیونکہ ایسا شخص ہمارے زمانے میں کپڑ فروش اور عطار سے کمتر نہیں سمجھا جاتا (ردالمحتار ۲/ ۳۲۲)۔

اگر ایک دور میں دیانت وتقوی معیار فضل ہو اور دوسرے دور میں اسباب دنیا کی کثرت معیار بن جائے تو فقہاء نے کفاءت میں اس تبدیلی کا لحاظ کیا ہے۔

محیط کی یہ بات کہ ظالم کا خوشامدی سب سے زیادہ ذلیل ہے، یہ شاید اس دور کی بات ہے، جب فضل وتفاخر کا عام معیار دیانت وتقوی تھا، آج ہمارے زمانے میں کثرت دنیا سرمایہ افتخار بن چکی ہے، اس لئے یہ قابل غور ہے (ردالمحتار ۲/ ۳۲)۔

حائک کو عام طور پر عطار کا کفو نہیں قرار دیا جاتا ہے، مگر اسکندریہ کے بدلے ہوئے عرف میں اس کو کفو قرار دیا گیا ہے۔

''وعلى هذا ينبغي أن يكون الحائك كفوا للعطار بالاسكندرية، لما هناک من حسن اعتبارها وعدم عدها نقصا البتة'' (ردالمحتار ۲/ ۳۲۱)۔

اس لحاظ سے اسکندریہ میں حائک کو عطار کا کفو ہونا چاہئے، اس لئے کہ وہاں یہ پیشہ یقینی طور پر کمتر نہیں سمجھا جاتا۔

کفاءت نسبی میں عرب وعجم کے درمیان فرق کی وجہ بھی عرف ہے، شامی لکھتے ہیں:

''ان العرب لا يتفاخرون به ويتفاخرون بالنسب'' (ردالمحتار ۲/ ۳۱۹)۔

(کہ عرب اسلام پر نہیں بلکہ نسب پر فخر کرتے ہیں)۔

پیشہ میں کفاءت کا سبب بھی ابن ہمام نے عرف کو قرار دیا ہے، شامی نے ان کے حوالے سے لکھا ہے۔

''ان الموجب هو استنقاص أهل العرف فيدور معه'' (ردالمحتار ۲/ ۳۲۵)۔

بنو باہلہ صاحب ہدایہ کے نزدیک عام عرب کے کفو نہیں ہیں، مگر ابن ہمام نے اس پر تبصرہ کیا ہے: "**ليس كل باهلي كذلك بل فيهم الأجواد، و كون فصيلة منهم أو بطن صعاليك فعلوا ذلك (أي أخذ عظام الميتة و طبخها و أخذ دسوماتها) لا يسري في حق الكل**" (فتح القدیر ۳/ ۲۸۸)۔

(ہر باہلی ایسا نہیں ہے، بلکہ ان میں اچھے بھی ہیں، ان میں کسی ایک خاندان یا تنگدست شاخ کا مردوں کی ہڈیاں جمع کرنے، پکانے اور ان سے چربیاں نکالنے کا عمل پورے قبیلے کی طرف منسوب کرنا صحیح نہیں)۔

مطلب یہ ہے کہ جن شاخوں کے حالات مختلف ہیں ان کا حکم بھی مختلف ہونا چاہئے۔

اس طرح کی بے شمار عبارتیں کتب فقہ میں موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ کفاءت میں معتبر امور کی تعیین عرف اور حالات کے ذریعہ کی گئی ہے، اس کی بنیاد نصوص پر نہیں ہے، اور جب مدار تعیین عرف ہے، تو اس میں کمی وبیشی کا امکان موجود ہے۔

کفاءت میں معتبر امور:

عام طور پر فقہاء حنفیہ نے چھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے: نسب، اسلام، حریت، دیانت، مال، پیشہ، بعض فقہاء نے اس میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ کیا ہے۔ مثلاً شافعیہ نے صحت کا، بعض متاخرین حنفیہ نے عقل اور دماغی توازن کا، اور بعض فقہاء نے حسب کا اعتبار کیا ہے، پھر مذکورہ بالا بعض صورتوں میں عرب وعجم کا فرق بھی کیا گیا ہے، مثلاً نسبی کفاءت کا اعتبار صرف عرب کے لئے ہے، عجم کے لئے نہیں، اسلام میں کفاءت کا لحاظ صرف عجم کے لئے ہے عرب کے لئے نہیں (محیط ونہایہ)، دیانت اور پیشہ کا لحاظ بھی صرف عجم کے لئے ہے (الہطم وجامع المضمرات)، البتہ حریت اور مال کے بارے میں فقہی عبارات سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں عرب وعجم کا فرق نہیں ہے (جامع الرموز، بحوالہ عمدۃ الرعایۃ ۲/ ۲۷)۔

اب ہم کفاءت میں معتبر امور پر الگ الگ کچھ تفصیل کے ساتھ نظر ڈالتے ہیں:

۱-نسب:

کفاءت نسبی کے ذیل میں بنیادی طور پر دو امور لائق بحث ہیں:

۱-نسب میں کفاءت کا اعتبار، ۲-عرب وعجم کا فرق۔

نسب میں کفاءت کا اعتبار:

جمہور فقہاء (امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل اور دیگر جمہور امت) نسب میں کفاءت کے قائل ہیں، امام مالک اس کے قائل نہیں ہیں (مرقاۃ شرح مشکوۃ ۱۹۶/۲)، صحابہ میں حضرت عمر بن مسعود اور تابعین میں محمد بن سیرین اور عمر بن عبد العزیز کی طرف بھی یہی بات منسوب کی گئی ہے (حاشیہ بخاری بحوالہ الفتح ۷۶۲/۲)۔

امام احمدؒ کا ایک قول بھی یہی ہے (المغنی ۲۸/۲)۔

جمہور کے دلائل:

جمہور نے اپنے موقف پر مندرجہ ذیل چیزوں سے استدلال کیا ہے:

۱-وہ روایات جن سے خاندانی اور نسبی تفاوت اور کفاءت میں اس کے اعتبار کا ثبوت ملتا ہے، حالانکہ اس معنی کی زیادہ تر روایات کلام سے خالی نہیں ہیں، مگر فی الجملہ ان سے معنی حدیث کا ثبوت ضرور ہوتا ہے۔ مثلاً ارشاد نبوی ہے:

"قريش بعضهم أكفاء لبعض، بطن ببطن والعرب بعضهم أكفاء لبعض، قبيلة بقبيلة والموالى بعضهم أكفاء لبعض رجل برجل" (ہدایہ ۳۰۰/۲، بدائع الصنائع ۱۵/۵، ۱۶)۔

یہ روایت الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ متعدد طرق سے منقول ہے، حاکم نے اس کو ابن ابی ملیکہ عن ابن عمر کے طریق سے نقل کیا ہے، مگر اس کے آخر میں "إلا حائک أو حجام" کا اضافہ ہے، اور اس میں ایک راوی مجہول ہے۔

ابن عدی نے اس کو علی بن عروہ کے طریق سے نقل کیا ہے، مگر علی ضعیف ہیں یہ عثمان الطرائفی کے طریق سے بھی منقول ہے مگر عثمان بھی ضعیف ہیں۔

ابن عدی اور ابو یعلی نے اس کو ایک اور طریق سے نقل کیا ہے، مگر اس میں بھی عمران بن ابو الفضل ضعیف ہیں۔

دارقطنی نے اس کو بقیہ بن الولید عن ابن عمر کے طریق سے نقل کیا ہے، مگر اس کے الفاظ ہیں: "**الناس أكفاء قبيلة بقبيلة عربي بعربي مولى بمولى إلا حائكا أو حجاما**" اس طریق میں محمد بن الفضل ضعیف ہیں۔

بزار نے اس کو حضرت معاذ سے مرفوعاً نقل کیا ہے، مگر اس کی سند میں انقطاع ہے (الدرایہ علی الہدایہ لابن حجر ۲/ ۳۰۰)۔

صاحب فتح القدیر نے بھی مذکورہ بالا جرحوں کا ذکر کیا ہے، مگر وہ تمام طرق اور ان کی جرحوں کے استقصاء کے بعد جس نتیجے پر پہنچے ہیں وہ یہ ہے کہ ان تمام طرق میں بقیہ کے طریق کا ضعف بہت معمولی ہے، اس لئے کہ شعبہ جیسے محتاط اور بلند پایہ نقاد بھی بقیہ کی عظمت کے قائل ہیں، اس لئے ان کی حدیث بہت حد تک قابل استدلال ہے۔

دوسرے حدیث ضعیف تعدد طرق کی بنا پر درجہ حسن میں آ جاتی ہے، اور حسن لغیرہ سے استدلال درست ہے (فتح القدیر ۲/ ۴۲۰)۔

علاوہ ازیں جو روایت ائمہ مجتہدین کا مستدل بن جاتی ہے بعد کے طرق میں اگر اس میں کچھ ضعف پیدا ہو جائے تو اس سے اس کی استدلالی حیثیت ساقط نہیں ہوتی، جمہور ائمہ حدیث مذکورہ تفصیل کے مطابق کفاءت نسبی کے قائل ہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ ان ائمہ تک جن طرق سے یہ روایت پہنچی وہ عیب سے پاک تھے، اس لئے بعد میں پیدا ہونے والا ضعف ان ائمہ پر حجت نہیں بن سکتا، بلکہ ائمہ کے استدلال کے بعد اس حدیث کی استدلالی حیثیت محفوظ ہو جاتی ہے، اور سند میں کلام کے باوجود اس کا معنی ثابت ماننا پڑتا ہے۔

اس کے علاوہ اور بھی کئی روایات سے خاندانی اور نسبی تفاوت کا ثبوت ملتا ہے، جس سے مذکورہ روایت کی تائید ہوتی ہے۔

کفاءت نسبی کے فقدان کا اثر مصالح نکاح پر:

کفاءت نسبی کی اہمیت عقلی طور پر بھی ثابت ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ عام حالات میں مصالح نکاح نسبی کفاءت کے بغیر پوری طرح حاصل نہیں ہوتے، اگر عورت کے مقابلے میں مرد نسبی طور پر کمتر ہو اور مرد کو کوئی ایسی حیثیت عرفی بھی حاصل نہ ہو جس سے اس نسبی نقصان کی تلافی ہو سکے، تو عورت بالعموم احساس برتری میں اور مرد احساس کمتری میں مبتلا ہو جاتا ہے، جس سے ذہنی ہم آہنگی اور باہمی الفت ومحبت مفقود ہو جاتی ہے، جو رشتۂ نکاح کے انتشار کا باعث بن سکتا ہے، اسی لئے جمہور نسبی کفاءت پر یقین رکھتے ہیں، کاسانی نے کفاءت سے وابستہ مصالح پر اچھی روشنی ڈالی ہے:

کفاءت نہ ہونے کی صورت میں مصالح نکاح میں خلل پیدا ہو جاتا ہے، اس لئے کہ یہ مصالح استفراش کے بعد ہی حاصل ہوتے ہیں، اور عورت غیر کفو کا فراش بننے میں عار محسوس کرتی ہے، پس مصالح میں خلل آنا فطری ہے، نیز زوجین کے درمیان کچھ ایسے تعلقات ہوتے ہیں، جن کو بالعموم برداشت کئے بغیر رشتۂ نکاح قائم نہیں رہ سکتا، اور غیر کفو میں ان کو برداشت کرنا طبائع سلیمہ پر گراں گذرتا ہے، اس لئے جب کفاءت کے بغیر نکاح میں استحکام پیدا نہیں ہو سکتا، تو اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے (بدائع الصنائع ۱۵/۲)۔

حق کفاءت کو صاحب حق ساقط کر سکتا ہے:

پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ حقیقی طور پر کفاءت ایک حق ہے، جو عاقدین کے باہمی مصالح کی بنا پر عورت اور اس کے اولیاء کو دیا گیا ہے، اس لئے اگر صاحب حق خود اپنا حق ساقط کردے تو اعتراض کی بات نہیں، اور اس سے نکاح کی صحت یا بقاء ولزوم پر کوئی اثر نہیں پڑتا۔

استثنائی حالات قانون کی بنیاد نہیں بنتے:

دوسرے یہ بھی عرض کیا جا چکا ہے کہ کفاءت کی بنیاد عمومی حالات پر ہے، استثنائی حالات پر نہیں، بعض حالات وظروف ایسے ہو سکتے ہیں جن میں غیر کفو سے نکاح کرنا ہی عین مصلحت ہو۔ مگر یہ عام قانون تو نہیں بن سکتا۔

۲-عرب وعجم کا فرق:

یہاں دوسرا اہم مسئلہ یہ ہے کہ فقہاء نے کفاءت نسبی میں عرب وعجم کا فرق کیا ہے، عرب سے مراد وہ لوگ ہیں جو قبائل عرب میں سے کسی قبیلے کی طرف منسوب ہوں، خواہ وہ کہیں رہتے ہوں، اور عجم سے مراد وہ لوگ ہیں جو قبائل عرب میں سے کسی جانب منسوب نہ ہوں، خواہ وہ عربی بولتے ہوں یا نہ بولتے ہوں، فقہاء کی اصطلاح میں یہ لوگ موالی کہلاتے ہیں (ردالمحتار ۲/۲۹۸)۔

عام طور پر فقہاء نے عربوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے: ایک قریش یعنی وہ تمام عرب جن کا سلسلہ نسب نضر بن کنانہ سے ملتا ہے، خود قریش میں بھی بہت سے قبائل ہیں، مثلاً ہاشمی، نوفلی، تیمی، اور عدوی وغیرہ مگر نکاح میں یہ سب ایک درجے کے مانے گئے ہیں، یہی وجہ ہے کہ حضرت علی نے اپنی صاحبزادی حضرت ام کلثوم کا نکاح حضرت عمر سے کیا جو ہاشمی نہیں عدوی تھے، اس کی اور بھی بہت سی نظیریں ہیں۔

دوسرا درجہ قریش کے علاوہ عام عربوں کا ہے، بلکہ خود نضر بن کنانہ سے اوپر کے لوگ بھی اسی دوسرے درجہ میں داخل ہیں (شرح وقایہ ۲/۲۷)۔

عجم میں کفاءت نسبی کا اعتبار نہ ہونے کی وجہ:

عام طور پر فقہاء نے یہ تصریح کی ہے کہ کفاءت نسبی کا لحاظ عرب میں کیا جائے گا، عجمیوں میں نہیں، اور اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ عجمیوں نے اپنے نسب کی حفاظت کا اہتمام نہیں کیا۔

''لأن العجم ضيعوا أنسابهم'' (شرح وقایہ ۲/۲۷)۔

علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے اس کی وضاحت کی ہے:

"الحاصل أن النسب لما كان ضائعا في العجم فهم لم يهتموا ببقاء شرافة النسب وتحصيلها كاهتمام العرب والتزامهم لم تعتبر الكفاء ة فيهم" (عمدۃ الرعایہ ۲/۲۷) (حاصل یہ ہے کہ چونکہ عجمیوں نے شرافت نسب کی حفاظت وتحصیل کا وہ اہتمام والتزام نہیں کیا جو عربوں کا خاصہ ہے، اس لئے ان میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا گیا)۔

۲-اسلام:

بعض فقہاء کے یہاں سارے مسلمان باہم کفو ہیں، خواہ وہ پشتینی مسلمان ہوں یا نومسلم، عرب ہوں یا عجم، ان حضرات کے نزدیک محض مسلمان ہونا باعث شرف ہے، خاندانی مسلمان ہونا کوئی شرف کی بات نہیں، اس تصور کی بنیاد یہ ہے کہ تمام صحابہ نومسلم تھے اور تابعین یا ان کے بعد کے مسلمان خاندانی مسلم۔ مگر امت کا کوئی فرد فضل وشرف میں صحابہ سے آگے نہیں بڑھ سکتا، ابن قدامہ نے اس خیال کی اچھی وکالت کی ہے:

"من أسلم أو عتق من العبيد فهو كفو، لمن له أبوان في الإسلام والحرية، وقال أبوحنيفة: ليس بكفء، وليس بصحيح فإن الصحابة أكثرهم أسلموا وكانوا أفضل الأمة فلا يجوز أن يقال انهم غير أكفاء للتابعين" (المغنی ۷/۳۰)۔

(نومسلم اور آزاد ایسے شخص کا کفو ہے جو دو پشتوں سے مسلمان اور آزاد ہو، البتہ امام ابو حنیفہ کے نزدیک کفو نہیں ہے، مگر یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اکثر صحابہ نومسلم تھے، جو اس امت میں سب سے افضل تھے، اس لئے ان کے بارے میں یہ کہنا صحیح نہیں ہوگا کہ وہ تابعین کے کفو نہیں تھے)۔

فقہاء حنفیہ نے اس موضوع پر سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ نظر ڈالی ہے، اور کئی لحاظ سے انہوں نے فرق کیا ہے (اوران سب کا مدار عرف پر ہے)، حنفیہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے یہ

دیکھنا چاہئے کہ متعلقہ مقام پر اشاعت اسلام کی مدت کیا ہے؟ اگر اسلام کی اشاعت بالکل نئی نئی ہے، تو وہاں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کا کوئی امتیاز نہ ہوگا، اس لئے کہ وہاں تو سب ہی نو مسلم ہیں، وہاں قبل سے قائم شرافتوں کو ہی معیار بنایا جائے گا، اسلام کی قدامت وجدت کو نہیں، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''فأما إذا كان في موضع كان عهد الإسلام قريبا بحيث لا يعير بذلک ولا يعد عيبا يكون بعضهم كفأ لبعضهم'' (بدائع الصنائع ۳۱۹/۲)۔

(اگر جگہ ایسی ہو جہاں اسلام کی اشاعت قریبی زمانے میں ہوئی ہو، اور نومسلم ہونا وہاں باعث عار وعیب نہ ہو، تو وہاں لوگ باہم ایک دوسرے کے کفو ہوں گے)۔

امام اہل سنت مولانا عبدالشکور لکھنوی نے بھی اس نکتہ کی وضاحت کی ہے، لکھتے ہیں:

اکثر فقہاء نے اس مقام پر یہ لکھ دیا ہے کہ اسلام کی برابری کا اعتبار اہل عرب کے لئے نہیں ہے، کیونکہ وہاں نومسلم ہونا عیب نہیں سمجھا جاتا، حالانکہ یہ صرف اسی زمانہ تک تھا، جب وہاں اسلام شروع ہوا تھا، اب وہاں بھی عیب سمجھا جاتا ہے (علم الفقہ ۹/۶)۔

چنانچہ جس معاشرہ اور علاقہ میں اسلام کی اشاعت پر ایک عرصہ گذر جاتا ہے وہاں نومسلم خاندانی مسلمانوں کے مقابلہ میں بالعموم کمتر سمجھے جاتے ہیں، ایسے معاشرے اور عرف میں اسلام کی برابری کا لحاظ نہ کرنا غلط ہوگا، اسی لئے فقہاء حنفیہ نے کہا ہے کہ جو بذات خود مسلمان ہو اور اس کے والدین کافر ہوں، وہ ایسے شخص کا کفو نہیں ہوسکتا جس کے خاندان میں دو پشتوں سے اسلام ہو، البتہ ایسا شخص جس کے خاندان میں دو پشتوں سے اسلام ہو وہ قدیم پشتینی مسلمانوں کا کفو ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک یک پشتی مسلمان ہی قدیم پشتینی مسلمانوں کا کفو ہے (ہدایہ ۳۰۰/۲)۔

شامی نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسف اور طرفین کا یہ اختلاف حقیقی نہیں بلکہ عرف وحالات پر مبنی ہے۔

''وكان أبو يوسف إنما قال في موضع لا يعد كفر الجد عيبا بعد أن

کان الأب مسلما، و هما قالاه فی موضع یعد عیبا''(رد المحتار ۲/۳۱۹)۔

یعنی جس سوسائٹی میں صرف باپ کا مسلمان ہونا کافی سمجھا جاتا ہو اور دادا کے ہم کفو نہ ہونے سے عار نہ محسوس کیا جاتا ہو، امام ابو یوسف کی بات ایسی ہی سوسائٹی کے لئے ہے، اور جہاں دادا کا کفر پوتے کے لئے عیب مانا جاتا ہو، طرفین کی بات اس معاشرہ کے لئے ہے۔

علاوہ ازیں امام ابو یوسف نے تعارف کو بنیاد بنایا ہے، کہ تعارف کے لئے باپ کا نام کافی ہے، اور طرفین باپ اور دادا دونوں کا ذکر ضروری سمجھتے ہیں (ہدایہ ۲/۳۰۰)۔

جو بذات خود مسلمان ہو وہ یک پشتینی مسلمان کا کفو نہیں ہے (ہدایہ ۲/۳۰۰، عالمگیری ۲/۱۵)۔

البتہ اگر یک پشتینی مسلمان میں کوئی نقص ہو تو نومسلم اس کا کفو ہو سکتا ہے (البحر الرائق ۳/۱۳۰) مثلاً الذخیرہ میں ابن سماعہ کے حوالہ سے ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی خاندانی مسلم عورت آزاد کردہ ہو تو نومسلم اس کا کفو ہو سکتا ہے (عمدۃ الرعایۃ ۲/۲۸)۔

نومسلموں کا مسئلہ:

رہی یہ بات کہ قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کے امتیاز اور ان کے درمیان اعتبار کفاءت کا تصور بعض جگہوں پر نومسلموں کو مسلم سوسائٹی میں جذب کرنے اور ان کے معاشرتی مسائل حل کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہے، تو ایسے مقامات پر قدیم پشتینی مسلمانوں کو ایثار کی ضرورت ہے، یہ مصالح کے پیش نظر کفاءت اسلامی کے حق کو نظر انداز کر کے نومسلموں کی حوصلہ افزائی اور اشاعت اسلام کے فروغ کی کوشش کرنے کا موقع ہے، مگر یہ ایک وقتی بات ہے اس کی بنا پر کفاءت نسبی کی دفعہ کو اسلامی قانون سے خارج کر دینا درست نہ ہوگا، اس لئے کہ عرف میں جو چیز عار کی بات ہو اسی کے لحاظ کرنے کا نام کفاءت ہے، ہاں ہنگامی حالات کے مطابق مسلمانوں کو اسلام کے لئے اسی طرح قربانی دینی ہوگی، جس طرح کہ انصار و مہاجرین نے آغاز اسلام

میں دی تھی، جذبہ ایثار موجود نہ ہو تو اسلامی قانون کی کتاب سے کسی ایک دفعہ کے خارج کر دینے سے کام نہیں چلے گا۔

۳-حریت :

اکثر فقہاء نے کفاءت میں آزادی کا اعتبار کیا ہے۔

ابن قدامہ لکھتے ہیں: **صحیح یہ ہے کہ آزادی بھی کفاءت کے لئے شرط ہے، لہذا غلام آزاد عورت کا کفو نہ ہوگا۔**

فقہاء حنفیہ نے اس میں وہی تفصیل کی ہے جو اسلام کے تحت مذکور ہوئی، اس لئے کہ غلامی بھی کفر ہی کا نتیجہ ہے (ہدایہ ۳۰۰/۲)۔

۴-دیانت وتقوی :

امام محمد کے سوا تقریبا تمام ائمہ دیانت و اخلاق میں کفاءت کا اعتبار کرتے ہیں، امام مالک کے نزدیک تو کفاءت میں دیانت ہی واحد معیار ہے، معاشرے کی دیگر شرافتوں کو وہ ہرگز قابل اعتنا نہیں سمجھتے۔

"وقال مالک الکفاءة فی الدین لا غیر" (المغنی ۱۶/۷)۔

یعنی امام مالک کے نزدیک کفاءت صرف دیانت میں معتبر ہے، امام شافعی کا ایک قول بھی یہی ہے۔

ان کے سامنے وہ روایات ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ جب کسی دیندار گھرانے سے رشتہ آجائے تو نکاح کردو ورنہ زمین میں فتنۂ عظیم برپا ہوجائے گا (ترمذی ۲۰۷/۱)۔

دیگر ائمہ نے دینداری کی اہمیت تسلیم کرتے ہوئے معاشرے میں رائج شرافت کے دیگر اسباب کو بھی نظر انداز نہیں کیا ہے، جن میں بعض کی نشاندہی اس دور کے حالات کے مطابق ایک حدیث میں کی گئی ہے، ارشاد نبوی ہے:

"تنكح المرأة بأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك" (بخاری ۲/ ۷۶۲)۔

(عورت سے چار وجوہ سے نکاح کیا جاتا ہے: مال، حسب، جمال اور دینداری، پس تم دیندار کا انتخاب کر کے کامیاب ہوجاؤ، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں)۔

حدیث کا ماحول دین کی اہمیت کو اجاگر کرتا ہے، مگر دوسری چیزوں کو بالکل مسترد بھی نہیں کرتا، افضلیت تو بہر صورت دینداری کو حاصل ہے، فقہاء نے تصریح کی ہے:

"وعندنا الأفضل اعتبار الدين والاقتصار عليه" (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۷)۔

(ہمارے نزدیک صرف دینداری پر زور دینا افضل ہے)۔

یہاں ایک اہم بحث یہ ہے کہ کس کی دینی حالت کا اعتبار ہوگا؟ لڑکی کی یا اس کے گھر والوں کی؟ اس میں فقہاء کی آراء مختلف ہیں، بعض فقہاء نے باپ، دادا کی دینی حالت کا اعتبار کیا ہے، یعنی کوئی فاسق نیک گھرانے کی لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا، خواہ لڑکی بذات خود صالحہ ہو یا نہ ہو، بعض نے صرف لڑکی کی دینی حالت کا اعتبار کیا ہے (المجموع)۔

بعض لوگوں نے ان دونوں کے مجموعہ حالت کا اعتبار کیا ہے (فتاوی خانیہ)۔

علامہ شامی نے اسی قول کو حق قرار دیا ہے ان کے خیال میں جن لوگوں نے صرف لڑکی یا اس کے باپ کی دینی حالت کا لحاظ کیا ہے ان کے ذہن میں یہ ہے کہ لڑکی کی صالحیت ماحول کا نتیجہ ہوتی ہے، اسی طرح باپ جب صالح ہوتا ہے تو لڑکی بھی صالح ہوتی ہے، گویا دونوں لازم وملزوم ہیں، اس لئے ان فقہاء نے ایک کا ذکر کیا مگر دوسرا خود اس کے ضمن میں موجود ہے، اس قول کے مطابق کسی صالح شخص کی فاسقہ لڑکی کسی فاسق مرد سے شادی کرے تو اولیاء کو حق اعتراض نہ ہوگا، اس لئے کہ فاسق سے شادی کرنے پر انہیں عار ہے، تو بیٹی کے فسق پر اس سے پہلے عار ہونا چاہئے، جب فاسقہ لڑکی کا بیٹی ہونا انہیں گوارا ہے تو ایک فاسق مرد کا داماد ہونا کیوں گوارا نہیں (عمدۃ الرعایہ ۲/ ۲۸)۔

اپنا خیال یہ ہے کہ اگر چھپے ہوئے فاسقوں کی حیثیت عرفی اچھی ہو تو دیانت وتقوی کے انحطاط کے موجودہ دور میں ان کو کفو مان لینا چاہئے، جیسا کہ شامی نے آج سے بہت قبل اس جانب سوچنے کی دعوت دی تھی۔

"کان فی زمنهم الذی الغالب فیه التفاخر بالدین والتقوی دون زماننا الغالب فیه التفاخر بالدنیا فافهم" (ردالمحتار ۴/۳۲۲)۔

یہاں ایک بحث یہ بھی ہے کہ فسق اعتقادی کفاءت پر اثر انداز ہوگا یا نہیں؟ عام طور پر فقہاء نے اسباب کفاءت کے ذیل میں اس پر بحث نہیں کی ہے، لیکن اہل تشیع کے بارے میں انہوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے کسی نتیجے تک پہنچا جاسکتا ہے، ابن قدامہ نے اسباب کفاءت کے ضمن میں ایک فصل "اہل بدع" پر قائم کی ہے اور لکھا ہے کہ:

"لا یزوج البنت من حروری ... ولا الرافضی ولا من القدری" (المغنی ۷/۳۰) (خارج از دین حروری اور رافضی اور قدری سے لڑکی کی شادی نہ کرے)۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر کسی کی بد اعتقادی اس درجہ بڑھ جائے کہ خروج از دین لازم آجائے اور اس کی دینی ذہنیت کا پورا سانچہ ہی تبدیل ہوجائے تو ایسا شخص کسی صحیح العقیدہ لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا۔

یوں بھی لڑکیوں کی شادی کے وقت گھر کی مخصوص دینی تربیت کا لحاظ رکھنا چاہئے اور ایسے گھر میں اپنی بیٹی دینی چاہئے جو دینی رنگ وڈھنگ کے لحاظ سے بہت حد تک اس سے قریب ہو۔

۵-مال:

امام مالک کے سوا تمام ائمہ مال میں کفاءت کا اعتبار کرتے ہیں، اس کی ایک دلیل وہ حدیث ہے جس میں فاطمہ بنت قیس کو حضور ﷺ نے حضرت معاویہؓ کے بجائے حضرت اسامہؓ سے نکاح کرنے کا حکم دیا تھا، اور حضرت معاویہ کے بارے میں فرمایا تھا:

"أما معاویة فصعلوک ولا مال له" (بیہقی ۷/۱۳۵) (معاویہ تو مفلوک الحال آدمی ہیں اس کے پاس مال نہیں ہے)۔

دوسری دلیل یہ ہے کہ عرف میں مالی کمزوری عیب سمجھی جاتی ہے اور کفاءت کا مدار عرف پر ہے: "لأن ذلک معدود نقصا فی عرف الناس" (المغنی ۷/۲۸)۔

عورت چاہے غریب گھرانے کی ہو یا خوشحال گھرانے کی، غریب شخص کسی کا کفو نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ نکاح نان، نفقہ اور مہر کا مقتضی ہے، جو محتاج شخص ادا نہیں کرسکتا، حالانکہ نکاح کے لئے نفقہ ومہر دونوں ضروری ہیں، مہر جنسی منافع کی قیمت ہے اور نفقہ بقائے نکاح کے لئے ضروری ہے (ہدایہ ۲/۳۰۰،۳۰۱)۔

۶-پیشہ:

انسان کی حیثیت عرفی میں اس کے پیشہ کا بڑا دخل ہوتا ہے، اسی لئے فقہاء نے کفاءت میں پیشہ کا بھی اعتبار کیا ہے، فقہاء حنفیہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد اس کا اعتبار کرتے ہیں، امام ابو یوسف سے ایک روایت یہ ہے کہ پیشہ کا اعتبار صرف اس صورت میں ہوگا جب مرد کوئی ایسا پیشہ اختیار کرے جس کو لوگ حقیر سمجھتے ہوں، ایسا شخص نسبۃ اچھے پیشہ والوں کا کفو نہیں ہوسکتا (ہدایہ ۲/۳۰۱، بدائع الصنائع ۲/۳۲۱)۔

امام ابوحنیفہ سے دو روایتیں ہیں: ایک روایت میں پیشہ کا بالکل اعتبار نہیں، اور دوسری روایت اعتبار کی ہے، اعتبار والی روایت کی بنیاد عرف ہے، یعنی عرف میں چونکہ پیشہ کی شرافت اور دنائت کو محسوس کیا جاتا ہے اس لئے نکاح میں اس کا لحاظ کیا جائے گا، اور عدم اعتبار کی روایت کی توجیہ یہ کی گئی ہے کہ پیشہ کوئی لازم نہیں ہوتا جب چاہے انسان خراب پیشہ ترک کر کے اچھا پیشہ اختیار کرسکتا ہے، اس لئے ایک عارضی چیز کو بنیاد کیوں بنایا جائے (ہدایہ ۲/۳۰۱، المبسوط ۵/۲۵)، مگر یہ توجیہ فقہاء کی ان تصریحات سے متعارض ہے جن میں کفاءت کے لئے عقد کے وقت کی حالت

کا اعتبار کیا گیا ہے، نہ کہ پہلے اور بعد کے حالات کا۔

"والكفاءة اعتبارها عند ابتداء العقد" (درمختار علی ردالمحتار ۲/۳۲۲)۔

اس لئے ایسا لگتا ہے کہ امام ابوحنیفہ کا وہی قول زیادہ معتبر ہے جس میں پیشہ کی کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے، کاسانی نے امام ابوحنیفہ اور صاحبین کے اختلاف کو عرف و حالات کے اختلاف کا نتیجہ قرار دیا ہے (بدائع الصنائع ۲/۳۲۰)۔

شامی نے بھی کرخی کے حوالے سے یہی بات لکھی ہے۔

امام احمد سے اس سلسلے میں دو قول منقول ہیں (المغنی ۷/۲۹)۔

اس سلسلے میں عام طور پر دارقطنی کی اس روایت سے استدلال کیا جاتا ہے، جو حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے۔

"الناس اكفاء قبيلة بقبيلة، وعربي بعربي، ومولى بمولى إلا حائكا أو حجاما" (الدرایہ ۲/۳۰۰)۔

یہ روایت کئی طرق سے منقول ہے مگر بقول امام شوکانی اور دیگر ناقدین اس کے ہر طریق میں کچھ نہ کچھ کلام ہے (نیل الاوطار ۶/۱۲۸)۔

حافظ ابن ہمام نے تعدد طرق کی بنا پر اس کو حسن قرار دیا ہے (امداد الفتاوی ۲/۳۵۶)۔

اس کے علاوہ اس کے معنی کی تائید عرف سے بھی ہوتی ہے اور اعتبار کفاءت کی بنیاد عرف پر ہے۔

"لأن ذلک نقص في عرف الناس فأشبه نقص النسب" (المغنی لابن قدامہ ۷/۲۹)۔

ابن ہمام نے بھی اسی بنیاد کی طرف ان الفاظ میں اشارہ کیا ہے۔

"ان الموجب هو استنقاص أهل العرف فيدور معه" (ردالمحتار ۲/۳۲۲)۔

اسی لئے امام احمد نے اس معاملے میں حدیث کا ضعف محسوس کرتے ہوئے عرف کو بنیاد بنایا ہے (المغنی ۷/۲۹)۔

فقہاء نے اپنے دور کے حالات کے مطابق پیشوں کی جداگانہ حیثیتوں پر بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک ہی پیشہ کے **لوگ** باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں، اسی طرح دو مختلف پیشوں کے **لوگ** جن میں زیادہ فرق نہ ہو اور جو معاشرے میں قریبی درجے کے سمجھے جاتے ہیں وہ ایک دوسرے کے کفو ہیں، اس لئے کہ پیشوں کا اتحاد ضروری نہیں **بلکہ** تقارب اور یکسانیت کافی ہے۔

''ان **العرف** متی تقاربت لا یعتبر التفاوت'' (البحر الرائق ۳؍۱۳۳)۔

ہمارے آج کے عرف میں بھی بعض پیشوں نے ترقی کر کے اونچا مقام حاصل کرلیا ہے، مثلاً چمڑے کی دباغت، جوتا سازی، **لوہاری**، اور کپڑا بننے کی بڑی بڑی کمپنیاں اور فیکٹریاں قائم ہوگئی ہیں، اور معاشرہ میں ان کے ذمہ داروں کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اس لئے ان پیشوں کو اعلی پیشہ قرار دیا جانا چاہئے، جیسا کہ فقہاء نے ایسے ٹیلرنگ ماسٹر کو جو خیاطی کی تعلیم دیتا ہو بزاز اور تاجر کا کفو قرار دیا ہے، اور جو **لوگ** ماہر فن ہوں اور مزدوروں کے ذریعہ کام کراتے ہوں، ان کو بھی عرف کی بنا پر بزاز اور عطار جیسے اعلی پیشہ والوں کا ہم پلہ قرار دیا ہے، شامی لکھتے ہیں:

''الظاهر إن نحو الخياط إذا كان أستاذا فيقبل الأعمال وله أجراء يعملون له يكون كفوا لبنت البزاز والتاجر في زماننا......أما لو كان أستاذا له أجراء ه ......فليس في زماننا أنقص من البزاز و العطار'' (رد المحتار ۲؍۳۲۲)۔

پیشہ کے سلسلے میں ایک وضاحت یہ بھی مناسب ہے کہ ابتداء عقد کے پیشہ کا اعتبار ہے، اگر کسی نے سابق میں گھٹیا پیشہ اختیار کر رکھا تھا، مگر بعد میں اس کو ترک کردیا، اور بات نسیاً منسیا ہوگئی، تو سابق پیشہ کی دنائت کا اعتبار نہ ہوگا۔

''و إن تناسى أمرها لتقادم زمنها كان كفوا لكان حسنا'' (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۳؍۱۴۴)۔

۷-صحت:

صحتمندی میں کفاءت کی بات صرف شافعیہ نے کی ہے (المغنی ۳۹/۸، بحر ۱۴۴/۳)۔
بعض لوگوں نے اس کو کفاءت فی الحال سے تعبیر کیا ہے۔

''والحال وهو أن يكون الزوج سالما من العيوب الفاحشة'' (ارشاد الساری علی البخاری ۱۹/۸)۔

یعنی صحت مند عورت سے شادی کرنے کے لئے مرد کا عیوب فاحشہ (جذام، برص) سے محفوظ ہونا ضروری ہے۔

دوسرے ائمہ نکاح کے لزوم کے لئے امراض وعیوب سے پاک ہونا ضروری نہیں قرار دیتے، البتہ مالکیہ اور حنابلہ نکاح کے بعد ان امراض وعیوب کی بناپر عورت کو مطالبہ تفریق کا حق دیتے ہیں، فقہاء حنفیہ میں امام ابوحنیفہ صرف جب اور نامردی کی بناپر یہ حق دیتے ہیں، البتہ امام محمد، مالکیہ وحنابلہ کے ہم خیال ہیں۔ مگر یہ تمام فقہاء جو نکاح کے بعد عیوب وامراض فاحشہ کی بناپر حق تفریق دیتے ہیں، ان کے نزدیک اس کی بنیاد کفاءت نہیں بلکہ عورت کی حق تلفی اور دفع ضرر ہے (ہدایہ ۴۰۲/۲)۔

یہی وجہ ہے کہ شافعیہ کے علاوہ دیگر ائمہ مطالبہ تفریق کا حق صرف عورت کو دیتے ہیں اولیاء کو نہیں، اس لئے کہ ضرر کا تعلق عورت سے ہے، اولیاء سے نہیں ہے، جبکہ کفاءت کی بنیاد عار اور عیب پر ہے، ضرر پر نہیں، اسی لئے یہ حق اولیاء کو بھی دیا گیا ہے، البتہ شافعیہ مذکورہ صورت میں اولیاء کو بھی مطالبہ تفریق کا حق دیتے ہیں (المغنی لابن قدامہ ۲۹/۷)۔

البتہ ائمہ کے ان نقطہائے نظر سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ قبل از نکاح اگر کسی کے بارے میں عیب کا پتہ چل جائے تو کسی صحت مند عورت کا اس سے نکاح کرنا کسی کے نزدیک پسندیدہ نہیں ہے، جو ائمہ عیب کی بناپر نکاح کے بعد نکاح توڑنے کا مشورہ دیتے ہیں وہ نکاح سے قبل عیب زدہ شخص سے نکاح کو کیسے پسند کرسکتے ہیں؟ جس سے یک گونہ کفاءت کا فائدہ اٹھایا

جا سکتا ہے، اور اگر حدیث پاک: **"تنكح المرأة لأربع لمالها ولحسبها ولجمالها"** (بخاری ۲/ ۷۶۲)، میں جمال سے مراد اندرونی و بیرونی جمال لیا جائے، تو معاشرے میں عورت کے معیار انتخاب اور پھر اس کے نتیجہ میں مسئلہ کفاءت پر روشنی پڑ سکتی ہے، علاوہ ازیں حدیث پاک: **"فر من المجذوم فرارک من الأسد"** (رواہ البخاری، ہدایہ ۲/ ۴۰۲) (مجذوم سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو)۔

اس حدیث سے لازمی نتیجہ کے طور پر یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ بعض امراض ایسے ہیں، جن سے احتیاط کرنا شریعت میں مطلوب ہے۔

ہمارے اس دور میں خطرناک امراض کی کثرت اور اس سے پیدا ہونے والے نتائج بد کے پیش نظر خیال یہ ہوتا ہے کہ شادیوں میں جسمانی صحت کا لحاظ رکھا جانا چاہئے۔

۸- عقل:

عقل اور دماغی توازن میں کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟ یعنی ایک سفیہ یا معتوہ یا پاگل شخص کسی عاقل عورت کا کفو ہو سکتا ہے یا نہیں؟ قاضی خاں کے مطابق متقدمین حنفیہ اس سلسلہ میں خاموش ہیں، البتہ متاخرین میں اس تعلق سے اختلاف پایا جاتا ہے۔

"أما العقل فلا رواية فيه عن أصحابنا المتقدمين، واختلف فيه المتأخرون" (رد المحتار ۲/ ۳۴۴)۔

ابن نجیم نے متاخرین کے اختلاف کا حوالہ دیتے ہوئے اس میں کفاءت کے تصور کو رد کر دیا ہے۔

"فالمجنون كفو للعاقلة وفيه اختلاف بين المشائخ" (البحر الرائق ۳/ ۱۳۴)۔

امام محمد اور ائمہ ثلاثہ دماغی توازن کے فقدان کی صورت میں عورت کو مطالبہ تفریق کا حق دیتے ہیں (ہدایہ ۲/ ۴۰۲)، اس کا مطلب یہ ہے کہ دماغی توازن میں کمی ایک ایسا عیب ہے جو نکاح کے لزوم پر اثر انداز ہوتا ہے، اس سے کم از کم یہ نتیجہ ضرور اخذ ہوتا ہے کہ نکاح سے قبل کسی کے

دماغی توازن کا پتہ چل جائے، تو اس سے نکاح کرنا پسندیدہ نہیں ہے، اس لئے کہ عرف میں دماغی کمزوری بھی ایک بڑا عیب ہے اور کسی عیب دار شخص سے شادی کرنے میں لوگ عار محسوس کرتے ہیں، اس لئے اس باب میں بھی کفاءت کا لحاظ ہونا چاہئے، کیونکہ کفاءت کی بنیاد عرف پر ہے۔ جن فقہاء نے عقل میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے ان کی بنیاد یہی ہے، علامہ شامی نے نہر اور نہایہ کے حوالے سے ان فقہاء کا قول اور بنیاد نقل کیا ہے، بلکہ اس کو قابل اعتماد بھی قرار دیا ہے (منحۃ الخالق علی البحر الرائق ۳/ ۱۳۴)۔

بلکہ بعض لوگوں کا یہ خیال بھی درست معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص پاگل تو نہ ہو مگر اس درجہ خفیف العقل اور سفیہ ہو کہ لوگ اس کا تمسخر کرتے ہوں تو ایسا شخص کسی مہذب گھرانے کا کفو نہیں ہوگا، اس لئے کہ مرد کی سفاہت عورت کے لئے فقر وفاقہ اور پیشہ کی دناءت سے زیادہ باعث ننگ وعار ہوتی ہے، جیسا کہ ایسے نشہ خور فاسق کے بارے میں (جو لوگوں کے تمسخر واستہزاء کا نشانہ بنتا ہو) امام محمد کے موقف سے مستفاد ہوتا ہے (ہدایہ ۲/ ۳۰۰)۔

۹- حسب:

بعض کتب فقہ میں حسب میں کفاءت کا ذکر بھی آیا ہے، عام طور پر دو لفظ بولے جاتے ہیں، حسب ونسب، مگر دونوں ہم معنی نہیں ہیں، حضرت تھانویؒ لکھتے ہیں:

نسب، نسبت الی الآباء ہے اور حسب لغۃ عام ہے، کما فی القاموس، لیکن عرفا خاص ہے، شرف نسب کے ساتھ خواہ دنیوی ہو یا دینی، اور کفاءت میں یہ بھی معتبر ہے مثل نسب کے، چنانچہ فقہاء کا دیانۃ، ومالاً، وحرفۃ کہنا اس کی صریح دلیل ہے اور اس کا بھی مدار عرف پر ہے، کما یظہر من التصریحات الفقہیہ (امداد الفتاوی ۲/ ۲۵۷)۔

بعض حضرات کی رائے میں حسب سے مراد نسب اور خاندان ہے، ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"یعنی بالنسب الحسب وھو النسب" (المغنی ۷/ ۲۷)۔

بعض فقہاء کے خیال میں ''حسب'' مال ہے جیسا کہ ایک حدیث سے اشارہ ملتا ہے:

''إن احساب أهل الدنيا الذی يذهبون إليه المال'' (جمع الفوائد ۱/ ۲۱۸)۔

(اہل دنیا کا حسب جس کی طرف لوگ جاتے ہیں مال ہے)۔

بعض نے دین واخلاق مراد لیا ہے (حاشیہ چلپی علی تبیین الحقائق ۴/ ۱۲۹)۔

لیکن سب سے جامع رائے یہ ہے کہ حسب سے مراد وہ وجاہت اور حیثیت عرفی ہے جو کسی شخص کو اس کی خاندانی شرافت، دولت، علم، قومی خدمت یا عہدہ کی بناپر حاصل ہوتی ہے، اس میں مذکورہ بالا تمام اقوال جمع ہوجاتے ہیں، ملا علی قاری لکھتے ہیں:

''وهو ما يكون في الشخص وآبائه من الخصال الحميدة شرعا أو عرفا'' (مرقاۃ ۶/ ۱۸۸)۔

علاوہ ازیں عرف میں اس کی بڑی اہمیت ہے اور غالبا اسی لئے امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ صاحب وجاہت فاسق، صالحہ لڑکی کا کفو ہوسکتا ہے، صاحب وجاہت فاسق سے مراد شارحین نے مقربین سلطان کو قرار دیا ہے، جو باوجود فسق وبدعملی کے سلطانی تقرب کی بناپر وجاہت حاصل کر لیتے ہیں (عنایۃ علی الہدایۃ علی ہامش الفتح ۳/ ۱۹۱)۔

اسی طرح امام محمد نے تمام عربوں کو باہم کفو قرار دیا ہے، مگر اس سے خاندان خلافت کا استثناء کیا ہے، صاحب ہدایہ نے تعظیما للخلافة وتسكينا للفتنة علت بیان کی ہے، ممکن ہے حسب کا بھی اس میں دخل ہو (ہدایہ ۴/ ۳۰۰)۔

اور یہ ایک حقیقت ہے کہ بعض خاندان اپنی علمی، ملی، یا نسبی خصوصیات کی بناپر وہ حیثیت عرفی حاصل کر لیتے ہیں کہ اس سے بہت زیادہ پسماندہ خاندان میں اس کا ازدواجی رشتہ بہت سی مشکلات کا باعث بن سکتا ہے۔

اس مبینہ تفاوت عرفی اور حسب سے وابستہ مصالح کے پیش نظر کفاءت کا اعتبار کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

یہ نو امور ہیں جن میں فقہاء نے اپنے اپنے دور کے حالات کے مطابق کفاءت کا لحاظ کیا ہے، آج کے حالات میں یہ تمام امور قابل لحاظ معلوم ہوتے ہیں، مگر انہی میں انحصار نہیں ہے حالات کے مطابق ان میں کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

۳- اس سوال کا تفصیلی جواب سوال ۲ کے تحت نسب کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

۴- اس کا جواب بھی سوال ۲ کے تحت "اسلام" پر بحث کے ذیل میں آچکا ہے۔ قدیم وجدید کے اعتبار کا مدار عرف پر ہے، مگر نو مسلموں کے مسائل کے سلسلے میں دیگر مصالح اور تقاضوں کا لحاظ بھی ضروری ہے۔

۵- بلاشبہ کفاءت کا مسئلہ ہر دور کے عرف اور حالات پر مبنی ہے اور موجودہ دور میں مذکورہ بالا تمام امور مجموعی طور پر قابل لحاظ معلوم ہوتے ہیں۔

۶- کفاءت مرد یا عورت کس کی جانب سے؟

کفاءت کا اعتبار مرد کی جانب میں ہوگا، یعنی مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے، عورت اگر مرد کی کفو نہ ہو تو کچھ حرج نہیں، اس لئے کہ عورت فراش مبتی ہے اور کوئی شریف عورت رذیل مرد کا فراش بننا گوارا نہیں کرتی، مرد کے ساتھ یہ مجبوری نہیں ہے، اس لئے کہ وہ فراش نہیں، صاحب فراش ہے اور یہ اس کے اپنے ذوق کی بات ہے کہ وہ اپنے لئے کیسا فراش منتخب کرتا ہے (ہدایہ ۲/۲۹۹)۔

فتاوی ظہیریہ میں ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ کی رائے ہے، صاحبین کے نزدیک مرد وعورت دونوں جانب کفاءت کا لحاظ کیا جائے گا، یعنی دونوں کا باہم ایک دوسرے کا کفو ہونا ضروری ہے، لیکن بدائع، نہر اور بحر وغیرہ میں اس کو رد کردیا گیا ہے، ان کتابوں کے مصنفین کے مطابق یہ مسئلہ اختلافی نہیں اتفاقی ہے، یعنی صرف مرد کی جانب میں کفاءت کے لحاظ پر امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اتفاق ہے (عمدۃ الرعایۃ ۲/۲۷)۔

۷- کفاءت کس کا حق ہے؟

الف-کفاءت عورت اور اولیاء دونوں کا حق ہے، ایک رائے یہ ہے کہ صرف اولیاء کا حق ہے، عورت کا نہیں، مگر شامی نے محقق قول یہ قرار دیا ہے کہ دونوں کا حق ہے۔

''وهو موافق لما ذكر الشارح في أول باب الكفاء ة، من أنها حق الولي لاحق المرأة، لكن حققنا هناك أن الكفاء حقهما'' (ردالمحتار ۲/ ۳۱۷)۔

ب، ج- اگر کوئی عاقلہ بالغہ خاتون ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں شادی کرے تو ظاہر الروایۃ کے مطابق نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ ولی کو اس پر اعتراض کا حق رہے گا، یعنی چاہے تو یہ نکاح باقی رکھے اور چاہے تو اس کے خلاف عدالت میں استغاثہ دائر کردے اور عدالت کے ذریعہ نکاح فسخ کرادے، البتہ امام ابوحنیفہ سے حسن بن زیاد کی روایت یہ ہے کہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہ ہوگا، سرخسی نے اسی کو اقرب الی الاحتیاط کہا ہے اور بالعموم متاخرین نے اسی پر فتوی دیا ہے۔

''ويفتى في غير الكفوء بعدم جوازه أصلا، وهو المختار للفتوى''
(ردالمحتار ۲/ ۳۱۷ وکذا فی البدائع ۲/ ۳۱۸)۔

آج کے دور میں لڑکیوں کی جانب سے جس کثرت سے آزادانہ شادیاں ہورہی ہیں اور اولیاء بادل ناخواستہ مجبوراً اس پر خاموشی اختیار کرلیتے ہیں، تاہم قابل غور یہ ہے کہ یہ خاموشی دلالۃً رضامندی سمجھی جائے گی یا نہیں، بعد میں والدین کا بیٹی اور داماد کے ساتھ جو رویہ ہوتا ہے اس سے رضا کے پہلو کو تقویت ملتی ہے، اگر یہ قرینہ درست ہے تو ایسی شادیوں کو جائز مان لینے میں حرج نہیں۔

۸-لڑکے والوں کی غلط بیانی کی صورت:

کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے اگر رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام

لیا اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالات کے بارے میں خلاف واقع باتیں بیان کر کے لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کرلیا لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوئی، ایسے نکاح کے بارے میں فقہاء نے یہ تفصیل کی ہے کہ اگر عورت یا اولیاء نے نکاح کے وقت کفو ہونے کی شرط کرلی ہو، اور پھر خلاف شرط مرد غیر کفو ثابت ہو تو اولیاء کو حق فسخ حاصل ہے، اور اگر عورت یا اولیاء نے اس شخص کو کفو سمجھ کر اور اس کی باتوں سے متاثر ہو کر یہ نکاح کیا مگر صراحت کے ساتھ کفاءت کی شرط نہیں لگائی اور مرد ان کے گمان کے خلاف غیر کفو میں نکلا تو اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہ ہوگا (فتاوی عالمگیری ۲/ ۷)۔

اکابر دیوبند کے فتاوی میں بھی اسی تفصیل کے ساتھ یہ مسئلہ مذکور ہے (دیکھئے فتاوی رشیدیہ ۴۸۲، امداد الفتاوی ۲/ ۵۴۳، فتاوی دار العلوم دیوبند ۸/ ۲۳۴، علم الفقہ ۲/ ۶۳)۔

البتہ شامی نے امام ابو یوسف کے حوالہ سے ایک بات اور کہی ہے کہ اس صورت میں جب کہ مرد غیر کفو تو ثابت نہ ہو، مگر اس معیار پر بھی نہ اترے جو اس نے شادی سے قبل خلاف واقعہ بیان کیا تھا اور اس کی باتوں کی روشنی میں لڑکی اور اس کے گھر والوں نے اس کے بارے میں اپنے طور پر ایک معیار قائم کیا تھا، اس صورت میں اولیاء کو تو حق فسخ حاصل نہیں ہے، مگر لڑکی کو دھوکہ دہی کی بنا پر حق فسخ حاصل ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ لڑکی کے لئے پوری طرح ایسے دھوکہ باز مرد کے ساتھ زندگی گذارنا مشکل ہے (رد المحتار ۲/ ۳۱۷، باب العنین قبیل باب العدۃ)۔

مسئلہ کفاءت اسلامی، تاریخی اور سماجیاتی تناظر میں

پروفیسر عبدالرحمٰن مومن ☆

کفاءت کا حقیقی مقصد میاں بیوی میں موافقت اور ازدواجی رشتہ میں استواری اور ہم آہنگی قائم کرنا ہے۔ اس کے پیچھے معاشرتی اور نفسیاتی مصالح کارفرما ہیں۔

کفاءت کا مسئلہ ائمہ اربعہ کے نزدیک مختلف فیہ ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ کفاءت یہ ہے کہ چھ امور میں مرد عورت کا ہم پلہ ہو: ۱۔ اسلام، ۲۔ خاندان، ۳۔ پیشہ، ۴۔ حریت، ۵۔ دین، ۶۔ مال، حنفیہ کے نزدیک غلام یا آزاد شدہ غلام آزاد عورت کا کفو نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح عجمی شخص عربی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا۔ غیر قریشی مرد قریشیہ عورت کا کفو نہیں ہوسکتا۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ پیشہ میں کفاءت کا مطلب یہ ہے کہ رواج اور عرف عام کے لحاظ سے شوہر اور بیوی کا خاندانی پیشہ ہم پلہ ہو، لہذا جولاہا درزی کا کفو نہیں ہوسکتا، اور دباغ یا رنگریز تاجر کا کفو نہیں ہوسکتا۔

حنابلہ کے نزدیک کفاءت پانچ امور میں ہے: ۱۔ دینداری، ۲۔ پیشہ، ۳۔ نسبت، ۴۔ حریت، ۵۔ مالی خوشحالی۔ حنابلہ کے نزدیک بھی عجمی شخص عربی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کفاءت کا لحاظ چار امور میں ہے: ۱۔ خاندان، ۲۔ دینداری، ۳۔ حریت، ۴۔ پیشہ۔ ان کے نزدیک اہل عجم اہل عرب کے کفو نہیں ہوسکتے۔

مالکیہ کے نزدیک کفاءت صرف دو امور میں ہے: ایک تو یہ کہ مرد مسلمان ہو اور بدکار نہ ہو اور دوسرے یہ کہ اس میں کوئی ایسا عیب نہ ہو جس سے عورت کو فسخ عقد کا اختیار ہوتا ہے،

☆ صدر شعبۂ سماجیات ممبئی یونیورسٹی۔

جیسے برص، جنون یا جذام۔ امام مالک کی رائے میں نسب، حریت، پیشہ اور مال غیر اعتباری چیزیں ہیں، لہذا غلام کا نکاح آزاد سے اور اہل عجم کا نکاح اہل عرب سے ہوسکتا ہے۔

مسئلہ کفاءت کا تعلق شرعی احکام اور عرف وعادت دونوں سے ہے، لہذا اس کے مالہ وما علیہ کو کماحقہ سمجھنے کے لئے علماء اور علوم عمرانی کے ماہرین کے مابین افہام وتفہیم ضروری ہے، زیر نظر مضمون میں مسئلہ کفاءت کا قرآنی نصوص، احادیث، اسوہ صحابہ وتابعین، نیز تاریخی وسماجیاتی عوامل کی روشنی میں جائزہ لیا گیا ہے۔

قرآنی احکام:

اسلامی نظریہ حیات میں اصول مساوات کو کلیدی اہمیت حاصل ہے، یہ اصول دین اسلام کو دیگر مذاہب عالم سے ممتاز ومیز کرتا ہے۔ اسلام کے اصول مساوات کے انقلابی اثرات نہ صرف جزیرہ عرب بلکہ تمام عالم انسانیت پر پڑے۔ قبل از اسلام کے عرب معاشرہ میں حسب ونسب، خاندانی تفوق اور قبائلی عصبیت کو غیر معمولی اہمیت حاصل تھی، عالی نسبی اور خاندانی برتری کو شرافت کا معیار سمجھا جاتا تھا۔ دین اسلام نے اس جاہلی عصبیت پر کاری ضرب لگائی اور اخوت انسانی کا انقلاب آفریں نظریہ پیش کیا "إنما المؤمنون إخوة" کے حتمی وانقلابی اعلان نے رنگ ونسل اور حسب ونسب کے بتوں کو چکنا چور کردیا۔

اسلامی مساوات کے استشہاد میں سب سے اہم قرآنی آیت سورہ الحجرات میں آئی ہے، یہ ہے: **یاأیها الناس إنا خلقنکم من ذکر وأنثی وجعلنکم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند الله أتقکم** (اے لوگو! ہم نے تم کو ایک نر اور ایک مادہ سے پیدا کیا اور تمہاری ذاتیں اور قومیں بنائیں تا کہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو، بلاشبہ اللہ تعالی کے نزدیک سب سے عزت والا وہ ہے جو تم میں سب سے زیادہ متقی اور پرہیزگار ہے)۔

اس آیت کریمہ میں شعوب اور قبائل کے الفاظ قابل غور ہیں۔ قبیلہ اس جماعت کو کہا

جاتا ہے جس کے افراد نسب واحد میں شریک ہوں اور جو اپنا نسبی تعلق ایک جد اعلیٰ سے جوڑتے ہوں۔ شعوب کے دو معنی بیان کئے گئے ہیں، بعض کے نزدیک شعوب بڑے نسبی گروہ کا نام ہے، اور قبیلہ اس کی ذیلی شاخ کا۔ بعض کے نزدیک قبیلہ بنیادی نسبی گروہ کا نام ہے اور شعوب سے مراد اس کی ذیلی شاخیں ہیں۔ صحیح بخاری باب المناقب میں ہے، **الشعوب النسب البعید و القبائل دون ذلک** (شعوب سے دور کا نسب اور قبائل سے نزدیک کا نسب مراد ہے) یہاں شعوب وقبائل اور نسبی تعلق کی نفی نہیں کی گئی بلکہ کہا گیا کہ یہ فطری چیزیں ہیں، چنانچہ دوسری جگہ سورہ فرقان میں کہا گیا: **وهو الذی خلق من الماء بشرا فجعله نسبا و صهرا** (اور وہی ہے جس نے پانی سے انسان کو بنایا پھر ٹھہرایا اس کا جد اور سسرال) سورہ حجرات کی آیت میں شعوب وقبائل کا حقیقی مقصد بیان کیا گیا کہ یہ پہچان اور شناخت کا ذریعہ ہیں، پھر کہا گیا کہ شعوب وقبائل اور نسبی تعلق کا عزت اور شرافت سے کوئی علاقہ نہیں بلکہ عزت اور بزرگی کا واحد معیار تقویٰ اور خدا ترسی ہے، اس آیت کریمہ کا شان نزول قابل غور ہے، حضرت ابو ہند عرب کے ایک معزز قبیلہ بنو بیاضہ کے غلام اور پیشہ کے اعتبار سے حجام تھے، آنحضور ﷺ نے جاہلی عصبیت کا خاتمہ کرنے کی غرض سے بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی لڑکیوں میں سے کسی لڑکی کی شادی ابو ہند سے کردیں، یہ بات بنو بیاضہ کے لوگوں کو ناگوار گذری اور انھوں نے کہا کہ کیا ہم اپنی بیٹیوں کی شادی اپنے غلاموں سے کردیں، اس پر مذکورہ آیت کا نزول ہوا (ابو عبداللہ محمد بن احمد القرطبی: الجامع لأحکام القرآن ۱۷/۱۸۷)۔

یہ امر کہ حسب ونسب اور شرافت ونجابت میں کوئی لازمی تعلق نہیں ہے، نہ صرف نصوص قرآنی سے مستفاد ہے بلکہ عقل وفہم اور مشاہدہ وتجربہ بھی اس کی معقولیت کی تصدیق کرتے ہیں۔ سورہ ''ہود'' میں ہے کہ جب حضرت نوح علیہ الصلاۃ والسلام کے بیٹے نے حکم الٰہی کی نافرمانی کی اور کشتی میں سوار ہونے سے انکار کردیا اور بالآخر غرق ہونے کے قریب ہوگیا تو حضرت نوح نے بارگاہ الٰہی میں اس کو غرقابی سے بچانے کے لئے التجا کی تب ارشاد باری ہوا:

إنه ليس من أهلک إنه عمل غير صالح (وہ تیرے اہل میں سے نہیں، اس لئے کہ اس کا عمل ناکارہ ہے)۔

احادیث واسوۂ نبوی:

احادیث اور آنحضور ﷺ کے اسوہ حسنہ سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حسب ونسب کا شرافت ونجابت سے کوئی تعلق نہیں ہے، لہذا اسے امور کفاءت میں شمار کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے، اس سلسلہ میں پہلے ہم چند احادیث صحیحہ نقل کریں گے اور اس کے بعد آپ ﷺ کے اسوہ حسنہ سے کچھ نظائر پیش کریں گے۔

۱- آنحضور ﷺ نے خطبہ حجۃ الوداع میں واضح طور پر ارشاد فرمایا: أيها الناس! ألا إن ربكم واحد، وإن أباكم واحد ألا لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي، ولا لأحمر على الأسود ولا لأسود على أحمر إلا بالتقوىٰ۔ إن كل مسلم أخو المسلم وإن المسلمين إخوة (مسند احمد وطبرانی) (لوگو! خبردار ہو جاؤ کہ تمہارا رب ایک ہے اور تمہارے باپ (آدم) بھی ایک، کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر، یا کسی سرخ رنگ کے آدمی کو کسی کالے پر، یا کسی کالے آدمی کو کسی سرخ رنگ کے آدمی پر کوئی فوقیت نہیں سوائے تقویٰ کے اعتبار سے، بلاشبہ ہر مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے اور تمام مسلمان آپس میں بھائی بھائی ہیں)۔

۲- آپ ﷺ نے فرمایا: الفخر في الأحساب من أمر الجاهلية (مسلم، ابوداؤد، مسند احمد بعض جگہ یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے ''التعيير في الأحساب من أمر الجاهلية'' مسند احمد اور مسند طیالسی میں روایت ہے: لا تفخروا بآبائكم (اپنے آبا واجداد پر فخر نہ کرو) (حسب ونسب پر فخر کرنا جاہلیت کی باتوں میں سے ہے)۔

۳- آپ ﷺ نے فرمایا: كرم المومن تقواه ودينه حسبه (ترمذی، ابواب تفسیر

القرآن)(مسلمان کی عزت اس کا تقویٰ ہے اور اس کا دین اس کا حسب ونسب ہے)۔

۴-حضرت ابوھریرہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ میرے اولیاء قیامت کے دن متقی لوگ ہوں گے۔اگر کسی کا نسب دوسرے کی بہ نسبت زیادہ قریب ہوگا تو کچھ نہ ہوگا(امام بخاری: الادب المفرد(باب الحسب)ص ۱۳۱)۔

۵۔آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کی نخوت اور آباواجداد کا فخر دور کردیا ہے۔اب یا تو کوئی متقی ہے، یا فاجر بدکار۔تمام لوگ آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا ہوئے تھے(مسند احمد وبیہقی فی شعب الایمان)۔

۶-آپ ﷺ نے فرمایا: تمہارے ان انساب میں سے کسی پر طعن نہیں ہوسکتا۔تم میں سے ہر ایک دوسرے سے اسی طرح مساوی حیثیت رکھتا ہے جس طرح ایک بھرا ہوا صاع دوسرے بھرے ہوئے صاع کے برابر ہوتا ہے۔دین اور تقویٰ کی فضیلت کے سوا کسی کو دوسرے پر فضیلت وبرتری حاصل نہیں۔

۷۔آنحضور ﷺ نے فرمایا: **تنکح المراۃ لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك** (صحیح بخاری، کتاب النکاح، صحیح مسلم، کتاب النکاح) (عورت سے شادی چار باتوں کی بنیاد پر کی جاتی ہے: اس کے مال کی خاطر، اس کے حسب ونسب کی بناپر، اس کے حسن اور خوبصورتی کی وجہ سے اور اس کی دینداری کی وجہ سے، تم دیندار عورت کو ترجیح دے کر اس سے نکاح کروتو کامیاب رہوگے)۔

۸-آنحضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب تمھیں ایسا شخص مل جائے جس کا دین اور اخلاق پسندیدہ ہوتو تم اس سے اپنی لڑکیوں کا نکاح کردیا کرو، اگر تم ایسا نہیں کروگے تو زمین میں زبردست فتنہ وفساد پھیل جائے گا،صحابہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ اگرچہ اس میں غربت یا کسی کفو نہ ہونے کا کچھ نقص ہو پھر بھی؟ اس کے جواب میں آپ ﷺ نے پھر تین بار یہی فرمایا کہ جب تمھیں کوئی ایسا شخص مل جائے جس کی دینداری اور جس کے اخلاق وکردار پسندیدہ ہوں

تو اس سے اپنی لڑکیوں کا نکاح کردیا کرو (ترمذی (ابواب النکاح)، المستدرک للحاکم)۔

صاحب مجمع البحار اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں: یعنی اگر تم اپنی لڑکیوں کا نکاح ایسے شخص سے نہ کروگے جس کی دینداری اور اخلاق پسندیدہ ہیں اور محض حسب ونسب اور حسن وجمال کو ترجیح دوگے تو اس سے فتنہ وفساد برپا ہوجائے گا، کیوں کہ یہ باتیں باعث فتنہ ہیں۔ بعض نے اس کی تشریح اس طرح کی ہے کہ اگر تم مال و دولت اور حسب ونسب والے کی تلاش میں رہوگے تو بہت سی عورتیں اور بہت سے مرد بلاشادی کے پڑے رہ جائیں گے، جس سے زنا اور حرام کاری کی کثرت ہوگی، اس کے نتیجہ میں اعزہ واقربا کو بھی ننگ وعار اور غیرت وحمیت لاحق ہوگی اور قتل وخونریزی، فتنہ وفساد کی آگ بھڑک اٹھے گی، یہ حدیث امام مالک کے حق میں دیگر ائمہ کے مقابلہ میں حجت ہے، کیوں کہ اس میں دین واخلاق ہی کو سب سے زیادہ قابل لحاظ قرار دیا گیا ہے، اور امام مالک دینداری ہی کو کفاءت میں معتبر مانتے ہیں (مجمع البحار بحاشیہ ترمذی جلد ۲ ص ۱۵۸ (مولوی محمد یوسف قاسمی: مسئلہ کفائت کی حقیقت اور اس کی شرعی حیثیت)۔

اب ہم آنحضور ﷺ کے اسوۂ حسنہ سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں، جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ رشتۂ نکاح کے لئے حسب ونسب اور دنیوی غرض وجاہ بے اعتبار چیزیں ہیں۔

آنحضور ﷺ نے اپنی پھوپی زاد بہن حضرت زینبؓ کی شادی اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہؓ سے کی، جو عہد جاہلیت کے معیار سے پست درجہ کے تھے، اسی طرح آپ ﷺ نے اپنی چچازاد بہن ضباعہ کا نکاح مقداد بن اسود سے کیا جو غیر قریشی اور کندی تھے (سعید بن منصور: کتاب السنن (ماجاء فی المناکحہ) ص ۱۴۶)۔ ان نکاحوں کے بارے میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أنكحت زيد بن حارثة زينب بنت جحش و أنكحت المقداد ضباعة بنت الزبير بن عبد المطلب ليعلموا أن أشرف الشرف للإسلام (مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی: اسلامی پرسنل لا میں باب کفو (غیر مطبوعہ) ص ۸-۹) (میں نے زید بن حارثہ کا نکاح زینب بنت جحش اور مقداد کا نکاح ضباعہ بنت زبیر سے اس لئے کیا تا کہ لوگوں کو معلوم ہوجائے کہ سب سے بڑا اشرف اسلام کا

شرف ہے) آنحضور ﷺ نے حضرت زیدؓ کے بیٹے اسامہؓ (جو کنیز زادہ تھے) کا نکاح قریش کی ایک معزز خاتون فاطمہ بنت قیس سے کیا۔

تعامل صحابہ وتابعین:

صحابہ کرامؓ اور تابعین عظام کے تعامل سے بھی کفاءت کے مزعومہ معیار کی نفی ہوتی ہے، حضرت بلال حبشی اور حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہما کا نکاح عربی عورتوں سے یکے بعد دیگرے ہوا، حضرت بلال نے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف کی بہن سے نکاح کیا، حضرت عبد الرحمٰن بن عوف قریشی اور عشرہ مبشرہ میں سے تھے، حضرت سلمان فارسی نے عرب کے قبیلہ کندہ کی ایک خاتون سے شادی کی (سعید بن منصور، کتاب السنن (ماجاء فی المناکحہ) ص ۱۴۶)۔

آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق کی بیٹی کے لئے نکاح کا پیغام دیا جسے آپ نے قبول فرمایا، حضرت ابوبکر صدیق نے اپنی ہمشیرہ ام فروہ کا نکاح اشعث بن قیس سے کیا جو غیر قریشی اور پیشہ کے اعتبار سے کپڑا بننے والے تھے (مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی، دستکار اہل شرف (طبع مئو ۱۹۸۵ء) ص ۱۱۸-۱۱۷ (بحوالہ المعجم الکبیر طبرانی ۱/۲۸، مجمع الزوائد ۹/۴۱۵، الاصابہ ۱/۵، الاستیعاب ۴/۴۸۳)۔

حضرت ابوحذیفہ بن عتبہ بن ربیعہ قریشی اور بدری صحابی تھے، انھوں نے ایک غلام سالم کو متبنی بنایا اور ان کی شادی اپنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ سے کردی جو مہاجرین میں سے تھیں، قریش کو یہ بات اچھی نہیں لگی اور کہنے لگے کہ حذیفہ نے اپنی بھتیجی کی شادی ایک غلام سے کردی، ابوحذیفہ نے اس پر کہا کہ میں صرف یہ جانتا ہوں کہ سالم ہند سے بہتر ہے، حضرت ابوحذیفہ کی اس بات پر لوگوں کو ان کے فعل سے زیادہ تعجب ہوا (صحیح بخاری (کتاب النکاح) باب الاکفاء فی الدین)۔

حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ تم کس کو مکرم شمار کرتے ہو، اللہ تعالی نے مکرم کو بیان کردیا ہے کہ اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ مکرم وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے اور تم حسب

کس کو شمار کرتے ہو؟ سب سے افضل حسب والا وہ ہے جو سب سے بہتر اخلاق رکھتا ہو (امام بخاری: الأدب المفرد (باب الحسب) ص ۱۳۱)۔

حضرت عمر، حضرت عبد اللہ بن مسعود، حضرت عمر بن عبد العزیز، عبید بن عمیر، حماد بن ابی سلیمان، ابن عون وغیرہ کفاءت کو نکاح کے جواز کی شرط نہیں سمجھتے (ڈاکٹر تنزیل الرحمن: مجموعہ قوانین اسلام (طبع لاہور ۱۹۶۵ء) جلد اول ص ۲۶۹ (بحوالہ المغنی، رد المحتار، البحر الرائق)۔

کفاءت فی النسب:

کفاءت فی النسب کے مروجہ اصول کے پس پشت پانچ مزعومات پائے جاتے ہیں: (۱) حسب ونسب میں اعلیٰ اور ادنیٰ کی تفریق (۲) حسب ونسب اور اخلاق وکردار لازم وملزوم ہیں (۳) حسب ونسب کے ساتھ ساتھ اخلاق وکردار بھی وراثتاً منتقل ہوتے ہیں (۴) حسب ونسب جامد اور غیر تغیر پذیر ہوتے ہیں (۵) عالی نسبی اور شرافت ونجابت میں چولی دامن کا ساتھ ہے، اسی طرح ادنیٰ نسب والوں میں رذالت کا پایا جانا لازمی ہے، کفاءت فی النسب کے یہ تمام مزعومات اصل وشریعت کے اعتبار سے، سائنسی حقائق کے لحاظ سے نیز عقل، تجربہ اور مشاہدہ کی روشنی میں بے اصل ہیں۔

اولاً: جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا، حسب ونسب کا مروجہ تصور اسلامی اصول ومساوات کے منافی ہے۔

ثانیاً: حیاتیات بالخصوص علم الجنین کی رو سے طبعی خصائل (مثلاً رنگ، قامت، بال) اور اخلاق وکردار میں کوئی قدر مشترک نہیں ہے، طبعی خصائل موروثی ہوتے ہیں جبکہ اخلاق وکردار کا تعلق ماحول وذاتی کسب سے ہے۔

ثالثاً: حسب ونسب کوئی جامد یا غیر تغیر پذیر شی نہیں ہے بلکہ خلط ملط ہوتے ہیں۔

رابعاً: تاریخ وتذکرہ کی کتابوں میں بیسیوں مثالیں اس امر کی شاہد ہیں کہ اولیاء

وصالحین کی اولاد میں اچھے اور برے دونوں قسم کے لوگ ہوئے ہیں، تجربہ اور مشاہدہ بھی اس کی گواہی دیتا ہے، عربی کی مشہور مثل ہے: ''ورب حسیب الأصل غیر حسیب'' کفاءت کے جواز میں جو مرویات پیش کی جاتی ہیں وہ سب کی سب بے اصل ہیں، مصنف عبد الرزاق، دار قطنی، مستدرک حاکم اور بیہقی کی السنن الکبری وغیرہ میں کفاءت کی نسبت سے جو روایات پائی جاتی ہیں وہ بیشتر مجہول، منکر ضعیف اور موضوع ہیں۔ ابن ماجہ (ابواب النکاح باب الاکفاء) میں یہ روایت ہے: **تخیروا لنطفکم وأنکحوا الأکفاء وأنکحوا إلیہم** (اپنے نطفوں کے لئے عورتیں پسند کرو، کفو میں نکاح کرو اور ان سے نکاح کے لئے پیغام بھیجو)۔ اس حدیث کے تمام طریقے کمزور ہیں اور اس کے تمام رواۃ ضعیف ہیں، حافظ محمد بن طاہر مقدسی نے اس کو موضوعات میں شمار کیا ہے، ابن ابی حاتم نے ''کتاب العلل'' میں اس کو باطل، منکر اور بے اصل کہا ہے۔

دار قطنی اور بیہقی میں ایک روایت پائی جاتی ہے: "ألا لا یزوج النساء إلا الأولیاء ولا یزوجن إلا من الأکفاء'' (عورتوں کا نکاح صرف ان کے اولیاء کریں اور ان کا نکاح صرف ان کے کفو میں کیا جائے) اس حدیث کا راوی مبشر بن عبید بالاتفاق ضعیف اور متروک ہے۔ امام احمد بن حنبل اور امام بخاری نے اس کو بے اعتبار قرار دیا ہے۔ بیہقی نے اس حدیث کو ضعیف کہا ہے اور اس کے راوی مبشر کے بارہ میں لکھا کہ وہ حدیثیں وضع کرتا تھا۔ حافظ جلال الدین سیوطی نے اس روایت کو موضوعات میں شمار کیا ہے (سید سلیمان ندوی: حقوق نسواں (کفو) معارف بابت جون ۱۹۲۸ء، مولانا عبد الحمید نعمانی: اشاعت اسلام اور مسئلہ کفو ص ۲۲-۲۳، ڈاکٹر تنزیل الرحمن: مجموعہ قوانین اسلامی جلد اول ص ۲۶۹)۔

جامع ترمذی (ماجاء فی تعجیل الجنازۃ) اور مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت علیؓ سے فرمایا کہ اے علی! تین باتوں میں دیر نہ کرنا، نماز جب اس کا وقت آجائے، جنازہ جب تیار ہو جائے اور بے شوہر والی عورت کے لئے جب تم کفو پالو، ترمذی

نے اس روایت کو غریب لکھا ہے اور کہا ہے کہ میں اس کی سند متصل نہیں سمجھتا، اس روایت میں فقہاء متاخرین کا اصطلاحی کفو مراد نہیں ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ بے شوہر والی کو جب کوئی جوڑا مل جائے یعنی کوئی مناسب رشتہ مل جائے تو پھر اس کے نکاح میں تاخیر نہ کی جائے۔

امیر اسماعیل یمنی نے ''**سبل السلام في شرح بلوغ المرام**'' میں لکھا ہے کہ نکاح میں کفاءت کے معتبر اور نامعتبر ہونے میں علماء کا اختلاف ہے، مگر قوی مذہب وہ ہے جس کو زید بن علی اور امام مالک نے اختیار کیا ہے۔ یہی حضرت عمر، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت محمد بن سیرین اور حضرت عمر بن عبدالعزیز کا مسلک ہے، اور وہ یہ کہ کفو ہونا صرف دین میں شرط ہے، حنفیہ میں امام ابوالحسن کرخی، ابوبکر جصاص اور حضرت سفیان ثوری کا بھی یہی مسلک ہے (سید سلیمان ندوی: حقوق نسواں (کفو) معارف بابت جون ۱۹۲۸ء، مولانا عبدالحمید نعمانی، اشاعت اسلام اور مسئلہ کفو ص ۲۲ (بحوالہ فتح القدیر جلد سوم، ردالمحتار جلد دوم، المحلی جلد ۱۰)۔

نسب خلط ملط ہوتے رہتے ہیں:

علامہ ابن خلدون نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ نسب اکثر آپس میں گڑبڑ ہوجاتے ہیں، بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ ایک قوم، یا قبیلہ کا آدمی رشتہ کی قرابت کی وجہ سے، یا کسی کا حلیف اور مددگار ہونے کے باعث، یا کسی جرم کا مرتکب ہوکر اپنا قبیلہ چھوڑ دیتا ہے اور کسی دوسرے قبیلہ میں جا ملتا ہے، اور پھر اس قبیلہ کے نسب میں اپنے کو شمار کرنے لگتا ہے، مثلاً بنی عبدالقوی بن العباس بن توجین کا دعوی ہے کہ وہ حضرت عباس بن عبدالمطلب کی اولاد میں سے ہیں، یہ دعوی جو علم انساب کے لحاظ سے غلط ہے، محض اس لالچ میں کیا گیا کہ اس نسب شریف کی عزت وشرف ان کے حصہ میں بھی آجائے، اسی طرح نبوسعد شیوخ بنی یزید میں سے ہیں، اور قبیلہ زغبہ سے جڑے ہوئے ہیں۔ وہ دعوی کرتے ہیں کہ وہ حضرت ابوبکر صدیق کی اولاد میں سے ہیں، جو بے اصل ہے (ابن خلدون: مقدمۃ (طبع بیروت) ص ۱۲۹-۱۳۱)۔

پیشہ اور کفاءت:

پیشہ کو امور کفاءت میں شمار کرنے کے پیچھے درج ذیل مفروضات پائے جاتے ہیں:

۱- پیشہ کو معیار کفاءت بنانے کے جواز میں چند روایات پیش کی جاتی ہیں۔

۲- اس کے جواز میں عرفی دلائل پیش کئے جاتے ہیں۔

۳- مختلف پیشوں کے درجات یا مراتب مقرر کئے گئے ہیں جن کی رو سے پیشوں کو اعلی اور ادنی خانوں میں تقسیم کیا گیا ہے، جو پیشے اشراف کے ساتھ مخصوص ہیں وہ اعلی اور مستحسن سمجھے جاتے ہیں اور جو پیشے سماج کے نچلے طبقات کے ساتھ وابستہ ہیں وہ ذلیل اور حقیر سمجھے جاتے ہیں۔

۴- پیشے جامد اور غیر حرکت پذیر ہوتے ہیں اور خاندان در خاندان چلتے ہیں۔

اسلامی، تاریخی، سماجیاتی اور عقلی تناظر میں ان مفروضات کا معروضی انداز میں جائزہ لیا جائے تو یہ بے بنیاد اور غیر معقول معلوم ہوتے ہیں۔ اب ہم قدرے تفصیل کے ساتھ اس مسئلہ کے ماله وما علیہ کا جائزہ پیش کریں گے۔ دارقطنی، مستدرک حاکم اور بیہقی کی السنن الکبری میں ایک روایت پائی جاتی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ پارچہ باف، حجام اور دباغ تاجروں کے کفو نہیں ہوسکتے، یہ روایت انتہائی ضعیف اور بہت سے محدثین کے نزدیک منقطع، مجہول، منکر اور موضوع ہے۔

مختلف پیشوں کو اعلی اور ادنی خانوں میں تقسیم کرنے کے رجحان میں عجمی بالخصوص ہندوانہ اثرات کارفرما ہیں، کئی انبیاء کرام کسی نہ کسی پیشہ سے منسلک رہے ہیں، چنانچہ حضرت داؤد علیہ السلام زرہ گری کیا کرتے تھے، حضرت زکریا بڑھئی تھے، خیاطی کو حضرت ادریس کی طرف منسوب کیا جاتا ہے، آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے: **أفضل الكسب بيع مبرور و كسب الرجل بيده** (مسند احمد وطبرانی)، نیز آپ نے فرمایا: "**ما أكل أحد طعاما قط خيرا من أن يأكل من عمل يديه و إن نبي الله داؤد كان يأكل من عمل يديه**" (اپنے ہاتھ کی کمائی سے بہتر کھانا کسی شخص نے نہیں کھایا اور حضرت داؤد اپنے ہاتھ کی کمائی کھاتے تھے) بعض متاخرین

فقہاء نے لکھا ہے کہ پارچہ باف، حجام اور دھوبی وغیرہ اہلی خاندان والوں کے کفو نہیں ہوسکتے، یہ نقطہ نظر اسلامی اصولوں، اسوہ نبوی اور تعامل صحابہ وتابعین کے منافی ہے، آنحضور ﷺ نے اشعث بن قیس کندی کی بہن قتیلہ کو قبول فرمالیا تھا، اشعث بافندگی کا کام کیا کرتے تھے، حضرت علی انہیں حائک بن حائک کہا کرتے تھے، نکاح ۱۰ ہجری میں ہوا لیکن رخصتی سے پہلے آپ ﷺ اس دنیا سے تشریف لئے گئے۔ ابوہند جن کا ذکر اس مضمون کے شروع میں آچکا ہے، پیشہ کے اعتبار سے نائی تھے، آنحضور ﷺ نے ان کے کام کی تعریف فرمائی اور لوگوں سے فرمایا کہ ابو ہند کو لڑکی دو بھی اور ان سے لڑکی لو بھی۔

کتب حدیث ورجال میں متعدد صحابہ کرام کے بارہ میں مذکور ہے کہ وہ بنائی اور بڑھئی وغیرہ کا کام کیا کرتے تھے۔ حضرت ابو ایوب انصاری کا پیشہ بافندگی تھا، انصار کے متعدد گھرانوں میں بنائی کا کام ہوتا تھا، صحابہ کرام اور تابعین میں کئی حضرات قبیلہ معافر سے تعلق رکھتے تھے، ان کا پیشہ بھی بافندگی تھا، بافندگی کا پیشہ کرنے والوں میں بڑے بڑے علماء، محدثین اور صلحاء ہوئے ہیں، ان میں امام ابوعلی مرزوقی صاحب ''کتاب الازمنہ'' شیخ ابواسحاق گازرونی، شیخ احمد نہروالی، خواجہ بہاء الدین نقشبندی، ابوسعید الخزاز، ابن الحائک ھمدانی، خیر نساج، ابوحمزہ مجمع بن سمعان اور شیخ جمال اوچی وغیرہ شامل ہیں، اس طرح چرواہوں، کسانوں، دستکاروں، درزیوں، لوہاروں، قصابوں اور شیشہ گروں میں سیکڑوں علماء ومحدثین اور صوفیاء وصلحاء ہوئے ہیں، علامہ سمعانی نے کتاب الانساب میں ایسے بیسیوں علماء ومحدثین کا ذکر کیا ہے جو پیشہ کے اعتبار سے خیاط تھے اور لکھا کہ "جماعة من شيوخنا يعملون عمل الخياطة" اس عبارت میں شیوخنا کا لفظ اہمیت رکھتا ہے۔

یہ امر قابل غور ہے کہ معمولی پیشہ اختیار کرنے والوں کی صف سے جو ممتاز علماء ومحدثین اور صوفیاء صلحاء اٹھے انہیں امام، شیخ، شیخ الاسلام اور شمس الائمہ کے جلیل القدر القاب کے ساتھ یاد کیا گیا، جن لوگوں نے ان کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں سادات، عالی نسب علماء اور

عرب وعجم کے معزز خانوادوں کے افراد بھی شامل تھے۔

بعض کتب فقہ میں پیشوں کو شریف اور رذیل کے خانوں میں تقسیم کیا گیا، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک اگر مرد کا پیشہ حقیر اور ذلیل ہو اور عوت کے لئے عار کا سبب ہو تو وہ مرد اس عورت کا کفو نہ ہوگا۔

فقہ کی متعدد کتابوں میں لکھا گیا ہے کہ پارچہ باف، نائی اور دباغ وغیرہ تاجروں کے کفو نہیں ہو سکتے، پیشہ کا امور کفاءت میں شمار کرنا اسلامی، تاریخی، ساجیاتی اور عقلی نقطہ نظر سے قابل اعتراض ہے، اسلامی نقطہ نظر سے کوئی پیشہ ذلیل، یا حقیر نہیں ہے، پیشوں کا تفاوت اضافی چیز ہے جس کا انحصار کسی ملک یا خطہ کے عرف اور رسم ورواج پر ہوتا ہے، اسی بنا پر حضرت امام ابوحنیفہ کے صحیح قول کے مطابق کفاءت میں پیشہ اور صنعت وحرفت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔ یہ ایک تاریخی اور ساجی حقیقت ہے کہ پیشے بدلتے رہتے ہیں اور ان کی ساجی حیثیت اور اہمیت وقت کے ساتھ بدلتی رہتی ہے، بعض حالات میں لوگ اپنا خاندانی پیشہ چھوڑ کر دوسرا پیشہ اختیار کر لیتے ہیں، جن لوگوں کا شمار اشراف میں ہوتا ہے ان میں سے بہت سے افراد نے اپنے خاندانی پیشے ترک کر کے اجلاف کے پیشے اختیار کر لئے ہیں۔ اسی طرح ان برادریوں کے افراد نے جن کو اجلاف میں شمار کیا جاتا ہے اشراف کے پیشے اختیار کر لئے ہیں۔ لہذا پیشوں اور شرافت ورذالت کا باہمی ارتباط عرفی و اضافی چیز ہے۔ مخدوم اشرف جہانگیر سمنانی نے اپنے ملفوظات میں یہ بصیرت افروز بات تحریر فرمائی ہے کہ ہندوستان میں پیشہ کرنا بدترین خصلت سمجھا جاتا ہے، اسی وجہ سے لوگ محتاجی اور فقیری میں مبتلا ہو گئے ہیں۔

یہ نہیں جانتے کہ اکثر انبیاء کسی نہ کسی پیشہ کی طرف منسوب ہیں۔ اس لئے پیشہ کی توہین کرنا ایک قسم کا کفر ہے۔

مفتی کفایت اللہ صاحب نے لکھا ہے:

جائز پیشہ کی بنا پر کسی کو ذلیل سمجھنا اسلامی احکام اور اسلامی تعلیم کے خلاف ہے۔

مسلمانوں میں یہ مرض ہندوستان میں ہندوؤں کے اختلاط کی وجہ سے (کہ ان میں ذات کی تقسیم اور پیشوں پر شرافت ورذالت کی بنیاد رکھی گئی ہے) پیدا ہوا ہے اور بدقسمتی سے اس درجہ تک پہنچ گیا ہے جس درجہ ہندوؤں میں ہے اور اس نے اسلامی وحدت کو پاش پاش کردیا ہے۔

پیشوں کو شرافت ورذالت کے خانوں میں تقسیم کرنے اور اس بناپر ان کو امور کفاءت میں شمار کرنے کے جواز میں بعض لوگ عرفی دلائل کا سہارا لیتے ہیں۔ یہاں اس بات کی وضاحت کرنا ضروری ہے کہ عرف یا رواج کو معیار شرعی بنانے کے لئے دو بنیادی شرائط ہیں: اولاً رواج، یا عرف اسی وقت حجت بن سکتا ہے جب وہ نصوص شرعیہ کے خلاف نہ ہو۔ لہذا جو رواج شرع اسلامی کے صریح احکام اور اس کی روح کے منافی ہو وہ قابل قبول نہ ہوگا۔ ثانیاً: رواج کا طبائع سلیمہ کے نزدیک پسندیدہ ہونا ضروری ہے، یعنی وہ قرین عقل ہو اور ذوق سلیم یا رائے عامہ اس کی تائید کرتی ہو۔ پیشہ کو امور کفاءت میں شمار کرنے کی عرفی دلیل، دونوں شرائط کے اعتبار سے ناقابل قبول ہے۔

کفاءت فی المال:

حنفیہ اور حنابلہ کے نزدیک مالی خوشحالی کفاءت کی شرطوں میں سے ایک ہے۔ مالی خوشحالی کی رعایت عملی مصالح پر مبنی ہے، لیکن اسے انعقاد نکاح کی صحت کے لئے لازمی قرار دینا نامناسب ہے۔

امام ابو یوسف سرے سے مال کا کفاءت میں اعتبار نہیں کرتے، کیوں کہ مال آنی جانی چیز ہے، ہدایہ، فتح القدیر اور بحر الرائق میں تصریح ہے کہ شوہر مہر کی ادائیگی اور بیوی کے نان ونفقہ پر قادر ہو لیکن مالی اعتبار سے وہ بیوی کے ہم پلہ نہ ہو تب بھی وہ اس کا کفو شمار ہوگا۔

کفاءت اور شرف علم:

بعض متاخرین فقہاء نے لکھا ہے کہ معمولی پیشہ والوں میں کوئی عالم بھی ہوجائے تو وہ

اشراف کا کفو نہیں ہوسکتا۔ یہ نقطہ نظر اسلامی، تاریخی، سماجیاتی اور عقلی شواہد کی روشنی میں نا قابل قبول ہے۔علماء کبار نے لکھا ہے کہ ''**شرف العلم فوق شرف النسب**'' (علم کا شرف نسب کے شرف سے بڑھ کر ہے) **مولانا** حبیب الرحمٰن **الا**عظمی نور اللہ مرقدہ تحریر فرماتے ہیں:

اسی طرح یہ جو مشہور ہے کہ عجمی اگر عالم بھی ہو تو عربیہ کا کفو نہیں ہوگا، یہی ظاہر الروایہ ہے تو یہ **بالکل** غلط ہے، اور ظاہر الروایۃ ہونے کا دعویٰ بالکل بے دلیل ہے اور محیط وبزازیہ وفیض وجامع الفتاویٰ وغیرہ میں جزم ویقین کے ساتھ مذکور ہے کہ شرف علم شرف نسب سے بڑھ کر ہے۔ایسا ہی صاحب نہر فائق نے بھی لکھا ہے اور اس کو کمال ابن الہمام نے پسند کیا ہے، لہذا کوئی عجمی عالم خواہ وہ خیاط ہو، یا بزاز ہو، یا تاجر یا بافندہ ہو ایک سیدانی کا بلاشبہ کفو ہوسکتا ہے اور سید اولاد آدم حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کا عمل اس کی دلیل ہے (مولانا حبیب الرحمٰن الاعظمی: اسلامی پرسنل لامیں باب کفو (غیر مطبوعہ) ص ۱۰-۱۱)۔

کفاءت فی الاسلام:

حنفیہ کے نزدیک کفاءت کی چھ شرائط میں سے ایک شرط اسلام ہے، بعض کتب فقہ میں یہ عجیب وغریب فتویٰ پایا جاتا ہے کہ جدید الاسلام قدیم الاسلام لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا، بالفاظ دیگر اگر شوہر نومسلم ہے اور بیوی کے والدین مسلمان ہیں تو وہ مرد اس عورت کا باعتبار اسلام کفو نہ ہوگا، یہ فتویٰ اسلامی اصولوں اور عقل وفہم کے خلاف ہے، مزید برآں اس نے ایک سنگین سماجی مسئلہ کو جنم دیا ہے، بدقسمتی سے ہندوستانی مسلمانوں کی غالب اکثریت نومسلموں کو اپنی بیٹی دینا پسند نہیں کرتی۔جنوبی ہندوستان میں نومسلموں کی ایک قدیم تنظیم ہے جس کے بیشتر افراد غیر شادی شدہ ہیں، اگر اتفاقاً کسی کی شادی ہو بھی جاتی ہے تو اولاد کی شادی کا مسئلہ کھٹائی میں پڑ جاتا ہے، ۱۹۴۰ء میں ایک استفتاء مفتی کفایت اللہ صاحب کی خدمت میں بھیجا گیا تھا جس میں لکھا تھا:

''سائل کو مع اہلیہ دین اسلام قبول کئے ہوئے ۲۳ سال ہوئے، اس مدت میں دولڑکے ہوئے

جن کی عمریں ۱۷ اور ۱۹ سال ہیں، ان کی شادی کے لئے مسلمانوں میں پیام بحیثیت مسلمان ہونے کے دیا گیا تو بعض حضرات جن کو اپنی علمیت دینی کا دعویٰ ہے فرماتے ہیں کہ نومسلم کی اولاد کا نومسلم سے رشتہ ہونا چاہئے، چنانچہ اس فتویٰ سے شادی کالعدم ہوگئی، اس کے جواب میں مفتی صاحب نے تحریر فرمایا: ''نومسلم کی اولاد کی شادی ہر مسلمان کی اولاد سے ہوسکتی ہے، یہ بات نہیں ہے کہ نومسلم اولاد کی شادی نومسلم کی اولاد کے ساتھ ہو، جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ نومسلم کی اولاد کی شادی نومسلم کی اولاد سے ہی ہونا چاہئے وہ جاہل اور اسلامی احکام سے ناواقف ہے، شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ہر مسلمان کو خواہ وہ موروثی مسلمان ہو، یا نومسلم ہو بھائی بھائی قرار دیا ہے اور ہر مسلم اور نومسلم ایک دوسرے سے مناکحت کا رشتہ کرسکتے ہیں، کوئی ممانعت نہیں، جو مسلمان اپنے نومسلم بھائی کو رشتہ دے گا وہ دہرے ثواب کا مستحق ہوگا (کفایت المفتی ۵/ ۴۴)۔

مسئلہ کفاءت-اسلامی تناظر میں

مولانا نور الحق رحمانی☆

کفاءت کے لغوی و اصطلاحی معنی:

کفاءت کے لغوی معنی مساوات اور مماثلت کے ہیں، "کافأ فلان فلانا" اس وقت بولتے ہیں جب کوئی کسی کے ہم سر اور برابر ہو، "کفاء" اور "کفء" کے معنی: نظیر، مشابہ، مماثل اور مساوی کے ہیں، حضرت حسان بن ثابتؓ کے شعر میں کفاء کا لفظ اسی مفہوم میں آتا ہے۔

"وروح القدس لیس له کفاء"، یعنی جبرئیل علیہ السلام کی کوئی نظیر نہیں۔ اسی طرح حدیث میں ہے: "المسلمون تتکافأ دمائهم" یعنی مسلمانوں کا خون باہم برابر ہے۔

اصطلاح شریعت میں کفاءت سے مراد ایک مخصوص قسم کی برابری ہے جو نکاح میں زوجین کے درمیان شرعاً مطلوب ہے، یعنی اسلام، تقوی و تدین، مال، آزادی، پیشہ اور نسب وغیرہ میں شوہر کا بیوی کے برابر یا قریب قریب ہونا۔

تم کہتے ہو" لا کفاء له "کاف کے کسرہ کے ساتھ، یہ اصل میں مصدر ہے، یعنی اس کی کوئی نظیر نہیں ہے اور کفء کے معنی نظیر اور مساوی کے ہیں اور اسی قبیل سے نکاح میں کفاءت ہے اور وہ یہ ہے کہ شوہر حسب، نسب اور دین وغیرہ وغیرہ میں عورت کے برابر ہو۔ اور تکافأ الشیئان اور کافاه مکافاة و کفاءً کے معنی مماثل ہونا ہے (لسان العرب جلد ۵ مادہ کفء رص ۳۸۹۲)۔

☆ استاذ المعہد العالی امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

درمختار میں ہے:"الكفاء ة من كافاه إذا ساواه والمرادهنا مساواة مخصوصة أو كون المرأة أدنى" (۳؍۸۴)۔

(کفاءت کافاہ سے ماخوذ ہے، یہ اس وقت بولتے ہیں جبکہ ایک دوسرے کے برابر ہو۔اور یہاں پر مخصوص مساوات مراد ہے، یا عورت کا ادنی ہونا ہے)۔

فقہی اور اصطلاحی کفاءت کے سلسلے میں تو قرآن کریم میں کوئی صریح آیت موجود نہیں، لیکن اس کی بنیاد قرآن کریم میں موجود ہے، دین اور عقیدے کی برابری کو قرآن کریم نے نکاح کے لئے شرط قرار دیا ہے، اور مشرک وکافر عورت سے نکاح کرنے سے صراحت سے منع کیا ہے، ارشاد باری ہے:

"ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن ولأمة مؤمنة خير من مشركة ولو أعجبتكم، ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا" (سورۂ بقرہ: ۲۲۱)۔

"ولا تمسكوا بعصم الكوافر" (الممتحنہ: ۱۰)۔

"قال في الفتح: واعتبار الكفاء ة في الدين متفق عليه فلا تحل المسلمة للكافر" (المجموع شرح المہذب ۱۶؍۱۸۴)۔

(صاحب فتح القدیر فرماتے ہیں: دین میں کفاءت کے اعتبار پر سب کا اتفاق ہے، لہذا مسلمان عورت کافر مرد کے لئے حلال نہیں ہوسکتی)۔

اسی طرح سورہ نور کی درج ذیل دو آیات سے نکاح میں کفاءت کا فی الجملہ مطلوب ہونا معلوم ہوتا ہے:

"الزاني لا ينكح إلا زانية" (سورۂ نور: ۳) (زانی نہ نکاح کرے مگر زانیہ سے)۔

"الخبيثات للخبيثين والخبيثون للخبيثات والطيبات للطيبين والطيبون للطيبات" (سورۂ نور: ۲۶)۔

(خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں

اور پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لئے ہیں اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لئے)۔

ان آیات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ مہذب، شریف، صالح اور پاکباز عورتوں کا نکاح انہیں صفات کے حامل مردوں کے ساتھ ہونا چاہئے، اور زانی، فاسق وفاجر، اور خبیث وخسیس مردوں کا نکاح انہیں صفات کی حامل عورتوں سے ہونا چاہئے۔

کفاءت حدیث میں:

متعدد احادیث میں کفاءت کا تذکرہ ہے۔ ان میں سے اکثر روایات پر محدثین نے کلام کیا ہے، اور سند کے لحاظ سے انہیں ضعیف قرار دیا ہے، لیکن کثرت طرق سے مروی ہونے کی بنا پر فی الجملہ ان کے ضعف کی تلافی ہوجاتی ہے۔ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

یہ ضعیف احادیث جو متعدد طرق سے مروی ہیں، بعض بعض کو تقویت پہنچاتی ہیں، لہذا شواہد کی بنیاد پر ان کا حجت ہونا صحیح ہے اور وہ حسن کے درجہ کو پہنچ جاتی ہیں، اس لئے کہ ان سے ظن حاصل ہوجاتا ہے (فتح القدیر ۲/۴۱۷)۔

اسی بنا پر ائمہ مجتہدین نے ان روایات کو تسلیم کرکے کفاءت کا اعتبار کیا ہے، اس سلسلے کی ایک روایت دارقطنی اور بیہقی کی ہے جسے فقہاء نے عام طور پر ذکر کیا ہے وہ درج ذیل ہے:

"عن جابر عن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ: لا تنكحوا النساء إلا من الأكفاء، ولا يزوجهن إلا الأولياء"۔

(حضرت جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عورتوں کا نکاح نہ کرو مگر کفو میں اور ان کا نکاح اولیاء ہی کرائیں)۔

اس روایت میں کفو میں عورتوں کا نکاح کرانے کی تاکید کی گئی ہے۔

علامہ ظفر احمد عثمانیؒ نے اعلاء السنن کتاب النکاح فصل فی الکفاءۃ کے ذیل میں ان روایات کو جمع فرمایا ہے، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

''عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ : تخيروا لنطفكم و أنكحوا الأكفاء و أنكحوا إليهم'' (رواہ ابن ماجہ(۱۴۲)، اعلاء السنن ۱۱/ ۷۵)۔

(حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اپنے نطفہ کے لئے اچھی خاتون کا انتخاب کرو اور کفو کے رشتہ میں نکاح کرو اور ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجو)۔

اس حدیث کی سند کے سلسلے میں علامہ نے دونوں طرح کے کلام کو نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے:

اس کلام کا حاصل یہ ہے کہ حدیث کی سند میں اختلاف ہے، بعض حضرات نے اسے صحیح اور بعض نے حسن قرار دیا ہے، اور یہ بات ایک سے زیادہ بار گذر چکی ہے کہ اختلاف مضر نہیں ہے۔ اس حدیث کو ''الدرایۃ'' میں بھی نقل کیا گیا ہے اور اس پر کوئی کلام نہیں کیا گیا ہے، اور ابن الجوزی نے بھی اس پر سکوت اختیار کیا ہے، جیسا کہ آپ دیکھ رہے ہیں، حالانکہ وہ سخت ہیں اور کفاءت کا اعتبار کرنے کے مستحب ہونے پر اس حدیث کی دلالت ظاہر ہے اور صیغہ امر کو وجوب سے پھیرنے والا قرینہ وہ ہے جس کو ہم ذکر کر رہے ہیں، یعنی یہ کہ نکاح غیر کفو میں جائے گا (حوالہ سابق)۔

دوسری حدیث ترمذی وحاکم کی ہے:

''عن علیؓ رفعه: ثلاث لا تؤخر، الصلاة إذا أتت، والجنازة إذا حضرت، والأيم اذا وجدت لها كفوا'' (حوالہ سابق)۔

(حضرت علیؓ سے مرفوعاً روایت ہے کہ تین چیزوں میں تاخیر نہ کی جائے، نماز میں جبکہ اس کا وقت آجائے، جنازہ میں جبکہ وہ حاضر ہوجائے اور بے نکاح عورت کے نکاح کے سلسلے میں جبکہ تمہیں اس کے جوڑ کا خاوند مل جائے)۔

چوتھی حدیث ابن ماجہ کی ہے:

''عن عبد الله بن بريدة عن أبيه قال جاءت فتاة إلى رسول الله ﷺ فقالت: إن أبي زوجني ابن أخيه ليرفع به خسيسته، قال فجعل الأمر إليها

فقالت: قد أجزت ما صنع أبي ولكن أردت أن أعلم النساء أن ليس إلى الآباء من الأمر شيئ" (رواہ ابن ماجہ)ورجالہ رجال الصحیح (نیل الاوطار ۶؍۳۵)۔

(عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک دوشیزہ رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اورعرض کیا کہ میرے والد نے میرا نکاح اپنے بھتیجے سے کردیا ہے تاکہ اس کے ذریعہ اس کی خساست کو دور کریں۔راوی فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے معاملہ کا اختیار اس لڑکی کے ہاتھ میں دے دیا (کہ وہ چاہے تو اسے روکردے) لیکن اس نے کہا کہ میرے والد نے جوکچھ کیا میں نے اس کو جائز قراردیا،لیکن میں نے چاہا کہ عورتوں کو یہ بتلادوں کہ باپ کے ہاتھ میں معاملہ کا اختیار نہیں ہے)۔

اس کے ذیل میں علامہ فرماتے ہیں:

اس حدیث کی دلالت پہلے جزء پر اس حیثیت سے ہے کہ نبی ﷺ نے لڑکی کو نکاح کے بعد اختیار دیا اورسیاق کے ظاہر سے یہ پتہ چلتا ہے کہ یہ اختیار کفاءت نہ پائے جانے کی وجہ سے تھا،اس لئے کہ اس روایت میں لڑکی کا یہ قول اس کی دلیل ہے کہ وہ اس نکاح کے ذریعہ اپنے بھتیجے کی خساست کو دفع کرنا چاہتے ہیں۔پس ثابت ہوا کہ کفاءت کی رعایت کرنا قابل اعتماد ہے (اعلاء السنن ۱۱؍۷۶)۔

اسی طرح حضرت عائشہ اورحضرت عمرؓ کی درج ذیل روایت سے بھی استدلال کیا گیا ہے،استدلال کی وجہ یہ ہے کہ چونکہ یہ ایسا معاملہ ہے جو غیر مدرک بالقیاس ہے،اس لئے اصولی طورپر یہ حدیث مرفوع کے حکم میں ہے:

"لأمنعن تزوج ذوات الأحساب إلا من الأكفاء" (نیل الاوطار ۶؍۱۲۷)۔

(حسب والی عورتوں کے نکاح کرنے سے میں روکوں گا الا یہ کہ کفو کا رشتہ ہو)۔

۱-نکاح میں کفاءت کو مشروع قراردیئے جانے کے مصالح:

کفاءت کے معتبر ہونے کی ایک مصلحت یہ ذکر کی گئی ہے کہ شریعت کی رو سے شوہر کو

بیوی پر قوامیت اور سربراہی حاصل ہوتی ہے، بیوی اس کے ماتحت اور نگرانی میں زندگی گزارتی ہے، اور معروف میں اس کی اطاعت کی مکلف ہوتی ہے۔ وہ ازدواجی زندگی میں حسب ضرورت ہدایات جاری کرتا ہے جس کی تعمیل اس پر واجب ہوتی ہے، تو اگر شوہر بیوی کے ہم پلہ یا اس سے مرتبہ میں برتر نہ ہوتو بیوی کو اس کے ماتحت بن کر رہنے، اس کی قوامیت اور فوقیت کو قبول کرنے اور اس کی ہدایات پر عمل پیرا ہونے اور اس کی فراش بننے میں شرم وعار محسوس ہوگا۔

اسی طرح عورت کے اولیا بھی ایسے شخص سے رشتہ کرنے میں عار محسوس کرتے ہیں جو دینداری عزت ووجاہت اور سماجی مقام ومرتبہ میں ان سے کمتر ہوں، علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

اس لئے کہ کفاءت نہ پائے جانے کی صورت میں نکاح کے مصالح فوت ہوجائیں گے، اس لئے کہ فراش بنائے بغیر یہ مصالح حاصل نہیں ہوسکے گا اور عورت غیر کفو مرد کا فراش بننے کو ناپسند کرتی ہے، اور اس سے عار محسوس کرتی ہے، اس لئے مصالح فوت ہوجائیں گے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ زوجین کے درمیان بحث ومباحثے اور تلخ باتیں ہوجایا کرتی ہیں، جنہیں عام طور پر برداشت کئے بغیر رشتہ نکاح باقی نہیں رہ سکتا اور غیر کفو مرد کی باتوں کو برداشت کرنا سخت معاملہ ہے، جو سلیم طبیعتوں پر گراں گذرتا ہے، چنانچہ کفاءت کے بغیر نکاح برقرار نہیں رہ سکتا، لہذا اس کا اعتبار کرنا ضروری ہے (بدائع ۲؍۳۱۷)۔

کفاءت کو کلیۃً مسترد کرنے والے لوگوں کے دلائل کا جائزہ:

بہر حال وہ طبقہ جو کفاءت کو قطعی طور پر مسترد کرنے کا رجحان رکھتا ہے اور اسے اسلام کے مقرر کردہ تصور مساوات اور جمہوری قدروں کے منافی قرار دیتا ہے، ان کے دلائل کا جائزہ لینا بھی ضروری ہے۔ ان حضرات کا استدلال قرآن کریم کی اسی آیت اور اسی حدیث سے ہے جس کا تذکرہ سوال نامہ کے شروع میں ہے۔ یعنی سورۂ حجرات کی درج ذیل آیت:

”یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر و أنثی وجعلناکم شعوبا وقبائل

لتعارفوا إن أکرمکم عند الله أتقاکم" (سورۂ حجرات: ۱۳)۔

اور درج ذیل احادیث سے:

"لا فضل لعربی علی عجمی ولا لعجمی علی عربی ولا لأبیض علی أسود ولا لأسود علی أبیض إلا بالتقوی"۔

(نہ کسی عربی کو کسی عجمی پر فضیلت حاصل ہے نہ کسی عجمی کو عربی پر، نہ کسی گورے کو کالے پر نہ کسی کالے کو گورے پر مگر تقوی کی بنیاد پر)۔

"الناس سواسیة کأسنان المشط" (المبسوط ۵/ ۲۳) (لوگ کنگھی کے دانوں کی طرح آپس میں برابر ہیں)۔

ان کا کہنا یہ ہے کہ قرآن کی اس آیت اور احادیث سے پتہ چلتا ہے کہ سارے انسان ایک ماں باپ کی اولاد ہیں اور کنگھی کے دندانوں کی طرح سب آپس میں برابر ہیں، ذات پات، حسب نسب، عہدہ ومنصب اور مال ودولت کی بنیاد پر ان کے درمیان کوئی تفریق روا نہیں ہے، کوئی کسی سے افضل ہوسکتا ہے تو محض تقوی کی بنیاد پر۔ اسلامی مساوات کا تقاضا یہ ہے کہ ایک مسلم مرد کے لئے اس کی اجازت ہو کہ وہ جس عورت سے چاہے شادی کرے جبکہ کفاءت کا اعتبار کرنے سے لوگ مختلف طبقات اور مختلف خانوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اور ان کے درمیان پھر سے طبقہ واریت اور عصبیت کی دیوار کھڑی ہوتی ہے اور ذات برادری، اور اونچ نیچ کا وہ معیار قائم ہوتا ہے جسے ختم کرنا اسلام کے اولین مقاصد میں سے ہے۔

اس سلسلے میں درج ذیل آیات واحادیث ملاحظہ ہوں:

"قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون"۔

"ورفعنا بعضهم فوق بعض درجات لیتخذ بعضهم بعضا سخریا" (زخرف: ۳۲)۔

(اور ہم نے ایک کے درجے دوسرے سے بلند کرر کھے ہیں، تاکہ ایک دوسرے سے کام لیتا رہے)

"یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین أوتوا العلم درجات" (مجادلہ:۱۱)۔
(اللہ تم میں ایمان والوں کے اور ان کے جنہیں علم عطا ہوا ہے، درجے بلند کرے گا)۔
"واللہ فضل بعضکم علی بعض فی الرزق" (نحل:۷۱)۔
(اور اللہ نے تم میں سے کسی کو کسی پر رزق کے معاملہ میں فضیلت دے رکھی ہے)۔
"ضرب اللہ مثلا عبدا مملوکا لا یقدر علی شئ ومن رزقناہ منا رزقا حسنا فھو ینفق منہ سرا وجھرا ھل یستوون" (نحل)۔
(اللہ ایک مثال بیان کرتا ہے کہ ایک تو غلام مملوک ہے، کہ کسی چیز کا اختیار نہیں رکھتا اور ایک وہ ہے جسے ہم نے اپنے پاس سے خوب روزی دے رکھی ہے، تو وہ اس میں پوشیدہ اور علانیہ خرچ کرتا ہے کیا ایسے لوگ باہم برابر ہوسکتے ہیں)۔
حتی کہ نبیوں اور رسولوں کے درمیان بھی درجات کا اللہ نے فرق رکھا ہے اور بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔
"تلک الرسل فضلنا بعضھم علی بعض منھم من کلم اللہ ورفع بعضھم درجات" (بقرہ:۲۵۳)۔
(ان رسولوں میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دے رکھی ہے، ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا ہے، ان میں سے بعض کے درجے اس نے بلند کئے ہیں)۔
"الناس معادن کمعادن الذھب والفضۃ، خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الإسلام إذا فقھوا" (ریاض الصالحین)۔
(لوگوں کے کان ہیں جس طرح سونے چاندی کے کان ہوتے ہیں، جو لوگ زمانہ جاہلیت میں اچھے تھے وہ اسلام میں بھی اچھے ہیں، جبکہ ان میں دین کی سمجھ آجائے)۔
"أنزلوا الناس علی قدر منازلھم"۔
(لوگوں کے ساتھ ان کی قدر ومنزلت کے اعتبار سے سلوک کرو)۔

سارے صحابہ کرام شرف صحابیت میں برابر ہیں، لیکن ان کے درمیان بھی فرق مراتب ہے، خلفائے راشدین سارے صحابہ میں افضل ہیں، پھر عشرہ مبشرہ ہیں، پھر اصحاب بدر ہیں۔ پھر اصحاب بیعت رضوان ہیں، پھر فتح مکہ سے قبل مسلمان ہونے والے ہیں پھر عام صحابہ ہیں۔ قرآن کہتا ہے:

"لا یستوی منکم من أنفق من قبل الفتح وقاتل أولئک أعظم درجة من الذین أنفقوا من بعد وقاتلوا" (حدید:۱۰)۔

(تم میں جو لوگ فتح (مکہ) سے قبل ہی خرچ کر چکے اور لڑ چکے وہ لوگ درجہ میں بڑھے ہوئے ہیں ان لوگوں سے جنہوں نے بعد کو خرچ کیا اور لڑے)۔

اور نکاح کی کفاءت کو جنایت اور قصاص پر قیاس کرنا اس لئے صحیح نہیں کہ قصاص جان کی حفاظت کے لئے فرض کیا گیا ہے، اگر اس میں کفاءت کا اعتبار کیا جاتا تو یہ مصلحت ہی فوت ہوجاتی، اور زندگی کا نظام بگڑ جاتا اور کوئی صاحب جاہ واقتدار اپنے ایسے دشمن کو قتل کردیتا جو اس کے ہم پلہ نہ ہوتا اور دونوں میں برابری نہ ہونے کی وجہ سے قصاص سے بھی چھٹکارا پالیتا۔ صاحب بدائع فرماتے ہیں:

اور قصاص پر قیاس کرنا صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ قصاص کی مشروعیت زندگی کی مصلحت کی خاطر ہوئی ہے اور اگر اس میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے تو یہ مصلحت فوت ہوجائے گی، اس لئے کہ ہر شخص یہ چاہے گا کہ اپنے اس دشمن کو قتل کردے جو اس کے برابر نہیں ہے، لہذا قصاص سے جو مصلحت مطلوب ہے وہ فوت ہوجائے گی (بدائع ۲؍۳۱۷)۔

۲- کفاءت کا اعتبار کن کن چیزوں میں کیا جائے گا؟

بہر حال جن ائمہ وفقہاء نے نکاح میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، ان کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ کفاءت کن کن امور میں معتبر ہے؟ امام مالکؒ نے صرف دین اور اخلاق میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے۔

''قال مالک: الکفاء ۃ فی الدین لا غیر'' (المغنی ۷/۱۶) اور امام مالکؒ نے فرمایا کہ صرف دینداری میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا کسی اور چیز میں نہیں۔

ان کا استدلال ترمذی شریف کی درج ذیل حدیث سے ہے:

''إذا خطب إلیکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوہ إلا تفعلوہ تکن فتنة فی الأرض وفساد عریض'' (ترمذی ۱/۱۴۸)۔

(تمہارے پاس جب کسی ایسے شخص کی طرف سے پیغام نکاح آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو جلد نکاح کردو اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد رونما ہوگا)۔

اور واقعہ یہ ہے کہ عہد رسالت میں نکاح میں کفاءت کا مدار صرف دین اور اخلاق پر تھا۔ اور دوسری روایت کی رو سے امام مالک نے دین واخلاق کے ساتھ ان عیوب سے سلامت ہونے کا بھی اعتبار کیا ہے جن کے ہوتے ہوئے شوہر کے ساتھ اس کا رہنا ضرر سے خالی نہ ہو، مثلاً جنون، برص اور جذام وغیرہ اور جن کی بنیاد پر اسے فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے۔

فقہاء حنفیہ نے چھ امور میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے:

نسب، اسلام، پیشہ، آزادی، مال اور دینداری۔

لیکن اس کے باوجود اسے محض دین واخلاق تک محدود رکھنا افضل قرار دیا گیا ہے (حاشیہ رد المحتار ۴/ باب الکفاءۃ)۔

''وعندنا الأفضل اعتبار الدین والا قتصار علیه'' (بدائع ۲/۳۱۷)۔

(اور ہمارے نزدیک افضل یہ ہے کہ دین کا اعتبار کیا جائے اور کفاءت کو اسی تک محدود رکھا جائے)۔

شافعیہ نے پانچ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، ان میں سے چار تو وہی ہیں جن کا حنفیہ نے اعتبار کیا ہے، یعنی نسب، دین، آزادی اور صنعت وپیشہ اور پانچویں چیز عیب سے سلامتی ہے، یعنی جنون، برص اور جذام یا نامردی سے شوہر کا محفوظ ہونا۔ علامہ نووی فرماتے ہیں:

''الکفوء معتبر في خمسة أشياء كما قررنا النسب، والدين، والحرية، والصنعة، والسلامة من العيوب'' (المجموع شرح المہذب ۱۸۷/۱۶)۔

(پانچ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے، جیسا کہ ہم نے ثابت کیا یعنی نسب، دین، آزادی، صنعت وحرفت اور عیوب سے سلامتی)۔

اور ایک قول کی رو سے اس میں مالداری اور خوشحالی کا اضافہ کیا گیا ہے۔

''قال الخطابي: إن الكفاءة معتبرة في قول أكثر العلماء بأربعة أشياء: الدين والحرية والنسب والصناعة، ومنهم من اعتبر السلامة من العيوب واعتبر بعضهم اليسار'' (حوالہ سابق ۱۸۴/۱۶)۔

(خطابی کہتے ہیں کہ اکثر علماء کے قول کی رو سے کفاءت کا اعتبار چار چیزوں میں کیا گیا ہے: دین، آزادی، نسب اور پیشہ اور کچھ حضرات نے عیوب سے سلامتی کا بھی اعتبار کیا ہے اور بعض نے خوشحالی کا بھی اعتبار کیا ہے)۔

اسی طرح شافعیہ کے نزدیک بھی چھ چیزیں ہوجاتی ہیں، جن میں پانچ تو مشترک ہوگئیں اور چھٹی چیز میں اختلاف ہوا، حنفیہ کے نزدیک وہ آباء واجداد کے اسلام میں کفاءت ہے، اور شافعیہ کے نزدیک عیوب یعنی خطرناک اور خبیث امراض جنون، جذام اور برص وغیرہ سے سلامتی ہے جن کی بناپر بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار حاصل ہوتا ہے تو جو شخص ان امراض میں سے کسی ایک کا شکار ہو وہ کسی ایسی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا ہے جو اس سے محفوظ ہو اور کفاءت میں اس کے معتبر ہونے کی علت یہ ہے کہ جو شخص ان امراض خبیثہ میں مبتلا ہو طبیعت اس سے گھن اور نفرت کرتی ہے، لہذا اس کی وجہ سے نکاح کے مقصد میں خلل واقع ہوگا۔

امام احمد بن حنبلؒ کے بارے میں روایات مختلف ہیں۔ ایک قول کی رو سے انہوں نے کفاءت میں صرف دو چیزوں کا اعتبار کیا ہے، دین اور نسب اور دوسرے قول کی رو سے ان دونوں کے ساتھ آزادی، پیشہ اور مالداری میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا ہے (المغنی لابن قدامہ ۴۸۲/۹)۔

اسلام میں کفاءت:

یعنی زوجین میں سے ہر ایک کا مسلمان ہونا، پس ایک غیر مسلم لڑکا خواہ وہ مشرک وملحد ہو، یا یہودی یا نصرانی، ایک مسلم خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا، اسی طرح ایک کافرہ ومشرکہ کسی مسلمان مرد کا کفو نہیں ہوسکتی، اس سلسلے میں سورۂ بقرہ کی آیت شروع میں گزر چکی ہے جس میں مشرکہ عورتوں اور مردوں سے نکاح کو حرام قرار دیا گیا ہے، البتہ مسلمان مرد اہل کتاب عورت سے نکاح کرسکتا ہے گرچہ یہ بھی کراہت سے خالی نہیں لیکن چونکہ بیوی ماتحت ہوتی ہے، اس لئے مسلم معاشرہ اور اسلامی ماحول میں رہنے کی وجہ سے اس کی توقع کی جاسکتی ہے کہ آئندہ وہ اسلام قبول کرلے، لیکن مسلم خاتون اگر کسی غیر مسلم مرد سے بیاہی جائے تو ماتحت ہونے اور غیر اسلامی ماحول میں جانے کی وجہ سے اس کے دین وایمان کو خطرہ لاحق ہوسکتا ہے، اس لئے اسے حرام قرار دیا گیا۔

صاحب فتح الباری نے فرمایا ہے کہ دین میں کفاءت کے معتبر ہونے پر سب کا اتفاق ہے، لہذا مسلمان عورت کسی کافر کے لئے حلال نہیں ہوسکتی، اسی طرح مسلم معاشرہ کا پروردہ لڑکا یا لڑکی اگر ضروریات دین میں سے کسی چیز کا منکر ہوجائے، یا اسلام کے کسی بنیادی عقیدے سے منحرف ہوجائے تو اس کا نکاح دوسرے صحیح العقیدہ مسلمان لڑکے یا لڑکی کے ساتھ درست نہیں۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی مسئلہ کفاءت کے ذیل میں لکھتے ہیں:

لڑکی کا نکاح حروری سے جو دین سے نکل گیا ہو اور رافضی سے اور قدریہ فرقہ سے تعلق رکھنے والے مرد سے نہ کرے (المغنی ۳۰/۷)۔

لیکن فقہاء حنفیہ نے اسلام میں کفاءت کے ذیل میں شوہر کے مسلمان ہونے کو ذکر نہیں کیا ہے، کیونکہ یہ تو نکاح کی صحت کے لئے شرط ہے اور یہ شریعت کا حق ہے جو زوجین میں سے کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوسکتا اور نکاح میں کفاءت کے ذیل میں جو چیزیں ہیں وہ بیوی اور اس کے اولیاء کا حق ہے جسے وہ ساقط بھی کرسکتے ہیں، اس لئے انہوں نے اسلام سے اصول کا یعنی باپ دادا کا مسلمان ہونا مراد لیا ہے اور اس کے تحت یہ ذکر کیا ہے کہ جس مرد نے خود

اسلام قبول کیا ہو وہ اس عورت کا کفو نہیں ہوسکتا جس کا صرف باپ مسلمان ہو یا باپ سے اوپر کے اصول بھی مسلمان ہوں، اور جس نومسلم مرد کا صرف باپ مسلمان ہو وہ اس عورت کا کفو نہیں ہوسکتا جس کے باپ دادا دونوں مسلمان ہوں۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ مرد کا اور اس کے باپ کا مسلمان ہونا کافی ہے، ایسا مرد ایسی عورت کا کفو ہوسکتا ہے جس کے سارے آباء و اجداد مسلمان ہوں، اس لئے کہ ان کے نزدیک انسان کی تعریف محض اس کے باپ کے ذکر سے پوری ہوجاتی ہے، اور جمہور حنفیہ کے نزدیک انسان کی تعریف میں محض اس کے باپ کا ذکر کافی نہیں بلکہ دادا کا ذکر بھی ضروری ہے، لہذا جس شخص کے باپ دادا دونوں مسلمان ہوں وہ ایسی عورت کا کفو ہوسکتا ہے جس کے تمام اصول مسلمان ہوں۔

پھر حنفیہ نے اس طور پر اسلام میں کفاءت کا اعتبار صرف غیر عرب پر کیا ہے، اس لئے کہ ان کے عرف میں آباء و اجداد کے اسلام پر فخر کیا جاتا ہے، جیسا کہ اہل عرب نسب پر فخر کرتے ہیں، لہذا عرب میں ایک نومسلم مرد ایسی عربی عورت کا کفو ہوسکتا ہے جس کے تمام اصول مسلمان ہوں، لیکن یہ عربی نومسلم مرد کسی عجمی عورت سے نکاح کرنا چاہے تو ایسی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا جس کا باپ مسلمان ہے (دیکھئے بدائع ۲/ باب الکفاءۃ)۔

دوسرے فقہاء آباء و اجداد کے مسلمان ہونے میں کفاءت کا اعتبار نہیں کرتے، اور حالات کا تقاضہ ہے کہ اس کا اعتبار نہ کیا جائے۔ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

جو شخص مسلمان ہو یا غلاموں میں سے جو آزاد ہو وہ اس عورت کا کفو ہے جس کے باپ دادا مسلمان ہوں اور آزاد ہوں، اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ دونوں کفو نہیں ہیں لیکن یہ صحیح نہیں، اس لئے کہ صحابہ میں سے اکثر لوگوں نے اسلام قبول کیا تھا اور وہ امت کے افضل افراد ہیں، لہذا یہ نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تابعین کے کفو نہیں ہیں (المغنی ۶/ ۴۸۵)۔

اخلاق و دینداری میں کفاءت:

سب سے اہم چیز جس میں زوجین کے درمیان شرعاً مساوات مطلوب ہے اور جس پر

تقریباً تمام ائمہ وفقہاء کا اتفاق ہے وہ دینداری اور تقوی ہے، دین پر استقامت اور اس کی تعلیمات سے عدم انحراف ہے، لہذا ایسی مسلم خاتون جو صحیح العقیدہ ہونے کے ساتھ صاحب تقوی بھی ہو اور اس کے اولیاء بھی متقی اور صالح ہوں اس کا کفو وہ مرد نہیں ہوسکتا جو عقیدے کے لحاظ سے تو مسلمان ہو مگر عملاً فاسق وفاجر اور کھلے طور پر منکرات وفواحش کا مرتکب ہو، اس لئے کہ ایسے صالح لوگ کسی فاسق سے رشتہ کرنے کو اپنے لئے باعث ننگ وعار سمجھیں گے۔ صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"وتعتبر أيضا في الدين أي الديانة.....لأنه من أعلى المفاخر والمرأة تعير بفسق الزوج فوق ماتعير بضعة نسبه" (الہدایہ ۲)۔

(اور کفاءت کا اعتبار دینداری میں بھی کیا جائے گا، اس لئے کہ یہ اعلی مفاخر میں سے ہے اور عورت کو اپنے شوہر کے پست نسب ہونے سے جتنا عار لاحق ہوتا ہے اس سے زیادہ اس کے فسق وفجور سے عار لاحق ہوتا ہے)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے المغنی میں فاسق کے صالح عورت کا کفو نہ ہونے کی دلیل دو ذکر فرمائی ہے: ایک یہ کہ اللہ تعالی نے خود اپنے کلام میں فرمادیا کہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔

اور دوسری دلیل عقلی یہ دی ہے کہ فاسق رزیل کی طرف سے اطمینان نہیں کیا جاسکتا۔ خالق اور خلق کی نگاہ میں وہ ناقص ہے، لہذا وہ صالحہ خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا ہاں اپنی جیسی فاسق عورت کا کفو ہوسکتا ہے۔ اور دوسری جگہوں میں یہ علت مذکور ہے کہ خطرہ یہ ہے کہ وہ بیوی پر بیجا سختی اور زدوکوب کرے گا جو خوف خدا سے عاری ہے۔

علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

اور دینداری کے معتبر ہونے کی دلیل اللہ تعالی کا یہ قول ہے: کیا جو شخص مومن ہے وہ فاسق کی طرح ہوسکتا ہے؟ یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے۔ اور دوسری وجہ یہ ہے کہ فاسق رزیل ہے اس کی شہادت اور روایت ناقابل قبول ہے۔ اور جان ومال پر اس کی طرف سے اطمینان نہیں کیا جاسکتا، اس کی ولایت سلب کرلی گئی ہے، اللہ کے نزدیک اور مخلوق کے نزدیک وہ ناقص ہے، دنیا

اور آخرت میں اس کا حصہ بہت تھوڑا ہے، لہذا وہ پاک دامن عورت کا کفو نہیں ہوسکتا اور نہ اس کے برابر ہوسکتا ہے، ہاں وہ اپنی جیسی عورت کا کفو ہوگا (المغنی ۶/ ۴۸۲،۴۸۳)۔

اخلاق اور دینداری ایسی چیز ہے جسے لڑکا اور لڑکی دونوں کے انتخاب کے وقت ملحوظ رکھنے کی رسول اللہ ﷺ نے تاکید فرمائی ہے، لڑکے کے بارے میں سنن ترمذی میں حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہے:

''إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض'' (ترمذی ۱/ ۲۰۷ باب ماجاء فی من ترضون دینہ)۔

(تمہارے پاس جب کسی ایسے مرد کی طرف سے پیغام نکاح آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو جلد نکاح کردو، اگر ایسا نہیں کروگے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد رونما ہوگا)۔

اور بیوی کے انتخاب کے سلسلے میں مردوں کو خطاب کرکے حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين'' (بخاری ۲/ ۷۶۲)۔

(عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے: اس کے مال، حسب نسب، جمال اور دینداری کی وجہ سے، لہذا تم دیندار عورت سے نکاح کرکے کامیابی حاصل کرو)۔

کفاءت چونکہ عورت اور اولیاء دونوں کا حق ہے جیسا کہ تفصیل آگے آرہی ہے، اس لئے اگر کسی صالح خاندان کی عورت کسی فاسق سے نکاح کرے تو اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہے، لیکن اگر کوئی خاتون جو دیندار نہ ہو اور اس کے گھرانے کے لوگ نیک اور صالح ہوں یا عورت تو صالح ہو لیکن اس کے گھر والے ایسے نہ ہوں تو کیا فاسق مرد اس کا کفو ہوسکتا ہے؟ فقہاء حنفیہ کی رائے اس سلسلے میں مختلف ہے، صاحب البحر الرائق علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں کہ ان دونوں صورتوں میں فاسق اس کا کفو نہیں ہوسکتا۔ عورت یا اس کے ولی کا صلاح وتقوی فاسق کے

کفو نہ ہونے کے سلسلے میں کافی ہے۔

''والظاهر أن الصلاح منها أو من آبائها كاف لعدم كون الفاسق كفاء لهم'' (البحر الرائق ۳/۱۳۲)۔

(ظاہر یہ ہے کہ عورت کا یا اس کے گھر والوں کا صالح ہونا اس کے لئے کافی ہے کہ فاسق مرد ایسی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا)۔

لیکن یہ واضح رہے کہ وہ فاسق جو دیندار خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا اس سے مراد وہ شخص ہے جو اعلانیہ فسق وفجور کا مرتکب ہو، مثلاً کھلم کھلا شراب پیتا ہو، جوئے اور لہو ولعب کی مجلس میں شریک ہوتا ہو، صوم وصلاۃ کا تارک ہو اور زبان سے بھی اپنی ان برائیوں کا اظہار کرتا ہو لیکن وہ فاسق جس کا فسق اس درجے کا نہ ہو چھپ کر برائیاں کرتا ہو اور لوگوں کے سامنے اپنی عزت ووقار کا خیال رکھتا ہو وہ صالحہ عورت کا کفو ہوسکتا ہے۔

مالداری میں کفاءت:

تیسری چیز جس کا کفاءت میں اعتبار کیا گیا ہے وہ مالداری ہے یعنی اقتصادی اور معاشی لحاظ سے زوجین کے درمیان قربت اور مماثلت، مال میں کفاءت کا اعتبار جن فقہاء نے کیا ہے اس کی متعدد وجوہ ان کے سامنے ہیں ایک تو یہ کہ خود حدیث سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت فاطمہ بنت قیس کو ان کے شوہر ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ نے طلاق دی تو متعدد مردوں کی طرف سے ان کے پاس پیغام آیا، تو وہ رسول اللہ ﷺ سے اس سلسلے میں مشورہ کرنے آئیں اور بتایا کہ حضرت معاویہؓ اور ابوجہمؓ کی طرف سے ان کے پاس پیغام آیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ معاویہ تو فقیر آدمی ہیں اور ان کے پاس مال نہیں ہے (بیہقی ۷/۱۳۵ باب اعتبار الکفاءۃ)۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ عرف وعادت کے لحاظ سے مالداری اور خوشحالی عزت ووقار کا سبب ہے اور غربت وافلاس کو سماج میں ذلت وحقارت کی نظر سے دیکھا جاتا ہے۔

اس لئے کہ لوگوں کے عرف میں اسے عیب اور نقص شمار کیا جاتا ہے (حوالہ سابق ۱۳۷/۷)۔

علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

ان میں سے ایک مال ہے، لہذا فقیر مرد مالدار عورت کا کفو نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ مال پر دوسری چیزوں کے مقابلے میں زیادہ فخر کیا جاتا ہے، خاص طور پر ہمارے اس زمانہ میں (بدائع ۳۱۹/۲)۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ نکاح کا براہ راست مال سے تعلق ہے کہ مال کے بغیر نکاح درست نہیں۔

''و أحل لکم ما وراء ذلکم أن تبتغوا بأموالکم'' (نساء ۲۴)۔

مہر کا مسئلہ ایجاب وقبول ہی کے وقت سامنے آتا ہے، پھر نکاح کے بعد شوہر پر بیوی کا نفقہ اور اس کی اور بچوں کی معاشی کفالت لازم ہوجاتی ہے۔

پیشہ اور ذریعہ معاش میں کفاءت:

چوتھی چیز جس کا فقہاء نے کفاءت کے سلسلے میں اعتبار کیا ہے وہ پیشہ ہے، پس پسندیدہ بات یہ ہے کہ شادی ہم پیشہ لوگوں میں ہو، کیونکہ پیشے میں اتحاد ومماثلت بھی ازدواجی زندگی کو قوت اور وحدت عطا کرتی ہے کہ ایک طرح کے پیشے والوں کا معیار زندگی، طرز معاشرت اور طور طریقے عام طور پر ایک جیسے ہوتے ہیں، اس لئے پیشہ کی ہم آہنگی بھی زوجین کے درمیان انس و محبت اور ربط وتعلق قائم کرنے کا ذریعہ ہے، ایسے پیشے جو ایک دوسرے سے قربت ومماثلت رکھتے ہیں اور جن کی حیثیت معاشرے اور عرف واصطلاح میں یکساں سمجھی جاتی ہے ان پیشہ والوں کے مابین بلا کسی تامل کے نکاح ہوسکتا ہے۔

صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

صنعت اور پیشوں میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا......اعتبار کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ پیشوں کی شرافت پر فخر کرتے ہیں، اور اس کے گھٹیا ہونے پر عار محسوس کرتے ہیں اور

دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ پیشہ کوئی لازم رہنے والی چیز نہیں ہے، اور گھٹیا پیشہ چھوڑ کر عمدہ پیشہ اختیار کرنا ممکن ہے (الہدایہ ۲/۳۰۱)۔

لیکن پیشے کی حیثیت بھی ثانوی اور اضافی ہے۔ امام ابوحنیفہؒ نے تو امام مالک کی طرح اس کا اعتبار ہی نہیں کیا ہے، الا یہ کہ کوئی ایسا پیشہ ہو جسے عام طور پر لوگ گھٹیا تصور کرتے ہوں جیسے کہ حجامت (پچھنا لگانے) کا پیشہ، لوہاری، فراشی وغیرہ۔ ہاں یہ تصور غیر اسلامی ہے کہ کسی خاص پیشے کے ساتھ ذلت اس طرح چپکی ہوتی ہے کہ اگر کوئی شخص کچھ دنوں کے لئے بھی اس سے وابستہ رہے تو ہمیشہ کے لئے ذلیل ہو گیا، اب اسے چھوڑ کر وہ کوئی دوسرا پیشہ بھی اختیار کرے گا تو ذلیل ہی رہے گا اور دوسرے شریف پیشہ اختیار کرنے والوں کا کفو نہیں بن سکے گا، اصل چیز دین اور تقوی ہے اگر اس معیار پر کوئی پورا اترتا ہے تو دوسری چیزیں نظر انداز کی جاسکتی ہیں۔ ہدایہ کی مذکورہ بالا عبارت کے ٹکڑے میں امام ابوحنیفہ کے قول کی علت بیان کی گئی ہے کہ پیشہ کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہے، کیونکہ ذلت والے پیشے کو چھوڑ کر اعلی پیشہ اختیار کیا جاسکتا ہے، گویا ضعف اور مرض کی طرح اس کی حیثیت عارضی ہے، اسی طرح پیشہ کی وجہ سے دین میں کوئی نقص لازم نہیں آتا، اس لئے امام ابوحنیفہ اس کا اعتبار نہیں کرتے، البتہ امام ابو یوسفؒ، امام شافعیؒ اور ایک قول کی رو سے امام احمد بن حنبلؒ عرف کی بنیاد پر اس کا اعتبار کرتے ہیں، اس سلسلے میں جو حدیث ہے وہ ضعیف ہے مگر چونکہ وہ عرف کے مطابق ہے اس لئے ان فقہاء نے اس کا اعتبار کیا ہے (المغنی ۶/۴۸۵)۔

پیشہ کے سلسلے میں اصل معیار عرف ہے اور وقت اور حالات اور عرف و عادت کے اختلاف سے پیشوں کا معیار بدل جاتا ہے۔ پس عین ممکن ہے کہ جو پیشے پہلے پست اور حقیر سمجھے جاتے ہوں زمانہ کی تبدیلی کی وجہ سے اور شرفاء اور اہل علم کے انہیں اختیار کر لینے کی وجہ سے وہ اعلی شمار کئے جانے لگیں۔ علامہ شامی لکھتے ہیں:

فتح القدیر میں ہے: سبب اہل عرب کا کسی پیشے کو گھٹیا سمجھنا ہے۔ لہذا حکم اسی کے ساتھ دائر ہوگا۔ اس بنا پر مناسب یہ ہے کہ اسکندریہ میں بنکر، عطر فروش کا کفو ہو، اس لئے کہ وہاں اسے اچھا

سمجھا جاتا ہے اور اسے بالکل ہی نقص وعیب شمار نہیں کیا جاتا (حاشیہ رد المحتار ۴/ ۲۱۵ باب الکفاءۃ)۔

آزادی میں کفاءت:

آزادی میں زوجین کے درمیان برابری کا کفاءت میں اعتبار کیا گیا ہے، اس لئے کہ رقیت اور غلامی کی وجہ سے انسان کو جو نقص اور عیب لاحق ہوتا ہے وہ نسب کی دنائت سے بڑھ کر ہے، لہذا ایک غلام خواہ وہ مدبر اور مکاتب ہو وہ آزاد عورت کا کفو نہیں ہوسکتا جس کی اصل آزاد ہو، اور جس کا صرف باپ آزاد ہو وہ اس عورت کا کفو نہیں ہوسکتا جس کے باپ اور دادا دونوں آزاد ہوں، ہاں جس کے باپ دادا دونوں آزاد ہوں وہ ایسی عورت کا کفو ہوسکتا ہے جس کے سب آباء واجداد آزاد ہوں، اس لئے کہ باپ دادا سے تعریف پوری ہوجاتی ہے (بدائع ۲/ ۳۱۹)۔

آزادی کے سلسلے میں اس حد تک تو کفاءت کا اعتبار درست معلوم ہوتا ہے کہ غلام آزاد عورت کا کفو نہیں ہے، لیکن غلام کے آزاد ہوجانے کے بعد یا وہ آزاد جس کا باپ غلام ہو یا غلامی سے آزاد ہوا ہو اسے آزاد عورت کا کفو ہونا چاہئے، اس لئے کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش سے اور حضرت زید کے صاحبزادے حضرت اسامہ کا نکاح قریشی خاتون حضرت فاطمہ بنت قیس سے کرایا۔

''وأمر النبی ﷺ فاطمة بنت قيس أن تنكح أسامة بن زيد مولاه فنكحها بأمره'' (بخاری ومسلم)۔

(نبی ﷺ نے حضرت فاطمہ بنت قیس کو حکم دیا کہ وہ ان کے آزاد کردہ غلام حضرت زید کے لڑکے اسامہ سے نکاح کریں۔ چنانچہ آپ ﷺ کے حکم سے یہ نکاح ہوا)۔

اب غلامی کا دور نہیں رہا اس سلسلے میں زیادہ طویل بحث کی ضرورت نہیں۔

۳- نسب میں کفاءت:

نسب میں کفاءت کا مسئلہ بڑا ہی اہم معرکۃ الآراء اور علماء وفقہاء کے درمیان اختلافی

رہا ہے۔ ایک مسلک کے فقہاء کے درمیان بھی اس سلسلے میں اختلاف ہے۔ اور بعض نہیں کرتے۔ اور بعض صرف عربوں میں اس کا اعتبار کرتے ہیں غیر عرب میں نہیں، مثلاً حنفیہ اور بعض عرب وعجم دونوں میں اس کا اعتبار کرتے ہیں، مثلاً حنفیہ، شافعیہ اور ایک قول کی رو سے حنابلہ نسب میں کفاءت کے قائل ہیں۔ جبکہ امام مالک اور ایک قول کی رو سے امام احمد بن حنبل (امام اعظم سے بھی ایک قول اسی کے مثل منقول ہے) اور حنفیہ میں سے ابوالحسن کرخی، ابوبکر جصاص رازی، سفیان ثوری، علامہ ابن حزم اور دیگر فقہاء کے نزدیک نسب میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے۔

مانعین کے دلائل:

جو حضرات نسب میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ یہ چیز اسلام کی روح، اس کے معروف مزاج اور بنیادی تعلیمات کے خلاف ہے، زمانہ جاہلیت میں لوگ عصبیت، گروہ بندی، حسب نسب کی تفریق اور نسلی وخاندانی فخر وغرور میں مبتلا تھے۔ اسلام نے آ کر اس عصبیت اور ذات پات کی تفریق کو مٹایا۔ طبقاتی کشمکش سے نجات دلایا اور مساوات انسانی اور اخوت اسلامی کا پاکیزہ تصور پیش کیا اور بتایا کہ سارے انسان انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں، چونکہ سب ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، خاندانوں اور قبیلوں کا فرق محض تعارف کے لئے ہے، تفاخر کے لئے نہیں، پیدائشی طور پر نہ کوئی برتر ہے نہ کمتر، عزت اور شرافت کا معیار صرف تقوی ہے۔ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

''یا أیها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم'' (حجرات:۱۳)۔

حجۃ الوداع کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے واضح طور پر اعلان فرمایا:

''الحمد لله الذي أذهب عنكم نخوة الجاهلية، وتفاخرها بآبائها أيها الناس: إنما الناس رجلان، مؤمن تقي كريم على الله، وفاجر شقي هين على

الله، ليس لعربي على عجمي فضل إلا بالتقوى، كلكم لآدم و آدم من تراب''۔

(شکر ہے اس اللہ کا جس نے تم سے زمانہ جاہلیت کے غرور اور آباء واجداد پر تفاخر کی لعنت کو ختم کردیا۔ اے لوگو! لوگ تو دو ہی قسم کے ہیں، ایک متقی مومن جو اللہ کے نزدیک معزز ہے اور دوسرے بدبخت فاجر جو اللہ کے نزدیک ذلیل ہے، کسی عربی کو کسی عجمی پر کوئی فضیلت نہیں مگر تقوی کی بنیاد پر، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا کئے گئے)۔

''عن الزهري قال: أمر رسول الله ﷺ بني بياضة أن يزوجوا أبا هند إمرأة منهم فقالوا، تزوج بناتنا موالينا، فأنزل عزوجل: إنا خلقناكم من ذكر و أنثى و جعلناكم شعوبا و قبائل لتعارفوا الآية. قال الزهري: نزلت في أبي هند خاصة رواه ابو داؤد في مراسيله وسكت عنه'' (اعلاء السنن ۱۱/ ۷۸-۷۷)۔

(زہری سے روایت ہے وہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے بنی بیاضہ کو یہ حکم دیا کہ وہ اپنے خاندان کی کسی عورت سے حضرت ابو ہند کا نکاح کردیں، اس پر انہوں نے کہا کہ کیا ہم اپنی بیٹیوں کی شادی اپنے غلاموں سے کریں گے؟ تو اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی...... زہری کہتے ہیں کہ یہ آیت خاص طور پر ابو ہند کے بارے میں نازل ہوئی ہے)۔

گویا سورۂ حجرات کی اس آیت کا نزول ہی کفاءت فی النسب کو ختم کرنے کے لئے ہوا۔

حضرت بلال حبشیؓ کا رسول اللہ ﷺ نے ایک انصاری خاتون سے نکاح کرایا جب کہ اس کے اولیاء حضرت بلال کے پہلے غلام ہونے کی وجہ سے اس رشتہ پر رضامند نہیں تھے لیکن محض آپ کے حکم پر انہوں نے اس رشتہ کو قبول کیا۔

حکم بن عیینہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے حضرت بلال کو انصار کے ایک خاندان کے پاس پیغام نکاح دینے کے لئے بھیجا، تو ان لوگوں نے کہا کہ یہ تو حبشی غلام ہیں تو حضرت بلال نے فرمایا کہ اگر نبی کریم ﷺ مجھے تمہارے پاس آنے کا حکم نہ دیتے تو میں

تمہارے پاس نہیں آتا، ان لوگوں نے دریافت کیا کیا نبی ﷺ نے تمہیں اس کا حکم دیا ہے؟ تو حضرت بلال نے فرمایا: ہاں، تو انہوں نے کہا تم مالک ہو گئے (اعلاء السنن ۱۱/ ۷۷)۔

خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش جو قریشیہ ہیں، ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام حضرت زید بن حارثہ کے ساتھ کیا جو نہ قریشی ہیں نہ عربی بلکہ شام سے قید ہو کر آئے تھے، جبکہ حضرت زینب اور ان کے اولیاء اس نکاح کے لئے بالکل آمادہ نہ تھے، مگر حضور کے حکم پر وہ تیار ہوئے، اسی طرح حضرت زید کے صاحبزادہ حضرت اسامہ کا نکاح آپ ﷺ نے ایک قریشی خاتون فاطمہ بنت قیس سے کرایا۔

مثبتین کے دلائل:

جو حضرات نسب میں کفاءت کا اعتبار کرتے ہیں ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- درج ذیل حدیث جسے عام طور پر فقہاء نے اس موقع پر ذکر کیا ہے:

''قریش بعضهم أكفاء لبعض بطن ببطن والعرب بعضهم أكفاء لبعض قبيلة بقبيلة والموالي بعضهم أكفاء لبعض رجل برجل''۔

(قریش میں سے بعض بعض کے کفو ہیں، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے، اور عرب میں سے بعض بعض کے کفو ہیں، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے اور اہل عجم میں سے بعض بعض کے کفو ہیں، ایک شخص دوسرے شخص کا)۔

دوسری دلیل العلل کی درج ذیل روایت ہے:

''قال سلمان: لا نؤمكم ولا ننكح نساءكم'' اخرجه ابن أبي حاتم في العلل (اعلاء السنن ۱۱/ ۷۸-۷۷) (سلیمان نے (اہل عرب سے) کہا کہ ہم نماز میں تمہاری امامت نہیں کریں گے اور تمہاری عورتوں سے نکاح نہیں کریں گے)۔

ابن قدامہ حنبلی نے جو روایت نقل کی ہے اس میں زیادہ تفصیل ہے کہ سلیمان اور جریر کسی سفر میں تھے جب نماز کا وقت آیا تو جریر نے سلیمان سے کہا کہ امامت کے لئے آپ آگے

بڑھیں ،تو سلمان نے کہا کہ نہیں، بلکہ آپ آگے بڑھیں، اس لئے کہ آپ عرب ہیں ۔ہم نماز میں آپ کی امامت نہیں کر سکتے اور نہ آپ کی عورتوں سے نکاح کر سکتے ہیں۔ بے شک اللہ تعالی نے محمد ﷺ کے ذریعہ آپ کو ہم پر فضیلت دی ہے اور انہیں آپ کے اندر پیدا فرمایا (المغنی ۲۸/۷)۔

علامہ ظفر احمد عثمانی اس روایت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

''قلت : فيه دلالة على أن العجمي ليس بكفؤ للعربية وهو شاهد قوى لما رواه الحاكم'' (اعلاء السنن ۱۱/۷۷)۔

(میں کہوں گا کہ یہ اس کی دلیل ہے کہ عجمی عربی عورت کا کفو نہیں ہے۔ اور یہ حاکم کی روایت کے لئے قوی شاہد ہے)۔

۳-نکاح میں کفاءت فی النسب کے معتبر ہونے پر فقہاء نے ام المومنین حضرت عائشہؓ اور خلیفہ ثانی حضرت عمر فاروقؓ کے اس قول سے بھی استدلال کیا ہے:

''لأمنعن تزوج ذوات الأحساب إلا من الأكفاء'' (تعلیق علی حاشیۃ ردالمحتار باب الکفاءۃ ۳/ ۲۰۴، نیل الاوطار ۶/ ۱۲۷)۔

یہ اثر مختلف الفاظ کے ساتھ منقول ہے، ابن قدامہ نے المغنی میں درج ذیل الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

''لأمنعن فروج ذوات الأحساب إلا من الأكفاء قال قلت: ما الأكفاء؟ قال في الأحساب'' (المغنی ۶/ ۳۸۳)۔

ان حضرات کا کہنا ہے کہ حضرت عائشہ اور حضرت عمرؓ کا یہ قول حدیث مرفوع کے حکم میں ہے، کیونکہ یہ غیر مدرک بالقیاس ہے، لہذا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر ہی یہ فرمایا ہوگا اپنی رائے سے ایسی بات وہ نہیں کہہ سکتے۔ یہاں پر ذوات الاحساب حسب والیوں سے ان فقہاء نے نسب مراد لیا ہے۔

فریقین کے دلائل کا جائزہ اور ترجیح:

جہاں تک دلائل کی قوت، شریعت کی روح، دین کے معروف اور مجموعی مزاج و مذاق کا تقاضا ہے تو موجودہ وقت اور حالات کے تناظر میں ان حضرات کا موقف قابل ترجیح معلوم ہوتا ہے جو نسب میں کفاءت کو غیر معتبر قرار دیتے ہیں۔ کفاءت کے قائلین و مجوزین کے جو دلائل پیش کئے ہیں ان میں سے کوئی دلیل ایسی نہیں ہے جسے اس سے زیادہ قوی دلیل کے ذریعہ رد نہ کیا جا سکے۔

جہاں تک پہلی روایت کا تعلق ہے یعنی "قریش بعضهم أكفاء لبعض الخ" تو وہ سند کے لحاظ سے نہایت کمزور ہے۔ ماہرین حدیث اور ائمہ جرح و تعدیل نے اسے ضعیف بلکہ منکر اور موضوع اور نا قابل اعتبار قرار دیا ہے۔ علامہ عبدالبر فرماتے ہیں:

"هذا حديث منكر موضوع" (دیکھئے نصب الرایہ فی تخریج احادیث الہدایہ نیل الأوطار ۶/۱۱) (یہ حدیث منکر اور موضوع ہے)۔

علامہ شامی نے نقل کیا ہے کہ حنفیہ میں سے امام ابو الحسن کرخی اور امام ابو بکر جصاص جو عراق کے بڑے علماء میں ہیں اور ان کے متبعین دیگر مشائخ عراق نے نکاح میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ اگر امام ابو حنیفہ سے یہ روایت ان کے نزدیک ثابت نہ ہوتی تو وہ اس قول کو اختیار نہیں کرتے (دیکھئے: حاشیہ رد المحتار باب الکفاءۃ ۴/۲۰۹)۔

گویا متعدد بڑے علماء حنفیہ اور مشائخ عراق نسب میں کفاءت کے قائل نہیں اور امام ابو حنیفہ کا بھی ایک قول یہی ہے۔ یہ روایت اگر ان کے نزدیک ثابت ہوتی تو وہ ضرور اس کا اعتبار کرتے۔ دوسری بڑی قباحت یہ ہے کہ اس روایت کی بنیاد پر دنیا کے سارے انسان تین خانوں میں بٹ جاتے ہیں، اور نسب کے لحاظ سے تین طبقے قرار پاتے ہیں، ایک قریش کا طبقہ جو سب سے اعلی ہے اور دوسرے لوگ ان کے کفو نہیں۔ دوسرے عام عرب جو آپس میں ایک دوسر کے کفو ہیں عجم ان کے کفو نہیں۔ اور تیسرا طبقہ عجمیوں کا ہے جو باہم تو ایک دوسرے کے کفو ہیں، لیکن

قریش اور عام اہل عرب کے کفو نہیں ہیں۔ظاہر ہے کہ عرب کا عجم سے افضل ہونا اور قریش کا عام عرب سے یہ ایسی بات ہے جو قرآن وحدیث کی کسی دلیل سے ثابت نہیں بلکہ اس کے خلاف صراحت موجود ہے۔

مذکورہ بالا تفصیل کی روشنی میں سوال نامہ میں درج نکات کا جواب درج ذیل ہے:

الف- اسلامی شریعت میں نسب میں کفاءت کے معتبر ہونے کے سلسلے میں قرآن کریم کی کوئی آیت یا صحیح حدیث موجود نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف نصوص موجود ہیں۔عہد رسالت اور عہد صحابہ وتابعین میں بے شمار رشتے محض دین واخلاق میں کفاءت کی بنیاد پر ہوئے ہیں۔ان میں نسب کا اعتبار نہیں کیا گیا ہے۔

ب- جن حضرات نے نسبی کفاءت میں عرب وعجم اور قریش وعرب کے درمیان تفریق کی ہے اس کی بنیاد کسی صحیح حدیث پر نہیں، بلکہ ایک ایسی حدیث کو بنیاد بنایا گیا ہے جو نہایت ضعیف بلکہ منکر اور موضوع ہے۔

ج- نسبی کفاءت کے سلسلے میں ضروری تفصیلات اوپر گزر چکیں اور حضرت عمرؓ کے قول میں حسب کو نسب پر محمول کرنا درست نہیں بلکہ حدیث میں اس سے مال مراد لیا گیا ہے: "إن أحساب الناس منهم في هذه الدنيا المال" (المغنی ۷/۲۹)۔

۴- کفاءت میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار کیا جائے یا نہیں؟

موجودہ حالات کا تقاضا یہ ہے کہ کفاءت میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار نہ کیا جائے، جیسا کہ عہد رسالت اور عہد صحابہ وتابعین میں اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔خود رسول اللہ ﷺ نے اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ کا نکاح حضرت علیؓ سے کرایا جن کے والد نے اسلام کی نصرت وحمایت کے باوجود اسلام قبول نہیں کیا، جبکہ اسلام کے ابتدائی عہد میں اسکا اعتبار نہیں کیا گیا تو آج بھی نہیں کیا جانا چاہئے۔خصوصاً جبکہ اس کی وجہ سے نومسلموں کو مسلم

سوسائٹی میں جذب کرنے اور ان کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں رکاوٹ پیدا ہورہی ہے۔ اور جب کہ یہ تصور ایک حد تک اسلام کی دعوت وتبلیغ کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اس مفسدہ کا ازالہ بہر حال ضروری ہے کہ دین اور دعوت دین کے مصالح دیگر شخصی مصالح پر فوقیت رکھتے ہیں۔

۵- دور حاضر میں کفاءت میں کن چیزوں کا اعتبار کیا جائے؟

فقہاء کرام نے کفاءت میں جن امور کا اعتبار کیا ہے ان میں تو بعض وہ ہیں جن کی بنیاد نصوص پر ہے، مثلاً دین اور اخلاق ان کی رعایت بہر حال کی جائے گی اور اس پر سب کا اتفاق ہے۔ اور بعض امور وہ ہیں جن کی بنیاد عرف پر ہے لیکن نصوص شرع سے فی الجملہ ان کی تائید ہوتی ہے، اس لئے انہیں بھی فی الجملہ ملحوظ رکھا جائے گا، مثلاً مال کہ نکاح میں اس کی بنیادی حیثیت ہے اور خود حضور ﷺ نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا: "أما معاوية فصعلوک" اسی طرح آزادی میں بھی کفاءت کو ملحوظ رکھی جانے کی گنجائش ہے، ایسے تو اب اس کا دور ہی نہیں رہا کہ غلامی اور رقیت کفر کا ایک اثر ہے اور اس میں ذلت کا پہلو ہے، لہذا اس کی حیثیت دین کی طرح ہوگئی۔ علامہ سرخسی فرماتے ہیں:

غلام ایسی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا جس کے اصول آزاد ہو...... اور یہ اس لئے کہ غلامی کفر کے آثار میں سے ہے اور اس میں ذلت کا معنی ہے تو اس اعتبار سے یہ بمنزلہ دینداری کے ہوگیا (المبسوط ۲۵/۵)۔

لیکن اس میں صرف زوجین کی حد تک کفاءت کا اعتبار کیا جائے کہ اسلام کے صدر اول میں ایسا ہی تھا اور نسب اور آباء واجداد کے اسلام میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے صاحب بدائع نے جیسا کہ تحریر فرمایا:

"وعندنا الأفضل اعتبار الدين والاقتصار عليه" (بدائع ۲/ ۳۱۷)۔

(اور ہمارے یہاں افضل یہ ہے کہ دینداری کا اعتبار کیا جائے اور بس)۔

فقہاء نے اپنے زمانے کے عرف وعادت کی بنیاد پر ان امور کا اعتبار کیا ہے۔ اس دور میں جبکہ اس سلسلے میں خاصا غلو پایا جارہا ہے اور اس کی وجہ سے دینی مصالح فوت ہورہے ہیں، تو مناسب یہ ہے کہ ان کی رعایت نہ کی جائے، البتہ معاشرتی مصالح کی رعایت کرتے ہوئے کسی درجہ میں پیشے کی رعایت بھی کی جاسکتی ہے۔

۶ - کفاءت کا اعتبار کس کے بارے میں کیا جائے گا؟

کفاءت کا اعتبار صرف عورت کے بارے میں کیا جائے گا، مرد کے بارے میں نہیں یعنی یہ دیکھا جائے گا کہ مرد عورت کے ہم پلہ یا اس کے قریب قریب ہے یا نہیں۔ یہ نہیں دیکھا جائے گا کہ عورت مرد کے ہم پلہ ہے یا نہیں، اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ کفاءت سے متعلق روایات میں مرد کے کفو ہونے کا ذکر ہے، مثلاً حضرت جابر والی روایت:

"لا تنكحوا النساء إلا من الأكفاء" (عورتوں کا نکاح کفو مردوں ہی سے کرو)۔

اسی طرح حضرت علی والی روایت: "والأيم إذا وجدت لها كفوءا" اور "إذا خطب إليكم من ترضون دينه و خلقه" وغیرہ۔

اور عقلی وجہ یہ ہے کہ عورت کا نکاح اگر غیر کفو میں ہو تو اسے عار لاحق ہوتا ہے، اسی طرح عورت اگر غیر کفو میں نکاح کرلے تو یہ بات اس کے اہل خاندان کے لئے عار کا باعث ہوتی ہے، لیکن اگر کوئی مرد اپنے سے کمتر درجے کی عورت سے نکاح کرے تو یہ چیز مرد اور اس کے اہل خاندان کے لئے ذلت کا باعث نہیں ہوتی، بلکہ معزز خاندان میں کم درجے کی عورت بھی آ کر معزز بن جاتی ہے۔ پھر شوہر کو شریعت نے طلاق کا حق دیا ہے، اگر بالفرض غیر کفو میں شادی کرنے سے اسے کسی ذلت کا سامنا کرنا پڑے تو وہ اپنے حق طلاق کا استعمال کر کے اس سے چھٹکارا حاصل کرسکتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ اسلام کے خاندانی نظام میں مرد کو تو امیت، یک گونہ فوقیت اور

سربراہی حاصل ہے۔ وہ حسب ضرورت بیوی کو سمجھائے بجھائے گا اور وقتاً فوقتاً اس کے لئے ہدایات جاری کرے تو بیوی پر اس کی تعمیل شرعاً واجب ہوگی اور اگر مرد اس سے درجہ کم تر ہو تو اس کی ہدایات قبول کرنے اور اس پر عمل پیرا ہونے میں اسے ذلت محسوس ہوگی۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ مرد اگر اپنے سماج میں صاحب مرتبہ اور ذی وجاہت ہو تو بیوی خواہ جیسی بھی ہو شوہر کے ساتھ اس کا وقار بھی بلند ہو جائے گا، اس کے برعکس اگر عورت ذی وجاہت ہو تو بیوی کی عزت و وجاہت اس کو صاحب مرتبہ نہیں بنا سکتی، اس لئے کہ وہ اپنے گھر سے رخصت ہو کر شوہر کے گھر چلی جائے گی۔ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

اس لئے کہ مردوں ہی کی جانب میں کفاءت کے اعتبار کے سلسلے میں نصوص وارد ہیں، اسی طرح جس مقصد کے لئے کفاءت کی مشروعیت ہوئی ہے اس کا تقاضا ہے کہ مردوں ہی کی جانب میں کفاءت کے اعتبار کو خاص کیا جائے، اس لئے کہ عورت ہی کو عار لاحق ہوتا ہے مرد کو نہیں، اس لئے کہ وہ فراش بنتی ہے، جہاں تک شوہر کا تعلق ہے تو وہ فراش بناتا ہے، لہذا بیوی کی طرف سے اسے عار لاحق نہیں ہوسکتا ہے (بدائع ۲/ ۳۲۰)۔

صاحب بدائع اور دیگر فقہاء نے صراحت کی ہے کہ دو مسئلوں میں عورت کا مرد کے برابر ہونا ضروری ہے، پہلا مسئلہ یہ ہے کہ اگر کسی امیر نے کسی شخص کو وکیل بنایا کہ وہ اس کا نکاح کرادے تو صاحبین کے نزدیک اس صورت میں عورت کا کفو ہونا ضروری ہے، اگر وکیل غیر کفو میں نکاح کرادے تو جائز نہ ہوگا، لیکن اس کی علت یہ نہیں ہے کہ عورت کا مرد کے کفو ہونا ضروری ہے، بلکہ علت یہ ہے کہ وکالت اگر مطلق ہو تو عرف وعادت کے ساتھ مقید ہوتی ہے اور عرف یہی ہے کہ نکاح کفو میں ہو، لہذا عرف وعادت کی بنیاد پر بطور استحسان عورت کے کفو کا اعتبار کیا گیا۔

دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ اگر نابالغ لڑکے کا نکاح باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے کرایا اور غیر کفو میں کرایا تو صحیح نہ ہوگا۔ اسی طرح اگر باپ دادا نے نابالغ بیٹے پوتے کا نکاح غیر کفو میں کرایا اور وہ دونوں معروف بسوء الاختیار تھے تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، اس کی وجہ یہ ہے کہ ولی صرف

ایسے تصرف کا اختیار رکھتا ہے جس میں لڑکے کا مفاد ہو اور غیر کفو میں نکاح کرنے میں لڑکے کی مصلحت نہیں ہے لہذا ایسا نافذ نہ ہوگا۔ تو ان دونوں صورتوں میں نکاح کے عدم جواز کی وجہ عورت کا غیر کفو ہونا نہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ وکیل اور ولی کو بحکم شرع یا بحکم عرف ان دونوں صورتوں میں غیر کفو میں نکاح کرانے کا اختیار نہیں ہے (بدائع الصنائع: ۲/ ۳۲۰)۔

۷- کفاءت ولی کا حق ہے یا عورت کا یا دونوں کا؟

الف- کفاءت عورت اور ولی دونوں کا حق ہے۔ جمہور فقہاء حنفیہ، مالکیہ، شافعیہ کا مسلک اور امام احمد کا ایک قول یہی ہے، اور امام احمدؒ کے دوسرے قول کی رو سے یہ شارع کا حق ہے، اس بنا پر عورت یا اس کے اولیاء اسے ساقط کرنے کا اختیار نہیں رکھتے۔ جمہور فقہاء کے نزدیک جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا یہ عورت اور اس کے اولیاء کا حق ہے، لہذا ان کے ساقط کرنے سے ساقط ہو جائے گا، اس لئے کہ صاحب حق کو اپنے حق کے ساقط کرنے کا اختیار رہتا ہے۔

''وظاهر قوله: كحق الكفاءة الاتفاق على أنه حق لكل منهما، وكذا في البحر عن الظهيرية'' (ردالمحتار ۴/ ۸-۲۰۷)۔

(اور مصنف کے قول کحق الکفاءۃ کے ظاہر سے یہ سمجھ میں آتا ہے کہ اس بات پر اتفاق ہے کہ کفاءت عورت اور اولیاء میں سے ہر ایک کا حق ہے، البحر الرائق میں ظہیریہ کے حوالہ سے ایسا ہی لکھا ہے)۔

۸- اگر لڑکے نے بوقت نکاح غلط بیانی سے کام لیا:

کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے اگر رشتہ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور جن امور میں کفاءت کا شرعا اعتبار کیا گیا ہے، ان کے بارے میں خلاف واقع باتیں بیان کر کے لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کیا اور نکاح کر لیا، لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوئی تو چونکہ لڑکے نے دھوکہ دہی سے کام لیا اور کفاءت عورت اور ولی دونوں کا حق

ہے، اس لئے لڑکی اور اس کے اولیاء دونوں کو اس نکاح کے فسخ کرانے کا اختیار رہوگا۔ اور اگر دھوکہ دہی کی اطلاع پانے کے بعد لڑکی اور اس کے ولی دونوں اس پر راضی ہو گئے تو دونوں کا حق ساقط اور نکاح نافذ ہو جائے گا، بعد میں فسخ کرانے کا اختیار نہ ہوگا۔ اور اگر اطلاع پانے کے بعد لڑکی راضی ہوگئی اور اولیاء راضی نہ ہوئے تو اولیاء کو فسخ کرانے کا اختیار رہوگا۔ اور اگر اولیاء راضی ہو گئے لڑکی راضی نہ ہوئی تو لڑکی کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار رہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں لڑکی اور اس کے اولیاء نے کفو کی بنیاد پر نکاح کیا ہے اور وہ نہیں پایا گیا، اس لئے دونوں کو فسخ کرانے کا حق ہوگا (الفتاوی الہندیہ ۱/ ۲۹۲، حاشیہ رد المحتار نقلا عن البحر)۔

نکاح میں کفاءت

مولانا اسماعیل بھدکودروی ☆

کفاءت فی النکاح کی حکمت:

نکاح کی غرض چونکہ امور خانہ داری اور ازدواجی زندگی کو درست کرنا ہے، اور حسن معاشرت کے ساتھ سکون واطمینان سے وقت گذارنا ہے، اور یہ جب ہی ممکن ہے کہ باہم طبائع میں اتحاد واتفاق ہو، اختلاف طبائع کی صورت میں کتنی ہی کوشش کی جائے حسن معاشرت کا قائم رہنا سخت مشکل ہی نہیں بلکہ محال ہے، جس پر روزمرہ کے تجارب شاہد ہیں۔ بعض اوقات میاں بیوی دونوں صالح ہوتے ہیں لیکن توافق مزاج نہ ہونے سے ہمیشہ باہمی نفرت اور خانہ جنگی رہتی ہے، بقول حضرت سیدی حکیم الامۃؒ کہ دونوں کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے سوڈا اور ٹاٹری (وہ مسالہ جس سے خمیر اٹھاتے ہیں) کہ علاحدہ علاحدہ دونوں باوقار اور متین ہیں لیکن جب دونوں ملتے ہیں جوش وخروش اور شور شروع ہوجاتا ہے۔

اسی لئے شریعت اسلامیہ نے نکاح کے بارے میں زوجین کے اندر کفاءت کے اعتبار کو ایک حد تک ضروری قرار دیا ہے، جن جن اعمال واحوال سے طبائع فریقین میں اختلاف پیدا ہوسکتا ہے، ان سب میں یہ شرط کی گئی ہے کہ زوجین میں مساوات ہو (نہایات الارب فی غایات النسب، تبیین الحقائق کا بھی مطالعہ کیا جائے)۔

☆ دارالعلوم عربیہ اسلامیہ بھروچ۔

کفاءت کے معانی:

کفاءت کے لغوی معانی برابری کے ہیں، اور شریعت میں کفاءت کے معنی مرد وعورت کا چند خاص اوصاف میں ایک دوسرے کے برابر ہونا ہے (مجمع الانہر ص۳۳۱، اول)۔

اوصاف کفاءت:

نکاح میں مرد کا جن اوصاف میں عورت کے برابر ہونا معتبر ہے وہ چھ ہیں: نسب، اسلام، حریت، دیانت، مال، پیشہ۔

نسب:

نسبی کفاءت کا مطلب یہ ہے کہ دونوں کا نسب برابر ہو اور یہ برابری صرف عربی النسل لوگوں میں معتبر ہے، اور اس میں یہ تفصیل ہے کہ قریشی قریشی سب برابر ہیں، لہذا کوئی محفوظ النسب قریشی مرد کسی بھی محفوظ النسب قریشی عورت کا کفو شمار ہوگا، چاہے وہ لڑکا قریش کی مختلف شاخوں اور خاندانوں میں سے کسی بھی شاخ اور خاندان کا ہو اور عربی غیر قریشی دوسرے کسی بھی عربی غیر قریشی کا کفو ہے (شامی ۳۱۸/۲)، اور عجمی غیر عربی مرد کسی بھی عربی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا، چاہے وہ عجمی غیر عربی عالم یا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو، یہ بعض فقہاء کرام کی رائے ہے، لیکن علامہ شامیؒ دوسرے بعض فقہاء کرام کا قول نقل کرتے ہیں کہ اگر غیر عربی النسل عالم دین ہو تو وہ عربی النسل بلکہ خاص قریشی جاہل عورت کا کفو شمار ہوگا اور پہلے قول کو رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کون کہے گا کہ امام ابوحنیفہؒ یا امام حسن بصریؒ جو غیر عربی النسل ہیں وہ ایک عربی النسل جاہل عورت کے کفو نہیں ہیں (درمختار مع الشامی ۳۲۳/۲)۔

اسلام:

اسلام کے اعتبار سے کفاءت کا مطلب یہ ہے کہ مرد وعورت دونوں نومسلم ہوں یا

دونوں قدیم الاسلام ہوں، لہذا نومسلم مرد قدیم الاسلام عورت کا کفوشمار نہ ہوگا۔

قدیم الاسلام وہ ہے جو دو یا زائد پشتوں سے مسلمان ہو، یعنی اس کا باپ اور دادا یا پر دادا بھی مسلمان ہو اور نومسلم وہ ہے جو خود مسلمان ہو اور باپ غیر مسلم ہو، یا باپ بھی مسلمان ہو مگر دادا غیر مسلم ہو، جو مرد خود مسلمان ہو اور اس کا باپ غیر مسلم ہو وہ ایسی نومسلم عورت کا کفو نہ ہوگا جس کا باپ بھی مسلمان ہے، کیونکہ عورت کا اسلام ایسے مرد کے اسلام سے قدیم ہے، البتہ لڑکا اور لڑکی دونوں دو پشتوں سے مسلمان ہوں تو پھر دونوں ایک دوسرے کے کفوشمار ہوں گے، چاہے پر دادا، لکڑ دادا کے اعتبار سے تفاوت ہی کیوں نہ ہو، اسلام کے اعتبار سے کفاءت کی یہ تفصیل صرف غیر عرب مسلمانوں کے لئے ہے، باقی اصلی عربوں میں تو نومسلم مرد کو بھی قدیم الاسلام عورت کا کفو سمجھا جاتا تھا (شامی ۳۱۹/۴)۔

حریت:

نو آزاد اور قدیم آزاد میں کفاءت کے اعتبار سے ایسی ہی تفصیل ہے جیسے نومسلم اور قدیم الاسلام میں ہے، تکرار سے بچنے اور آج کل غلامی کے معدوم ہونے کی وجہ سے تفصیل کو حذف کیا جاتا ہے۔

دیانت و دینداری:

دینداری کے اعتبار سے کفاءت کا مطلب یہ ہے کہ جب لڑکی اور اس کا باپ دیندار ہوں تو دیندار لڑکا ہی اس کا کفو ہوسکتا ہے، فاسق اور بے دین لڑکا اس کا کفو نہیں ہوسکتا، البتہ دینداری کے اعتبار سے کفاءت کے معتبر ہونے میں عورت اور اس کے باپ دونوں کا دیندار و پرہیز گار ہونا ضروری ہے، یا دونوں میں سے صرف کسی ایک کا دیندار ہونا بھی کافی ہے، تو اس سلسلہ میں علامہ شامی کی رائے یہ ہے کہ دونوں کا دیندار ہونا ضروری ہے، لہذا فاسق شخص ایسی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا جو خود بھی دیندار ہو اور اس کا باپ بھی دیندار ہو اور اگر صرف عورت دیندار

ہو، اس کا باپ دیندار نہ ہو یا خود عورت دیندار نہ ہو،صرف اس کا باپ دیندار ہو تو ان دونوں صورتوں میں علامہ شامیؒ کی رائے کے مطابق فاسق شخص اس عورت کا کفو ہوسکتا ہے، بشرطیکہ دوسرے اوصاف کفاءت کے معتبر ہونے میں عورت اور اس کے باپ دونوں میں سے کسی ایک کا دیندار ہونا کافی ہے، لہذا فاسق شخص نہ صالحہ بنت فاسق کا کفو ہوسکتا ہے اور نہ فاسقہ بنت صالح کا کفو ہوسکتا ہے (البحر الرائق ۳/۱۳۲، الدر المختار ۲/۳۲۰)۔

وصف دیانت کی کفاءت عربی اور غیر عربی دونوں میں معتبر ہے، لہذا کوئی فاسق عربی مرد کسی دیندار عربی یا غیر عربی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا (شامی ۲/۳۲۰)۔

مالداری:

مالداری کے اعتبار سے کفاءت کا مطلب یہ ہے کہ مالدار لڑکی سے نکاح کے لئے ایسا لڑکا ہونا چاہئے جو لڑکی کا مہر اور نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو اور مہر کی اتنی مقدار پر قدرت ضروری ہے، جو نقد طے ہو، ادھار مہر پر فوری قدرت ضروری نہیں ہے۔ اور نفقہ میں بھی ایک مہینہ کے نفقہ پر قدرت کافی ہے، پورے ایک سال کا نفقہ جمع ہو یہ ضروری نہیں ہے اور اگر لڑکا صاحب صنعت وحرفت ہو اور روزانہ اتنی آمدنی حاصل کرلیتا ہو کہ ہر روز کے عورت کے نفقہ کے لئے کافی ہوجائے، تو ایسی یومیہ آمدنی سے بھی نفقہ پر قادر شمار ہوگا، اس کے لئے ایک ماہ کا نفقہ اندوختہ ہونا بھی ضروری نہیں، جو لڑکا مذکورہ اقتصادی حالت کا مالک ہو تو وہ بڑی سے بڑی مالدار لڑکی کا کفو شمار ہوگا اور اس وصف میں کفاءت عرب وعجم دونوں کے حق میں معتبر ہے، لہذا فقیر عربی لڑکا مالدار غیر عربی لڑکی کا کفو شمار نہ ہوگا (شامی ۲/۳۲۱)۔

پیشہ:

پیشہ میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ جس قسم کا پیشہ ایک کے یہاں ہوتا ہو، اسی قسم کا پیشہ دوسرے کے یہاں بھی ہوتا ہو، پیشے چونکہ مختلف ہوتے ہیں اور عام طور پر کوئی کوئی پیشہ ذلیل سمجھا

جاتا ہے، جیسے نائی، دھوبی اور بھنگی وغیرہ اور کوئی عزت والا سمجھا جاتا ہے جیسے تاجر، ڈاکٹر، وکیل، انجینئر اور پیشہ کے اعتبار سے کفاءت اسی علاقہ میں معتبر ہوگی جہاں پیشوں کو باعث امتیاز اور معیار ذلت وعزت سمجھا جاتا ہو، اور جن مختلف پیشوں کو جس علاقہ میں عزت وذلت کے اعتبار سے مساوی سمجھے جاتے ہوں اس علاقہ میں ان پیشے والوں کو باہم ایک دوسرے کا کفو شمار کیا جائے گا جیسا کہ ڈاکٹر اور انجینئر۔ درزی اور بجلی فٹنگ کا ماہر، اور جس مقام میں دو مختلف پیشوں کو مرتبہ کے اعتبار سے عرفاً مساوی نہ سمجھے جاتے ہوں وہاں یہ دونوں پیشے والے ایک دوسرے کا کفو شمار نہ ہوں گے، کیونکہ پیشہ کے اعتبار سے عزت وذلت اور کفاءت کا اعتبار ہر جگہ کے عرف پر مبنی ہے (ردالمحتار ۳۲۱/۴)۔

ولی کی اجازت کے بغیر بالغہ کا نکاح:

اگر کوئی بالغہ لڑکی اپنے ولی کی اجازت ورضامندی کے بغیر کسی لڑکے سے اپنا نکاح خود کرلے، تو اس صورت میں یہ دیکھا جائے گا کہ جس لڑکے سے اس نے نکاح کیا ہے وہ لڑکا کفاءت کے اوصاف مذکورہ بالا میں اس لڑکی کا کفو ہے یا نہیں، اور لڑکی نے اپنی مہر مثل کی پوری مقدار یا اس سے زائد مہر طے کرکے نکاح کیا ہے یا اپنی مہر مثل سے کم مقدار میں مہر طے کرکے نکاح کیا ہے؟۔

اگر اس لڑکی نے یہ نکاح اپنے ہم کفو لڑکے سے کیا ہے اور اپنی پوری مہر مثل یا اس سے زائد مقدار میں مہر طے کرکے نکاح کیا ہے، تو ایسی صورت میں یہ نکاح جائز اور نافذ ہوگا اور ولی کو اسلامی عدالت میں اس نکاح کو چیلنج کرنے کا کوئی حق نہ ہوگا، اگر چہ یہ نکاح احادیث ولایت کے مخالف ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہ ہوگا۔

اور اگر لڑکی نے بلا رضائے ولی یہ نکاح اپنے ہم کفو لڑکے سے کیا ہے، لیکن اپنی مہر مثل سے کم مقدار میں مہر طے کرکے کیا ہے، تو اس صورت میں یہ نکاح جائز اور درست تو ہوگا، مگر لڑکی کے ولی کو اعتراض کا حق ہوگا یعنی وہ اسلامی عدالت کے توسط سے شوہر سے یہ مطالبہ کرسکتا ہے کہ

یا تو وہ لڑکی کا مہر بڑھا کر مہر مثل (یعنی لڑکی کے آبائی خاندان کی عورتوں کا جو مہر رائج ہے) کی مقدار پوری کردے، ورنہ اسلامی عدالت اس کا نکاح فسخ کردے۔ ولی کے ایسے مطالبہ کی صورت میں اگر لڑکے نے مہر مثل کی مقدار پوری کردی تب تو یہ نکاح برقرار رہے گا، ورنہ اسلامی عدالت اس کا نکاح فسخ کردے گی۔ اس صورت میں اگر چہ لڑکا مہر مثل پوری کردے تب بھی یہ کیا ہوا نکاح احادیث ولایت مذکورہ بالا کے مخالف ہونے کی وجہ سے کراہت سے خالی نہ ہوگا۔

اگر لڑکی نے یہ نکاح اپنی مہر مثل کی پوری مقدار میں یا اس سے کم میں اپنے ولی کی صریح اجازت کے بغیر ایسے لڑکے سے کیا ہو جو کفاءت کے اوصاف معتبرہ میں سے صرف کسی ایک وصف میں یا متعدد اوصاف میں اس لڑکی کا کفو نہیں ہے، تو ایسی صورت میں یہ نکاح قول مفتی بہ کے مطابق سرے سے جائز اور صحیح ہی نہ ہوگا اور لڑکا لڑکی میں ایسے ناجائز اور غیر معتبر نکاح کے ذریعہ سے ازدواجی رشتہ قائم ہی نہ ہوگا اور وہ دونوں شرعاً میاں بیوی شمار نہ ہوں گے (مجمع الانہر ۱/ ۳۴۲، ردالمحتار ۲/ ۲۹۷)۔

حضرت مولانا عبدالحئی لکھنویؒ کے تصدیق فرمودہ ایک فتوی میں اس صورت سے متعلق یہ تحریر ہے کہ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ اس عورت نے اگر بلا اذن صریح ولی کے اس (فاسق) شخص کے ساتھ نکاح کیا تو وہ نکاح باطل ہے اور قول مفتی بہ کے موافق سرے سے نکاح کا انعقاد ہی نہیں ہوا (مجموعۃ الفتاوی ۲/ ۴۳)۔

حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمن صاحب تحریر فرماتے ہیں: ”بالغہ لڑکی اگر اپنا نکاح اپنی مرضی سے خلاف رائے ولی وبدون اجازت ولی غیر کفو سے کرے تو وہ نکاح مفتی بہ مذہب کے موافق صحیح نہیں ہوتا (فتاوی دارالعلوم ۸/ ۲۳۸)۔

حضرت مولانا مفتی محمد شفیعؒ تحریر فرماتے ہیں کہ: فتوی اسی پر ہے کہ یہ نکاح صحیح نہیں ہوا (بشرطیکہ خاوند اس عورت کا غیر کفو ہو) شامی اور درمختار، عالمگیری وغیرہ کتب فقہ نے باتفاق اسی پر فتوی دیا ہے، لہذا یہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔ عورت پر واجب ہے کہ اس سے فوراً علاحدہ ہوجائے

اورکفو میں نکاح کرے (امداد المفتیین رص ۵۵۰)۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب ایسے نکاح کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ ''مفتی بہ قول پر یہ نکاح صحیح نہیں ہوگا'' (فتاوی محمودیہ ۳/۲۳۹)۔

حضرت مولانا مفتی رشید احمد صاحب بالغہ کے بلا اذن ولی غیر کفو میں نکاح کرنے کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ: یہ نکاح صحیح نہیں ہوا (احسن الفتاوی ۵/۹۶)۔

حضرت مولانا مفتی سید عبدالرحیم لاجپوری تحریر فرماتے ہیں کہ: ہاں اگر لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے تو ولی کی رضامندی شرط ہے، بلا رضامندی نکاح درست نہ ہوگا (فتاوی رحیمیہ ۵/۲۵۸)۔

بلا اذن ولی غیر کفو سے نکاح کے بعد:

اگر کسی عورت نے غیر کفو سے مذکورہ ناجائز طریقہ پر نکاح کرلیا، تو مسئلہ جاننے کے بعد مرد وعورت دونوں کو فوراً الگ ہوجانا ضروری ہے، اور اس نکاح سے الگ ہونے کے لئے مرد کی جانب سے طلاق یا متارکت کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہ ہوا تھا (احسن الفتاوی ۵/۱۰۴، مجموعۃ الفتاوی ۲/۴۳)۔

بالغہ لڑکی کا باذن ولی غیر کفو سے نکاح:

اخیر میں اس مسئلہ کا ذکر کرنا بھی فائدہ سے خالی نہیں ہے کہ بالغہ لڑکی کا غیر کفو سے نکاح اگر اس کے ولی کی قبل النکاح حاصل شدہ رضامندی اور صریح اجازت سے ہو تو ایسا نکاح جائز اور درست ہے (شامی ۲/۲۹۷)۔

مسئلہ کفاءت پر ایک نظر

مولانا راشد حسین ندوی ☆

۱- کفاءت کے معنی اور اس کی حکمتیں:

کفاءت کے لغوی معنی مماثلت کے ہیں، اور کفو کے معنی مثل کے ہیں۔

اور اصطلاح فقہ میں: کفاءت مخصوص امور میں زوجین کے درمیان مماثلت یا عورت کے کم درجہ ہونے کو کہتے ہیں۔

”والمراد هنا: ”المماثلة بين الزوجين في خصوص أمور وكون المرءة أدنى“ (البحر الرائق ۳؍ ۱۲۷)۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ اپنے مخصوص انداز میں کفاءت کی حکمتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

”والأصل في ذلک أن حاجة الجماع أوجبت ارتباطا واصطحابا بين الرجل والمرأة“ (حجۃ اللہ البالغۃ ۱؍ ۱۲۸)۔

پھر فرمایا: ”وبالجملة، فلوجوه جمة مما ذكرنا، ومماحذفنا اعتمادا على ذهن الأذكياء، كان النكاح بالهيئة المعتادة أعني نكاح غيرالمحارم بمحضر من الناس مع تقديم مهر وخطبة وملاحظة كفاءة وتصد من الأولياء ووليمة“ (ایضا ۱؍ ۱۳۰)۔

☆ مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی۔

اس میں بھی یہی باریک فرق ملحوظ رکھا گیا کہ مرد حاکم اور قوام ہے، لہذا اگر اس کے تحت کوئی ادنی عورت ہوتو اس میں نہ خود اس کو عار محسوس ہوگا نہ اس کے متعلقین کو، لہذا اس کے لئے کفاءت کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔

اس کے برخلاف عورت مرد کا فراش بنتی ہے، لہذا اگر کسی عورت کی شادی اس سے کم مرتبہ کے خاندان میں کردی جائے تو اسے بھی عار اور ذلت کا احساس ہوگا اور اس کے خاندان والوں کو بھی اور اس احساس کے ساتھ زندگی کی گاڑی یقیناً ڈگمگا جائے گی، لہذا شریعت نے صرف عورت کے لئے کفاءت کا اعتبار کیا، مرد کے لئے نہیں کیا (فتح القدیر ۳/۱۸۷)۔

۲-مسالک فقہاء:

کفاءت کے سلسلہ میں فقہاء کے اصولی مسالک تین ہیں:

ا-ابن حزمؒ کے نزدیک کفاءت کا بالکل اعتبار نہیں ہے۔ اورکوئی بھی مسلمان مرد کسی بھی عورت سے شادی کرسکتا ہے، وہ صرف زانی اور زانیہ کو اس حکم سے مستثنی قرار دیتے ہیں (فقہ السنۃ ۲/۲۷۹)۔

۲-ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک کفاءت شرائط نکاح میں سے ہے، اس قول کا مقتضی یہ ہے کہ کفاءت کے بغیر نکاح منعقد ہی نہ ہوگا۔

''إذا زوجت من غير كفؤ فالنكاح باطل، اختلف الرواية عن أحمد فروي عنه أنه شرط'' (المغنی لابن قدامہ ۷/۳۷۱)۔

۳-جمہور امت (ائمہ ثلاثہ نیز ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل) کا مسلک یہ ہے کہ کفاءت نکاح کی شرط تو نہیں ہے، لیکن نکاح میں اس کا اعتبار کیا جائے گا اور غیر کفو میں نکاح کرنے پر اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہوگا (فتاوی عالمگیری ۱/۲۹۰)۔

ابن حزم کے دلائل:

علامہ ابن حزم اپنے مسلک پر مندرجہ ذیل دلائل پیش کرتے ہیں:

۱-''إنما المؤمنون إخوة'' (حجرات:۱۰)۔

۲-تمام مسلمانوں کو مخاطب فرماتے ہوئے اللہ تعالی کا یہ قول: ''فانکحوا ماطاب لکم من النساء'' (نساء:۳)۔

۳-محرمات کے بیان کے بعد اللہ تعالی کا یہ قول: ''وأحل لکم ما وراء ذلکم'' (نساء:۲۴)۔

۴-معزز خاندان کی متعدد عورتوں کا نکاح ان سے کم درجہ کے خاندانوں بلکہ قریشی عورتوں کا موالی تک سے آنحضرت علیہ السلام نے کروایا، مثلاً حضرت زینب کا نکاح اپنے مولی حضرت زیدؓ سے (فتح الباری ۸/ ۵۲۳ فی التفسیر باب وتخفی فی نفسک) اور حضرت مقداد کا نکاح ضباعہ بنت زبیر بن عبد المطلب سے کروایا (بخاری مع الفتح باب الاکفاء فی الدین ۹/ ۱۳۲) اور حضرت ابو حذیفہ نے حضرت سالم کا نکاح اپنی بھتیجی ہند بنت ولید سے کروایا (ایضا)۔

امام احمد بن حنبل نے اشتراط کفاءت کے قول پر اس حدیث سے استدلال کیا ہے:

''لا تنکحوا النساء إلا من الأکفاء، ولا تزوجوهن إلا الأولیاء'' (دارقطنی باب المہر ۳/ ۲۹۴)۔ البتہ حافظ ابن عبد البر اس حدیث کے بارے میں فرماتے ہیں:

''هذا ضعیف لا أصل له، ولا یحتج بمثله'' (بحوالہ مغنی لابن قدامہ ۷/ ۳۷۱)۔

اس حدیث پر مزید نقد ہوا ہے۔

جمہور کے مسلک کی تفصیل:

جمہور اگر چہ کفاءت کے اعتبار اور عدم اشتراط پر اصولی طور پر متفق ہیں، لیکن پھر اس کی تفصیلات میں ان کے درمیان اختلاف ہے۔

۱-امام مالکؒ کے نزدیک صرف دین و دیانت میں کفاءت کا اعتبار ہے (مدونہ ۲/ ۱۵۲)۔ یہ مسلک حضرت ابن عمرؓ، حضرت ابن مسعودؓ، محمد بن سیرینؒ اور حضرت عمر بن عبد العزیزؒ سے بھی

منقول ہے (فتح الباری ۹/ ۱۳۳)۔

۲- امام احمد بن حنبل کے یہاں پانچ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے:

دین ودیانت، نسب، حریت، صنعت وحرفت، یسار (مالداری)۔

امام شافعی ان پانچ چیزوں کے ساتھ چار عیوب (جنون، جذام، برص، نامردی) سے سلامتی کا بھی کفاءت میں اعتبار کرتے ہیں، اس طرح ان کے یہاں چھ صفات میں کفاءت کا اعتبار ہوگا۔

حنفیہ کے یہاں بھی چھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے، لیکن ان کے یہاں عیوب سے سلامتی کی جگہ "قبولیت اسلام" ہے یعنی جس کے دادا نے اسلام قبول کیا ہو، اس کا ایسا شخص کفو نہیں ہوسکتا جس نے خود اسلام قبول کیا ہو، یا جس کے باپ نے اسلام قبول کیا ہو (الہندیہ ۱/ ۲۹۱ مختصراً وکذا فی الہدایہ مع الفتح ۳/ ۱۸۸-۱۹۳ وکذا فی المعتبرات الاخریٰ)۔

امام مالکؒ اپنے قول پر مندرجہ ذیل دلائل دیتے ہیں:

۱- قال اللہ تعالی: "یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر و أنثی و جعلناکم شعوبا و قبائل لتعارفوا، إن أکرمکم عند اللہ أتقاکم" (حجرات: ۱۳)۔

اس آیت کریمہ میں معیار فضیلت تقوی کو قرار دیا گیا، نہ کہ نسب وحرفت وغیرہ کو، معلوم ہوا کہ اصحاب تقوی باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں، اسی طرح غیر متقی ایک دوسرے کے کفو ہیں، لیکن غیر متقی، متقی کا کفو نہیں ہوسکتا۔

قوله تعالی: الخبیثات للخبیثین، والخبیثون للخبیثات، والطیبات للطیبین والطیبون للطیبات" (نور: ۲۶)۔

"قل هل یستوی الذین یعلمون والذین لا یعلمون" (الزمر: ۹)۔

"یرفع اللہ الذین آمنوا منکم والذین أوتوا العلم درجات" (مجادلہ: ۱۱)۔

ان آیات سے بھی امام مالک کا مدعا ثابت ہوتا ہے۔ آیت ۲ بالکل واضح ہے، جبکہ ۳

اور ۴ سے اصحاب علم کی دوسروں پر فضیلت ثابت ہوتی ہے اور بلاشبہ علم کا تعلق دین ودیانت سے ہے نہ کہ نسب یا حرفت وغیرہ سے۔

ان آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ دیانت میں کفاءت کا اعتبار ہوگا، نیز بعض احادیث سے صاف اشارہ ملتا ہے کہ دوسری صفات میں کفاءت معتبر نہیں، اس کے علاوہ علامہ ابن حزم کے دلائل کے ذیل میں گذر چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عملی طور پر نسب وغیرہ کا اعتبار نہیں فرمایا، اور کئی موالی کی شادیاں معزز خاندانوں کی خواتین سے کرائیں۔

جمہور کے دلائل:

اوپر گذر چکا ہے کہ جمہور "دیانت" کے ساتھ کچھ مزید اوصاف میں بھی کفاءت کا اعتبار کرتے ہیں، ان میں سے نسب، حریت، صنعت وحرفت اور یسار تو ائمہ ثلاثہ (امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ) کے یہاں متفق علیہ ہیں اور اسلام لآباء کا اعتبار صرف احناف کے یہاں ہے، جیسے کہ عیوب سے سلامتی صرف امام شافعی کے یہاں معتبر ہے۔

دیانت کے سلسلہ میں تو جمہور کے دلائل وہی ہیں، جو امام مالک اپنے مسلک کے اثبات میں پیش کرتے ہیں، بقیہ اوصاف کے سلسلہ میں دلائل درج ذیل ہیں:

۱-عن عبد الله بن أبي مليكة قال: قال رسول الله ﷺ: "العرب بعضهم أكفاء لبعض قبيلة بقبيلة ورجل برجل الحائك أو حجام" (سنن بیہقی فی النکاح باب اعتبار الصنعۃ فی الکفاءۃ ۷/ ۱۳۴، ورواہ عن ابن عمرو عائشۃ ایضا)۔

لیکن اس حدیث کی اسناد میں ایک راوی (شجاع ابن الولید کے استاذ) مجہول ہے علامہ زیلعی اور محقق ابن الہمام نے حدیث بالا کو دارقطنی، مستدرک حاکم، ابویعلی، بزار، کامل لابن عدی وغیرہ کے حوالہ سے کئی سندوں سے نقل کیا ہے، لیکن مختلف ائمہ فن کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ان سب کی سندوں پر ضعف جہالت بلکہ وضع تک کے الزام ہیں، لیکن علامہ ابن الہمام

فرماتے ہیں کہ مجموعہ اسناد سے معلوم ہوتا ہے کہ بہرحال حدیث کی اصل ہے: ''وبالجملة فللحديث أصل'' (فتح القدیر ۳/۱۸۸، نصب الرایہ ۳/۱۹۸)۔

اس حدیث سے نسب اور حرفت میں کفاءت کے اعتبار کا حکم صراحت سے معلوم ہوتا ہے۔

۲- حضرت عمرؓ کا اثر: "لأمنعن تزوج ذوات الأحساب إلا من الأكفاء'' (دارقطنی باب المہر ۳/۲۹۸)۔

۳- وہ تمام احادیث جو مطلقاً اعتبار کفاءت پر دلالت کرتی ہیں، مثلاً: (الف) عن علي: أنه عليه الصلاة والسلام قال له: "ثلاث لا تؤخرها، الصلاة إذا أتت، والجنازة إذا حضرت ، والأيم إذا وجدت كفأ'' (ترمذی، فی الجنائز ۱/۲۰۶، والحاکم فی المستدرک فی النکاح ۲/۱۶۷، وقال: صحیح الاسناد ولم یخرجاہ)۔

ب- عن عائشةؓ قالت: "قال النبي ﷺ: تخيروا لنطفكم وأنكحوا الأكفاء وأنكحوا إليهم'' (مستدرک حاکم فی النکاح ۲/۱۷۷، بیہقی، باب اعتبار الکفاءۃ ۷/۱۳۳، دارقطنی فی المہر ۳/۲۹۹، وقال حاکم: صحیح الاسناد ولم یخرجاہ)۔

ج- قال رسول الله ﷺ: ''لا تنكحوا نسائكم إلامن الأكفاء، ولا يزوجوهن إلا الأولياء"۔

اعتبار کفاءت میں عرف وعادت کی حیثیت:

بہرحال کثرت اسانید کی بنیاد پر اصل کفاءت کو ثابت مان کر ہم احادیث بالا کا جائزہ لیں، تو پتہ چلتا ہے کہ نسب، دیانت اور حرفت میں کفاءت نصوص سے ثابت ہے، چنانچہ:

الف: ''العرب بعضهم أكفاء لبعض'' سے نسب میں کفاءت ثابت ہوتی ہے۔

ب- "إلا حائك أو حجام" (حدیث بالا کا آخری حصہ) سے حرفت وصنعت

میں کفاءت ثابت ہوتی ہے۔

ج - امام مالک کے دلائل کے ذیل میں نقل کردہ تمام نصوص سے دیانت میں کفاءت ثابت ہوتی ہے۔

لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ان میں سے اکثر احادیث ضعیف ہیں اور مرتبہ حسن تک پہنچنے کے باوجود بہر حال علامہ ابن حزمؒ اور امام مالکؒ کے پیش کردہ دلائل سے ان کا کوئی جوڑ نہیں ہے، پھر جمہور امت ان پر کیسے متفق ہوگئی، اسی طرح حریت، مال، اسلام اور عیوب سے سلامتی میں کفاءت کا اعتبار کن دلائل کی بنیاد پر ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان احادیث سے استدلال پر جمہور کا اتفاق اس لئے ہوگیا کہ یہ احادیث مؤید بالعرف ہیں، رہے بقیہ اوصاف تو ان کا اعتبار صرف عرف وعادت کے پیش نظر ہے۔

چنانچہ علامہ ابن ہمام صراحت سے فرماتے ہیں:

فإذا ثبت اعتبار الكفاء ة بما قدمناه، فيمكن ثبوت تفصيلها أيضًا بالنظر إلى عرف الناس فيما يحقرونه ويعيرون به، فيستأنس بالحديث الضعيف في ذلك (فتح القدیر ۱۸۹/۳)۔

امام احمد بن حنبلؒ سے پوچھا گیا کہ آپ "**العرب بعضهم أكفاء لبعض**" پر عمل کیسے کرتے ہیں، جبکہ آپ خود ہی اس کی تضعیف فرماتے ہیں، جواب دیا: "**العمل عليه**" یعنی وہ عرف کے مطابق ہے (المغنی لابن قدامہ ۳۷۷/۷)۔

اسی طرح ہدایہ، شامی، فتاوی ہندیہ وغیرہ میں صراحت کے ساتھ عبارتیں ملتی ہیں کہ کفاءت کی تفصیلات لوگوں کے عرف وعادت کے پیش نظر ہیں، مثلاً ہدایہ میں ہے: "**ثم الكفاءة تعتبر في النسب لأنه يقع به التفاخر**" (ہدایہ مع الفتح ۱۸۸/۳)۔

اور اس میں کوئی شک نہیں کہ شریعت نے بہت سے مسائل میں عرف وعادت کو تسلیم کیا

ہے اور اس کی حیثیت مانی ہے، چنانچہ تمام ائمہ کے یہاں کسی نہ کسی درجہ میں عرف کو تسلیم کیا جاتا ہے (نشر العرف فی بناء بعض الأحکام علی العرف مشمولہ رسائل ابن عابدین ۲/ ۱۱۳)۔

جب عرف بدل جائے:

نیز فقہاء نے اس کی بھی صراحت کی ہے کہ اگر عرف تبدیل ہو جائے تو اس کے مطابق حکم میں بھی تبدیلی کی جائے گی، چنانچہ عرف و عادت کے بدلنے کی بناء پر بہت سے مسائل پر نظر ثانی کی گئی حتی کہ ظاہر الروایہ تک کو ترک کر دیا گیا، مثلاً:

ظاہر الروایہ میں استیجار علی الطاعات جائز نہیں، لیکن ضرورت اور عرف و عادت کے تحت متاخرین نے اسے جائز قرار دیا (فتاوی بزازیہ علی ہامش الہندیہ ۵/ ۷۳ ودیگر معتبرات)۔

عرف و عادت نیز ضرورت کی بنیاد پر مزارعت کے جواز میں صاحبین کے قول کو ترجیح دی گئی (ہندیہ ۵/ ۲۳۵ ودیگر معتبرات)۔

۳-الف: نسب میں کفاءت معتبر ہے:

سوال ۲ کے ذیل میں تفصیل سے گذر چکا ہے کہ علامہ ابن حزمؒ اور امام مالکؒ کے نزدیک نسب میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، بقیہ جمہور کے نزدیک نسب میں بھی کفاءت کا اعتبار ہوگا (مدونہ ۲/ ۱۵۲، فقہ السنۃ ۲/ ۲۷۹)۔ چنانچہ تمام معتبرات میں صراحت سے اس کا ذکر ہے۔ "ثم الکفائة تعتبر فی النسب الخ" (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۱۸۸، ہندیہ ۱/ ۲۹۱ وکذا فی المعتبرات)۔

ب-نسب میں کفاءت کا اعتبار صرف اہل عرب میں ہوگا:

کتابوں میں صراحت ہے کہ کفاءت میں نسب کا اعتبار صرف اہل عرب کے لئے ہے، رہے غیر عرب تو ان میں اسلام وغیرہ میں تو کفاءت کا اعتبار ہوگا، لیکن نسب میں نہ ہوگا۔

(قوله: وهذا فی العرب) أي اعتبار النسب إنما یکون فی العرب (وقال أیضا) فالنسب معتبر فی العرب فقط" (رد المحتار ۲/ ۲۹۷، البحر الرائق ۳/ ۱۲۳)۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہندوستان میں موجود غیر عرب خاندان مثلاً مغل، پٹھان، افغان، منصوری، رائینی، مومن انصاری اور مختلف ذات برادریوں سے تعلق رکھنے والے مسلمان باعتبار نسب ایک دوسرے کے کفو ہیں اور اگر کفاءت کی دوسری شرائط پائی جارہی ہوں تو ان میں باہم مناکحت کفو ہی میں مناکحت سمجھی جائے گی۔

۴-جدید الاسلام اور قدیم الاسلام میں کفاءت:

اسلام میں کفاءت صرف حنفیہ کے یہاں ہے۔سوال ۲ کے تحت جمہور کے مسلک کے زیر عنوان تفصیل سے گزر چکا ہے کہ جدید الاسلام اور قدیم الاسلام کے درمیان کفاءت کا اعتبار صرف حنفیہ کرتے ہیں، جمہور کے نزدیک ''اسلام'' میں کفاءت کا کوئی اعتبار نہیں ہے (المغنی ۷/ ۳۷۸)۔

حنفیہ کے یہاں کفاءت فی الاسلام کی تفصیلات:

پھر حنفیہ کے یہاں بھی یہ کفاءت صرف غیر عربوں میں معتبر ہے، رہے عرب تو ان کے درمیان جدید الاسلام اور قدیم الاسلام میں کوئی فرق نہیں کیا جائے گا (شامی ۲/ ۱۹۰ وکذا فی المعتبرات الاخری)۔

اسی طرح اس کفاءت کے اعتبار میں صرف باپ دادا کو دیکھا جاتا ہے، اس سے آگے تک دیکھنے کی ضرورت نہیں، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی لڑکے کے دادا نے اسلام قبول کیا ہو تو ایسا شخص اس کا کفو نہیں ہوسکتا، جس نے خود اسلام قبول کیا ہو، یا جس کے باپ نے اسلام قبول کیا ہو۔

کیا کفاءت فی الاسلام کا اعتبار قبولیت اسلام کی راہ میں رکاوٹ ہے؟

ہمارے ائمہ نے جس دور میں کفاءت فی الاسلام کو معتبر مانا تھا وہ مسلمانوں کا دور عروج

تھا، ان کی عظیم الشان خلافت قائم تھی، ساری دنیا ان کی سیاسی، فوجی، اقتصادی اور علمی تفوق وبرتری کی قائل تھی۔

پھر یہ دور خیر القرون سے متصل تھا، صحابہ کرامؓ کی تابناک زندگیاں ابھی ان کی نگاہوں میں تھیں، جس کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ اب بھی مسلمانوں کی زندگی میں قرن اول کی جھلکیاں موجود تھیں، وہ اب بھی اپنے قول وعمل اور گفتار وکردار میں دنیا کے لئے مجسم دعوت تھے، صرف ان کی معاشرت ومعاملات ہی دیکھ کر دل میں اسلام کی کشش اور جاذبیت پیدا ہوجاتی تھی اور غیر مسلم فوج درفوج شجر اسلام کی پرسکون چھاؤں میں پناہ لیتے تھے اور کبھی کبھی پورا کا پورا قبیلہ حلقہ بگوش اسلام ہوجاتا تھا۔

اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ان کو باہم مناکحت اور رشتۂ ازدواج قائم کرنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی اور کفاءت فی الاسلام کے اعتبار کے سبب ان کو کوئی پریشانی نہیں ہوتی تھی، لیکن اب صورت حال میں مکمل انقلاب آچکا ہے، ہمارے گفتار وکردار میں مغایرت ہے، من حیث المجموع دوسری اقوام کے مقابلہ میں ہم زوال وپستی کا شکار ہیں، علمی، معاشی اور اقتصادی حیثیت سے بھی بڑی حد تک پچھڑے ہوئے ہیں، اس حالت میں دعوت اسلامی کا کام کرنے والے حضرات کو قدم قدم پر رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، ان رکاوٹوں اور موانع میں بلاشبہ کفاءت فی الاسلام کا مسئلہ بھی ہے، فطری بات ہے کہ مذہب تبدیل کرنے والا اپنے خاندان سے کٹ جاتا ہے، اس کا اپنا معاشرہ (یہاں کی خاص متعصبانہ ذہنیت کی وجہ سے) اس کا دشمن بن چکا ہوتا ہے، لہذا وہاں رشتہ قائم کرنے کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتا۔

اب اس نے اگر اسلام قبول کیا ہے تو مسلمان بلاشبہ دل وجان سے اسے اپنا لیتے ہیں، قدم قدم پر اس کا ساتھ دینے کی کوشش کرتے ہیں، لیکن اگر اس نومسلم کو شادی کرنا ہو تو اسے عجیب طرح کی اجنبیت کا احساس ہوتا ہے، اس لئے ہر مرحلہ میں ساتھ دینے والے اس کے مسلمان بھائی اس مسئلہ میں کترانے لگتے ہیں۔

اور اگر میاں بیوی دونوں نے اسلام قبول کیا ہو، تو یہی صورت حال ان کے بچوں کی شادی کے وقت پیش آتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ بہت ہی باعزم صاحب حوصلہ اور جری اشخاص ہی اسلام قبول کرنے کی جرأت کرپاتے ہیں، اور بہت بڑی تعداد اسلام کی حقانیت تسلیم کرتے ہوئے بھی قبولیت اسلام کے اعلان کا حوصلہ نہیں کرپاتے ہیں، بلاشبہ یہ بڑی سنگین اور پیچیدہ صورت حال ہے۔

احقر کی ناقص رائے یہ ہے کہ جمہور کی دلیل کی قوت، نیز (موجودہ صورت حال میں) ضرورت کے تحت یا تو جمہور کا مسلک اختیار کرلیا جائے، یا اہون البلیتین کے تحت اسلام میں عدم اعتبار کفاءت کا فتوی دیا جائے، یا یہ کہا جائے کہ عرف جدید میں اسلام میں تقدم یا تاخر کو فخر یا عار کا سبب نہیں سمجھا جاتا، لہذا اب کفاءت فی الاسلام معتبر نہیں۔

عصر حاضر میں کفاءت کا اعتبار کن چیزوں میں ہے؟

سوال ۲ کے تحت گذر چکا کہ حنفیہ (بلکہ جمہور) دیانت کے سواء بقیہ چیزوں میں کفاءت کے اثبات کے لئے عرف وعادت کو اپنا سب سے اہم مستدل بناتے ہیں، علامہ شامی کے رسالہ ''نشر العرف'' کے حوالہ سے یہ بھی گذر چکا ہے کہ جن مسائل کا مدار عرف پر ہو، عرف بدلنے سے ان کی نوعیت بدل جاتی ہے۔

لہذا اس میں تو کوئی شک وشبہ کی گنجائش نہیں کہ کفاءت کا اعتبار ان مسائل میں سے ہے جو زمانہ کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ بدل جاتے ہیں اور جن کے بارے میں فتوی دیتے وقت مفتی اور قاضی کے لئے عرف وعادت سے صرف نظر کرنا جائز نہیں رہتا، بلکہ جب تک اہل زمانہ کے احوال سے واقفیت نہ ہو، فتوی دینا بھی جائز نہیں رہتا، لہذا اب سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ جن چیزوں کو ہمارے فقہاء نے کفاءت کے لئے معتبر قرار دیا ہے، کیا وہی چیزیں اب بھی موجودہ دور کے عرف میں معتبر مانی جاتی ہیں یا ان میں کچھ تبدیلی ہوئی ہے؟

اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ تبدیلی ہوئی ہے، لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا یہ تبدیلی عرف عام میں ہوئی ہے؟ جس سے حکم عام میں تبدیلی کی جاسکے، اس لئے کہ علماء نے صراحت کی ہے کہ حکم عام میں تبدیلی اسی وقت جائز ہے جبکہ عرف عام میں تبدیلی ہوگئی ہو۔

"الحکم العام لا یثبت بالعرف الخاص" (الاشباہ بحوالہ رسائل ابن عابدین ۱/ ۱۲۰)۔

چنانچہ کسی خاص علاقہ یا شہر کے عرف سے حکم عام میں تبدیلی جائز نہیں، البتہ اس خاص علاقہ کے لئے اس عرف کو معتبر مانا جاسکتا ہے۔

۶- کفاءت کا اعتبار صرف عورتوں کے لئے ہے:

اس مسئلہ کے سلسلہ میں (جن کتابوں کی مراجعت کا موقع ملا سب میں) ایک ہی بات نظر آئی کہ کفاءت کا اعتبار صرف عورتوں کے لئے ہے، مرد کی شادی کفو غیر کفو ہر جگہ ہوسکتی ہے۔

"الکفائة معتبرة فی الرجال للنساء للزوم النکاح کذا فی محیط السرخسی، ولا تعتبر فی جانب النساء للرجل کذا فی البدائع" (ہندیہ ۱/ ۲۹۰، شامی ۴/ ۳۱۷، البحر الرائق ۳/ ۲۸) اور مغنی میں ہے: "والکفائة معتبرة فی الرجل دون المرأة" (۷/ ۳۷۹)۔

اس تفریق کی وجہ بیان کرتے ہوئے ہدایہ میں لکھا ہے کہ شریف عورت کو کم رتبہ مرد کا فراش بننے میں عار محسوس ہوتا ہے، لہذا اس کے لئے کفاءت ضروری ہے، رہا مرد تو وہ مستفرش ہے، لہذا فراش کا برا ہونا اس کے لئے باعث عار نہ ہوگا (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۱۸۷)۔

علامہ ابن قدامہؒ نے اس کی دلیل دیتے ہوئے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کا کوئی ہم سر نہیں لیکن آپ ﷺ نے قریش کے مختلف قبائل کے علاوہ صفیہ بنت حییؓ سے بھی شادی کی (المغنی ۳/ ۳۷۹)۔

۷- کفاءت کس کا حق ہے؟

الف- اس سلسلہ میں فقہاء متاخرین کی عبارتوں میں کچھ اختلاف ہے، بعض فقہاء

فرماتے ہیں کہ یہ صرف ولی کا حق ہے، صاحب بحر اور صاحب تنویر الابصار و درمختار کا رجحان اسی طرف ہے، چنانچہ صاحب تنویر الابصار صراحت سے لکھتے ہیں:

''الأکفاء ھی حق الولی لا حقھا'' (درمختار علی الہامش ۲/ ۳۱۷)۔

لیکن علامہ شامی نے لکھا ہے کہ کفاءت ولی کا بھی حق ہے اور عورت کا بھی، علامہ موصوف نے فقہاء کی مختلف عبارتوں سے استدلال کیا ہے (ردالمحتار ۲/ ۳۱۸)۔

اسی وجہ سے علماء ہند نے بھی اسی روایت کو مفتی بہ قرار دے کر اسی پر عمل کیا ہے، چنانچہ حضرت تھانوی کے زیر نگرانی تیار کی گئی معرکۃ الآراء کتاب ''الحیلۃ الناجزہ'' میں ہے:

پہلی صورت یہ ہے کہ بالغ عورت بغیر اذن ولی عصبہ کے غیر کفو میں نکاح کرے، اس صورت میں فتوی اس پر ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، بلکہ بالکل باطل ہے، حتی کہ اگر نکاح کے بعد ولی عصبہ جائز بھی رکھے تب بھی صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ نکاح سے قبل اجازت کا ہونا شرط ہے (الحیلۃ الناجزہ/ ۱۰۵)۔

مولانا عبدالصمد رحمانی کتاب الفسخ والتفریق میں لکھتے ہیں:

لیکن اس روایت کی بناء پر جو حضرت حسن نے امام صاحب سے بیان کی ہے، یہ نکاح اصلاً جائز ہی نہیں ہوگا، مشائخ حنفیہ کا فتوی اسی روایت پر ہے، ظاہر روایت پر نہیں (کتاب الفسخ والتفریق/ ۸۸)۔

فتاوی دارالعلوم میں مفتی عزیز الرحمن ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''اگر عورت بالغہ اپنا نکاح غیر کفو میں کرے بلا اجازت و رضائے ولی کے، تو وہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوگا۔ پس جبکہ وہ نکاح صحیح ہی نہ ہوا تو فسخ کی ضرورت نہیں ہے (فتاوی دارالعلوم ۶/ ۲۱۰)۔

خلاصہ یہ کہ ولی کی موجودگی میں اگر عاقلہ بالغہ عورت بغیر اس کی اجازت کے غیر کفو میں نکاح کرے تو ظاہر الروایہ کے مطابق انعقاد ہو جائے گا اور اولیاء کو حق اعتراض رہے گا، لیکن حسن ابن زیاد کی ایک روایت کے مطابق نکاح باطل ہوگا اور مشائخ کا فتوی حضرت حسن ہی کی روایت پر ہے۔

ج - کیا اولیاء کو حق فسخ رہے گا؟

اوپر (ب) کے تحت جو تفصیلات درج کی گئی تھیں اس سے مسئلہ صاف ہوگیا کہ فتوی حضرت حسن بن زیاد کی روایت پر ہے، لہذا نکاح فسخ کرانے کی کوئی ضرورت پیش نہیں آئے گی۔

البتہ اگر کوئی ظاہر الروایہ کے مطابق فتوی دے، تو اس کے مطابق بھی نکاح اگر چہ منعقد ہو جائے گا، لیکن اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل رہے گا (ہندیہ ۱/ ۲۹۲، ہدایہ ۳/ ۱۵۹، البحر الرائق ۳/ ۱۲۸، شامی ۲/ ۲۹۷)۔

۸ - کفاءت کی بابت مرد کی غلط بیانی:

اگر لڑکا کفاءت کے سلسلہ میں غلط بیانی کرتا ہے، اور اصلاً جس خاندان، برادری یا جس سماجی و معاشی معیار سے متعلق ہے، اسے چھپا کر اپنے کو دوسرے خاندان اور معاشرہ کا ظاہر کرتا ہے، پھر شادی کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ اس نے غلط بیانی کی تھی تو اس میں کچھ تفصیل ہے۔

۱- اگر لڑکی والوں نے کفاءت کی شرط لگائی تھی تو اس صورت میں ''عاقد نکاح'' کو فسخ نکاح کا حق حاصل رہے گا۔

''ولو أخبر بحريته أو شرطوا ذلک فظهر بخلافه كان للعاقد الفسخ'' (فتح القدیر ۳/ ۱۸۷، البحر الرائق ۳/ ۱۲۸)۔

اولیاء نے شرط تو نہ لگائی ہو لیکن لڑکے نے کفاءت کے سلسلہ میں غلط بیانی کی ہو اور بعد میں ظاہر ہوا کہ اس کی سماجی یا نسبی حیثیت اس کی بیان کردہ حیثیت سے کمتر ہے تو اس صورت میں اولیاء اور لڑکی دونوں کو فسخ کا حق حاصل ہوگا (ہندیہ ۱/ ۲۹۳، فتاوی قاضی خاں علی الہامش ۱/ ۳۵۳، البحر الرائق ۳/ ۱۲۸، درمختار ۲/ ۳۱۷)۔

۳- تیسری شکل یہ ہے کہ بعد میں غلط بیانی تو ظاہر ہوئی لیکن وہ لڑکا اس غلط بیانی کے باوجود بہر حال ''اکفاء'' میں سے ہے، مثلاً لڑکی سید تھی، لڑکے نے بھی اپنے کو سید بتایا لیکن بعد

میں معلوم ہوا کہ وہ فاروقی یا صدیقی ہے، اس صورت میں اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل نہ ہوگا، لیکن لڑکی اعتراض کرسکتی ہے اور عدم کفاءت کی بنیاد پر نکاح فسخ کراسکتی ہے۔

۴-چوتھی شکل یہ ہے کہ وہ اپنے بیان کے مقابلہ میں اعلی خاندان کا ظاہر ہوا، اس صورت میں کسی کو بھی فسخ کا اختیار نہ ہوگا، البتہ ایک روایت امام ابو یوسفؒ سے ضرور مروی ہے کہ لڑکی کو حق فسخ رہے گا، اس لئے کہ سماجی مغایرت کے ساتھ رفیقہ حیات بن کر رہنا، اس کے لئے دشواریوں کا سامنا ہوسکتا ہے (مصادر مذکورہ نیز شامی کی یہ عبارت: "وعن الثانی أن لها الفسخ لأنها عسی تعجز عن المقام معه" (۳۱۷/۴)۔

خلاصہ یہ کہ اگر شادی سے پہلے مرد کفاءت کے سلسلہ میں غلط بیانی سے کام لے، بعد میں ظاہر ہو کہ اس نے شادی کرنے کے لئے جھوٹ بولا ہے اور اس کی حیثیت درحقیقت لڑکی سے کم ہے تو لڑکی اور اولیاء کو فسخ کا حق رہے گا، برابر کا نکلے تو صرف لڑکی کو فسخ کا حق رہے گا، اور اعلی حیثیت کا ظاہر ہو تو کسی کو بھی فسخ کا حق نہ ہوگا۔

مسئلہ کفاءت- اسلامی نقطۂ نظر

مفتی محمد جمال الدین قاسمی ☆

۱- کفاءت کے لغوی معنی:

لغت میں کفاءت کے معنی برابری کے ہیں۔صاحب عنایہ فرماتے ہیں:

''والکفاءۃ بالفتح مصدر، والاسم منه الکفوء وهو النظیر من کافاه إذا ساواه'' (عنایہ علی الفتح ۳/ ۴۱۷)۔

(کفاءت مصدر ہے، اس سے اسم مصدر کفو آتا ہے، جو نظیر ومماثلت کے معنی میں ہے، جب کسی چیز کے درمیان برابری ہوتی ہے تو اہل عرب ''کافاہ'' بولتے ہیں)۔

کفاءت کے اصطلاحی معنی:

لیکن فقہاء کی اصطلاح میں اس سے مراد زوجین کے درمیان چند مخصوص امور میں برابری یا عورت کا مرد کے مقابلے میں عرفاً کم درجے کا ہونا ہے، چنانچہ علامہ ابن نجیم فرماتے ہیں:

باب نکاح میں کفاءت سے مراد یہ ہے کہ زوجین کے مابین چند مخصوص امور میں مماثلت ہو۔یا عورت مرد کے مقابلے میں کم رتبے کی ہو (بحر ۳/ ۱۲۷)۔

کفاءت کی شرعی حیثیت:

کفاءت کا نکاح میں معتبر ہونا نصوص شرعیہ اور دلائل عقلیہ سے ثابت ہے، دلائل کی

☆ دار العلوم حیدرآباد۔

تفصیل میں جانے سے پہلے نفس کفاءت میں جو ائمہ کا اختلاف ہے، اس پر ایک نگاہ ڈال لی جائے، علامہ کاسانی اس سلسلے میں اختلاف نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''وقال عامة العلماء إنها شرط، وقال الکرخی لیست بشرط أصلا وهو قول مالک، و سفیان الثوری، والحسن البصری'' (بدائع ۲/۳۱۷)۔

(جمہور علماء کفاءت کے شرط ہونے کے قائل ہیں۔ اور امام کرخی کے یہاں شرط نہیں ہے۔ یہی قول امام مالک، سفیان ثوری اور حسن بصری کا ہے)۔

مصالح کفاءت:

اب ہم ذیل میں اختصار کے ساتھ مصالح کفاءت پر گفتگو کریں گے، شریعت میں کفاءت کا لحاظ چند مصالح کے پیش نظر کیا گیا ہے۔ جن میں اہم اور بنیادی مصالح تین ہیں:

۱- حسن معاشرت: دنیا میں ہر انسان کو ایسے ہم جنس رفیق کی ضرورت ہے، جس کی رفاقت سے اس کے تمام رنج وغم کی کلفت راحت سے بدل جائے اور یہ اسی وقت ممکن ہے جبکہ میاں بیوی کا تعلق سراسر انس ومحبت، دل کے لگاؤ، لطف ورحمت اور روح ودل کے سکون پر مبنی ہو، آپسی باتوں میں مٹھاس وحلاوت ہو، حاکمانہ اور درشت لہجہ نہ ہو، باہم کامل التفات اور توجہ کے ساتھ ایک دوسرے کی بات سنیں اور دھیان دیں۔ بے رخی اور بے اعتنائی کے ساتھ گفتگو نہ ہو۔ جو بھی بات ہو ہنسی خوشی سے نہایت خوشگوار ماحول میں ہو، اس میں ترشی کو بو نہ آئے نہ بدمزاجی کی جھلک، خیال رہے کہ زوجین کے یہ تعلقات شرعاً محمود بلکہ مامور بہ ہیں، چنانچہ ارشاد باری ہے:

''وعاشروهن بالمعروف'' (سورہ نساء ۱۹) (اور عورتوں کے ساتھ مل جل کر حسن اخلاق کے ساتھ زندگی گذارو)۔

اور ایسا مثالی تعلق اس وقت پیدا ہوگا جبکہ زوجین کے درمیان اخلاق، دین، خاندان، معاشرتی طور طریق، سماجی عزت وحیثیت اور مالی معاملات میں برابری ومماثلت کا لحاظ کیا جائے، ورنہ منافرت ومنازعت پیدا ہوگی اور گھر گوشہ عافیت بننے کے بجائے جہنم کدہ بن جائے

گا۔اورنکاح کے مقاصد فوت ہوکررہ جائیں گے۔

۲-ازدواجی زندگی میں پائیداری: مشروعیت کفاءت کی دوسری مصلحت یہ ہے کہ ازدواجی زندگی میں امکانی حد تک پائداری اور استحکام ہو اور صرف جنسی میلان کے تحت وقتی اور بے مقصد قسم کی وابستگی نہ ہو، کیونکہ اس سے رشتۂ نکاح کھیل ہوجائے گا اور معاشرے کو طرح طرح کے خطرات لاحق ہوجائیں گے اور ایسا عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ بے جوڑ شادیاں ازدواجی زندگی میں تلخی اور ناخوشگواری پیدا کردیتی ہیں، نتیجۃً میاں بیوی کے درمیان اختلاف وانتشار ہوجاتا ہے اور طرح طرح کے پیچیدہ مسائل جنم لیتے ہیں، پھر آخر میں یہ مبارک رشتہ درمیان سے ٹوٹ جاتا ہے۔اس کے برخلاف جب کفاءت کا لحاظ کرتے ہوئے یہ مبارک رشتہ انجام پاتا ہے تو میاں بیوی کے درمیان موافقت، مزاجوں کی ہم آہنگی، بودوباش اور رہن سہن کے معیار میں قربت ومناسبت پائے جانے کی وجہ سے یہ رشتہ مستحکم وپائیدار رہتا ہے۔

۳-رفع فساد: کفاءت کے مشروع ہونے کی تیسری مصلحت رفع فساد ہے، اور حقیقت میں یہ وہ عظیم مصلحت ہے جس پر کفاءت کی پوری عمارت کھڑی ہوئی ہے، فقہاء کرام کے تمام تفصیلات کو اگر سامنے رکھا جائے تو یہ بات بہت واضح طور پر سمجھ میں آتی ہے کہ یہ وہ بنیادی سبب ہے جس کی وجہ سے فقہاء شادی بیاہ کے اندر مختلف امور میں ہمسری کے قائل ہوئے ہیں۔اور اپنے اپنے زمانہ میں جن چیزوں کو سبب فساد دیکھا ان چیزوں میں برابری کو ضروری قرار دیا۔یہی وجہ ہے کہ اگر فساد نہ ہو، اولیاء راضی ہوں تو کوئی غیر کفو میں کئے نکاح کو باطل قرار نہیں دیتا (تاتارخانیہ ۳؍ ۶۴)۔

یہ صحیح ہے کہ دین کا عمومی مزاج اخوت ومساوات ہے اور انسانوں کو مختلف طبقات میں تقسیم کرنے کا ایک مقصد ایک دوسرے کی پہچان ہے، جیسا کہ ارشاد باری ہے:

''وجعلناكم شعوبا و قبائل لتعارفوا'' (سورۂ حجرات: ۱۳)۔

یعنی یہ تقسیم تفوق وبرتری کے لئے نہیں ہے کہ کوئی قوم اپنے آباء واجداد کا حوالہ دے کر

دوسرے پر فخر جتائے، یا خاندانی برتری کی بناء پر دوسروں کو اپنے سے حقیر سمجھے۔ صاحب کشاف علامہ زمخشریؒ اس آیت کے ذیل میں فرماتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ اللہ نے جس حکمت کے تئیں تم کو کنبوں اور قبیلوں میں بانٹا ہے، وہ یہ ہے کہ تم میں کا بعض بعض کے خاندان کی پہچان کر سکے اور اپنے باپ دادوں کے علاوہ دوسروں کی طرف اپنا انتساب نہ کرے، یہ مطلب نہیں کہ تم اپنے آباؤ واجداد کے حوالے سے آپس میں ایک دوسرے پر فخر جتاؤ اور خاندان ونسب کی بنیاد پر ایک دوسرے سے فرق وامتیاز کا دعوی کرو اور ایک دوسرے کو اپنے سے اونچا جتاؤ (تفسیر کشاف ۵۶۹/۳)۔

اسی کے ساتھ اسلام نے اونچ نیچ کے جاہلی تصور کو فروغ دینے کے بجائے اس کا قلع قمع کیا ہے، ایک جگہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

تمہارے یہ خاندان اور نسب کسی کے لئے باعث ننگ نہیں تم سب آدم کی اولاد ہو (احمد ۱۵۸/۴)۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''إن الله لا ينظر إلى صوركم وأموالكم، ولكن ينظر إلى قلوبكم وأعمالكم'' (مسلم ۳۱۷/۲)۔

(اللہ تمہاری صورتوں اور تمہارے اموال کو نہیں دیکھتا ہے، وہ تو تمہارے دلوں اور تمہارے اعمال کو دیکھتا ہے)۔

خلاصہ: کفاءت کو مشروع قرار دینے کے بنیادی مصالح یہ ہیں کہ حسن معاشرت قائم ہو، رشتہ نکاح میں بقاء وپائیداری ہو اور لڑکی کے اولیاء اور خود لڑکی کو ننگ وعار محسوس نہ ہو اور معاشرہ اختلاف وانتشار اور فساد سے پاک رہے۔

۲- امور کفاءت:

کفاءت کا اعتبار کن کن چیزوں میں کیا جائے، اس سلسلے میں فقہاء ومجتہدین کے

درمیان تھوڑا سا اختلاف ہے، لیکن اتنی بات طے ہے کہ ائمہ اربعہ کفاءت کے مشروع ہونے پر متفق ہیں، البتہ کسی کے نزدیک امور کفاءت میں توسع ہے اور کسی نے اسے بہت محدود کردیا ہے، لیکن کفاءت کے معتبر ہونے میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے ابن ہمامؒ نے مثبت کفاءت احادیث پر گفتگو کرنے کے بعد کہا ہے:

"وبالجملة فللحديث أصل، فإذا ثبت اعتبار الكفائة بما قدمناه، فيمكن ثبوت تفصيلها أيضا إلى عرف الناس فيما يحقرونه ويعيرون به" (فتح ۴/۴۲۰)۔

(خلاصہ یہ ہے کہ مثبت کفاءت حدیث کی اصل ہے، پھر جب میری گذشتہ باتوں سے کفاءت کا اعتبار کرنا ثابت ہوگیا تو اب اس کی تفصیلات کا ثبوت بھی ممکن ہے، لوگوں کے عرف پر نگاہ ڈالی جائے کہ کون سی باتیں ان کے نزدیک باعث حقارت وننگ ہیں)۔

حنفیہ کے یہاں امور کفاءت:

چنانچہ اسی اصل کی بناء پر حنفیہ کے یہاں امور کفاءت کے متعلق درج ذیل تفصیل ملتی ہے، صاحب عنایہ فرماتے ہیں:

"ثم الكفاءة عندنا تعتبر في خمسة أشياء: النسب، والحرية، والدين، والمال، والصنائع" (عنایہ علی الفتح ۴/۴۱۷) (پھر ہمارے یہاں پانچ چیزوں نسب، آزادی، دیانت، مال اور پیشہ میں کفاءت معتبر ہے)۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ امور کفاءت چھ ہیں، نسب وخاندان، آزادی، اسلام یعنی پشتینی مسلمان ہونا، دیانت تقوی، مال اور معاش اور صنعت وحرفت، مگر شروح میں اس کے علاوہ مزید دو چیزیں ملتی ہیں انہیں بھی فقہاء نے امور کفاءت میں شامل کیا ہے۔

۱- ان میں سے ایک عقل ہے، یعنی ایک بے وقوف اور پاگل آدمی ایسی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا جو عقل سے آراستہ ہو، چنانچہ صاحب بنایہ فرماتے ہیں:

مبسوط اور محیط میں ہے کہ کفاءت فی العقل کے بارے میں متقدمین سے کچھ منقول نہیں ہے مگر بعض لوگوں کی رائے ہے کہ عقل میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا جائے، لہذا کوئی پاگل عقل رکھنے والی عورت کا کفو نہ ہوگا، کیونکہ جنون کی وجہ سے مقاصد نکاح فوت ہوسکتے ہیں، لہذا فقر اور پیشہ کی دناءت سے زیادہ اس میں کفاءت کا لحاظ کیا جائے گا (بنایہ ۱۳۰/۴)۔

یہاں یہ بات قابل غور ہے کہ کیا مجنون ہی کے درجہ میں اس خفیف العقل کو رکھا جا سکتا ہے جس سے راہ چلتے ہوئے لوگ تمسخر کرتے رہتے ہوں، اور وہ ان کے لئے کھلونا بن جاتا ہو۔ اس سلسلے میں فقہاء کی کوئی تصریح نہیں مل سکی، لیکن مصالح کفاءت کے پیش نظر یہ سمجھ میں آتا ہے کہ ایسا شخص کسی شریف گھرانے کی لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا۔

۲- اور دوسری چیز حسب ہے، حسب کا مطلب یہ ہے کہ کسی فرد یا خاندان کو حکومت واقتدار، دینی وملی خدمات کی وجہ سے معاشرہ میں کوئی ممتاز مقام مل جائے۔ چنانچہ علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

''وفی المحیط عن صدر الإسلام الحسیب الذی له جاه وحشمة ومنصب'' (فتح ۴۲۱/۴) (محیط میں صدر الاسلام سے منقول ہے کہ صاحب حسب وہ کہلائیں گے جنہیں جاہ وحشمت اور عہدہ ومنصب حاصل ہو)۔

کتب فقہ میں حسب کے متعلق مختلف جزئیات ملتی ہیں، امام ابو یوسف سے منقول ہے کہ اگر جدید الاسلام آزاد شدہ غلام کو دوسری ایسی فضیلتیں حاصل ہوجائیں جو نسب کی کمی کو پورا کردے تو وہ پشتینی مسلمان کا کفو ہوگا (فتح ۴۲۱/۴)، اسی طرح امام محمدؒ سے منقول ہے کہ ذی وجاہت فاسق صالحین کا کفو بن سکتا ہے (قاضی خاں علی الہندیہ ۳۵۰/۱)۔ فقہاء کے یہاں یہ بات مسلم ہے کہ عجمی شخص کسی عربی کا کفو نہیں ہے۔ مگر یہی عجمی جب علم وفضل سے آراستہ ہوجائے تو عرب جاہل کا کفو ہوسکتا ہے، چنانچہ جامع قاضی خاں میں ہے:

''قالوا الحسیب یکون کفوا للنسیب، فالعالم العجمی کفء للجاهل

العربی، والعلویة لأن شرف العلم فوق شرف النسب"(فقہاء کا کہنا ہے کہ صاحب حسب نسب والے کا کفو ہوسکتا ہے، لہذا عجمی عالم عرب جاہل اور علوی کا کفو ہوگا، کیونکہ علم کا شرف نسبی شرف سے بڑھ کر ہے)۔

اس طرح حنفیہ کے یہاں آٹھ امور میں کفاءت کا اعتبار ہے: نسب و خاندان، آزادی، اسلام، دیانت وتقوی، مال اور معاشی سطح، صنعت وحرفت، عقل، حسب۔

شافعیہ کے یہاں امور کفاءت: امام شافعیؒ کے یہاں پانچ چیزوں میں کفاءت معتبر ہے۔علامہ نوویؒ فرماتے ہیں:

"الکفو معتبر فی خمسة أشیاء کما قررنا، النسب، والدین، والحریة، والصنعة، والسلامة فی العیوب"(شرح مہذب ۱۶/ ۱۸۷)(کفو پانچ چیزوں میں معتبر ہے جیسا کہ ہم نے ثابت کیا، اور وہ نسب، دیانت، آزادی، پیشہ اور جسمانی عیوب سے محفوظ ہونا ہے)۔

مالکیہ کے یہاں امور کفاءت:

امام مالکؒ کے یہاں صرف دو چیزوں میں کفاءت کا لحاظ کیا جائے گا، ایک دینداری، اور دوسرے جسمانی عیوب، مثلاً برص، جذام اور جنون سے محفوظ ہونے میں برابری کی رعایت کی جائے گی، چنانچہ علامہ عبدالرحمٰن جزیری فرماتے ہیں:

مالکیہ نے کہا کہ باب نکاح میں کفاءت دو چیزوں کے مابین برابری کا نام ہے۔ایک دینداری یعنی شریعت کا پابند ہو فاسق نہ ہو، دوسرے ان عیوب سے محفوظ ہونا جس کی بناء پر عورت کو خیار فسخ حاصل ہوتا ہے، مثلاً برص، جنون اور جذام، امر ثانی میں نکاح کو فسخ کرنے کا اختیار صرف عورت کو ہے۔ولی اس کا حقدار نہیں ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۵۸)۔

حنابلہ کے یہاں امور کفاءت:

امام احمد بن حنبلؒ کے یہاں پانچ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے، چنانچہ ابن

قدامہ فرماتے ہیں:

امور کفاءت کے بارے میں امام احمدؒ سے مختلف قول منقول ہے، ایک قول میں دو ہی امور ہیں: دین وحسب اور دوسرا قول یہ ہے کہ دین وحسب کے علاوہ حریت، پیشہ اور تمول بھی امور کفاءت میں داخل ہے، امام احمدؒ کے یہاں بھی امور کفاءت کی مجموعی تعداد پانچ ہے (المغنی ۷؍ ۳۷۴)۔

یہ تو فقہاء کرام کے مذاہب تھے۔ ان حضرات کے مذاہب کو سامنے رکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جن امور میں کفاءت کا لحاظ کیا گیا ہے اس کی مجموعی تعداد نو ہے، آٹھ امور تو وہی ہیں جو مذہب حنفیہ کی تفصیل کے ذیل میں بیان کی گئی ہیں، اور نویں چیز عیوب جسمانی سے محفوظ ہونا ہے جو امام مالک اور امام شافعیؒ کے یہاں معتبر ہے، ان نو امور میں سے صرف دو امور ایسے ہیں جن کی تائید میں نص بھی موجود ہے، ایک دینداری اور دوسرے نسب، ذیل میں ان دونوں کی تھوڑی سی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

دینداری میں کفاءت:

دینداری کا مطلب علامہ ابن نجیم نے یہ بیان کیا ہے:

"الديانة في غاية البيان بالتقوى والزهد والصلاح" (البحر ۳؍ ۱۳۲) (غایۃ البیان میں دیانت کا مطلب تقوی، زہد اور صلاح بیان کیا گیا ہے)۔

اخلاق و دیانت میں کفاءت کا معتبر ہونا تقریبا تمام فقہاء کے یہاں مسلم ہے، اور ایسا ہونا ہی چاہئے کیونکہ آپ ﷺ سے اس بارے میں کثرت سے احادیث منقول ہیں:

"تنكح المرأة لأربع: لمالها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك" (مشکوۃ ۲۶۷) (عورت سے نکاح چار وجوہ سے کیا جاتا ہے: مال، حسب، جمال اور دینداری کی بنیاد پر، تو دیندار عورت کا انتخاب کرکے کامیاب ہوجا تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں)۔

ایک موقع پر آپ ﷺ نے فرمایا:

"إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه، إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض" (مشکوۃ ۲۶۷) (جب تمہارے یہاں دیندار اور اخلاقی کمالات سے آراستہ انسان پیغام نکاح دے تو قبول کرلو اور نکاح کردو۔ اگر ایسا نہ کروگے تو زمین میں بڑے فتنہ اور فساد کا باعث بن جائے گا)۔

یہاں فقہاء کا تھوڑا سا اختلاف ہے اگر لڑکی خود صالحہ ہو لیکن اس کے خاندان کے افراد صالح نہ ہوں، یا خاندان کے لوگ صالح ہوں لیکن لڑکی صالحہ نہ ہو تو کس کی حالت کا اعتبار ہوگا؟ اس بارے میں رائیں مختلف ہیں۔ مگر صحیح یہ ہے کہ لڑکی خود صالحہ ہو، یا وہ صالحہ نہ ہو لیکن اس کے خاندان کے لوگ صالح ہوں، بہر دوصورت فاسق اس کا کفو نہ ہوگا، چنانچہ علامہ ابن نجیم مصری فرماتے ہیں:

اور ظاہر یہ ہے کہ عورت یا ان کے خاندان دونوں میں سے کسی کا دیندار ہونا اس بات کے لئے کافی ہے کہ فاسق ان کا کفو نہ ہوگا (بحر ۳؍۱۳۲)۔

نسب میں کفاءت:

نسب میں کفاءت کی رعایت بھی نص سے ثابت ہے، مختلف احادیث سے اس کا ثبوت ملتا ہے، دلائل کی پرپیچ وادی میں قدم رکھنے سے پہلے ایک نظر اختلاف ائمہ پر ڈال لی جائے۔ قاضی خاں میں ہے:

"الكفاءة معتبرة في النكاح خلافا لمالك رحمه الله، وسفيان، وجماعة من الصحابة رضوان الله عليهم أجمعين، وعن الكرخي رحمه الله أنه أخذ بقولهم" (قاضی خاں علی الہندیہ ۱؍۳۴۹) (باب نکاح میں نسب کے اندر کفاءت معتبر ہے، مگر امام مالکؒ، سفیان ثوری اور صحابہ کی ایک جماعت اس سے متفق نہیں ہے اور امام کرخی نے انہی حضرات کے قول کو اختیار کیا ہے)۔

ان حضرات کے علاوہ ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ایک قول کے

مطابق امام احمدؒ کے نزدیک نسب میں کفاءت معتبر ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۶۱/۴)۔

جو حضرات خاندان ونسب میں کفاءت کے معتبر نہ ہونے کے قائل ہیں انہوں نے دو قسم کے دلائل پیش کئے ہیں، ایک تو وہ احادیث ہیں جس میں اخوت ومساوات کی تعلیم دی گئی، جس پر ہم نفس کفاءت کے تحت بحث کر چکے ہیں۔ اس کا اعادہ موجب تطویل ہے، لہذا اسے نظر انداز کیا جاتا ہے۔ البتہ بعض احادیث وآثار ایسی بھی ہیں جو بظاہر زیر بحث مسئلہ سے متعلق معلوم ہوتی ہیں، اس لئے ذکر کی جاتی ہیں۔

بنوزہرہ کے ایک صاحب مقداد بن اسود تھے، انہوں نے حضور ﷺ کی چچازاد بہن ضباعہ بنت زبیر بن عبدالمطلب سے نکاح کیا (المغنی ۳۷۶/۷)۔

۲-حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے حضرت بلال حبشیؓ سے اپنی ہمشیرہ کا نکاح فرمایا (فتح القدیر ۴۱۸/۳)۔

۳-حضرت ابوحذیفہؓ نے ایک انصاریہ کے آزادکردہ غلام سالمؓ کو متبنیٰ بنالیا تھا اور انہی سے اپنی برادرزادی ولید بن عتبہ بن ربیعہ کی لڑکی کی شادی کردی (احکام القرآن شفیعی ۱۵۱/۷)۔

۴-حضرت ابوبکر صدیقؓ نے اپنی بہن ام فروہ کا نکاح اشعث بن قیس سے کیا جو قریشی نہ تھے (المغنی ۳۷۶/۷)۔

۵-حضرت اسامہؓ کے نکاح کا پیغام آپ ﷺ نے فاطمہ بنت قیس پر دیا اور نکاح ہوگیا، جبکہ حضرت اسامہ قریشی نہ تھے (فتح القدیر ۴۱۸/۳)۔

۶-زید بن حارثہ جو آپ ﷺ کے آزادکردہ غلام تھے، آپ نے ان کی شادی کا پیغام اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب پر دیا، جسے نہ حضرت زینبؓ نے پسند کیا تھا نہ ان کے اولیاء نے تسلیم کیا، مگر آپ کے حکم کی وجہ سے ان لوگوں کو راضی ہونا پڑا۔ اور حضرت زیدؓ کا ان سے نکاح ہوگیا (معارف القرآن شفیعی ۱۵۱/۷)۔

اس مضمون کی اور بھی روایتیں ہیں جو اس مقام پر ذکر کی جاتی ہیں، اختصاراً میں نے ان پانچ کا ذکر کیا ہے۔

دلائل کا جائزہ:

مذکورہ دلائل پر گفتگو کرنے سے پہلے مجتہدین کفاءت کا متفقہ قول ذہن میں رکھ لینا مناسب ہوگا کہ کفاءت لڑکی اور اس کے اولیاء کا حق ہے، اگر لڑکی اور اس کے اولیاء کسی اہم مصلحت کی خاطر غیر کفو میں نکاح کرنے پر راضی ہوجائیں تو کوئی مضائقہ نہیں ہے، بلکہ مصالح دینیہ کے پیش نظر اس حق کو چھوڑ دینا محمود ومطلوب ہے (معارف القرآن شفیعی ۷/۱۵۱)۔

اوپر ذکر کردہ بالترتیب چار آثار تو ایسے ہیں جن سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ لڑکی اور اس کے اولیاء کفو نہ ہونے کے باوجود نکاح پر راضی ہوگئے اور نکاح ہوگیا (فتح ۴/۴۱۸)۔

۴-موجودہ دور میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ اس میں بھی برابری نہ ہونے کی صورت میں عورت اور اس کے اولیاء کو ننگ وعار ہوتا ہے۔ اور اس کے اعتبار کرنے میں یہ شبہ ہے کہ اس سے اسلام کی دعوت وتبلیغ میں رکاوٹ پیدا ہوگی، صحیح نہیں ہے، کیونکہ آئے دن کا تجربہ ہے کہ کفار اسلام میں داخل ہوتے رہتے ہیں اور جن کو بعد میں اس کفاءت کا حال معلوم ہوتا ہے وہ ارتداد اختیار نہیں کرتے، لہذا یہ خواہ مخواہ کا شبہ ہے، اور اگر یہ شبہ ہو کہ بعض کفار کے لئے یہ مسئلہ رکاوٹ بن رہا ہے تو صرف کفاءت ہی کی کیا تخصیص ہے، بعض کفار کے لئے تو ایسے مسائل بھی اسلام میں داخل ہونے سے مانع ہورہے ہیں، جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالت نصوص سے ثابت ہیں مثلاً جہاد، استرقاق، تعدد نکاح، مشروعیت طلاق، ذبح حیوانات وغیرہ تو کیا ان سب مسائل کو کالعدم قرار دیا جائے گا (امداد الفتاوی ۲/۳۵۲)۔

کفاءت اسلام کی نظر میں

مفتی محمد جنید عالم ندوی قاسمی ☆

۱- کفاءت کی حقیقت:

لغت میں کفاءت مساوات، برابری اور مماثلت کو کہتے ہیں۔

قرآن کریم میں ''کفو'' اسی برابری کے معنی میں مستعمل ہے: "ولم یکن له کفوا أحد" (سورۂ اخلاص)۔

اور اصطلاح شرع میں کفاءت کہتے ہیں مخصوص امور میں مرد کا عورت کے برابر ہونا یا اس سے فائق ہونا۔ علامہ علاء الدین الحصکفی درمختار میں کفاءت کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''والمراد هنا مساواة مخصوصة أو كون المرأة أدنى'' (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲۰۶/۴)۔

علامہ ابن نجیم مصری کفاءت کی تشریح کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''والمراد هنا المماثلة بين الزوجين في خصوص أمور أو كون المرأة أدنى'' (البحر الرائق ۱۳۷/۳)۔

دونوں عبارتوں کا حاصل یہ ہے کہ کفاءت سے مراد مخصوص امور میں مرد کا عورت کے ہم پلہ ہونا یا مرد کا عورت سے فائق ہونا ہے۔

☆ امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ میں ہے:

مخصوص امور یعنی نسب، اسلام، پیشہ، آزادی، دیانت اور مال میں مرد کا عورت کے مساوی ہونا کفاءت ہے (کتاب الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/ ۴۶)۔

شریعت اسلامی میں کفاءت کا اعتبار:

ابن حزم اندلسی ظاہری اس بات کے قائل ہیں کہ باب نکاح میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے، چنانچہ کوئی بھی مسلمان بشرطیکہ وہ زانی نہ ہو کسی بھی مسلمان لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے بشرطیکہ وہ لڑکی زانیہ نہ ہو (فقہ السنۃ ۲/ ۱۴۳)۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ تمام مؤمن بھائی بھائی ہیں: "إنما المؤمنون إخوۃ" (سورۂ حجرات: ۱۰)۔

دوسری جگہ اللہ تعالی نے تمام مسلمانوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

"فانکحوا ما طاب لکم من النساء" (سورہ نساء: ۳) (تم جس عورت سے چاہو نکاح کرلو)۔

تیسری جگہ اللہ تعالی نے محرمات کی فہرست شمار کرنے کے بعد ارشاد فرمایا:

"و أحل لکم ماوراء ذلکم" (سورہ نساء: ۲۴) (ان کے علاوہ تمام عورتیں تمہارے لئے حلال ہیں)۔

۲- حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی خالہ زاد بہن حضرت زینب کا نکاح اپنے غلام زید بن حارثہ سے کیا اور حضرت مقداد کا نکاح ضباعۃ بنت الزبیر بن عبد المطلب سے کیا (فقہ السنۃ ۲/ ۱۴۳، ۱۴۴)۔

۳- ابوطیبہ نے بنو بیاضہ کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو ان لوگوں نے نکاح کرنے

سے انکار کردیا تو حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

''أنكحوا أبا طيبة إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد كبير'' (بدائع الصنائع ۲/۶۳۳)۔

(ابوطیبہ سے نکاح کرلو اگر ان سے نکاح نہیں کروگے تو زمین میں فتنہ اور بہت بڑا فساد پیدا ہوگا)۔

۴-حضرت بلالؓ نے ایک انصاری خاندان میں نکاح کا پیغام بھیجا، ان لوگوں نے نکاح کرنے سے انکار کردیا، حضور اکرم ﷺ کو جب معلوم ہوا تو آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ سے فرمایا کہ جاؤ ان سے کہہ دو کہ حضور ﷺ نے مجھ سے نکاح کرنے کا حکم دیا ہے (بدائع الصنائع ۲/۶۲۳)۔

حضور اکرم ﷺ نے کفاءت نہ ہونے کے باوجود بھی نکاح کرنے کا حکم فرمایا، اگر شریعت میں کفاءت معتبر ہوتی تو یہ حکم نہیں فرماتے۔

۵-اس مسئلہ کا قیاس قصاص پر کرتے ہیں کہ قصاص میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے، چنانچہ ایک بڑے خاندان کا شریف آدمی ایک چھوٹے خاندان کے کم تر آدمی کے بدلہ قصاص میں قتل کیا جاتا ہے، لہذا اب نکاح میں بھی کفاءت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

ابن حزم اندلسی ظاہری کے علاوہ تقریباً تمام علماء امت ومجتہدین عظام اور فقہاء کرام خصوصاً ائمہ اربعہ امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت اسلامی میں کفاءت کا اعتبار بہر حال ہے، گرچہ ان حضرات کے مابین امور کفاءت میں اختلاف ہے، لیکن کسی نہ کسی درجہ میں کفاءت کے معتبر ہونے میں یہ حضرات متفق ہیں۔

ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-قرآن کریم میں کفاءت کے سلسلہ میں کوئی صریح آیت تو موجود نہیں ہے، البتہ کچھ بنیاد ہے جس سے کفاءت کا معتبر ہونا سمجھ میں آتا ہے۔ مثلاً سورہ نور کی دو آیتیں ہیں:

"الزاني لا ينكح إلا زانية" (سورہ نور: ۳) (زانی مرد زانی عورت ہی سے نکاح کرسکتا ہے)۔

"الخبيثات للخبيثين والخبيثون للخبيثات والطيبات للطيبين والطيبون للطيبات" (سورۂ نور: ۲۶) (خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے ہیں، اور پاکباز عورتیں پاکباز مردوں کے لئے اور پاکباز مرد پاکباز عورتوں کے لئے ہیں)۔

ان آیات سے یہ اشارہ ملتا ہے کہ فاسقہ فاجرہ اور زانیہ عورتوں کا نکاح انہیں کی طرح فاسق وفاجر اور زانی مردوں سے ہونا چاہئے اور پاکباز، پاکدامن اور صالحہ عورتوں کا نکاح پاکباز، پاکدامن اور صالح مردوں سے ہونا چاہئے۔

۲- بہت سی روایات ہیں جن کو ابن ماجہ، ترمذی اور حاکم وغیرہ نے ذکر کیا ہے، جن میں ہے کہ حضور علیہ السلام نے کفو میں نکاح کرنے کا حکم دیا ہے۔

دارقطنی اور بیہقی میں ہے:

عن جابر بن عبد الله قال قال رسول الله ﷺ: "لا تنكحوا النساء إلا من الأكفاء ولا يزوجهن إلا الأولياء"۔

(حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کا نکاح ان کے کفو میں کرو اور ان کا نکاح اولیاء ہی کریں)۔

دوسری روایت ابن ماجہ میں ہے:

عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ: "تخيروا لنطفكم وأنكحوا الأكفاء وأنكحوا إليهم" (ابن ماجہ ۱۴۲)۔

(حضرت عائشہؓ کی روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اپنے نطفہ کے لئے بہتر کو اختیار کرو اور کفو سے نکاح کرو اور ان کے پاس نکاح کا پیغام بھیجو)۔

یہ اور اس طرح کی بہت سی روایات کفاءت کے معتبر ہونے کے سلسلہ میں ہیں۔

ان روایات پر کلام بھی کیا گیا ہے اور بعض حضرات نے ضعیف بھی قرار دیا ہے، لیکن چونکہ مختلف طرق سے یہ روایات مروی ہیں، اس لئے یہ درجہ حسن تک پہنچی ہوئی ہیں۔ ان سے استدلال صحیح ودرست ہے۔

علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں:

''روي ذلک من حديث عائشة وأنس وعمر من طرق عديدة فوجب ارتفاعه إلى الحجية بالحسن لحصول الظن بصحة المعنى وثبوته عنه ﷺ وفي هذا كفاية'' (شرح فتح القدیر ۳؍۲۹۲)۔

۳-تیسری دلیل عقلی ہے کہ نکاح کی مشروعیت کے جو مقاصد ہیں یعنی نگاہ وشرمگاہ کی حفاظت اور توالد وتناسل یہ مقاصد غیر کفو میں نکاح کی صورت میں حاصل نہیں ہوسکتے ہیں، اس لئے کہ ان مقاصد کے حصول کے لئے زوجین کے مابین ذہنی ہم آہنگی ضروری ہے اور غیر کفو میں نکاح کی صورت میں ذہنی ہم آہنگی نہیں ہوسکتی ہے، اس لئے کہ عورت اس بات کو گوارہ نہیں کرسکتی ہے کہ اپنے سے کم تر شخص کی فراش بنے۔

نیز زوجین کے مابین کچھ روابط وتعلقات ہوتے ہیں اور ہر ایک پر دوسرے کے کچھ حقوق ہوتے ہیں جن کی ادائیگی ہر ایک کے ذمہ لازم ہے، ان روابط وتعلقات کو برقرار رکھے بغیر اور ان حقوق کو ادا کئے بغیر نکاح کو باقی رکھنا مشکل ہے اور یہ روابط وتعلقات اسی وقت باقی رہ سکتے ہیں اور ان حقوق کی ادائیگی اسی وقت ممکن ہے جبکہ کفو میں نکاح ہو۔ غیر کفو میں نکاح کی صورت میں یہ ممکن نہیں ہے۔ لہذا کفاءت کا اعتبار لازم ہوگا۔

علامہ ابن حزم کے دلائل کے جوابات:

علامہ ابن حزم نے جن آیات سے استدلال کیا ہے، ان آیات سے استدلال ان کے

مدعا پر تام نہیں ہے، اس لئے کہ ان آیات سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ شریعت اسلامی میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے۔ پہلی آیت سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ تمام مومن بھائی بھائی ہیں، لیکن ان کے درمیان کوئی فرق مراتب نہیں ہے، عالم وجاہل، صالح ومتقی اور فاسق وفاجر سبھی برابر ہیں ایسا نہیں ہے۔ خود اللہ رب العزت نے دوسرے مقامات پر اس کو واضح کردیا ہے کہ سبھی لوگ رتبہ اور مقام میں برابر نہیں ہوسکتے ہیں۔ اللہ تعالی نے صاف لفظوں میں فرمادیا ہے:

''قل هل يستوى الذين يعلمون و الذين لا يعلمون''(عالم اور جاہل دونوں برابر نہیں ہوسکتے)۔

دوسری جگہ اللہ تعالی ارشاد فرماتا ہے:

''و رفعنا بعضهم فوق بعض درجات ليتخذ بعضهم بعضا سخريا'' (سورۂ زخرف ر۳۲)۔

''يرفع الله الذين آمنوا منكم و الذين أوتوا العلم درجات'' (سورۂ مجادلہ)۔

دوسری اور تیسری آیت جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن محارم کا تذکرہ قرآن کریم میں ہوا ہے، ان کے علاوہ دوسری تمام عورتوں سے نکاح جائز ہے، ان آیتوں سے بھی کفاءت کے عدم اعتبار پر استدلال نہیں کرسکتے ہیں، اس لئے کہ اس اجازت کا ہرگز یہ مطلب نہیں ہے کہ مقاصد نکاح کو بالکلیہ نظر انداز کردیا جائے، مزاج شریعت کو پہچاننا ہوگا اور روح شریعت کو باقی رکھنا ہوگا۔

جہاں تک ان روایات کا تعلق ہے جن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے غیر کفو میں نکاح کیا یا نکاح کا حکم دیا تو ان کا جواب علامہ کاسانی صاحب بدائع الصنائع یہ دیتے ہیں:

یہ عام حکم نہیں ہے بلکہ حضور اکرم ﷺ کی خصوصیت ہے، جیسا کہ ابوطیبہ نے حضور اکرم ﷺ کا خون پیا اور تنہا حضرت خزیمہ کی شہادت کو قبول فرمایا، یہ ان کی خصوصیت تھی۔

جہاں تک قصاص پر کفاءت کے قیاس کا تعلق ہے تو یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ قصاص کی مشروعیت کا مقصد جان کی حفاظت ہے، اگر اس میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے تو قصاص کی مشروعیت کا مقصد فوت ہو جائے گا، کیونکہ ہر شخص اپنے دشمن کو جو کفو نہیں ہوتا اس کو قتل کر دیتا اور وہ شخص غیر کفو کو قتل کرنے کی وجہ سے خود قتل نہیں کیا جاتا، جس کی وجہ سے اصل مقصد فوت ہو جاتا، اس کے برخلاف باب نکاح میں کفاءت کے اعتبار کرنے میں مقاصد نکاح حاصل ہوں گے، فوت نہیں ہوں گے (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۴)۔

خلاصہ یہ ہے کہ جمہور کا مسلک صحیح ہے، باب نکاح میں کفاءت کا اعتبار ہونا چاہئے۔

کفاءت کا اعتبار کن کن چیزوں میں ہے؟

اوپر کی تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی کہ سوائے ابن حزم اندلسی ظاہری کے تقریباً تمام علماء امت، مجتہدین عظام اور فقہاء کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ شریعت اسلامی میں کفاءت کا اعتبار ہے، البتہ کن کن امور میں کفاءت کا اعتبار ہے، اس سلسلہ میں علماء وفقہاء کے مختلف اقوال ہیں جو درج ذیل ہیں:

قول اول:

ابن نصر کی روایت کے مطابق امام مالک کے نزدیک کفاءت کا اعتبار تین چیزوں میں ہے: دین، حریت اور ان عیوب سے محفوظ ہونا جن کے رہتے ہوئے شوہر کے ساتھ عورت کا رہنا ضرر اور نقصان سے خالی نہ ہو، جیسے برص اور جذام کی بیماری۔ اور ابن القصار کی روایت کے مطابق امام مالک کے نزدیک کفاءت کا اعتبار صرف دین میں ہے۔

''وقال مالک فیما ذکره ابن نصر عنه، انها الدین والحریة والسلامة من العیوب الموجبة للرد......وحکی ابن القصار عن مالک : أن الکفاءة فی الدین فحسب'' (الافصاح ۲/ ۱۲۱)۔

علامہ شوکانی نے صحابہ میں سے حضرت عمر، عبداللہ بن مسعود، اور تابعین میں سے محمد بن سیرین وعمر بن عبدالعزیز کا مسلک یہی نقل کیا ہے، اور ابن القیم نے اسی کو راجح قرار دیا ہے۔

ان حضرات کے دلائل:

جو حضرات اس بات کے قائل ہیں کہ کفاءت کا اعتبار صرف دین اور تقوی میں ہوگا، ان حضرات کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم'' (سورۂ حجرات: ۱۰)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ اس آیت سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خلقت اور انسانی اقدار کے اعتبار سے سبھی لوگ برابر ہیں اور کسی کو کسی پر اگر برتری حاصل ہے تو صرف تقوی کی بنیاد پر۔

۲- ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ ابو حاتم المزنی کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے پاس ایسا شخص نکاح کا پیغام لے کر آئے جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن وراضی ہو تو اس سے اپنی لڑکی کا نکاح کردو، اگر ایسا نہیں کرتے ہو تو زمین میں بہت فتنہ اور فساد برپا ہوگا، صحابہ کرام نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! اگر چہ اس میں کچھ کمی ہو، آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا کہ جب اس کے اخلاق ودینداری سے مطمئن ہو تو اس سے نکاح کردو۔

الفاظ یہ ہیں:

''إذا أتاكم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه، إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد كبير، قالوا: يا رسول الله! وإن كان فيه؟ قال: إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه ثلاث مرات''۔

اس حدیث سے صاف واضح ہے کہ اگر ایسا شخص پیغام لے کر آتا ہے جو دینداری اور

اخلاق کے اعتبار سے قابل قدر ہے، پھر بھی اولیاء اس سے نکاح نہ کریں، بلکہ حسب ونسب اور جاہ ومال کی رغبت کریں، تو زمین میں فتنہ وفساد برپا ہوگا۔

۳-ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت نقل کی ہے کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے بنو بیاضہ! ابو ہند سے اپنی لڑکی کا نکاح کرو، اور ان کے پاس اپنے لڑکے کے نکاح کا پیغام بھیجو، جبکہ ابو ہند حجام و پچھنا لگانیوالے تھے۔

۴-حضرت بلالؓ نے حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی بہن سے نکاح کیا، اور حضرت ابوحذیفہ نے سالم کا نکاح ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ سے کیا، جبکہ سالم ایک انصاری عورت کے غلام تھے۔

۵-حضور اکرم ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کے پاس اپنے غلام زید بن حارثہ کے لئے نکاح کا پیغام بھیجا، چونکہ وہ خاندان قریش سے تھیں اور زید غلام تھے، اس لئے انہوں نے بھی اور ان کے بھائی عبد اللہ نے بھی نکاح سے انکار کردیا، اس پر قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

''وما كان لمؤمن ولا مؤمنة إذا قضى الله ورسوله أمرا أن يكون لهم الخيرة من أمرهم ومن يعص الله ورسوله فقد ضل ضلالا مبينا'' (سورۂ احزاب:۳۶)۔

جب اس آیت میں یہ کہا گیا کہ اللہ اور اس کے رسول کے فیصلہ کے بعد کسی مومن مرد یا کسی مومن عورت کو یہ اختیار نہیں ہے کہ اس فیصلے کے خلاف کرے، اگر وہ ایسا کرتا ہے تو وہ کھلی ہوئی گمراہی میں جاپڑا، تو حضرت زینب بنت جحش کے بھائی نے حضور اکرم ﷺ سے کہا کہ آپ جو چاہتے ہیں وہ مجھے حکم فرمادیں، چنانچہ آپ ﷺ نے حضرت زینب کا نکاح زید سے کردیا (مذکورہ تمام دلائل فقہ السنۃ میں بالتفصیل مذکور ہیں، ملاحظہ ہو: فقہ السنۃ ۲/ ۱۴۴-۱۴۵)۔

قول ثانی: دوسرا قول امام شافعیؒ کا ہے۔ ان کے نزدیک مندرجہ ذیل چھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے:

۱-دین، ۲-نسب، ۳-حریت (آزادی)، ۴-صناعت، ۵-عیوب سے پاک ہونا، ۶-ایک روایت میں مال بھی امور کفاءت میں سے ہے۔

''وقال الشافعي: إنها ستة هي: الدين، والنسب، والحرية، والصناعة، والبراءة من العيوب، والمال'' (في أحد الوجهين) (الافصاح ۱۳۱/۲)۔

قول ثالث: تیسرا قول امام احمد بن حنبل کا ہے۔ مشہور روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک مندرجہ ذیل پانچ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے:

۱-نسب، ۲-دین، ۳-حریت، ۴-صناعت، ۵-مال۔

اور دوسری روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل کے نزدیک صرف نسب اور دین میں کفاءت کا اعتبار ہے۔

''وقال أحمد (في الرواية المشهورة عنه): هي خمسة: النسب، والدين، والحرية، والصناعة، والمال، وعن أحمد (رواية أخرى) هي النسب والدين فقط'' (حوالۂ مذکور)۔

قول رابع: چوتھا قول حنفیہ کا ہے۔ حنفیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل امور میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے:

۱-دیانت وتقوی، ۲-حریت، ۳-مال، ۴-صنعت وحرفت، ۵-عقل، ۶-عیوب سے پاک ہونا، ۷-نسب، ۸-اسلام۔

دینداری وتقوی میں کفاءت:

دینداری وتقوی میں کفاءت معتبر ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں صرف امام محمدؒ کا اختلاف نقل کیا جاتا ہے۔ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دیانت وتقوی چونکہ امور آخرت میں سے ہے، اس لئے اس میں کفاءت ضروری نہیں، کیونکہ کفاءت امور دنیا میں سے ہے، لہذا ان کے نزدیک ایک

صالح وشریف لڑکی ایک فاسق وفاجر مرد کی کفو ہوسکتی ہے، البتہ امام محمدؒ کے نزدیک بھی اگر اس شخص کافسق اس درجہ تک پہنچ گیا ہو کہ لوگ اس کا تمسخر و مذاق اڑاتے ہوں، وہ علانیہ شراب پی کر بازاروں میں نکلتا ہو اور لڑکے اس سے کھیلتے ہوں، تو وہ صالحہ لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا ہے (ہدایہ علی ہامش شرح فتح القدیر ۳/ ۳۰۰)۔

امام محمد کے علاوہ تقریباً تمام علماء امت، ائمہ مجتہدین اور فقہاء عظام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ دینداری وتقوی میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، چنانچہ ایک صالح دیندار، صاحب تقوی اور پابند شرع لڑکی فاسق وفاجر، غیر صاحب تقوی اور غیر پابند شرع مرد کی کفو نہیں بن سکتی ہے۔ اگر وہ اولیاء کی اجازت ورضامندی کے بغیر نکاح کرلے تو اس کے اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۸، نیز رد المحتار ۴/ ۲۱۲)۔

اس ذیل میں یہ مسئلہ آتا ہے کہ خود لڑکی کے تقوی وصلاح کا اعتبار ہوگا، یا اس کے والدین اور خاندان کے لوگوں کا؟ یعنی اگر لڑکی خود صالحہ ہو، لیکن اس کے والدین اور خاندان کے دوسرے لوگ صالح نہ ہوں، یا خاندان کے لوگ صالح ہوں لیکن خود لڑکی صالحہ نہ ہو تو کس کی حالت کا اعتبار ہوگا؟

اس سلسلہ میں فقہاء کرام کی مختلف رائیں ہیں:

بعض حضرات نے لڑکی کی دینی حالت کا اعتبار کیا ہے، یعنی اگر لڑکی صالحہ ہے اور اس کے خاندان کے لوگ غیر صالح ہیں تو لڑکی فاسق وفاجر کی کفو نہیں ہوسکتی ہے، جبکہ بعض فقہاء اس کے برعکس کے قائل ہیں، یعنی ان کے نزدیک لڑکی کے خاندان والوں کی دینی حالت کا اعتبار ہے، چنانچہ اگر چہ لڑکی صالحہ ہو لیکن اس کے خاندان کے لوگ فاسق ہوں تو ایسی صورت میں فاجر وفاسق شخص کو اس لڑکی کا کفو قرار دیا جائے گا، لیکن صحیح یہ ہے کہ دونوں کی دینی حالت کا اعتبار ہوگا، چنانچہ فاسق وفاجر شخص صالحہ بنت صالح کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، بلکہ وہ فاسقہ بنت فاسق کا کفو ہوگا۔ اسی طرح سے کسی صالح اور دیندار شخص کی لڑکی اگر فاسقہ ہو اور وہ کسی فاسق وفاجر شخص سے نکاح

کرلے تو اس کے اولیاء کو حق اعتراض حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ صالح شخص کو اس کے داماد کے فسق سے جو عار ہوگا، اس سے زیادہ عار اس کی لڑکی کے فسق سے ہوگا۔ اور اگر صالحہ بنت فاسق ہو اور وہ اپنی خوشی و رضامندی سے کسی فاسق و فاجر سے نکاح کرلے تو اس صورت میں بھی اس کے اولیاء کو حق اعتراض حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ اولیاء تو خود ہی فاسق و فاجر ہیں، اور لڑکی صالحہ ہے جس کی بنیاد پر وہ فاسق کی کفو نہیں تھی، لیکن جب اس نے اپنی رضامندی سے نکاح کرلیا تو اس نے اپنا حق ساقط کردیا۔

جن حضرات نے صرف لڑکی کی دینی حالت کا اعتبار کیا ہے، یا صرف اس کے خاندان کے لوگوں کی دینی حالت کا اعتبار کیا ہے، ان کے متعلق علامہ ابن عابدین شامی تحریر فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے غالب کا اعتبار کیا ہے۔ عموما ایسا ہوتا ہے کہ صالح شخص کی لڑکی بھی صالحہ ہوتی ہے اور فاسق شخص کی لڑکی فاسقہ ہوتی ہے۔ ولد اور والد کی دینداری ایک دوسرے کے لئے لازم ہے۔

علامہ ابن نجیم البحر الرائق میں تحریر فرماتے ہیں:

''والظاهر أن الصلاح منها، أو من آبائها كاف لعدم كون الفاسق كفاء لها'' (البحر الرائق ۳؍۱۴۲)۔

دینداری اور تقوی میں کفاءت کے معتبر ہونے کے وہی دلائل ہیں، جو امام مالک کے قول کے ذیل میں مذکور ہوئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ کرلیا جائے۔

حریت وآزادی میں کفاءت:

ائمہ اربعہ میں سے امام مالک کے علاوہ تینوں ائمہ، امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل حریت وآزادی میں بھی کفاءت کے قائل ہیں، لہذا غلام مرد کسی آزاد خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، چونکہ اس وقت غلامی اور آزادی کا سوال ہی نہیں، اس لئے اس مسئلہ کی تفصیل کو چھوڑتا ہوں۔

مال میں کفاءت:

مال میں کفاءت معتبر ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ملتے ہیں، امام مالک تو سرے سے مال میں کفاءت کے قائل ہی نہیں۔ امام شافعی سے دو روایتیں منقول ہیں:

صحیح روایت یہ ہے کہ مال میں کفاءت کا اعتبار ہے، لہذا فقیر و تنگدست شخص کسی مالدار خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا ہے۔ اور دوسری روایت ہے کہ مال میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے، لہذا ایک فقیر شخص کسی مالدار خاتون کا کفو ہوسکتا ہے (التکملۃ الثانیہ، المجموع شرح المہذب ۱۶/ ۱۸۲)۔

امام احمد بن حنبلؒ سے بھی دو روایتیں ہیں: ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل بھی مال میں کفاءت کے قائل ہیں اور یہی ان کی اصح روایت ہے۔ دوسری روایت کے مطابق مال میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں (المغنی لابن قدامہ ۶/ ۴۸۴، ۴۸۵)۔

حنفیہ میں سے امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ مال میں کفاءت کے قائل ہیں، اور امام ابو یوسفؒ مال میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں۔ جو حضرات کفاءت فی المال کے قائل ہیں، ان کے نزدیک کفاءت فی المال کا مطلب یہ ہے کہ مہر مثل کی ادائیگی پر قدرت ہو اور نفقہ دے سکتا ہو، چنانچہ اگر کوئی شخص دونوں یا کسی ایک پر قدرت نہ رکھتا ہو، تو وہ کسی مالدار خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا ہے (ہدایہ علی شرح فتح القدیر ۳/ ۳۰۰)۔

نفقہ سے مراد:

یہاں پر نفقہ سے کیا مراد ہے؟ کتنے دنوں کا نفقہ کسی کے پاس موجود ہو تو اس کو نفقہ پر قادر سمجھا جائے گا؟ اس سلسلہ میں مختلف اقوال ملتے ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ ایک سال کا نفقہ ہو تو نفقہ پر قادر سمجھا جائے گا۔ دوسرا قول چھ ماہ کا ہے۔ اور تیسرا قول ایک ماہ کا ہے۔ اور یہی قول زیادہ صحیح ہے۔

''اختلف فيه: قيل المعتبر ملک نفقة أشهر، وقيل نفقة ستة أشهر،

وفی جامع شمس الائمة سنة" (شرح فتح القدیر ۳؍۳۰۰)۔

علامہ ابن نجیم مصری نے مجتبی کے حوالہ سے صحیح قول یہ ذکر کیا ہے کہ: اگر کوئی شخص کما کر روزانہ نفقہ کی ادائیگی پر قدرت رکھتا ہو تو وہ کسی مالدار خاتون کا کفو ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن نجیم نے اسی قول کو ظاہر قول قرار دیا ہے (البحر الرائق ۳؍۱۴۲)۔

بلکہ ذخیرہ کی عبارت دیکھنے کے بعد اس میں مزید سہولت ونرمی معلوم ہوتی ہے۔ علامہ ابن نجیم نے ذخیرہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اگر عورت کے نفقہ پر قدرت ہو اور خود اپنے نفقہ پر قدرت نہ ہو تو بھی اس کو کفو قرار دیا جائے گا، اور اگر عورت کے نفقہ پر قدرت نہ ہو تو گرچہ وہ عورت فقیر ہو اس شخص کو اس عورت کا کفو نہیں قرار دیا جائے گا۔

"**وفی الذخیرة إذا کان یجد نفقتها ولا یجد نفقة نفسه، یکون کفئا وإن لم یوجد نفقتها لا یکون کفئا وإن کانت فقیرة**" (حوالہ بالا)۔

نفقہ کی یہ پوری تفصیل اس صورت میں ہے جبکہ لڑکی بالغہ ہو، اور اگر لڑکی صغیرہ ہو، جماع کے لائق نہ ہو گرچہ لڑکا نفقہ پر قدرت نہ رکھتا ہو، وہ اس کا کفو ہوگا، اس لئے کہ ایسی صورت میں اس صغیرہ بیوی کا نفقہ اس کے شوہر پر واجب نہیں ہوگا (شرح فتح القدیر ۳؍۳۰۰)۔

مہر سے مراد:

جہاں تک مہر پر قدرت کا تعلق ہے تو اس سے مراد مہر معجل ہے، جس کی فی الفور ادائیگی ضروری ہو، اس لئے کہ اس صورت میں عورت کو یہ اختیار ہے کہ شوہر کو اپنے اوپر قدرت دینے سے منع کردے، ہندوستان میں چونکہ مہر کے مؤجل رکھنے کا عرف ہے، اس لئے اگر کوئی شخص فی الفور مہر کی ادائیگی پر قدرت نہ رکھتا ہو تو بھی وہ کفو قرار دیا جائے گا۔ ہندوستانی معاشرہ میں لوگوں کے لئے امام ابو یوسفؒ کے قول پر عمل کرنا زیادہ سہل ہے، اس لئے کہ وہ نفقہ پر قدرت کو کافی سمجھتے ہیں، مہر پر قدرت کو ضروری نہیں قرار دیتے ہیں، کیونکہ مہر کے سلسلہ میں لوگ سہولت سے

کام لیتے ہیں اور خود باپ کے مالدار ہونے سے بھی لڑکے کو مہر پر قادر سمجھا جاتا ہے (ہدایہ علی ہامش شرح فتح القدیر ۳/ ۳۰۰)۔

اس ذیل میں یہ بحث آتی ہے کہ اگر کوئی شخص نفقہ اور مہر پر قادر ہے، لیکن عورت اس سے بہت زیادہ مالدار ہے، تو کیا وہ شخص اس مالدار خاتون کا کفو ہوسکتا ہے یا نہیں؟ یعنی مالدار ہونے میں دونوں کا مساوی ہونا ضروری ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ سے دو روایتیں منقول ہیں ......غیر ظاہر روایت یہ ہے کہ دونوں کا معاشی سطح پر برابر ہونا ضروری ہے۔ اگر لڑکا صرف نفقہ اور مہر پر قدرت رکھتا ہے تو وہ کسی مالدار خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے کہ لوگ مالداری پر فخر کرتے ہیں، اس کے مقابلہ میں ظاہر روایت اور روایت اصول یہ ہے کہ چونکہ مال آتا ہے اور جاتا ہے، اس لئے مالداری میں برابری ضروری نہیں ہے۔صرف نفقہ اور مہر پر قدرت رکھنے والا شخص بھی کسی مالدار خاتون کا کفو ہوسکتا ہے (دیکھئے: شرح فتح القدیر ۳/ ۳۰۱)۔

اور جب روایت اصول اور غیر روایت اصول میں ٹکراؤ ہو تو روایت اصول کو ترجیح حاصل ہوتی ہے، لہذا راجح اور صحیح قول امام ابوحنیفہؒ اور امام محمدؒ کا یہی ہوگا کہ مالداری میں برابری ضروری نہیں ہے۔

جو لوگ کفاءت فی المال کے قائل نہیں ہیں ان کے دلائل:

جو حضرات مال میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں، ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱-مال کسی کے پاس ہمیشہ رہنے والا نہیں ہے، اس کو ثبات ودوام حاصل نہیں ہے، یہ آنے والا اور جانے والا ہے، لہذا اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

''ومنهم من قال لا يعتبر، لأن المال يروح ويغدو'' (التکملۃ الثانیۃ المجموع شرح المہذب ۱۶/ ۱۸۴)۔

۲-فقر باعث ننگ وعار نہیں ہے، بلکہ دین میں باعث عزوشرف ہے، یہی وجہ ہے کہ

حضور ﷺ نے دعا فرمائی کہ اے اللہ مجھ کو مسکین بنا کر زندہ رکھ اور اسی حال میں موت دے، لہذا مال میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہوگا (المغنی لابن قدامہ ۶/۴۸۵)۔

کفاءت فی المال کے قائل کے دلائل:

جو حضرات مال میں کفاءت کے قائل ہیں ان کے دلائل درج ذیل ہیں:

۱- فاطمہ بنت قیس کو ان کے شوہر ابوعمرو بن حفص بن مغیرہ نے جب طلاق دے دی، تو ان کے پاس حضرت معاویہ نے نکاح کا پیغام بھیجا، فاطمہ بنت قیس نے حضور اکرم ﷺ سے مشورہ لیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ معاویہ تو فقیر آدمی ہیں، ان کے پاس مال نہیں ہے۔

"أما معاوية فصعلوک لا مال له" (بیہقی باب اعتبار الکفاءۃ ۷/۱۳۵)۔

اس روایت سے مال میں کفاءت کے معتبر ہونے کی دلیل نکلتی ہے۔

۲- مال باعث عز وشرف ہے، خصوصاً ہمارے اس زمانہ میں، اور غربت وافلاس کو حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے، اگر مال میں کفاءت وبرابری نہ ہو تو زوجین کی زندگی تلخ ہوجائے گی اور مصالح نکاح فوت ہوجائیں گے، لہذا مال میں کفاءت کا اعتبار ضروری ہے۔

۳- مہر عورت کے ملک بضع کا عوض ہے، اور نفقہ ازدواجی زندگی کے قیام کا ذریعہ ہے، لہذا دونوں پر قدرت کا ہونا ضروری ہے۔

۴- اگر مہر اور نفقہ پر بھی قدرت نہ ہو تو ایسے شخص کو عادۃً حقیر وذلیل سمجھا جاتا ہے، جیسا کہ نسب کی دناءت کی بنیاد پر حقیر وذلیل سمجھا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص مہر اور نفقہ پر بھی قادر نہ ہو اور اس کا نکاح کسی مالدار خاتون سے ہوجائے تو مصالح نکاح فوت ہوجائیں گے۔

کفاءت فی المال کے سلسلہ میں قول فیصل:

مال میں کفاءت کے سلسلہ میں فقہاء کے جو اقوال اوپر مذکور ہوئے ہیں، ان اقوال کا اگر تحقیقی جائزہ لیا جائے اور سنجیدگی سے اس پر غور وفکر کیا جائے تو یہ بظاہر اختلاف معلوم ہوگا،

لیکن حقیقت میں کوئی اختلاف نہیں ہے، اس لئے کہ جن حضرات نے مال میں کفاءت کو معتبر مانا ہے، ان کے نزدیک بھی مفتی بہ قول کے مطابق اگر کوئی شخص مہر معجّل کی ادائیگی اور روزانہ کما کر نفقہ دینے پر قادر ہے تو وہ کسی مالدار خاتون کا کفو ہوسکتا ہے۔ ہندوستان میں چونکہ مہر عموماً مؤجل ہی ہوتا ہے، اس لئے اگر بعد میں بھی مہر کی ادائیگی پر قدرت ہوجائے تو کافی ہے، لہذا صرف روزانہ کما کر نفقہ دینے پر قدرت کو کافی مانا جائے گا اور ایسا شخص کفو ہوگا۔ اور جو حضرات مال میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں وہ بھی نفقہ کو ضروری قرار دیں گے، اس لئے کہ اگر بیوی کے نفقہ پر قدرت نہ ہو اور نکاح کرنے کی صورت میں بیوی کے ساتھ ظلم وزیادتی کا یقین ہو تو ایسی صورت میں نکاح حرام ہے۔

اس پوری بحث کے بعد راقم الحروف کا ذاتی رجحان یہ ہے کہ اس باب میں مال کو کوئی خاص اہمیت نہ دی جائے، اگر کوئی شخص کماتا ہو یا وہ ملازمت کرتا ہو اور اس کے ذریعہ بیوی کی نفقہ کی ادائیگی پر قدرت رکھتا ہو تو اس کو کفو قرار دیا جائے۔ خصوصاً جبکہ وہ شخص صاحب علم وصاحب تقوی اور پابند شرع ہو، یا کسی دوسری وجہ سے اس کو معاشرہ میں عزت وشرف حاصل ہو، اور کوئی مالدار خاتون اس سے نکاح کر لے تو یہ نکاح جائز ہونا چاہئے، اور اس خاتون کے اولیاء کو حق اعتراض حاصل نہیں ہونا چاہئے۔

اس کی تائید فتاوی التاتارخانیہ کی اس عبارت سے بھی ہوتی ہے جس کو حجہ کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

''وفی الحجة: الكبيرة إذا زوجت نفسها ممن لا يملك مهرها، إلا أن له شرفا، يجوز النكاح وليس للأولياء حق التفريق'' (الفتاوی التاتارخانیہ)۔

صنعت وحرفت میں کفاءت:

شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ میں سے امام ابو یوسف، امام محمد اور ایک روایت کے مطابق امام

ابو حنیفہ صنعت وحرفت میں کفاءت کے قائل ہیں، صنعت وحرفت کے اعتبار سے لڑکے اور اس کے خاندان کے لوگ، لڑکی کے خاندان کے لوگوں کے مساوی ہوں یا ان سے فائق ہوں۔ اگر لڑکی والوں سے وہ کمتر ہیں تو لڑکا اس لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، اس لئے کہ صنعت وحرفت کی دناءت وخساست کو بھی لوگ باعث ننگ وعار سمجھتے ہیں، اور اپنے سے کم تر درجہ کی صنعت وحرفت والے کے یہاں نکاح کو اچھا نہیں سمجھتے ہیں۔

اس کے مقابلہ میں امام مالک، ایک روایت کے مطابق امام احمد بن حنبل اور ظاہر روایت ومفتی بہ قول کے مطابق امام ابوحنیفہ صنعت وحرفت میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں، اس لئے کہ صنعت وحرفت لازمی وصف نہیں ہے۔ کوئی ضروری نہیں ہے کہ ایک شخص نے ایک پیشہ کو اختیار کیا ہے تو پوری زندگی اور نسلا بعد نسل اسی پیشہ کو اختیار کئے رہے۔

امام ابو یوسف جو صنعت وحرفت میں کفاءت کے قائل ہیں فرماتے ہیں کہ اگر مختلف پیشوں کے لوگ سماج میں قریبی درجہ کے سمجھے جاتے ہوں اور ان میں کوئی زیادہ فرق نہ ہو تو وہ ایک دوسرے کے کفو ہوں گے، اور پیشوں کا جو تفاوت ہوگا اس کا اعتبار نہیں ہوگا، چنانچہ ان کے نزدیک بھی کپڑا بننے والا حجام یعنی پچھنا لگانے والے کا، دباغت دینے والا فراش کا، اور عطر فروش پارچہ فروش کا کفو ہے۔ شیخ الاسلام شمس الائمہ الحلوانی نے اس کو مفتی بہ قرار دیا ہے۔

خود امام ابوحنیفہؒ اور آپ کے دونوں شاگرد امام ابو یوسف اور امام محمدؒ کے اختلاف کو بھی حالات، عرف وعادت اور زمان ومکان کے اختلاف ہی کا نتیجہ قرار دیا گیا ہے۔ امام ابوحنیفہ کے زمانہ میں پیشہ کی دناءت کو نقص شمار نہیں کیا جاتا تھا، اس لئے انہوں نے اس میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا ہے۔ اور صاحبین کے زمانہ میں اس کو نقص شمار کیا جاتا تھا، اس لئے یہ دونوں حضرات اس میں کفاءت کے قائل ہیں، چونکہ اس میں عرف کا دخل ہے اس لئے گرچہ حائک کو عطار کا کفو قرار نہیں دیا گیا تھا، لیکن اسکندریہ میں حائک کا پیشہ اچھا سمجھا جاتا تھا، اس لئے وہاں پر حائک کو عطار کا کفو قرار دیا گیا ہے (دیکھئے: شرح فتح القدیر ۳/ ۳۰۱، ۳۰۲)۔

فقہاء کرام کے اقوال، ان کے دلائل پر غور وفکر کے بعد میرا اپنا ذاتی رجحان یہ ہے کہ صنعت وحرفت میں کفاءت کے اعتبار اور عدم اعتبار کو عرف پر محمول رکھا جائے، اگر کسی جگہ اور کسی زمانہ میں کسی پیشہ کو گھٹیا اور حقیر سمجھا جاتا ہو تو اس پیشہ کے اختیار کرنے والے کو اس سے اعلی پیشہ والے کا کفو قرار نہ دیا جائے۔ اور اگر زمان ومکان کے فرق سے وہی پیشہ اچھا سمجھا جائے تو پھر اس کو کفو قرار دیا جائے، جیسا کہ دباغت، جوتا سازی اور لوہاری وغیرہ پیشے کو فقہاء نے حقیر قرار دیا ہے، لیکن اس وقت ہمارے اس زمانہ میں اس کے لئے بڑے بڑے کارخانے قائم ہیں اور بہت سے ملازمین ان کارخانوں میں کام کرتے ہیں، ان پیشوں کو حقیر نہیں سمجھا جاتا ہے، لہذا اس وقت ان پیشوں کو حقیر سمجھ کر ان کے اختیار کرنے والوں کو غیر کفو قرار دینا صحیح نہیں ہوگا۔

عقل میں کفاءت:

عقل میں کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟ یعنی کوئی مجنون و پاگل شخص کسی عاقلہ کا کفو ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علامہ ابن عابدین شامی قاضی خاں کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ فقہاء متقدمین میں سے کسی کی بھی کوئی روایت نہیں ملتی ہے۔ البتہ فقہاء متاخرین کا اختلاف نظر آتا ہے (ردالمحتار ۴/۲۲۰)۔

فتاوی تاتارخانیہ میں ہے کہ بعض متاخرین کے نزدیک عقل میں کفاءت معتبر نہیں ہے، البتہ بعض متاخرین مشائخ عقل میں کفاءت کو معتبر مانتے ہیں، چنانچہ اگر لڑکا مجنون ہو تو وہ عاقلہ لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا ہے۔

والسابع الكفاءة في العقل: "وإنها معتبرة عند بعض المتأخرين من المشائخ، حتى أن الزوج إذا كان مجنونا لا يكون كفوا للمرأة العاقلة وعند بعضهم غير معتبرة" (الفتاوی التاتارخانیہ ۳/۶۳-۶۴)۔

چونکہ مجنون اور پاگل سے نکاح کرنے کی صورت میں مقاصد نکاح فوت ہوجائیں گے

اورلوگ مجنون اور پاگل سے نکاح کرنے میں بہت زیادہ عار بھی محسوس کرتے ہیں، اس لئے عقل میں بھی کفاءت کا اعتبار ہونا چاہئے، یہی قول اقرب الی الفقہ معلوم ہوتا ہے۔

علامہ علاء الدین الحصکفی "النہر الفائق" کے حوالہ سے لکھتے ہیں کہ مجنون، عاقلہ کا کفو نہیں ہوسکتا ہے (درمختار)۔

خود امام محمدؒ جوتقوی اور دینداری کوامور آخرت میں سے قرار دے کر اس میں کفاءت کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، وہ بھی فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اس قدر سفیہ اور نشہ خور ہو کہ لوگوں کے لئے وہ کھلونا بن گیا ہو، بازاروں میں وہ نشہ کی حالت میں نکلتا ہو اور بچے اس سے کھیلتے ہوں تو وہ کسی صالحہ لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، جیسا کہ کفاءت فی الدین کے ذیل میں اس کی تفصیل گذر چکی۔

عیوب سے محفوظ ہونے میں کفاءت:

عیوب سے محفوظ ہونے میں کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟ یعنی اگر کسی شخص میں کوئی مہلک مرض ہے، جیسے جذام، برص وغیرہ، یا کوئی ایسا عیب ہے جو فسخ نکاح کا سبب بنتا ہے تو ایسی صورت میں وہ شخص جسمانی اعتبار سے کسی صحیح سالم خاتون کا کفو ہوسکتا ہے یا نہیں؟

شافعیہ اور ابن نصر کی روایت کے مطابق امام مالکؒ عیوب سے محفوظ ہونے میں کفاءت کے قائل ہیں، ان حضرات کے نزدیک خطرناک مہلک جسمانی مرض میں مبتلا ہونے والا شخص کسی تندرست عورت کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، اس صورت میں بھی اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا (فقہ السنۃ ۲/ ۱۵۰)۔

اس کے مقابلہ میں حنابلہ، حنفیہ اور صحیح قول کے مطابق مالکیہ اس میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں، ان حضرات کے نزدیک مہلک مرض کا شکار شخص تندرست خاتون کا کفو ہوسکتا ہے اور اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہوگا۔

''ولم یعتبرها الأحناف ولا الحنابلة'' (حوالہ مذکور)۔

البتہ حنابلہ اور مالکیہ خود عورت کو یہ اختیار دیتے ہیں کہ وہ قاضی شریعت کی شرعی عدالت دار القضاء میں درخواست دے کر فسخ نکاح کا مطالبہ کرے، اس کے اولیاء کو یہ اختیار نہیں دیتے ہیں۔

"ولکنها تثبت الخیار للمرأة دون الأولیاء، لأن ضرره مختص بها" (المغنی لابن قدامہ ۶/ ۴۸۵)۔

حنفیہ میں سے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر مرض ایسا ہو کہ اس کے ساتھ عورت کا رہنا اور ازدواجی زندگی گذارنا مشکل ہو تو خود عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا، اس کے اولیاء کو یہ حق نہیں ہوگا (ردالمحتار ۴/ ۲۲۰)۔

حنفیہ میں سے امام محمد کا قول راجح اور مفتی بہ ہے۔میرا ذاتی رجحان بھی اسی جانب ہے، اور امارت شرعیہ بہار واڑیسہ کے دار القضاء میں بھی قاضی حضرات کا اسی پر عمل ہے۔

طحطاوی میں ہے:

''قوله فی الثلاثة الأول: وهی الجنون، والجذام، والبرص، وألحق بها القهستانی کل عیب لا یمکنها المقام معه إلا بضرر'' (طحطاوی ۲/ ۲۱۳)۔

۳-الف: نسب میں کفاءت کا اعتبار:

تیسرا سوال یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں علماء وفقہاء کے دو نقطہائے نظر ہیں:

۱- شافعیہ، حنابلہ اور حنفیہ نسب میں کفاءت کے قائل ہیں، ان حضرات کے نزدیک کسی اعلی نسب والی عورت اپنے سے کم تر نسب والے مرد کی کفو نہیں ہوسکتی ہے۔

۲- امام مالک، ابن حزم اندلسی، سفیان ثوری، ابو الحسن کرخی حنفی اور ابو بکر جصاص رازی کے نزدیک نسب میں کفاءت معتبر نہیں ہے۔

کفاءت فی النسب کے معتبر ہونے اور نہ ہونے کے سلسلہ میں چند باتیں قابل ذکر ہیں۔

کفاءت فی النسب کن لوگوں میں معتبر ہے؟

پہلی بات یہ ہے کہ جن حضرات کے نزدیک نسب میں کفاءت معتبر ہے، وہ حضرات پوری انسانیت کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں۔ ۱-عرب قریشی، ۲-غیر عرب قریشی، ۳-موالی (عجمی)۔

قریشی باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں، گرچہ بطن اور قبیلہ کا اختلاف ہو۔ غیر قریشی کسی قریشی کا کفو نہیں ہوسکتا ہے۔ غیر قریشی عرب باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ صاحب ہدایہ وغیرہ نے بنو باہلہ کو ان کی خساست ودناءت کی وجہ سے دوسرے عربوں کا کفو قرار نہیں دیا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ بھی دوسرے عربوں کے کفو ہیں۔ عجمی کسی عربی کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، عجمی باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

جن حضرات نے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، ان حضرات کے نزدیک بھی خود عجمیوں کے مابین نسب میں کفاءت معتبر نہیں ہے۔ فتاوی تاتارخانیہ میں شیخ الاسلام کے حوالہ سے نقل کیا ہے:

"قال شیخ الإسلام رحمه الله: الكفاءة فيما بين الموالي يعتبر بالإسلام لا بالنسب" (فتاوی تاتارخانیہ ۳/ ۵۸)۔

کتب فقہ میں عجمیوں کے لئے موالی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

یہاں پر عجمی سے مراد وہ لوگ ہیں جو عرب کے کسی خاندان کی طرف منسوب نہ ہوں، خواہ عربوں نے ان کے ملک پر قبضہ کرکے ان کو آزاد کیا ہو یا نہ کیا ہو۔

علامہ شامی لکھتے ہیں کہ ہمارے اس زمانہ میں عام لوگ خواہ شہر کے رہنے والے ہوں یا

دیہات کے عجمی ہی ہیں۔ چاہے وہ عربی زبان میں بات کریں یا نہ کریں، الا یہ کہ کسی کا نسب محفوظ ومعروف ہو (ردالمحتار ۴/ ۲۱۱)۔

فریق اول کے دلائل اوران کے جوابات:

تیسری چیز فریق اول کے دلائل اور ان دلائل کا جائزہ ہے۔ ان حضرات نے دلائل میں جو روایات وآثار پیش کئے ہیں، ان میں سے یا تو متکلم فیہ ہیں یا ان سے استدلال کمزور ہے۔

پہلی دلیل: ان کی پہلی دلیل وہ روایت ہے جس کو عام طور سے فقہاء نے ذکر کیا ہے:

''قريش بعضهم أكفاء لبعض، بطن ببطن، والعرب بعضهم أكفاء لبعض، قبيلة بقبيلة، والموالي بعضهم أكفاء لبعض رجل برجل'' (ہدایہ علی ہامش شرح فتح القدیر ۳/ ۲۹۶، ۲۹۷)۔

یہ روایت کتب حدیث میں مختلف طرق اور مختلف سندوں سے الفاظ کے کچھ فرق کے ساتھ منقول ہے۔ لیکن ہر سند ضعیف ہے، ہر سند پر کلام ہے۔ کسی سند میں راوی مجہول، کسی میں راوی پر کلام، اور کسی میں راوی کا اپنے شیخ سے لقا ثابت نہیں۔ ان سب کے باوجود علامہ ابن ہمام تحریر فرماتے ہیں کہ چونکہ کفاءت فی النسب کے باب میں روایات مختلف طرق سے مروی ہیں، اس لئے درجہ حسن تک پہنچی ہوئی ہیں، ان سے استدلال کیا جا سکتا ہے (شرح فتح القدیر ۳/ ۲۹۶)۔

دوسری دلیل: حضرت عمر فاروقؓ کا قول:

''لأمنعن تزوج ذوات الأحساب إلا من الأكفاء'' (دارقطنی)۔

(میں حسب ونسب والی عورتوں کو غیر کفو میں نکاح کرنے سے منع کروں گا)۔

اس سے استدلال اس طرح ہے کہ حضرت عمرؓ کا یہ ارشاد ایسے معاملہ میں ہے جس کا تعلق عقل وقیاس سے نہیں ہے، اور ایسا معاملہ جس میں عقل وقیاس کا دخل نہ ہو، اس میں کسی صحابی کا اثر حدیث مرفوع کا درجہ رکھتا ہے، یعنی یہ سمجھا جائے گا کہ یہ بات انہوں نے اپنی طرف سے

نہیں کہی ہوگی، بلکہ ضرور حضور اکرم ﷺ سے سنا ہوگا۔

اس سلسلہ میں یہ عرض ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ کا مذکورہ اشارہ صحیح ہے، لیکن حسب کا ترجمہ نسب سے کرنا محل غور ہے۔ یہاں پر حسب کا ترجمہ مال سے بھی ہوسکتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"إن أحساب الناس بينهم في هذه الدنيا هذا المال" (المغنی لابن قدامہ ۶/ ۴۸۴)۔

تیسری دلیل: حضرت سلمان اور حضرت جریر کا واقعہ ہے کہ یہ دونوں حضرات ایک سفر میں تھے، نماز کا وقت ہوگیا تو حضرت جریر نے حضرت سلمان سے کہا کہ آپ آگے بڑھیں اور نماز پڑھائیں، حضرت سلمان نے کہا کہ آپ ہی آگے بڑھ کر نماز پڑھائیں، اس لئے کہ آپ عرب ہیں، ہم نماز میں آپ سے آگے نہیں بڑھ سکتے، یعنی امامت نہیں کرسکتے ہیں اور نہ ہی آپ کی عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں، اس لئے کہ اللہ تعالی نے اپنا نبی آپ ہی لوگوں میں بھیج کر آپ حضرات کو ہم لوگوں پر فضیلت دی ہے (المغنی لابن قدامہ ۶/ ۴۸۰)۔

یہ روایت صحیح سند کے ساتھ ہے، لیکن اس سے استدلال تام نہیں ہے، اس لئے کہ اولا تو یہ حضرت سلمان کا اپنا اجتہاد ہے، ثانیا ممکن ہے کہ یہ فرط عقیدت میں ایسا کہا ہو، ورنہ خود حضرت سلمان نے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ دونوں کی صاحبزادیوں سے نکاح کا پیغام دیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اس پیغام کو قبول کیا۔

چوتھی دلیل: غزوہ بدر کا وہ مشہور واقعہ ہے کہ کفار کی جانب سے عتبہ بن ربیعہ، شیبہ بن ربیعہ اور ولید بن عتبہ میدان میں آگے آئے اور مسلمانوں کو دعوت مبارزت دی، مسلمانوں کی جانب سے معاذ بن عفراء، معوذ بن عفراء اور عبد اللہ بن رواحہ مقابلہ کے لئے آگے آئے، انہوں نے پوچھا کہ تم لوگ کون ہو، ان حضرات نے جواب دیا کہ ہم جماعت انصار میں سے ہیں۔ ان کفار نے کہا کہ تم شریف لوگ ہو ہم تو اپنے ہم کفو قریش سے لڑنا چاہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے ان کی تصدیق کرتے ہوئے حضرت حمزہ، حضرت علی اور عبیدہ بن الحرث کو

آگے بڑھنے کا حکم دیا (شرح فتح القدیر ۳/ ۲۹۴)۔

وجہ استدلال یہ ہے کہ جب حضور اکرم علیہ السلام نے میدان جنگ میں کفاءت کو معتبر مانا تو باب نکاح میں بدرجہ اولی اس کو معتبر ماننا چاہئے۔

اس واقعہ سے بھی استدلال درست نہیں ہے، اس لئے کہ ممکن ہے کہ حضور اکرم علیہ السلام نے حضرت حمزہؓ وغیرہ کو حریف کے مقابلہ کے لئے زیادہ قوی اور موزوں سمجھا ہو، اور یہ حقیقت ہے کہ میدان جنگ میں اس اولین مقابلہ کی اہمیت ہوتی ہے، اور اس کی فتح وشکست پر پوری جنگ کی فتح وشکست کا مدار ہوتا ہے، لہذا اس کے لئے زیادہ طاقتور اور موزوں حضرات کی ضرورت ہے۔نیز یہ بتانا بھی مقصود ہو کہ یہ تمہارا بھائی ساری قرابتوں کے باوجود اسلام کے لئے ہر طرح کی قربانی دے سکتا ہے، اسلام کے حق میں تم سے کسی طرح کی مصالحت پر آمادہ نہیں ہیں، اگر یہ بات نہ ہوتی تو خود حضرت اسامہ بن زید کو لشکر کا سپہ سالار نہ بناتے جبکہ اس میں اجلہ صحابہ موجود تھے۔

پانچویں دلیل: پانچویں دلیل عقلی ہے، اگر نسب میں کفاءت کا اعتبار نہ کیا جائے تو مصالح نکاح فوت ہو جائیں گے، کیونکہ اگر عورت اعلی نسب اور اونچے خاندان کی ہو اور مرد اس سے کمتر ہو تو مرد ہمیشہ احساس کمتری اور عورت احساس برتری کی شکار ہوگی، اور اس طرح آہستہ آہستہ تفریق کی نوبت آجائے گی (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۷)۔

اس سلسلہ میں پہلی بات تو یہ ہے کہ شریعت میں وہی مصالح معتبر ہیں جو شریعت کے عام مزاج اور مجموعی اساس کے خلاف نہ ہوں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس مصلحت کے مقابلہ میں اس سے بڑی مصلحت بھی ہے وہ یہ کہ اگر نسب میں کفاءت کا اعتبار کرتے ہیں تو ایسے ہی لوگ گروہ بندی اور نسبی عصبیت کے شکار ہیں، مزید اس میں اضافہ ہی ہوگا جو اسلامی تعلیمات کے خلاف ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ کفاءت فی النسب کے سلسلہ میں نہ تو کوئی صحیح روایت ہے اور نہ ہی

دیگر دلائل نام ہیں۔ فقہ السنۃ میں ہے:

"والصحيح أنه لم يثبت في اعتبار الكفاءة والنسب من حديث" (فقہ السنۃ ۲/ ۱۴۷)۔

(یعنی صحیح یہ ہے کہ کفاءت اور نسب کے اعتبار میں کوئی حدیث ثابت نہیں ہے)۔

کفاءت فی النسب کا مدار عرف پر ہے:

اگر غور کیا جائے تو یہ بات واضح ہوگی کہ جن حضرات نے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، انہوں نے اس کا مدار عرف پر رکھا ہے، چونکہ ان حضرات کے دور میں لوگ نسب پر فخر کرتے تھے اور اپنے سے کم تر لوگوں میں نکاح کرنے کو عار سمجھتے تھے، اس لئے انہوں نے نسب میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا ہے۔

علامہ ابن ہمام "شرح فتح القدیر" میں لکھتے ہیں: فی الجملہ روایات سے کفاءت کا اعتبار ہے، البتہ کن امور میں اعتبار ہے اس کو احوال ناس اور عرف و عادت کو دیکھ کر فیصلہ کیا جائے گا (شرح فتح القدیر ۳/ ۲۹۵، ۲۹۶)۔

کفاءت فی النسب کے سلسلہ میں قول فیصل:

جو حضرات کفاءت فی النسب کے قائل ہیں ان کے دلائل کو بھی بالکلیہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے، لیکن اگر ان کے قول کو پورے طور پر تسلیم کرلیا جائے تو ہندوستان جیسے ملک میں عملی دشواری بھی سامنے آئے گی، اور گروہ بندی اور نسبی عصبیت کی جو آگ لگی ہوئی ہے اس میں تیل چھڑکنے کا کام ہوگا، نہ کہ اس کو بجھانے کا۔ ان حالات میں امام مالک وغیرہ کے قول پر عمل کرنا احوط معلوم ہوتا ہے۔

اس لئے اس پوری بحث کے بعد میرا ذاتی رجحان اس جانب ہے کہ عربوں کی حد تک تو کفاءت فی النسب کو معتبر مانا جائے اور عجموں میں خصوصاً ہندوستان میں اگر کسی کے پاس نسب

محفوظ ہو اور وہاں کے لوگ اپنے سے کم تر میں نکاح کو عار سمجھتے ہوں تو ان کے حق میں بھی کفاءت فی النسب کو معتبر مانا جائے، اور اگر نسب غیر محفوظ ہو تو کفاءت فی النسب کو معتبر نہ مانا جائے۔ اولیاء کو بھی چاہئے کہ اگر لڑکی بہ ظاہر اپنے سے کم تر میں اپنی خوشی و رضامندی سے نکاح کر لے تو بے جا سختی نہ کریں اور دونوں کے درمیان علاحدگی پر زور نہ ڈالیں، بلکہ کوشش اس بات کی کریں کہ دونوں کے درمیان اچھی طرح نباہ ہو جائے۔ خصوصاً جبکہ لڑکا صاحب علم اور صاحب تقوی ہو تو وہ کسی بھی خاتون کا کفو ہو سکتا ہے، چاہے نسبی سطح سے دونوں میں جتنا بھی فرق ہو، اس لئے کہ علمی و عملی شرافت تمام شرافتوں سے بڑھ کر ہے۔

ب- کفاءت نسبی کا اعتبار کس کے حق میں ہے:

کفاءت نسبی کا اعتبار صرف اہل عرب کے لئے ہے یا عرب و عجم سب کے لئے ہے؟ اس سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کی دو رائیں ہیں۔ لیکن صحیح قول یہ ہے کہ عجمیوں میں کفاءت نسبی کا اعتبار نہیں ہے، جیسا کہ فتاوی تاتارخانیہ کے حوالہ سے شیخ الاسلام کی رائے اوپر گذر چکی ہے۔

۴- کفاءت فی الاسلام:

مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ اسلام میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں، ان کے نزدیک جدید الاسلام اور قدیم الاسلام کا کوئی فرق نہیں ہے، دونوں ایک دوسرے کے کفو ہو سکتے ہیں، حنفیہ اسلام میں کفاءت کا اعتبار کرتے ہیں، لیکن صرف دو پشتوں تک اس کے بعد نہیں۔ چنانچہ اگر کوئی شخص خود مسلمان ہے لیکن اس کے آباء و اجداد مسلمان نہیں ہیں تو وہ اس عورت کا کفو نہیں ہو سکتا ہے جو خود مسلمان ہو اور اس کے والد بھی مسلمان ہوں۔ اور اگر کوئی شخص خود بھی مسلمان ہے اور اس کے والد بھی مسلمان ہیں، لیکن اس کے دادا مسلمان نہیں ہیں تو وہ شخص اس عورت کا کفو نہیں ہو سکتا ہے جس کے دادا بھی مسلمان ہوں۔ اور اگر کسی شخص کے دادا بھی مسلمان ہوں لیکن دادا سے اوپر کے لوگ مسلمان نہ ہوں تو وہ شخص اس عورت کا کفو ہو سکتا ہے جس کے پشتہا پشت کے

لوگ مسلمان ہوں (الفتاویٰ الہندیہ ۱/ ۲۹۰)۔

حنفیہ نے بھی اسلام میں کفاءت کا اعتبار صرف عجمیوں کے حق میں کیا ہے، عربوں کے حق میں نہیں، چنانچہ حنفیہ کے نزدیک بھی عرب خواہ جدید الاسلام ہوں یا قدیم الاسلام ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

حنفیہ نے عرب وعجم کے مابین جو فرق کیا ہے اس کی کوئی نقلی دلیل نہیں ہے، نہ صراحۃ اور نہ ہی اشارۃ، بلکہ اس کی عقلی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ عرب نسب پر فخر کرتے ہیں اور اسلام پر فخر نہیں کرتے ہیں (البحر الرائق ۳/ ۱۴۱)۔

درحقیقت اس مسئلہ میں حنفیہ کی بنیاد کسی نص یا کسی اثر صحابی پر نہیں ہے، بلکہ عرف پر ہے، چنانچہ علامہ کاسانی نے یہ صراحت کی ہے کہ اگر کسی جگہ کے لوگ قریب ہی زمانہ میں اسلام لائے ہوں اور وہ لوگ اسلام کی قدامت وجدت کی بنیاد پر نکاح کو عار نہ سمجھتے ہوں، تو وہ ایک دوسرے کے کفو ہوں گے، اس لئے کہ اس صورت میں کوئی ضرر لاحق نہیں ہوگا (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۷)۔

چونکہ حنفیہ کے نزدیک بھی کفاءت فی الاسلام کا مدار کسی نص پر نہیں ہے، بلکہ عرف پر ہے اور ہمارے یہاں ہندوستان میں اس کو عیب اور عار نہیں سمجھا جاتا ہے، صحابہ نئے نئے مسلمان ہوئے اور قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کا خیال کئے بغیر ان کے درمیان نکاح ہوا، نیز اگر قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کا فرق کیا جائے تو یہ چیز دعوت وتبلیغ کی راہ میں حائل ہوگی اور غیر مسلم اسلام قبول کرنے کے سلسلہ میں سوچنے پر مجبور ہوں گے، اس لئے راقم الحروف کا رجحان اس جانب ہے کہ اسلام میں کفاءت کا اعتبار نہ کیا جائے، اور جدید الاسلام اور قدیم الاسلام کا فرق کئے بغیر ایک کو دوسرے کا کفو قرار دیا جائے۔ اس باب میں جمہور کا قول راجح معلوم ہوتا ہے۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

”نومسلم جو نیک صالح اور صوم وصلوۃ کے پابند ہوں، ان کو لڑکی دینا جائز بلکہ موجب

اجر وثواب ہے، جولوگ کہ اس نیک کام میں رخنہ اندازی کرتے ہیں وہ سخت گنہ گار ہوں گے''
(کفایت المفتی ۵/۲۱۱)۔

۵-شریعت اسلامی میں فی الجملہ کفاءت کا اعتبار ہے، البتہ کن امور میں کفاءت کا اعتبار ہے یہ عرف وعادت اوراحوال وزمان پر محمول رہے گا۔اس وقت کن امور میں کفاءت معتبر ہے۔اس کی تفصیل جواب ۲ کے ذیل میں گذر چکی ہے وہاں ملاحظہ فرمالیں۔

۶- کفاءت کا اعتبار کس کے بارے میں ہوگا؟

کفاءت کا اعتبار صرف مرد کی جانب سے کیا جائے گا، یا صرف عورت کی جانب سے، یا دونوں کی جانب سے؟ اس سلسلہ میں تقریبا تمام کتب فقہ حنفی میں یہ صراحت موجود ہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف مرد کی جانب سے کیا جائے گا،عورت کی جانب سے نہیں، یعنی مرد کا مخصوص امور میں عورت کا ہم پلہ یا اس سے فائق ہونا ضروری ہے،خودعورت کا مرد کے ہم پلہ یا اس سے فائق ہونا ضروری نہیں ہے، اگرعورت مرد سے کمتر ہوتو بھی یہ نکاح ہوسکتا ہے،مرد یا اس کے اولیا کو حق اعتراض حاصل نہیں ہوگا۔علامہ کاسانی صاحب بدائع الصنائع اس کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں:

۱-کفاءت کے سلسلہ میں جونصوص وارد ہیں، وہ مردوں کے کفو ہونے کے بارے میں ہیں نہ کہ عورتوں کے بارے میں، لہذا کفاءت کا اعتبار مردوں کے حق میں ہوگا۔

۲-عورت فراش مفتی ہے اورمرد اس فراش کو استعمال کرنے والا ہوتا ہے۔اگرفراش عمدہ ہو اور اس کا استعمال کرنے والا گھٹیا ہوتو خودفراش کے لئے باعث ننگ وعار ہے، لیکن اگر فراش گھٹیا ہو اور اس کا استعمال کرنے والا اچھا ہوتو اس کے لئے باعث ننگ وعار نہیں ہے، لہذا مردوں کے حق ہی میں کفاءت کا اعتبار ہوگا (بدائع الصنائع ۲/۶۲۹)۔

۳-کفاءت شوہر کے حق میں معتبر ہے نہ کہ عورت کے حق میں، فقہ السنہ میں اس کی ایک دلیل یہ دی گئی ہے کہ اگر کوئی عورت غیر کفو میں نکاح کرلے تو خود اس کو اور اس کے اولیاء کو

عار محسوس ہوتا ہے، لیکن اگر کوئی مرد اپنے سے کم تر عورت سے نکاح کر لے تو مرد کو یا اس کے اولیاء کو عار محسوس نہیں ہوتا ہے، لہذا کفاءت کا اعتبار عورتوں کے لئے مردوں کے حق میں ہوگا (فقہ السنہ ۲/۱۵۰)۔

۷: الف- کفاءت کس کا حق ہے؟

کفاءت صرف عورت کا حق ہے یا ولی کا یا دونوں کا؟

فقہاء حنفیہ کی دونوں رائیں ملتی ہیں۔ ایک رائے کے مطابق کفاءت صرف ولی کا حق ہے، عورت کا نہیں، یعنی اگر کوئی عاقلہ بالغہ لڑکی غیر کفو میں نکاح کر لے تو اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کرانے کا اختیار ہوگا، اسی طرح اگر کوئی عورت کسی شخص سے نکاح کر لے اور اس کو اس کا حال معلوم نہ ہو بعد میں ظاہر ہو کہ وہ غلام تھا تو اس عورت کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار نہیں ہوگا، البتہ اس کے اولیاء کو یہ اختیار ہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں عورت کی کوتاہی ہے کہ اس نے تحقیق نہیں کی۔ اور اگر بالغہ لڑکی کی اجازت سے اس کے اولیاء نے اس کا نکاح کر دیا اور بوقت نکاح عدم کفاءت کا علم نہیں تھا، بلکہ نکاح کے بعد ہوا تو اس صورت میں دونوں کو حق اعتراض حاصل نہیں ہوگا، اس لئے کہ دونوں نے کوتاہی کی (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۴/۲۰۷-۰۸)۔

جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے، یہ حق عورت اور اس کے اولیاء دونوں کا ہے، لہذا ولی کو عاقلہ بالغہ لڑکی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرنے کا اختیار نہیں ہوگا۔

جمہور اور خود علامہ شامی کی صراحت کے مطابق فقہاء حنفیہ کی یہ رائے انسب اور اقرب الی الفقہ معلوم ہوتی ہے، اس لئے کہ غیر کفو میں نکاح کرنے کی صورت میں عورت کو بھی عار لاحق ہوگا، اور اس کے اولیاء کو بھی، لہذا یہ حق دونوں کا ہونا چاہئے۔

ب، ج- ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کا حکم:

اگر کوئی عاقلہ بالغہ عورت اپنے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لے جبکہ ولی

موجود ہوتو یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا، یا منعقد تو ہوجائے گا لیکن اس کے اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا؟ اس سلسلہ میں خود فقہاء حنفیہ کے مابین اختلاف ہے اور اس مسئلہ میں فتاوے بھی مختلف ہیں، امام صاحب کے شاگرد حضرت حسن نے امام صاحب سے روایت کی ہے کہ یہ نکاح سرے سے صحیح و منعقد ہی نہیں ہوگا۔ اور حالات کے پیش نظر یہی روایت مفتی بہ ہے۔ کتب فقہ حنفی میں اس کو مفتی بہ قول قرار دیا ہے۔ ہمارے اکابرین میں حضرت تھانویؒ نے ''الحیلۃ الناجزۃ'' اور امداد الفتاوی میں اور حضرت مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے فتاوی دار العلوم میں اسی قول کو اختیار کیا ہے کہ عاقلہ بالغہ کا اپنے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں کیا ہوا نکاح سرے سے صحیح و منعقد ہی نہیں ہوگا۔ اس مفتی بہ قول کے خلاف ظاہر روایت یہ ہے کہ نکاح منعقد تو ہوجائے گا، البتہ اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا، اس عدم کفاءت کی بنیاد پر وہ قاضی شریعت کی شرعی عدالت دار القضاء میں درخواست دے کر نکاح فسخ کرواسکتے ہیں۔

ہمارے اس زمانہ میں خصوصا بہار و اڑیسہ میں الحمدللہ ہر جگہ دار القضاء کا مستحکم نظام ہے، امیر شریعت کے تحت قاضی کی تقرری ہوتی ہے۔ قاضی حضرات الحمدللہ نہایت ہی دیانت دار اور صاحب تقوی ہوتے ہیں، پوری دیانت داری اور انصاف کے ساتھ فیصلہ کرتے ہیں، یہاں نہ تو قاضی کے انصاف نہ کرنے کا سوال ہے اور نہ ہی حکام کے سامنے پیشی کی زحمت کا جو مفتی بہ قول کی بنیاد ہے، اور یہ مسلم قاعدہ ہے کہ جس عرف و عادت پر احکام کی بناء ہو اس کے بدل جانے سے احکام بھی بدل جاتے ہیں۔ دوسری طرف لوگوں کا مزاج بگڑ چکا ہے، دین سے دوری اور احکام شرع پر عمل سے بیزاری عام ہے، اگر تھوڑی سی بھی اولیاء کی پسندیدگی کے خلاف نکاح ہوجائے تو کفو کو غیر کفو قرار دے کر نکاح کو فسخ کر سکتے ہیں، یا یہ ممکن ہے کہ بوقت نکاح راضی ہوں اور بعد میں اگر کسی طرح کی ناراضگی ہو تو یہ کہہ کر نکاح کو ختم کر دیں کہ ہماری اجازت کے بغیر نکاح ہوا ہے، جس سے فتنہ کے دروازے کھلیں گے، نیز جب یہاں دار القضاء کا مستحکم نظام قائم ہے، اولیاء اپنا حق وصول کر سکتے ہیں تو احتیاط بھی اسی میں ہے کہ انعقاد نکاح کا فتوی دیا جائے۔

اس بحث کی روشنی میں اور حالات کے پیش نظر میری رائے یہ ہے کہ اگر عاقلہ بالغہ ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلے تو نکاح شرعاً صحیح و منعقد ہوگا۔ البتہ اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا۔ دار الافتاء امارت شرعیہ سے یہی جواب دیا جاتا ہے۔

۸ - دھوکہ دے کر نکاح کرانے کا حکم:

اگر کسی شخص نے دھوکہ دیا اور یہ ظاہر کیا کہ میں نسب و خاندان اور سماج و معاشرت کے اعتبار سے کفو ہوں۔ نکاح بھی ہوگیا، لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوگئی تو ایسی صورت میں نکاح تو منعقد ہوجائے گا، البتہ لڑکی اور اس کے اولیاء دونوں کو قاضی شریعت کی شرعی عدالت دار القضاء میں استغاثہ پیش کر کے نکاح فسخ کرانے کا اختیار رہوگا، اس لئے کہ اس صورت میں دونوں کو ضرر لاحق ہوگا (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۴/ ۲۰۹، ۲۰۸)۔

مفتی کفایت اللہ صاحبؒ ایک سوال کے جواب میں رقم طراز ہیں:

اگر شخص مذکور نے دھوکہ دے کر اپنے کو خلاف واقعہ کسی اعلی نسب کا ظاہر کیا اور بعد میں وہ اس سے کم درجہ کا ظاہر ہوا، تو اس صورت میں باپ اور لڑکی دونوں کو فسخ نکاح کا اختیار ہے (کفایت المفتی ۵/ ۱۹۶)۔

کفاءت کی شرعی حیثیت

مفتی نسیم احمد قاسمیؒ ☆

۱-(الف): شریعت اسلامی میں کفاءت کی حقیقت:

کفاءت کا لغوی مفہوم مساوات، مماثلت اور برابری ہے، اس کا استعمال مثال اور نظیر کے مفہوم میں بھی ہوتا ہے۔ اور نکاح کے باب میں کفاءت کا مفہوم یہ ہے کہ چند مخصوص امور میں مرد عورت کے مساوی اور اس کے ہم پلہ ہو۔ ابن نجیم مصری نے ''کفو'' کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

''والمراد هنا المماثلة بين الزوجين في خصوص أمور، أو كون المرأة أدنى'' (البحر الرائق ۳/ ۱۳۷ طبع دار المعرفۃ بیروت، لبنان)۔

(اور کفو سے یہاں پر مرادمیاں بیوی کے مابین چند مخصوص امور میں مماثلت یا عورت کا شوہر سے کم رتبہ ہونا ہے)۔

صاحب درمختار نے بھی کفو کا یہی مفہوم ذکر کیا ہے (درمختار علی ہامش الرد ۲/ ۳۱۷ دار احیاء التراث العربی)۔

ابن حزم اندلسی کے علاوہ تمام فقہاء امت، ائمہ مجتہدین، بالخصوص ائمہ اربعہ حضرت امام ابوحنیفہ، امام مالک، امام محمد بن ادریس شافعی، امام احمد بن حنبل فی الجملہ نکاح میں ''کفاءت'' کو معتبر مانتے ہیں، امام سفیان ثوری کا بھی رجحان اسی طرف ہے، البتہ کفاءت کا اعتبار کن

☆ امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

چیزوں میں کیا جائے گا، اس میں ائمہ مجتہدین کا اختلاف ہے، جس کی تفصیل سوال نمبر ۲ کے ذیل میں آرہی ہے۔

ب-مشروعیت کفاءت کے مصالح:

نکاح کے مصالح اور مقاصد کی تکمیل اسی وقت ممکن ہے جب میاں بیوی کے مزاج میں موافقت اور ہم آہنگی ہو، اور اس کے لئے ضروری ہے کہ دونوں سماجی، معاشی، تمدنی، اور رہن سہن کے اعتبار سے ہم پلہ ہوں یا عورت مرد سے کم رتبہ ہو۔ بارہا ایسا دیکھا گیا ہے کہ جب لڑکی کا رشتہ بے جوڑ اور غیر کفو میں کردیا گیا تو معاملہ طلاق وتفریق تک پہنچا۔ اس لئے اسلام نے کفاءت کی رعایت کی ہے۔ صاحب ہدایہ نے مصالح کفاءت کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے:

"لأن انتظام المصالح بين المتكافئين عادة، لأن الشريفة تابى أن تكون مستفرشة للخسيس فلابد من اعتبارها" (ہدایہ علی ہامش فتح القدیر ۳؍ ۲۹۳)۔

علامہ ابن نجیم مصری نے تحریر کیا ہے:

"کفاءت نکاح میں اس لئے معتبر ہے کہ مصالح نکاح عام طور پر دو برابر اور جوڑ کے افرادہی کے درمیان برقرار رہتے ہیں، کیونکہ شریف عورت ذلیل مرد کی فراش بننے سے انکار کرتی ہے" (البحر الرائق ۳؍ ۱۳۷)۔

۲-کفاءت کن چیزوں میں معتبر ہے:

کفاءت کے سلسلہ میں بنیادی طور پر دو نقطہائے نظر پائے جاتے ہیں:

۱-پہلا نقطہ نظر یہ ہے کہ کفاءت کا سرے سے اعتبار ہی نہیں ہے، ائمہ میں صرف امام ابن حزم اندلسی ظاہری کا یہ نظریہ ہے۔ ان کی رائے یہ ہے کہ مسلمان بشرطیکہ زانی نہ ہو اسے حق حاصل ہے کہ جس مسلمان کی لڑکی سے چاہے شادی کرے، بشرطیکہ وہ لڑکی زانیہ نہ ہو، ان کے دلائل کا خلاصہ یہ ہے:

اہل اسلام آپس میں بھائی بھائی ہیں، ان میں کوئی بڑا اور کوئی چھوٹا نہیں، فرمان الٰہی ہے: "إنما المؤمنون إخوة"۔

اسی طرح کہا گیا ہے:

"فانکحوا ما طاب لکم من النساء"، "و أحل لکم ما وراء ذلکم"۔

جناب نبی کریم ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کا نکاح اپنے مولیٰ زید بن حارثہ سے کیا تھا اور مقداد کا نکاح ضباعۃ بنت الزبیر بن عبد المطلب سے کیا تھا (فقہ السنۃ السید سابق ۲/ ۴۴-۱۴۳)۔

۲- دوسرا نقطۂ نظر یہ ہے کہ نکاح کے معاملہ میں "کفاءت" معتبر ہے، جمہور ائمہ مجتہدین، ائمہ محدثین اور ائمہ اربعہ کا یہی مسلک ہے، حنفیہ کے نزدیک حسب ذیل چھ چیزوں میں کفاءت معتبر ہے:

۱- دیانت، ۲- آزادی (حریت)، ۳- اسلام، ۴- نسب، ۵- مال، ۶- صنعت وحرفت (البحر الرائق ۳/ ۱۳۹، الفتاوی الہندیہ ۱/ ۲۹۰، الہدایہ علی ہامش الفتح ۳/ ۲۹۴، رد المحتار ۲/ ۳۱۸)۔

شافعیہ کے نزدیک امور کفاءت حسب ذیل چھ چیزوں میں ہے:

دینداری، نسب، حریت (آزادی)، صنعت وحرفت، عیوب سے پاک ہونا، اور ایک روایت کے مطابق مال بھی امور کفاءت میں سے ہے (الافصاح لابن ہبیرۃ علی المذاہب الاربعۃ ۲/ ۱۲۱)۔

تکملہ ثانیہ المجموع شرح المہذب میں امور کفاءت صرف چار چیزوں کو قرار دیا گیا ہے۔ عیوب سے پاک ہونا اور مال کو امور کفاءت میں شمار نہیں کیا گیا ہے (تکملہ ثانیہ المجموع شرح المہذب ۱۶/ ۱۸۴)۔

حنابلہ کے نزدیک مشہور روایت کے مطابق امور کفاءت پانچ ہیں۔

ان کے نزدیک امور کفاءت میں عیوب سے پاک ہونا نہیں ہے (الافصاح لابن ہبیرۃ علی المذاہب الاربعۃ ۲/ ۱۲۱، الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/ ۵۴)۔

علامہ ابن قدامہ حنبلی نے امام احمد بن حنبل سے امور کفاءت کی تعیین کے سلسلے میں دو اقوال نقل کئے ہیں:

پہلی روایت کے مطابق صرف دین اور نسب میں کفاءت معتبر ہے اور دوسری روایت کے مطابق ان دونوں چیزوں کے علاوہ آزادی، صنعت وحرفت اور مالداری میں بھی کفاءت معتبر ہے، چنانچہ علامہ ابن قدامہ نے تحریر کیا ہے:

''واختلفت الرواية عن أحمد فی شروط الكفاءة فعنه هما شرطان الدين والمنصب، وعنه أنها خمسة: هذان والحرية والصناعة واليسار'' (المغنی لابن قدامہ ۶/۴۸۲)۔

مالکیہ کے نزدیک امور کفاءت کی تعیین کے سلسلے میں دو اقوال ہیں۔ ابن نصر کی روایت کے مطابق امام مالک کے نزدیک دینداری، آزادی اور عیوب سے پاک ہونے میں کفاءت معتبر ہے، مگر ابن القصار کی روایت کے مطابق امام مالک صرف دینداری میں کفاءت کے قائل ہیں (الافصاح لابن ہبیرہ علی المذاہب الاربعہ ۲/۱۲۱)۔

امام مالک نے صرف دینداری میں کفاءت کے معتبر ہونے پر حسب ذیل آیات، احادیث اور آثار صحابہ سے استدلال کیا ہے۔

قرآن کریم میں اللہ تبارک وتعالیٰ کا ارشاد ہے:

''يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى، وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا، إن أكرمكم عند الله أتقاكم'' (سورۂ حجرات:۲۶)۔

اس آیت کریمہ میں یہ کہا گیا ہے کہ انسان تخلیقی اعتبار سے برابر ہے، انسانی اقدار بھی یکساں ہیں، پیدائشی طور پر کوئی انسان کسی انسان سے افضل نہیں ہے، فضیلت کا مدار تقوی اور حق اللہ وحق الناس کی ادائیگی پر ہے، لہٰذا نکاح کے معاملہ میں بھی صرف دینداری اور تقوی کو وجہ ترجیح قرار دیا جائے گا۔

۲-ترمذی شریف میں باسناد حسن ابو حاتم مزنی سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''إذا أتاكم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد كبير، قالوا يا رسول الله! وإن كان فيه ؟قال: إذا جاء كم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه – ثلاث مرات'' (ترمذی)۔

اس حدیث میں لڑکیوں کے اولیاء سے کہا گیا ہے کہ جب تمہاری زیر کفالت لڑکیوں کا رشتہ ایسا آدمی لائے جو دیندار، امانت دار اور صاحب اخلاق ہو تو یہ رشتہ منظور کرلو، اور لڑکی کی شادی کردو، اور اگر ایسے رشتہ کو رد کردو گے اور حسب نسب جاہ و مال والے رشتہ کو ترجیح دو گے تو زمین میں فتنہ فساد پھیلے گا، اس حدیث میں صراحۃ دینداری اور اخلاق کو وجہ ترجیح قرار دیا گیا ہے۔

۳-ابو داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ:

''إن رسول الله ﷺ قال: يا بني بياضة أنكحوا أبا هند وأنكحوا إليه وكان حجاما'' (ابوداؤد)۔

(جناب نبی کریم ﷺ نے بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ ابو ہند سے اپنی لڑکیوں کا رشتہ کرو اور ان کی لڑکی کا رشتہ اپنے یہاں کرو۔ حالانکہ ابو ہند حجام تھے) پچھنا لگانے کا کام کرتے تھے۔

۴-نبی کریم ﷺ نے اپنی پھوپھی زاد بہن ''زینب بنت جحش'' جو عرب کے اعلی خاندان بنو ہاشم سے تعلق رکھتی تھیں ان کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کردیا۔

۵-حضرت ابو حذیفہؓ نے سالم جو ایک انصاری خاتون کے مولی تھے، ان کا نکاح ہند بنت الولید بن عتبہ بن ربیعہ سے کردیا تھا۔

۶-حضرت بلال حبشیؓ کا نکاح حضرت عبد الرحمن بن عوفؓ کی بہن سے ہوا تھا۔

امام شوکانی نے صحابہ میں سے حضرت عمر فاروقؓ، ابن مسعودؓ اور تابعین میں سے محمد بن سیرین اور عمر بن عبد العزیز سے نقل کیا ہے کہ یہ حضرات بھی صرف دینداری میں کفاءت کے قائل

ہیں (فقہ السنۃ ۲/۱۴۶)۔

ابن القیم الجوزی نے بھی اسی مسلک کو راجح قرار دیا ہے (دیکھئے: زاد المعاد ۴/۲۲)۔

۱ - دیانت وتقوی:

اس سلسلہ میں تمام ائمہ مجتہدین اور فقہاء امت کا اتفاق ہے کہ نکاح کے معاملہ میں لڑکے کی دینداری اور تقوی کا اعتبار کیا جائے، یہ نہیں ہونا چاہئے کہ ایک دیندار، صوم وصلاۃ کی پابند، عابدہ اور زاہدہ خاتون کا نکاح کسی بددین اور فاسق وفاجر لڑکے سے کردیا جائے، اس طرح کی بے جوڑ شادی میں جہاں لڑکی کے ساتھ ظلم وناانصافی ہے وہیں دینی اور شرعی تقاضے کے خلاف بھی ہے۔ امام محمدؒ کے علاوہ تمام ہی فقہاء دینداری اور تقوی کو امور کفاءت میں شمار کرتے ہیں، امام محمد اسے امور آخرت کی قبیل سے قرار دے کر امور کفاءت میں شمار نہیں کرتے ہیں۔ مگر حنفیہ کے نزدیک امام ابوحنیفہ اور امام ابویوسف کی رائے ہی صحیح اور مفتی بہ ہے (البحر الرائق ۳/۱۴۱)۔

علامہ ابن رشد مالکی نے بدایۃ المجتہد میں تحریر فرمایا ہے:

"فمنهم من رأى أن الدين هو المعتبر فقط، لقوله عليه الصلاة والسلام: فعليك بذات الدين تربت يمينك" (بدایۃ المجتہد ۲/۱۲)۔

یعنی بعض سلف صالحین کفو کے سلسلہ میں صرف دینداری، تقوی اور اخلاق کا اعتبار کرتے ہیں، امام مالک کی ایک روایت یہی ہے، دوسرے ائمہ نے دین واخلاق کے علاوہ دیگر امور کا بھی لحاظ کیا ہے۔

دینداری اور تقوی میں کفاءت کے قائل فقہاء ان احادیث کریمہ سے استدلال کرتے ہیں جن میں لڑکی کے اولیاء کو دینداری اور تقوی واخلاق کی بنیاد پر رشتہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

مثلاً لڑکی کے اولیاء سے کہا گیا کہ اگر تمہارے پاس کوئی ایسا آدمی پیغام نکاح لے کر آئے، جس کی دینی واخلاقی حالت سے تم کو اطمینان ہو تو یہ رشتہ کردو۔ ورنہ زمین میں فتنہ اور فساد برپا ہوگا۔ حدیث کے الفاظ ہیں:

''إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد عريض'' (مشکوۃ ۲/ ۲۶۷ کتاب النکاح)۔

اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں ہے کہ نکاح چار چیزوں کی بنیاد پر عموماً کیاجاتا ہے: مال، حسب، نسب، حسن وجمال اور دینداری،تم دینداری کا انتخاب کرکے کامیاب وکامراں ہو،یعنی صرف دین واخلاق کو ترجیح دو۔

''تنكح المراة لأربع: لمالها، وجمالها، وحسبها، ودينها فاظفر بذات الدين تربت يداک'' (مشکوۃ ۲/ ۲۶۷)۔

جس طرح عورت اور اس کے اولیاء کو یہ حکم دیا گیا کہ وہ صاحب اخلاق وکردار اور دیندار کا انتخاب کریں، اسی طرح مرد کو بھی چاہئے کہ دیندار اور صاحب اخلاق وکردار شریک حیات کا انتخاب کرے۔

آزادی میں کفاءت:

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک آزادی میں بھی کفاءت کا اعتبار ہے، لہذا غلام مرد کسی آزاد خاتون کا کفو نہیں ہوگا، اور نہ آزاد کردہ غلام کسی خاندانی طور پر آزاد خاتون کا کفو قرار پائے گا (فتح القدیر ۳/ ۲۹۸)۔

اسلام میں کفاءت:

امور کفاءت میں ''اسلام'' ایک اہم امر ہے، جس پر خاص طور پر غور وفکر کی ضرورت ہے۔جدید الاسلام شخص قدیم الاسلام لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، کتب حنفیہ میں اس مسئلہ میں ذکر کردہ تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ:

''جو شخص بذات خود مسلمان ہوگیا اور اس کا باپ غیر مسلم ہے وہ نومسلم اس خاتون کا کفو نہیں ہوگا، جس کا باپ پہلے سے مسلمان ہو۔ اسی طرح جو شخص خود مسلمان ہو اور اس کا باپ بھی

مسلمان ہو، وہ اس خاتون کا کفو نہیں ہوگا جس کے باپ دادا دونوں صاحب ایمان ہوں، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کا یہی قول ہے، امام ابو یوسف کا اس میں اختلاف ہے، البتہ جو شخص خود مسلمان ہو، اس کا باپ اور دادا دونوں مسلمان ہوں، وہ شخص اس خاتون کا کفو قرار پائے گا، جس کی تین پشتیں مسلمان ہوں" (الفتاوی التاتارخانیہ ۶۲/۳، ۶۱، رد المحتار ۳۱۹/۲، البحر الرائق ۱۴۱/۳، الفتاوی الہندیہ ۲۹۰/۱)۔

فقہاء حنفیہ میں سے قاضی ابو یوسف کی رائے یہ ہے کہ جو شخص خود مسلمان ہو اور اس کا باپ بھی مسلمان ہو، وہ اس خاتون کا کفو قرار پائے گا، جس کے باپ دادا دونوں مسلمان ہوں (ہدایہ مع الفتح ۲۹۸/۳)۔

کفاءت فی الاسلام کے سلسلہ میں علامہ ابن نجیم مصری اور علامہ ابن عابدین شامی کا خیال یہ ہے کہ اس کا تعلق صرف اہل عجم سے ہے، اہل عرب کے نزدیک "اسلام" امور کفاءت میں نہیں ہے (البحر الرائق ۱۴۱/۳، رد المحتار ۳۱۹/۲)۔

اس قول کی بنیاد پر ایسا عربی مسلمان جس کا باپ کافر ہو وہ اس عربی عورت کا کفو قرار پائے گا جس کے آباء واجداد مسلمان ہوں۔

اہل عرب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، لیکن عجمی مسلمانوں کے درمیان جدید الاسلام اور قدیم الاسلام کا فرق ہوگا اور یہ صرف دو پشتوں تک ہے، اگر کسی مسلمان کا باپ دادا دونوں مسلمان ہوں، وہ قدیم الاسلام خاتون کا کفو ہوسکتا ہے۔ اب رہا یہ سوال کہ فقہاء نے اہل عجم میں کفاءت فی الاسلام کا اعتبار کیا ہے، اہل عرب میں نہیں، اس فرق کی علت کیا ہے، تو عام طور پر فقہاء کی طرف سے یہ بیان کیا گیا ہے کہ:

یعنی عرب نسب کے ذریعہ فخر کرتے ہیں، اور مسلمان ہونے کی صورت میں نسب ہی کو کفاءت کا معیار قرار دیتے ہیں اور عجم نے اپنا نسب ضائع کر دیا ہے، اس لئے وہ اسلام ہی کے ذریعہ فخر کرتے ہیں، جس کا باپ مسلمان ہوتا ہے وہ اس شخص پر فخر کرتا ہے جس کا باپ مسلمان نہ ہو اور اسے اپنا کفو نہیں سمجھتا ہے۔ علامہ ابن عابدین شامی اور ابن نجیم مصری نے بھی یہی وجہ ذکر

کی ہے (ردالمحتار ۳۱۹/۴)۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف کا رجحان یہ ہے کہ ہندوستان اور اس جیسے دیگر ممالک جہاں دلت اور پسماندہ برادریاں اسلام کے حلقہ بہ گوش ہورہی ہیں۔ یہاں کے حالات میں اگر ''کفاءت فی الاسلام'' کو نکاح کے معاملہ میں لازمی شرط قرار دیا جائے تو ان نومسلم لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کا مسئلہ سنگین صورت حال اختیار کرلے گا، اگر نومسلم افراد کو قدیمی مسلمان اپنی لڑکیاں نہیں دیں گے اور ان کی لڑکیاں نہیں لیں گے تو اس صورت میں دعوت اسلامی اور قبول اسلام کی راہ میں سخت رکاوٹ پیدا ہوگی، اس لئے اس مسئلہ پر اصحاب فقہ وفتاوی کو از سرنو غور کرنا چاہئے، اس سلسلہ میں مفتی کفایت اللہ صاحبؒ کا فتوی روح شریعت کے عین مطابق ہے، وہ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''نومسلم کی اولاد کی شادی ہر مسلمان کی اولاد سے ہوسکتی ہے، یہ بات نہیں کہ نومسلم کی اولاد کی شادی نومسلم کی اولاد کے ساتھ ہو، جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ نومسلم کی اولاد کی شادی نومسلم کی اولاد سے ہی ہونا چاہئے، وہ جاہل اور اسلامی احکام سے ناواقف ہے، شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ہر مسلمان کو خواہ وہ موروثی مسلمان ہو یا نومسلم بھائی بھائی قرار دیا ہے اور ہر مسلم اور نومسلم ایک دوسرے سے مناکحت کا رشتہ کرسکتے ہیں، کوئی ممانعت نہیں ہے، جو مسلمان اپنے نومسلم بھائی کو رشتہ دے گا وہ دوہرے ثواب کا مستحق ہوگا (کفایت المفتی ۲۴۱/۵)۔

نسب میں کفاءت:

حضرت امام ابوحنیفہؒ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل کے نزدیک کفاءت فی النسب معتبر ہے، امام مالک، ابو الحسن کرخی حنفی، ابو بکر جصاص رازی، ابن حزم اندلسی اور سفیان ثوری کے نزدیک کفاءت فی النسب معتبر نہیں ہے۔ انسانوں کی دو قسمیں ہیں: عرب اور عجم، عرب کی بھی دو قسمیں ہیں: قریشی اور غیر قریشی، لہذا اگر شوہر قریشی ہو اور عورت بھی قریشیہ ہو تو دونوں باعتبار نسب کفو قرار پائیں گے، اگر چہ دونوں کے قبیلے میں اختلاف ہو، اسی طرح عرب غیر قریشی

خاتون کا عربی شخص کفو قرار پائے گا، عجمی شخص عربی کا کفو نہیں ہوگا۔ فتاوی ہندیہ میں ہے:

''ایک قریشی دوسرے قریشی کا کفو ہے، چاہے قبیلہ کا اختلاف ہو، ایک قریشی جو ہاشمی نہ ہو وہ ہاشمیہ خاتون کا کفو قرار پائے گا، اور عربی غیر قریشی کسی قریشی کا کفو نہیں ہوگا۔ اور دیگر عرب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، انصاری اور مہاجر باہم کفو ہیں۔ اور موالی یعنی اہل عجم کسی عربی کے کفو نہیں ہوں گے، البتہ آپس میں وہ ایک دوسرے کے کفو ہوں گے'' (الفتاوی الہندیہ ۱؍ ۲۹۰)۔

قاضی خاں کی رائے یہ ہے کہ عجمی عالم جاہل عربی کا کفو ہوگا، اور وہ اپنے علم وفضل کی وجہ سے علوی خاتون کا کفو قرار پائے گا۔ البحر الرائق میں ہے:

''والعالم العجمی یکون کفأ للجاهل العربی والعلویة، لأن شرف العلم فوق شرف النسب'' (البحر الرائق ۳؍ ۱۴۰)۔

شیخ الاسلام کے حوالہ سے فتاوی تاتارخانیہ میں نقل کیا گیا ہے کہ موالی یعنی عجمیوں کے حق میں کفاءت فی الاسلام معتبر ہے، کفاءت فی النسب معتبر نہیں ہے۔

کفاءت فی النسب کے قائل فقہاء نے حسب ذیل احادیث وآثار سے استدلال کیا ہے:

۱-عورتوں کا نکاح ان کے اولیاء ہی کریں اور کفو ہی میں ان کی شادی کریں، اور ان کا مہر دس درہم سے کم نہ ہو۔

حاکم میں حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

''العرب أکفاء بعضهم لبعض، قبیلة لقبیلة، وحی لحی، ورجل لرجل إلا حائکا أو حجاما''۔

عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کے لئے، ایک خاندان دوسرے خاندان کے لئے اور ایک آدمی دوسرے آدمی کے لئے۔ (مستدرک کی روایت میں یہ

اضافہ ہے) کہ سوائے پارچہ بافوں اور حجام کے، بزار نے بھی حضرت معاذ بن جبل سے اسی مفہوم کی روایت نقل کی ہے (فقہ السنہ ۲/۱۴۷)۔

حضرت عمرؓ کا اثر یہ ہے کہ:

''میں حسب ونسب والی عورتوں کو صرف ان کے ہم پلہ مردوں ہی میں شادی کرنے کا حکم دوں گا'' (رواہ الدارقطنی)۔

کفاءت فی النسب کے معتبر ہونے کے سلسلہ میں عام طور پر جن احادیث وآثار سے استدلال کیا جاتا ہے ان میں اکثر موضوع یا ضعیف ہیں، ان کی اسناد اور صحت پر ناقدین حدیث نے کلام کیا ہے، مگر بعض احادیث ضعیفہ بھی تعدد طرق کی وجہ سے قابل حجت ہیں۔ جیسا کہ علامہ ابن ہمام نے صراحت کی ہے (تفصیل کے لئے ملاحظہ کریں: فتح القدیر ۳/۲۹۲)۔

مذکورہ بالا احادیث وآثار کی وجہ سے فقہاء کی ایک جماعت نے کفاءت فی النسب کو معتبر مانا ہے، اور جن احادیث وآثار سے کفاءت کی نفی ثابت ہوتی ہے، ان کو امور آخرت پر محمول کیا ہے (فتح القدیر ۳/۲۹۳)۔

نیز رشتۂ نکاح عموماً اسی وقت کامیاب اور بارآور ہوتا ہے جب میاں بیوی کے مزاج میں موافقت ہو، ہم آہنگی، ذہن وفکر میں یکسانیت، سماجی، معاشی اور نسبی اعتبار سے مساوات وبرابری ہوتی ہے، بے جوڑ اور غیر کفو کا رشتہ عموماً ناکامی کا شکار ہوجاتا ہے، عرف میں برادری کو اہمیت دی جاتی ہے، ہر برادری کا اپنا الگ طور وطریق، رہن سہن، جدا معاشرت اور تہذیب ہوتی ہے۔

ایک برادری کی خاتون جب دوسری برادری کے نئے ماحول میں جاتی ہے تو اپنے کو اس رنگ اور تہذیب میں نہیں رنگ پاتی ہے، اس لئے فقہاء نے کفاءت فی النسب کا اعتبار کیا ہے، مگر اسے صرف نکاح کے معاملات تک ہی محدود رکھنا چاہئے۔ برادری کی بنیاد پر کسی کو حقیر اور کم تر سمجھنا حرام اور ناجائز عمل ہے۔ نکاح کے معاملہ میں بھی بے جا تشدد اور خاندانی تعصب سے اولیاء کو احتراز کرنا چاہئے، اگر بالغہ لڑکی اپنی رضا اور پسند سے غیر برادری کے لڑکے کا انتخاب

کرے اور غیر کفو میں نکاح کر لے تو تسامح اور عفو ودرگذر سے کام لینا چاہئے، کیونکہ ایسی صورت میں اولیاء کے انکار کی وجہ سے بسا اوقات لڑکیاں خودکشی کر لیتی ہیں۔ یا غلط قدم اٹھا لیتی ہیں۔

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب کفاءت فی النسب کے سلسلہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''پس نصوص قرآنیہ اور تعامل صحابہ اور سلف صالحین اس امر پر دلیل قاطع ہیں کہ کفاءت فی النسب فی حد ذاتہ صحت انعقاد نکاح کی شرط نہیں ہے'' (کفایت المفتی ۵/ ۲۲۰)۔

مال میں کفاءت:

حنفیہ اور حنابلہ مال داری میں کفاءت کے قائل ہیں۔ امام شافعی کی بھی ایک روایت یہی ہے۔

حنفیہ کے نزدیک کفاءت فی المال کا مطلب یہ ہے کہ مرد عورت کے مہر اور نفقہ کا مالک ہو، جو ان دونوں یا ان میں سے کسی ایک چیز کا مالک نہ ہو وہ مالدار خاتون کا کفو نہیں قرار پائے گا۔ صاحب ہدایہ نے اسی کو'' ظاہر الروایہ'' قرار دیا ہے (ہدایہ علی ہامش الفتح ۳/ ۳۰۰)۔ امام ابن الہمام کی رائے یہ ہے کہ مہر کے مالک ہونے سے مراد یہ ہے کہ عرف عام میں مہر کی جس مقدار کو بوقت نکاح ادا کیا جاتا ہو اس کا مالک ہونا کافی ہوگا، پورے مہر کا مالک ہونا ضروری نہیں ہے مجتبی میں لکھا ہے کہ اہل خوارزم کے عرف میں مکمل مہر ادھار ہوتا ہے، لہذا وہاں مہر پر قدرت کا اعتبار نہیں ہوگا (حوالہ بالا)۔

ہندوستان میں بھی عموماً یہی عرف ہے۔

نفقہ کے سلسلہ میں بھی مختلف اقوال ہیں، ایک قول کے مطابق ایک مہینہ، دوسرے قول کے مطابق چھ مہینہ اور شمس الائمہ کی روایت کے مطابق، سال بھر کا نفقہ مراد ہے مجتبی میں لکھا ہے:

''الصحیح أنه إذا كان قادرا على النفقة عن طريق الكسب كفاء'' (حوالہ بالا)۔

اگر کمانے کے ذریعہ وہ اپنی بیوی کے نفقہ کی ادائیگی پر قادر ہوتو اسے مالدار خاتون کا کفو قرار دیا جائے گا۔

علامہ کاسانی نے کفاءت فی المال کی علت اور مصلحت ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے:

''کفاءت فی المال معتبر ہے، لہذا فقیر مرد مالدار خاتون کا کفو نہیں ہوگا، اس لئے کہ دوسری چیزوں کی بہ نسبت مال میں زیادہ تفاخر ہوتا ہے، اور خاص طور پر ہمارے زمانے میں، اور اس لئے بھی کفاءت فی المال معتبر ہے کہ نکاح کا تعلق لازمی طور پر مہر اور نفقہ سے ہوتا ہے، بایں طور کہ بغیر مہر کے نکاح ہوتا ہی نہیں ہے، اور نفقہ لازم ہوتا ہے، اور اس میں معتبر یہ ہے کہ مرد عورت کے مہر مثل اور نفقہ پر قادر ہو، اس سے زیادہ کا اعتبار نہیں ہے، لہذا اگر شوہر عورت کے مہر مثل اور اس کے نفقہ پر قادر ہوتو وہ اس عورت کا کفو قرار پائے گا گرچہ مال و دولت میں اس کے مساوی نہ ہو'' (بدائع ۲/۳۱۸)۔

صنعت وحرفت میں کفاءت:

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے نزدیک صنعت وحرفت میں کفاءت معتبر ہے۔ فتاوی ہندیہ کی صراحت کی روشنی میں ظاہر الروایۃ کے مطابق امام ابوحنیفہ کے نزدیک صنعت وحرفت میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے، امام ابو یوسف، امام محمد اور ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ'' کفاءت فی الحرفۃ'' کو معتبر مانتے ہیں، اور حنفیہ کے نزدیک یہی قول صحیح ہے (الفتاوی الہندیہ ۱/ ۲۹۴)۔

علامہ ابن نجیم کی صراحت سے واضح ہے کہ ظاہر الروایہ کے مطابق امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک پیشہ میں کفاءت معتبر ہے (البحر الرائق ۳/ ۱۴۳)۔

کفاءت فی الحرفۃ کے معتبر ہونے پر حدیث رسول:

''العرب بعضهم أكفاء لبعض...... إلا حائک أو حجام'' (نصب الرایہ ۳/ ۱۹۷) سے استدلال کیا گیا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے دریافت کیا گیا کہ:

''وکیف تاخذبه وأنت تضعفه''؟ آپ اس حدیث سے کیسے استدلال کرتے ہیں جبکہ آپ خود اس حدیث کو ضعیف کہتے ہیں، آپ نے جواب دیا: ''العمل علیه'' اسی پر عمل ہے (المغنی لابن قدامہ حنبلی ۶/ ۴۸۵)۔

صنعت وحرفت میں کفاءت کے اعتبار کا مطلب یہ ہے کہ عرف وعادت کے مطابق مرد کے گھر والوں کا پیشہ عورت کے گھر والوں کے برابر ہو، مثلاً کسی آبادی اور جگہ میں لوگوں کی نگاہ میں خیاطی کا پیشہ پارچہ بافی کے پیشہ سے کمتر سمجھا جاتا ہوتو دونوں آپس میں کفو قرار نہیں پائیں گے (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ)۔

پیشوں میں کفاءت کے اعتبار کا دارومدار عرف وماحول پر ہے، کیونکہ ایک پیشہ کسی جگہ اچھا اور بہتر سمجھا جاتا ہے، اور وہی پیشہ دوسری جگہ برا اور معیوب (فتح القدیر ۳/ ۳۰۲)۔

مگر ہندوستان کے موجودہ ماحول میں جبکہ پیشوں کی بنیاد پر مسلمانوں میں بھی حقارت وذلت اور عزت وبرتری کا غلط جذبہ فروغ پا رہا ہے اور اس کی بنیاد پر اونچ نیچ کا جاہلانہ تصور جڑ پکڑ رہا ہے، کفاءت فی الحرفۃ کے سلسلہ میں شدت اور بے جا سختی سے اجتناب ضروری ہے۔

عیوب سے پاک ہونا:

شافعیہ اور ایک قول کے مطابق مالکیہ کے نزدیک اس میں کفاءت کا اعتبار ہے، جبکہ حنفیہ اور حنابلہ اس میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں، لہذا شافعیہ اور مالکیہ کے نزدیک اعتبار کفاءت کے قول کی بنیاد پر وہ مرد جس میں ایسا عیب موجود ہو جو فسخ نکاح کا سبب ہو تو وہ کسی تندرست اور صحت مند خاتون کا کفو قرار نہیں پائے گا (فقہ السنہ ۲/ ۱۵۰)۔

حنفیہ کفاءت کے بارے میں عیوب سے پاک ہونے کا اعتبار نہیں کرتے ہیں۔ البحر الرائق میں ہے:

''ولا تعتبر الكفاءة عندنا فی السلامة من العيوب التی يفسخ بها البيع، كالجذام والجنون والبرص'' (البحر الرائق ۳/ ۱۴۳)۔

۸- کفاءت فی العقل:

حنفیہ میں سے متأخرین فقہاء نے ''کفاءت فی العقل'' کو بھی معتبر مانا ہے، لہذا پاگل مرد عاقلہ خاتون کا کفو قرار نہیں پائے گا۔ فتاوی تاتارخانیہ میں ہے:

''وأنها معتبرة عند بعض المتأخرين من المشائخ، حتى أن الزوج إذا كان مجنونا لا يكون كفوأ للمرأة العاقلة'' (الفتاوی التاتارخانیہ ۳/ ۶۴، ۶۵)۔

۳-(الف) اسلامی شریعت میں نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟

اسلامی شریعت میں نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟ اس کی تفصیل اور اس سلسلہ میں ائمہ کے مسائل اور ان کے دلائل شرح وبسط کے ساتھ ''نسب میں کفاءت'' کے ذیل میں بیان کردیئے گئے ہیں۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف کا رجحان یہ ہے کہ کفاءت فی النسب کو صحت نکاح کے لئے لازمی شرط قرار نہیں دیا جانا چاہئے، یعنی اگر غیر برادری میں بھی نکاح کرلیا جائے تو شرعاً یہ نکاح درست ہوگا۔ قرآنی آیات، احادیث رسول، آثار صحابہ اور تعامل صحابہ سے اس کا ثبوت ملتا ہے کہ غیر برادری میں اور غیر کفو میں نکاح کیا گیا اور اسے صحیح ودرست تسلیم کیا گیا۔

جناب نبی کریم ﷺ نے زید بن حارثہ جو آزاد کردہ غلام تھے ان کا نکاح اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش کے ساتھ کردیا تھا، بنو بیاضہ کو آپ ﷺ نے حکم دیا کہ ابو ہند جو پیشہ کے اعتبار سے حجام تھے ان کے گھر میں اپنی لڑکیوں کا رشتہ کریں اور ان کی لڑکیوں کا رشتہ مانگیں۔ حضرت بلال حبشیؓ کے نکاح میں حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کی بہن تھیں۔ اسود بن مقداد کا نکاح ضباعۃ بنت زبیر بن عبدالمطلب سے ہوا تھا۔ حضرت ابوبکرؓ کی صاحبزادی کا پیغام نکاح حضرت سلمان فارسی نے دیا تھا جسے قبول کیا گیا (المغنی لابن قدامہ حنبلی ۶/ ۱۸۰، فتح القدیر ۳/ ۲۹۳)۔

کفاءت فی النسب کے سلسلہ میں بے جا سختی اور تشدد سے بہت سارے مسائل

ومشکلات پیدا ہورہی ہیں، اس لئے اس سے احتراز کیا جائے، اگر بالغہ لڑکی غیر برادری اور غیر کفو میں رشتۂ نکاح کرنے کے لئے بہ رضا ورغبت آمادہ ہو تو اس کے اولیاء کو چاہئے کہ اس رشتے کے سلسلہ میں حکمت عملی اور مسامحت سے کام لیں اور اس رشتہ کو منظور کرلیں، خاص طور پر جبکہ لڑکا تعلیم یافتہ ہو، کیونکہ علم کا شرف نسب کے شرف سے بڑھ کر ہے، اسی طرح بالغہ لڑکیوں کو بھی چاہئے کہ اپنے اولیاء کو راضی کریں۔

غیر برادری اور غیر کفو میں کئے جانے والے نکاح کی بابت ایک سوال کے جواب میں مفتی اعظم کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:

''صحت نکاح کے لئے مرد وعورت کا مسلمان ہونا اور عورت کا مشرکات میں سے نہ ہونا فی حد ذاتہ کافی ہے، قرآن مجید کے نصوص صحیحہ اس پر دال ہیں۔ قرآنی آیات: "وأحل لكم ما وراء ذلكم أن تبتغوا بأموالكم اور فانكحوا ما طاب لكم من النساء"، اور سنت نبویہ نے عملی طور سے اس کی تصدیق کردی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زینب ہاشمیہ کا عقد زید معتق سے باوجود زینب کی طرف سے انشراح قلب نہ ہونے کے کردیا۔ اس کے علاوہ بہت سی مثالیں صحابہ کرام کے افعال اور طرز عمل میں موجود ہیں کہ نسبی تفاوت ہونے کے باوجود نکاح ہوگئے۔ پس نصوص قرآنیہ اور تعامل صحابہ اور سلف صالحین اس امر پر دلیل قاطع ہیں کہ کفاءت نسبی فی حد ذاتہ صحت نکاح کی شرط نہیں ہے'' (کفایت المفتی ۲۱۶/۵، ۲۲۰)۔

ایک دوسرے استفتاء کے جواب میں تحریر فرمایا:

''سید زادی بالغہ غیر کفو میں اولیاء کی رضامندی سے یا اس کے اولیاء میں اگر کوئی نہ ہو تو اپنی مرضی سے نکاح کرسکتی ہے'' (حوالہ سابق)۔

کفاءت نسبی کا اعتبار کس کے حق میں ہے؟

ب۔ نسبی کفاءت کا اعتبار صرف اہل عرب کے لئے ہے، یا عرب وعجم سب کے حق میں معتبر ہے، اس سلسلہ میں فقہ حنفی میں دونوں اقوال ملتے ہیں۔ ایک قول کے مطابق کفاءت نسبی

عرب وعجم سب کے حق میں معتبر ہے۔ اکثر فقہاء کا رجحان اسی طرف ہے (فتح القدیر ۳/۲۹۷)۔

شیخ الاسلام کا خیال یہ ہے کہ کفاءت نسبی کا اعتبار صرف عرب کے حق میں ہے۔ عجم کے حق میں نہیں۔

"قال الشیخ الإسلام رحمه الله: الکفاء ۃ فیما بین الموالی یعتبر بالاسلام لا بالنسب" (الفتاوی التاتارخانیہ ۳/۵۸)۔

بہتر یہ ہے کہ اسی قول کو معتمد اور راجح قرار دیا جائے۔

۴- کفاءت میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کا اعتبار:

کفاءت فی الاسلام صرف فقہاء حنفیہ کے نزدیک معتبر ہے، مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کفاءت فی الاسلام کو معتبر نہیں مانتے ہیں۔

فقہاء حنفیہ نے کفاءت فی الاسلام کے سلسلہ میں عرب وعجم کے مابین فرق کیا ہے، عرب کے حق میں اسے معتبر نہیں مانتے ہیں، اور عجم کے حق میں معتبر مانتے ہیں (البحر الرائق ۳/۱۴۱)۔

امام ابوحنیفہ اور صاحبین کا اتفاق ہے کہ کفاءت فی الاسلام عرب کے حق میں معتبر نہیں ہے۔

اس قول کی بنیاد پر ایسا نومسلم عربی جس کا باپ کافر ہو وہ اس عورت کا کفو قرار پائے گا، جس کے آباء واجداد مسلمان ہوں۔

مذکورہ عبارتوں سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ کفاءت فی الاسلام عرب کے حق میں معتبر نہیں ہے۔ جدید الاسلام اور قدیم الاسلام کے مابین کوئی فرق نہیں ہے وہ ایک دوسرے کے کفو قرار پائیں گے، البتہ عجم کے حق میں جدید الاسلام اور قدیم الاسلام کا فرق ہوگا، ایک نومسلم قدیمی مسلمان کا کفو نہیں ہوگا۔ اب رہا یہ سوال کہ فقہاء حنفیہ نے عرب وعجم کے مابین فرق کیوں کیا ہے، اس فرق کی علت کیا ہے، اس سلسلہ میں راقم الحروف کو تلاش بسیار کے باوجود کوئی نص

قرآنی، حدیث یا اثر صحابی نہیں ملا بصرف عقلی دلیل تک رسائی ہوئی وہ بھی بہت زیادہ مضبوط نہیں ہے۔اس لئے میرا ذاتی رجحان یہ ہے کہ:

''ہندوستان اور اس جیسے وہ تمام ممالک جہاں غیر مسلم حضرات بالخصوص دلت، ہریجن اور دیگر پسماندہ برادریاں اسلام کے سایہ رحمت میں آرہی ہیں اور مشرف بہ اسلام ہورہی ہیں، ایک ہندو اپنے ساجی برادری اور خاندان سے ناطہ رشتہ توڑ کر اسلام میں آرہا ہے، مسلم معاشرہ کا فرد اور ممبر بن رہا ہے، اس کے سامنے سب سے پہلے اپنی ازدواجی زندگی کا مسئلہ درپیش ہوگا، وہ اپنی سابقہ برادری میں رشتہ نہیں کرسکتا ہے، مسلم خاندان ہی میں اس کا رشتہ ہوسکتا ہے، اگر صرف اس بنیاد پر کہ وہ نومسلم ہے ایک قدیم الاسلام خاتون سے اس کا رشتہ نہ کیا جائے تو پھر وہ کہاں جائے گا؟

اور کیا ایسا کرنا دعوت اسلام کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنے گا، لہذا ''کفاءت فی الاسلام'' کو نکاح کے لئے لازمی شرط نہیں قرار دیا جانا چاہئے، کسی نومسلم لڑکے سے شادی کرنے میں دوہرا اجر ہوگا۔

۵-سوال ۵ کا جواب امور کفاءت کے ذیل میں گذر چکا ہے۔

۶- کفاءت کا اعتبار کس کی طرف سے کیا جائے؟

کفاءت کا اعتبار صرف مرد کی جانب سے کیا جائے گا، لہذا اس کے لئے عورت کا کفو ہونا ضروری ہوگا، عورت کی طرف سے اس کا اعتبار نہیں ہے، عورت مرد سے کم تر بھی ہو تو کوئی حرج نہیں......، صاحب ہدایہ نے لکھا ہے:

''بخلاف جانبها، لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش'' (ہدایہ علی ہامش الفتح ۳/ ۲۹۳)۔

علامہ کاسانی نے تحریر فرمایا ہے:

''کفاءت عورتوں کے لئے معتبر ہے مردوں کے لئے نہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ کفاءت مردوں کی طرف عورتوں کے لئے معتبر ہے، مردوں کے لئے عورتوں کی جانب اس کا اعتبار نہیں ہے، اس لئے کہ نصوص مردوں ہی کی جانب کفاءت کے اعتبار کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں'' (بدائع الصنائع ۲؍ ۳۲۰)۔

ایک روایت کے مطابق امام ابو یوسف اور امام محمد کے نزدیک عورتوں کے بارے میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، مگر یہ روایت مفتی بہ نہیں ہے (بدائع الصنائع ۲؍ ۳۲۰)۔

۷-الف: کفاءت کس کا حق ہے؟

اب رہا یہ سوال کہ کفاءت کس کا حق ہے، ولی کا حق ہے یا عورت کا یا دونوں کا؟ فقہاء کی صراحت کے مطابق کفاءت اولیاء کا حق ہے، عورت کا حق نہیں ہے، چنانچہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ''درمختار'' میں ہے:

''والکفاءة هی حق الولی لا حقها'' (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۲؍ ۳۱۷)۔

کفاءت ولی کا حق ہے عورت کا نہیں۔

علامہ ابن نجیم مصریؒ کا بھی یہی خیال ہے کہ کفاءت عورت کے ولی کا حق ہے، عورت کا نہیں، اور اس پر انہوں نے فتاوی ولوالجیہ کے حسب ذیل جزئیہ سے استدلال کیا ہے، وہ جزئیہ یہ ہے: کسی عورت نے کسی مرد سے نکاح کرلیا اور بوقت نکاح اسے علم نہیں تھا کہ وہ مرد آزاد ہے یا غلام، پھر وہ عبد ماذون فی النکاح (اسے مولی کی طرف سے نکاح کی اجازت حاصل تھی) ثابت ہوا، تو ایسی صورت میں عورت کو خیار حاصل نہیں ہوگا، اور اولیاء کو خیار حاصل ہوگا اور اگر اس کے اولیاء نے اس کی رضامندی سے اس کا نکاح کرادیا، اور بوقت نکاح ان لوگوں کے علم میں نہیں تھا کہ وہ آزاد ہے یا غلام، پھر علم ہوا تو ایسی صورت میں کسی کو بھی خیار حاصل نہیں ہوگا (البحر الرائق ۳؍ ۱۳۷)۔

اس جزئیہ سے ثابت ہوا کہ کفاءت اولیاء کا حق ہے، عورت کا نہیں، مگر علامہ ابن عابدین کو اس میں تأمل ہے، وہ فرماتے ہیں کہ کفاءت جس طرح اولیاء کا حق ہے اسی طرح عورت کا بھی حق ہے، اس سلسلہ میں انہوں نے دو دلیلیں پیش کی ہیں:

ا-پہلی دلیل یہ ہے کہ اگر باپ دادا (ولی مجبر) کے علاوہ دوسرے ولی نے نابالغہ لڑکی کا نکاح غیر کفو میں کردیا تو نکاح درست نہیں ہوگا۔

اگر کفاءت صرف ولی ہی کا حق ہوتا تو اس صورت میں نکاح درست ہوتا، مگر نکاح کی عدم صحت سے ثابت ہوتا ہے کہ کفاءت عورت کا بھی حق ہے۔

دوسری دلیل کے طور پر انہوں نے ذخیرہ کی حسب ذیل عبارت کو پیش کیا ہے:

"أن الحق فی إتمام مهر المثل عند أبی حنیفة للمرأة وللأولیاء، کحق الکفاءة وعندهما للمرأة لا غیر" (ردالمحتار ۲/۳۱۷)۔

ب-عاقلہ بالغہ خاتون کے غیر کفو میں نکاح کی شرعی حیثیت:

اگر عاقلہ اور بالغہ خاتون نے اپنی مرضی سے ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا تو شرعاً یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں؟ اس سلسلہ میں فقہ حنفی میں دو اقوال ملتے ہیں:

ا-پہلا قول یہ ہے کہ غیر کفو میں کیا گیا نکاح منعقد اور صحیح ہوجائے گا، امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد سے ظاہر الروایہ یہی ہے۔

۲-غیر ظاہر الروایہ میں حضرت حسن کی امام ابوحنیفہ سے روایت یہ ہے کہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا، بشرطیکہ عورت کا ولی موجود ہو اور وہ اس رشتہ پر راضی نہ ہو۔

علامہ ابن نجیم مصری نے حسن کی روایت کو مفتی بہ قرار دیا ہے (البحر الرائق ۳/۱۳۷)۔

علامہ کاسانی کی بھی یہی رائے ہے کہ غیر کفو میں کیا جانے والا نکاح لازم نہیں ہوگا (بدائع الصنائع ۲/۳۱۸)۔

اکثر مشائخ حنفیہ نے غیر ظاہر الروایہ ہی کو اختیار کیا ہے۔ قاضی خاں کا بھی اسی پر فتوی ہے۔

مالکیہ کے نزدیک غیر کفو میں کیا گیا نکاح درست ہوجائے گا، امام شافعی سے اس سلسلہ میں دو اقوال منقول ہیں قول جدید یہ ہے کہ کفاءت کا فقدان نکاح کو باطل نہیں کرتا ہے۔ اور قول قدیم کے مطابق نکاح باطل ہوجائے گا۔ ابن ابی موسی نے یہ قول امام شافعی سے نقل کیا ہے۔ امام احمد بن حنبل سے بھی دو روایتیں منقول ہیں: ایک روایت کے مطابق کفاءت صحت نکاح کے لئے شرط ہے، لہذا اس کے مفقود ہونے کی صورت میں نکاح درست نہیں ہوگا۔ اور دوسری روایت کے مطابق کفاءت نکاح کی صحت کے لئے شرط نہیں ہے، اس لئے نکاح بھی کفاءت کے فقدان کی صورت میں درست قرار پائے گا (الافصاح لابن ہبیرہ ۲/۱۲۱)۔

علامہ ابن قدامہ نے تحریر کیا ہے:

''صحت نکاح کے لئے کفاءت کے اشتراط میں امام احمد سے مختلف روایتیں منقول ہیں۔ ایک روایت یہ ہے کہ کفاءت شرط ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ کفاءت شرط نہیں ہے، اکثر اہل علم کا یہی قول ہے۔ حضرت عمر، ابن مسعود، عمر بن عبد العزیز، عبید بن عمیر، حماد بن ابی سلیمان، ابن سیرین، ابن عوف، مالک، شافعی اور اصحاب الرائے فقہاء کا یہی مسلک ہے'' (المغنی لابن قدامہ ۶/۴۸۰)۔

اس سلسلہ میں راقم الحروف کا رجحان بھی اسی طرف ہے کہ حنفیہ کی ظاہر الروایہ کو ترجیح دینی چاہئے، یعنی غیر کفو میں نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا۔ اکثر اہل علم کا یہی مسلک ہے۔

ج - کیا اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا؟

اگر عاقلہ بالغہ خاتون نے اولیاء کی رضامندی کے بغیر اپنا نکاح غیر کفو میں کرلیا تو شرعا

یہ نکاح صحیح اور منعقد ہو جائے گا، مگر چونکہ کفاءت اولیاء کا حق ہے۔ اور غیر کفو میں نکاح کی صورت میں ان کو سماجی طور پر عار و شرمندگی کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اس لئے شریعت نے انہیں حق اعتراض عطا کیا، اگر وہ چاہیں تو قاضی شریعت کی عدالت میں مقدمہ دائر کر کے اس نکاح کو فسخ کرانے کی کوشش کریں، یہ حق اعتراض بچے کی ولادت تک محدود ہوگا، بچے کی ولادت کے بعد یہ حق ختم ہو جائے گا، تفریق سے قبل طلاق، ظہار اور ایلاء کا حکم ثابت ہوگا۔ دونوں میں سے کسی کی موت ہو جائے تو وراثت جاری ہوگی (الفتاوی التاتارخانیہ ۳/ ۶۴)۔

۸- رشتہ نکاح کرتے وقت غلط بیانی سے کام لینا:

اگر رشتہ نکاح کرتے وقت لڑکے نے لڑکی اور اس کے گھر والوں سے غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب، خاندان یا معاشی و سماجی حالت کے بارے میں خلاف واقع باتیں بیان کر کے اپنے کو لڑکی کا کفو بتا کر لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کر لیا، لیکن نکاح ہو جانے کے بعد اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوگئی اور اس کا غیر کفو ہونا ثابت ہوگیا تو ایسی صورت میں لڑکی اور اس کے اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار حاصل ہوگا (درمختار ۴/ ۳۱۸)۔

مسئلہ کفاءت اور اسلام کا نقطہ نظر

مولانا ابوسفیان مفتاحی ☆

ا- باعتبار لغت کفاءت کی حقیقت زوجین کے درمیان مساوات وبرابری کا ہونا ہے، اورشریعت اسلامی میں زوجین کے درمیان کچھ مخصوص چیزوں میں مساوات وبرابری کا نام ہے، یہی شریعت اسلامی میں کفاءت کی حقیقت ہے۔

عمدۃ الرعایۃ میں ہے:"هو لغة المساواة وشرعاً المساواة المخصوصة"۔

البحر الرائق میں ہے:"أكفاء جمع كفء بمعنى النظير لغة ۔ والمراد هنا المماثلة بين الزوجين في خصوص أمور أو كون المرأة أدنى"۔

نکاح میں کفاءت کے مشروع قرار دینے کے مصالح یہ ہیں: صاحب بحر علامہ ابن نجیم رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ نکاح میں کفاءت معتبر ہے، کیونکہ زوجین میں جب برابری ہوگی تو نکاح میں پائیداری ہوگی، یعنی حقوق زوجیت اسی وقت ادا ہوسکیں گے جب دونوں برابری کے ہوں گے، کیونکہ شریف عورت خسیس اور رذیل وغیرہ مرد کا بستر ہونے سے انکار کرے گی، اور جماع میں بے لطفی رہے گی، اور جب بے لطفی رہے گی تو تعلقات نکاح وزوجیت استوار نہ ہوں گے، ہر آن نزاع کا امکان باقی رہے گا اور دونوں کی زندگی اجیرن ہوجائے گی اور سکون مختل ہوجائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورت کو باعث سکون قرار دیا ہے، اور جب سکون میں خلل ہوگا تو خوشگوار زندگی نہ گزر سکے گی اور برکت اٹھ جائے گی بلکہ نحوست آجائے گی (البحر الرائق ۳/ ۱۲۷، ۱۲۸)۔

☆ مفتاح العلوم، مئو۔

۲-کفاءت کا اعتبار چھ چیزوں میں ہے:

۱-نسب: اور اصل دلیل اس سلسلہ میں نبی علیہ السلام کا فرمان مبارک ہے کہ قریش بعض بعض کے کفو ہیں اور عرب بعض بعض کے کفو ہیں، محلّہ محلّہ کا اور قبیلہ قبیلہ کا کفو ہے اور عجمی بعض بعض کے کفو ہیں، ایک مرد دوسرے مرد کا کفو ہے، کیونکہ فخر وعار دونوں نسب سے ہوتے ہیں، لہذا نسب کے کمتر ہونے سے نقص وعیب آ جائے گا بنابریں اس میں کفاءت بہتر ہے۔

اور کفاءت میں نسب کا اعتبار صرف عرب کے ساتھ خاص ہے، عجمیوں کے حق میں معتبر نہیں ہے، لہذا بعض عجمی بعض کے کفو ہوں گے۔

اور جن عجمیوں کا سلسلہ نسب خلفاء راشدین یا انصار صحابہ رضی اللہ عنہم، اور انہیں جیسے قبائل عرب میں سے کسی قبیلہ سے ملتا ہو گا تو ان میں بھی کفاءت نسب میں معتبر ہوگی۔

۲-حریت: کیونکہ غلامی کی وجہ سے جو نقص وعیب آتا ہے وہ اس نقص وعیب سے بڑھ کر ہے جو نسب کے کمتر ہونے سے آتا ہے، لہذا مطلق غلام اور مدبر ومکاتب غلام آزاد عورت کے کسی بھی حال میں کفو نہیں ہو سکتے اور مولی عتاقہ حرۃ الاصل عورت کا کفو نہیں ہوگا، بلکہ اپنے جیسے کا کفو ہوگا، کیونکہ حریت اصلیہ سے آپسی فخر ہوتا ہے اور عارضی حریت جو آزاد کرنے سے حاصل ہوتی ہے اس میں عار دلانا ہوتا ہے۔ اور کفاءت میں حریت کا اعتبار صرف عجم کے حق میں ہے، کیونکہ عجمی حریت پر فخر کرتا ہے اور عرب اسلام پر فخر کے بجائے نسب پر فخر کرتا ہے، لہذا حریت عرب میں معتبر نہیں ہے۔

۳-مال: پس فقیر آدمی مالدار عورت کا کفو نہیں ہوگا، کیونکہ مال سے آپس میں تفاخر دوسری چیز کے بنسبت زیادہ ہوتا ہے عادۃً اور خصوصاً ہمارے زمانہ میں، اور یہ اس لئے کہ نکاح کا تعلق مہر ونفقہ سے لازمی ہوتا ہے، کیونکہ بغیر مہر ونفقہ کے باعتبار لزوم نکاح جائز نہ ہوگا اور نکاح کا نسب وحریت سے تعلق نہیں ہے، تو جب نسب وحریت میں کفاءت معتبر ہے تو مال میں کفاءت کا اعتبار کرنا بدرجہ اولی ہوگا۔

۴- دینداری: شیخین رحمہما اللہ کے قول کے مطابق اگر صلحا کی لڑکیوں میں سے کوئی لڑکی اپنی شادی فاسق مرد سے کرلے تو اولیاء کو حق اعتراض رہے گا، کیونکہ آپسی تفاخر دینداری میں نسب وحریت اور مال میں تفاخر سے زیادہ ہوتا ہے، اور فسق سے عار دلانا عار دلانے کی تمام صورتوں میں سخت ہوتا ہے۔

امام محمدؒ کے نزدیک دینداری میں کفاءت معتبر نہیں ہے، کیونکہ یہ امور آخرت میں ہے، اور کفاءت احکام دنیا میں ہے، لہذا فسق اس میں مذموم نہیں ہے، ہاں اگر فسق اتنا معروف اور کھلا ہوا ہے کہ اس فاسق سے مسخرہ کیا جاتا ہے اور اس پر ہنسا جاتا ہے اور تالی بجائی جاتی ہے، تو پھر وہ کفو نہ ہوگا، پس اگر وہ ایسا ہے کہ لوگ اس سے ڈرتے ہیں جیسے کہ وہ قاتل ظالم حاکم ہوتب وہ کفو ہوگا، کیونکہ یہ فسق عادۃً عیب نہیں شمار کیا جاتا، لہذا کفاءت میں کوئی عیب نہ لائے گا، اور امام ابو یوسفؒ سے روایت ہے کہ فسق جبکہ معروف ومشہور ہوتو وہ کفو نہ ہوگا اور اگر مخفی ہوتو کفو ہوگا (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۰)۔

۵- صنعت وحرفت: امام کرخیؒ نے ذکر کیا ہے کہ صنعتوں اور پیشوں میں امام ابو یوسفؒ نے کفاءت کا اعتبار کیا ہے، لہذا کپڑا بننے والا جوہری اور صراف کا کفو نہ ہوگا اور یہ ذکر کیا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ نے صنعتوں کی کفاءت میں عرب کی عادت کو بنیاد بنایا ہے کیونکہ عرب کے غلام یہ سارے اعمال کرتے تھے، لیکن ان سے صنعت وحرفت کا ارادہ نہ کرتے تھے، اور ان پیشوں سے کوئی عار محسوس نہ کرتے تھے اور امام ابو یوسفؒ نے اہل بلاد کی عادت پر جواب دیا کہ وہ اسے صنعت وحرفت کے طور پر اختیار کرتے تھے، لہذا وہ کمتر پیشوں سے عار محسوس کرتے تھے، اور جامع صغیر کے بعض نسخوں میں مذکور ہے کہ کفاءت حرفتوں میں امام ابوحنیفہؒ کے قول میں معتبر ہے، اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک معتبر نہیں ہے، الا یہ کہ اگر وہ حرفت خراب ہو جیسے کپڑا بننا اور پچھنہ لگانا اور چمڑے کی دباغت دینا وغیرہ، کیونکہ پیشہ تو لازم الوجود چیز نہیں ہے، اس کے چھوڑنے پر قادر ہوتا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۰)۔

امام احمد سے صحت نکاح کے لئے کفاءت کی شرط ہونے کے باب میں دو روایتیں ہیں: پہلا قول یہ ہے کہ شرط ہے، چنانچہ جب عجمی عربیہ عورت سے شادی کرے تو دونوں کے درمیان تفریق کردی جائے گی، یہی قول سفیان ثوری کا ہے۔

اور امام احمدؒ سے دوسری روایت ہے کہ کفاءت نکاح میں شرط نہیں ہے، اور یہی اکثر علماء کا قول ہے، اسی طرح مروی ہے حضرت عمر وابن مسعود وعمر بن عبدالعزیز وعبید بن عمیر وحماد بن ابی سلیمان اور ابن سیرین وابن عون و امام مالک وامام شافعی اور اصحاب رای یعنی حنفیہ سے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:''إن أكرمكم عند الله اتقاكم''اور حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ابوحذیفہ بن عتبہ ابن ربیعہ نے سالم کو متبنّیٰ بنایا اور ان کی اپنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ سے نکاح کرایا اور ولید ایک انصاری عورت کے غلام تھے (اخرجہ البخاری، المغنی ۶/ ۴۸۰)۔

کفاءت کن چیزوں میں معتبر ہے، تو امام احمدؒ سے دو روایتیں ہیں: ۱-دینداری ونسب، ۲-دینداری، نسب، حریت اور صنعت و مالداری اور امام مالکؒ کے نزدیک کفاءت کا اعتبار صرف دینداری میں ہے اور امام شافعیؒ سے دو روایتیں ہیں: ۱-دینداری، ۲-دینداری نسب، صنعت، حریت اور مالداری اور عیوب سے سلامتی۔ اور یہی امام ابوحنیفہ، ثوری اور حسنؒ کا بھی قول ہے اور امام محمد نے دینداری کا اعتبار نہیں کیا ہے، ہاں اگر کوئی مرد نشہ آور چیز استعمال کرتا ہے اور اس سے بچے مذاق کرتے ہیں تو یہ مرد کفو نہ ہوگا۔ اور دینداری کے اعتبار کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان:''أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا لا يستون'' ہے، اور اس لئے کہ فاسق ذلیل ہوتا ہے اور مردود ہوتا ہے، جان ومال پر مامون نہیں ہوتا، مسلوب الولایت ہوتا ہے اور عند اللہ وعند الخلق ناقص ہوتا ہے، دنیا وآخرت میں کم نصیب ہوتا ہے، لہذا ایسا مرد کسی پاک دامن عورت کا کفو نہ ہوگا اور نہ اس کے برابر ہوگا ہاں اپنے جیسے کا کفو ہوگا۔

اور نسب کے اعتبار کی دلیل حضرت عمرؓ کا فرمان ہے:"لأمنعن فروج ذوات الأحساب إلا من الأكفاء'' اور اس لئے کہ عرب لوگ نسب میں کفاءت کو شمار کرتے ہیں، اور

عجمیوں سے نکاح کرنے میں غیرت محسوس کرتے ہیں اور اس کو نقص وعار سمجھتے ہیں، تو جب کفاءت مطلق بولی جائے تو اس کو متعارف پر محمول کرنا واجب ہوگا اور اس لئے کہ اس کے نہ ہونے میں نقص وعار ہے، لہذا دینداری میں کفاءت کا اعتبار واجب ہے (المغنی ۶/۴۸۲-۴۸۳)۔

اور مالداری کے بارے میں دو روایتیں ہیں:

۱-کفاءت میں شرط ہے، کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ لوگوں کے آپس میں احساب اس دنیا میں یہ مال ہے، اور نبی علیہ السلام نے فاطمہ بنت قیسؓ سے اس وقت فرمایا جب حضرت معاویہؓ نے ان سے پیغام نکاح دیا تھا کہ معاویہ تو محتاج ہیں ان کے پاس مال نہیں ہے، اور اس لئے کہ مالدار عورت پر شوہر کی محتاجگی میں ضرر ہے، کیونکہ بیوی کے نفقہ اور اس کے اولاد کے خرچ میں خلل آئے گا، اسی وجہ سے ایسی عورت فسخ نکاح کی مالک ہے۔

۲-شرط نہیں ہے، اس لئے کہ فقیری ودینداری میں شرافت ہے، اور نبی علیہ السلام نے دعا فرمایا ہے "اللهم أحيني مسكينا و أمتني مسكينا" اور فقیری کوئی لازمی چیز نہیں ہے، لہذا یہ بیماری سے عافیت کے مشابہ ہے (المغنی ۶/ ۴۸۴)۔

اور صنعت کے باب میں دو روایتیں ہیں: ۱-شرط ہے، لہذا جو کمتر صنعت والا ہوگا جیسے حائک وحجام اور پہرے دار و دباغ وغیرہ تو یہ مرد کفو نہ ہوگا اونچے صنعت والوں کا، جیسے تجارت، کیونکہ پیشہ کا کمتر ہونا عرف میں نقص ہے، بنابریں نقص نسب کے مشابہ ہوا۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ عرب بعض بعض کے کفو ہیں سوائے حائک وحجام کے۔ امام احمدؒ سے پوچھا گیا کہ آپ تو اس حدیث کو ضعیف قرار دیتے ہیں تو کیسے اس حدیث کو اختیار کرتے ہیں تو فرمایا کہ عمل اسی پر ہوگا، یعنی یہ حدیث اہل عرف کے موافق وارد ہوئی ہے اور دوسری روایت یہ ہے کہ کمتر صنعت کا کمتر ہونا نقص نہیں ہے، لہذا یہ ضعف ومرض کے مشابہ ہوا (المغنی ۶/۴۸۵)۔

خلاصہ کلام: یہ ہے کہ کفاءت کا اعتبار نسب، دین اور حریت ومالداری اور صنعت وحرفت اور اسلام میں ہے، ان کا اعتبار امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمدؒ کے نزدیک ہے اور

امام مالکؒ نے صرف دینداری میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے اور امام محمدؒ نے دینداری میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا ہے، سب کے دلائل نقلیہ وعقلیہ مقالے میں مذکور ہیں۔

۳: الف-اسلامی شریعت میں نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے، اس پر دلیل حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ میں نسب والی عورتوں کو غیر کفو میں یعنی اپنے نسب کے علاوہ شادی کرنے سے منع کروں گا، تو پوچھا گیا کہ اکفاء کیا ہے، فرمایا کہ انساب میں ہے، رواہ ابوبکر عبدالعزیز باسنادہ۔ اور اس لئے بھی کہ عرب نسبت میں کفاءت کو شمار کرتے ہیں اور عجمی کے نکاح سے غیرت محسوس کرتے ہیں اور عجمی سے نکاح کرنے کو نقص وعار سمجھتے ہیں، اور اس لئے بھی کہ نسب کے نہ ہونے میں عار ونقص محسوس کیا جاتا ہے۔

وفی الدر المختار: ''وتعتبر الكفاءة للزوم النكاح خلافا لمالک نسبا فقريش بعضهم أكفاء لبعض وبقية العرب بعضهم أكفاء لبعض'' (۳۴۵/۲)۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اسلامی شریعت میں نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے۔

ب-نسب میں کفاءت کا اعتبار عرب وعجم سب کے لئے ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ عرب میں قریش بعض بعض کے کفو ہیں علی اختلاف القبائل، بنابریں وہ قریشی جو ہاشمی نہیں ہیں جیسے تیمی اور اموی اور عدوی اور ان کے مثل ہاشمی کے کفو ہوں گے، کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ قریش بعض بعض کے کفو ہیں، اور قریشی بنی ہاشم کو شامل ہیں۔ اور قریش کے علاوہ عرب نص کی وجہ سے بعض بعض کے کفو ہیں، اور غیر قریش عرب قریش کے کفو نہیں ہیں، کیونکہ قریش کو باقی عرب پر فضیلت حاصل ہے، اس لئے خلافت وامامت قریش ہی کے ساتھ مخصوص رکھی گئی ہے، کیونکہ نبی علیہ السلام نے فرمایا کہ ائمہ وخلفاء قریش میں ہوں گے، ہاں قریشی ہاشمی کا کفو ہوسکتا ہے اگرچہ ہاشمی کو قریش سے زیادہ فضیلت حاصل ہے، لیکن نکاح کے باب میں شریعت نے اس فضیلت کے اعتبار کرنے کو ساقط کردیا ہے۔ اس کو ہم نے رسول اللہ علیہ السلام کے فعل سے جانا پہچانا ہے، اور اجماع صحابہ بھی اس پر ہے، کیونکہ روایت ہے کہ رسول اللہ علیہ السلام نے اپنی صاحبزادی

کی حضرت عثمانؓ سے شادی کی، حالانکہ وہ اموی خاندان سے تھے ہاشمی نہ تھے اور حضرت علیؓ نے اپنی بیٹی کی شادی حضرت عمرؓ سے کردی تھی، حالانکہ وہ ہاشمی نہ تھے بلکہ عدوی تھے، یہ اس پر دلیل ہے کہ قریش میں کفاءت بطن وقبیلہ کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

اور عجم عرب کے کفو نہیں ہیں، کیونکہ عرب عجم سے افضل ہیں اور عجمی لوگ آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، نص کی وجہ سے اور عرب کے غلام قریش کے غلام کے کفو ہیں، پھر عجم میں تفاخر اسلام سے ہوتا ہے نہ کہ نسب سے۔

امام احمدؒ سے اس باب میں دو روایتیں ہیں:

(۱) قریش بعض بعض کے کفو ہیں، اور بنی ہاشم بعض بعض کے کفو ہیں اور باقی عرب میں کفاءت نہیں ہے، یہی شافعیہ کا ایک قول ہے۔

(۲) دوسری روایت ہے کہ عرب بعض بعض کے کفو ہیں اور عجم بعض بعض کے کفو ہیں (المغنی ۶/ ۴۸۳)۔

۴-کفاءت کے باب میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار کیا جائے گا، لہذا جس کا صرف باپ مسلمان ہوگا یہ اس عورت کا کفو نہ ہوگا جس کے آباء واجداد مسلمان ہوں گے، کیونکہ آدمی کا مکمل تعارف دادا کے ذریعہ سے ہوتا ہے، لیکن یہ اعتبار اس جگہ ہوگا جہاں اسلام کا زمانہ طویل وممتد ہو، البتہ وہ مقام جہاں اسلامی زمانہ قریب وجدید ہو، بایں طور کہ وہاں اس سے کوئی عار محسوس نہیں کیا جاتا اور اس کو عیب نہیں شمار کیا جاتا تو وہاں کے مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہوں گے، کیونکہ جب سے عیب نہیں گردانا جاتا تو وہاں کوئی عیب ونقص شامل نہیں ہوگا لہذا ضرر کا تحقق نہ ہوگا۔

لہذا قدیم الاسلام اور جدید الاسلام لوگوں میں قدیم الاسلام آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہوں گے اور قدیم الاسلام کا کفو جدید الاسلام نہ ہوگا، لیکن اگر کہیں عرف میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام میں آپس میں شادی کرنے میں کوئی عیب ونقص نہیں جانا جاتا ہوگا، وہاں قدیم

الاسلام مرد جدید الاسلام عورت سے شادی کرسکتا ہے اور اس کے برعکس بھی۔

پس اگر کفاءت میں قدیم الاسلام وجدید الاسلام ہونے کا اعتبار کرنے میں نومسلم کو مسلم سوسائٹی میں جذب کرنے سے اور ان کے معاشرتی مسائل کوحل کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہو اور اسلام کی دعوت وتبلیغ میں سد راہ ہورہا ہوتو کفاءت کے باب میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار ساقط ہوجائے گا، اور نفس اسلام کفاءت میں معتبر ہوگا، کیونکہ اسلام ہی اصل ہے لہذا اسی کا اعتبار رہوگا۔

۵- چونکہ کفاءت کا مسئلہ ہر دور کے عرف وحالات پر مبنی ہے، لہذا دور حاضر میں کفاءت میں صرف دین کا لحاظ کیا جانا ضروری ہے، ہاں اگر کسی کو اپنا نسب صحیح اور یقینی طور سے معلوم ہوتو وہ دور حاضر میں بھی کفاءت میں نسب کا اعتبار کرے گا، ورنہ صرف دین کا لحاظ کیا جائے گا، کیونکہ عجمیوں نے اپنے انساب کوضائع کردیا ہے، تو امام مالکؒ کے قول پر عمل کرتے ہوئے صرف دین میں کفاءت کا اعتبار ہوگا۔ ارشاد خداوندی ہے: "أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا لا يستوون" یعنی کیا جو مومن ہوگا وہ فاسق کی طرح ہوسکتا ہے؟ یہ لوگ برابر نہیں ہوسکتے اور اس لئے بھی کہ فاسق رذیل ہوتا ہے اور مردود الشہادۃ والروایۃ ہوتا ہے اور جان ومال پر غیر مامون ہوتا ہے اور مسلوب الولایت ہوتا ہے اور اللہ اور اس کی مخلوق کے نزدیک ناقص ہوتا ہے اور دنیا وآخرت میں کم حصہ پانے والا ہوتا ہے، لہذا فاسق مرد پاکدامن ونیک ودیندار عورت کا کفو نہ ہوگا اور نہ اس کے برابر ہوگا، البتہ اپنے جیسے فاسق مرد دوسرے فاسق کا کفو ہوسکتا ہے (المغنی ۶/۴۸۲)۔

اور مال کے لئے چونکہ بقاء نہیں ہوتا، لہذا اس کا کفاءت میں اعتبار کیا جانا ضروری نہیں ہے، نیز صنعت وحرفت کے لئے دوام وبقاء نہیں ہے، ایک صنعت کو چھوڑ کر دوسری صنعت کو اختیار کیا جاسکتا ہے، بلکہ کیا بھی جاتا ہے، لہذا کفاءت میں صنعت وحرفت کو مدار بنانا ضروری نہیں ہونا چاہیے، بلکہ صرف دین کا کفاءت میں اعتبار کیا جانا ضروری اس لئے ہے کہ جناب

رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورت سے نکاح چار چیزوں کی وجہ سے کیا جاتا ہے، حسب ونسب، مال، حسن وجمال، اور دین تو تم دیندار سے شادی کر کے کامیابی حاصل کرو، متفق علیہ عن ابی ہریرۃ، یہ تو لڑکی کا انتخاب ہے۔

لڑکے کے بارے میں ملاحظہ کیجئے کہ نبی ﷺ نے دوسری حدیث میں فرمایا کہ: اگر تم دین کو نظر انداز کر کے شادی کرو گے تو خاندان اور سوسائٹی خراب ہوگی اور معاشرہ میں فساد پھوٹ پڑے گا" إذا خطب أحدکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه وإن لا تفعلوا تکن فتنة في الأرض وفساد عریض "(مشکوۃ)، اگر کوئی لڑکے والا تمہاری لڑکی سے نکاح کا پیغام دے تو دیکھو کہ اس کا دین واخلاق اچھا ہے کہ نہیں، اگر اس طرف سے اطمینان ہے تو رشتہ کرلو اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد ہوگا، یعنی جس طرح لڑکی کے انتخاب میں دین اور اخلاق کو سب سے مقدم رکھنا چاہئے، اسی طرح لڑکے کے انتخاب میں بھی دین واخلاق کو مد نظر رکھو۔

۶- کفاءت کا اعتبار صرف مرد کے بارے میں کیا جائے گا۔

کفاءت مردوں کی جانب میں عورتوں کے لئے معتبر ہے، اور عورتوں کی جانب میں مردوں کے لئے معتبر نہیں ہے، کیونکہ نصوص صرف مردوں کی جانب میں کفاءت کے اعتبار کے سلسلہ میں وارد ہیں، کیونکہ عورت ستر ہوتی ہے، اسے صرف صاحب فراش یعنی مرد اپنے جیسا یا عمدہ اوصاف والا چاہئے، اور شوہر صاحب فراش ہوتا ہے لہذا برابری نہ ہونے کی وجہ سے اس کو عار نہ ہوگا۔

۷: الف- کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے، بنابریں عورت نے غیر کفو میں شادی کرلیا تو ولی کو حق اعتراض ملے گا یا ولی نے لڑکی کی شادی غیر کفو میں کردیا تو لڑکی کو حق اعتراض ملے گا۔

ب- عاقلہ بالغہ خاتون نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ

نکاح شرعاً منعقد نہیں ہوگا، یہی مفتی بہ قول ہے۔

اور شمس الائمہ نے فرمایا کہ یہی اقرب الی الاحتیاط ہے، زمانہ کے فساد کی وجہ سے۔

"في الدر المختار وشرحه: ويفتى في غير الكفوء بعدم جوازه أصلا، هذه رواية الحسن عن أبي حنيفة وهذا إذا كان لها ولي لم يرض به قبل العقد"۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ عاقلہ بالغہ خاتون کے غیر کفو میں بغیر رضامندی ولی کے نکاح کرنے سے شرعاً نکاح منعقد نہ ہوگا۔ یہی مفتی بہ قول ہے۔ اور اقرب الی الاحتیاط قول ہے۔

ج - مذکورہ بالا نکاح چونکہ شرعاً نافذ و منعقد اور صحیح نہیں ہوا ہے، لہذا ولی کے فسخ کرنے کا سوال ہی پیدا نہ ہوگا۔

"في الدر المختار و شرحه: ويفتى في غير الكفوء لعدم جوازه أصلا وهو المختار للفتوى، وقال شمس الأئمة وهذا أقرب إلى الاحتياط" (درمختار ۲/۳۲۲)۔

زوجین کے درمیان کفاءت کی ضرورت واہمیت

مفتی حبیب اللہ قاسمی ☆

۱- کفاءت مصدر ہے اس کا لغوی معنی برابری ہے، لیکن شریعت کی اصطلاح میں اس کی حقیقت یہ ہے کہ نکاح کے معاملہ میں عورت اور مرد کے درمیان چند مخصوص چیزوں میں برابری اور مساوات پائی جائے (شامی ۳۱۷/۲)۔

کفاءت کو شروع قرار دینے کی سب سے بڑی مصلحت یہ ہے کہ عورت فراش منی ہے اور کوئی مہذب وشریف عورت یہ پسند نہیں کرے گی کہ کسی کمینہ، بدتمیز، غیر مہذب کا فراش بنے، اس لئے شریعت نے میاں بیوی کے درمیان تعلقات کو بہتر سے بہتر بنانے کا حکم دیا ہے، تا کہ خوشگوار زندگی اور صالح ماحول پیدا ہو، ظاہر ہے جب زوجین کے درمیان جوڑ اور مساوات نہیں ہوگی تو تعلقات نا استوار رہوں گے (ہدایہ ۲۹۹/۲، الدر المختار علی الشامی ۳۱۷/۲)۔

۲- حضرت امام مالک وامام ابوالحسن کرخی، حضرت حسن بصری، سفیان ثوری رحمہم اللہ وغیرہم نے بالکلیہ کفاءت کو شرط قرار نہیں دیا ہے (بدائع الصنائع ۳۱۷/۲، شامی ۳۱۸/۲)۔

لیکن عام فقہاء ومجتہدین نے نکاح کے باب میں کفاءت کو شرط قرار دیا ہے، اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کن کن چیزوں میں برابری ومساوات کی شرط ہے، جہاں تک ائمہ اربعہ کے مسالک کا سوال ہے، تو ائمہ ثلاثہ کے اس سلسلہ میں کئی اقوال ہیں، چنانچہ امام مالک کا ایک قول یہ ہے کہ کفاءت کا بالکلیہ اعتبار ہی نہیں جیسا کہ نقل کیا جا چکا ہے، اور دوسرا قول امام مالک کا یہ ہے کہ

☆ جامعہ اسلامیہ دار العلوم مہذب پور، اعظم گڑھ۔

صرف دین میں کفاءت ومساوات معتبر ہے، اور ایک تیسرا قول یہ ہے کہ دین، حریت، سلامت عن العیوب، ان سب میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، امام شافعی واحمد رحمہم اللہ کا ایک قول یہ ہے کہ صرف اسلام میں کفاءت کا اعتبار ہے، اور امام احمدؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ نسب میں بھی کفاءت کا اعتبار ہے، شافعیہ کے ایک قول کے مطابق مال، سلامت عن العیوب میں کفاءت کا اعتبار ہے (کنز ۱۰۲ کتاب النکاح)۔

فقہاء حنفیہ کے مسلک کے مطابق چھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے، اور علامہ حمویؒ نے اس سلسلہ میں کیا خوب نظم پیش کیا ہے:

ان الكفاءة في النكاح تكون في ست لها بيت ببليغ قد ضبط

نسب و إسلام كذالك حرفة حرية و دين و مال فقط (شامی ۲/ ۳۱۸)۔

یہاں ایک بات قابل ذکر ہے کہ فقہاء نے کفاءت کے باب میں عرب وعجم کا فرق رکھا ہے، یعنی بعض چیزیں ایسی ہیں جو صرف عرب کے لئے شرط ہیں اور بعض چیزیں صرف عجمیوں کے لئے، اور کچھ چیزیں ایسی ہیں جن میں عرب وعجم سب برابر ہیں، اس اجمال کی تفصیل یہ ہے کہ کفاءت فی النسب کو فقہاء نے عرب کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے، یعنی عجم میں کفاءت فی النسب شرط نہیں کیونکہ عجمیوں نے اپنا نسب ضائع کر دیا ہے۔

کفاءت فی النسب کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے کہ نسب وخاندان کی وجہ سے لوگ ایک دوسرے پر فخر ومباہات کرتے ہیں۔

البتہ وہ عجمی حضرات جن کا نسب واقعتاً محفوظ ومستند ہو ان میں بھی کفاءت نسبی کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔

۲-کفاءت فی الاسلام: اس کا حاصل یہ ہے کہ زوجین کے مسلم ہونے کے ساتھ ساتھ ان کے باپ دادا بھی مسلمان ہوں، تب یہ دونوں ایک دوسرے کے کفو قرار پائیں گے، اور دادا سے آگے کفاءت میں معتبر نہیں، کیونکہ دادا سے انسان کا مکمل نسبی تعارف ہو جاتا ہے۔

کفاءت فی الاسلام کی شرط عجمیوں کے ساتھ خاص ہے عرب میں اس کا اعتبار نہیں (شامی ۳۱۹/۴)۔

۳-**کفاءت فی الحریت:** یعنی زوجین کے درمیان آزادی میں بھی برابری ہونی چاہئے، اس میں بھی باپ و دادا کا اعتبار ہے، لہذا جس کے باپ و دادا آزاد ہوں وہ اس شخص کا کفو قرار پائے گا جس کے خاندان میں پشتہا پشت آزاد ہوں۔ آزادی میں مساوات کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے کہ غلامی ایک ذلت کی چیز ہے، نیز اس میں کفر کا اثر ہے، اور ظاہر ہے کہ کوئی انسان اپنی ذلت کو پسند نہیں کرتا ہر شخص اپنے کو شریف رکھنا چاہتا ہے۔

۴-**کفاءت فی المال:** اس لئے کہ مال کے ذریعہ بہت زیادہ تفاخر ہوتا ہے، خصوصا اس زمانہ میں تو یہ چیز اظہر من الشمس ہے، لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر مہر مثل، نفقہ، سکنی، ان تین چیزوں پر قادر ہو، باقی بہت زیادہ مالدار ہونا یہ شرط نہیں۔

مہر معجّل اور نفقہ پر قادر ہونا کفاءت فی المال کی شرط ہے، بہت زیادہ مالدار ہونا ضروری نہیں، کفاءت فی المال کا اعتبار عرب وعجم دونوں میں یکساں ہے، ہکذا فی الشامی ناقلا عن البدائع ۳۲۱/۴۔

۵-**کفاءت فی الدین:** یعنی میاں بیوی کے درمیان دینداری و پرہیز گاری میں مساوات ہونی چاہئے، لہذا کوئی صالحہ عورت کسی فاسق کے لئے کفو نہیں ہے اور اس کا اعتبار اس لئے کیا گیا ہے کہ نسب، مال، حریت وغیرہ کے مقابلہ میں دینداری زیادہ قابل فخر چیز ہے، لہذا اس کی رعایت ہونی چاہئے۔

کفاءت فی الدین کا اعتبار عرب وعجم سب میں یکساں ہے، "**وتعتبر فی العرب والعجم دیانة**" (درمختار علی ہامش الشامی ۳۲۰/۴)۔

۶-**کفاءت فی الحرفۃ:** اس کا حاصل یہ ہے کہ میاں بیوی کے درمیان پیشہ میں مساوات پائی جائے، کیونکہ پیشے کے اچھے اور برے ہونے پر فخر ومباہات کا عرف ہے۔

"وجه الاعتبار أن الناس يتفاخرون بشرف الحرف و يتعيرون بدناء تها" (ہدایہ ۲/ ۳۰۱ وہکذا فی البدائع ۲/ ۳۲۰)۔

کفاءت فی الحرفۃ کے اعتبار کے سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کا اختلاف ہے، چنانچہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے اس سلسلہ میں دو روایتیں ہیں: ۱- اعتبار کا، ۲- عدم اعتبار کا (ہدایہ ۲/ ۳۰۱)۔

کفاءت فی الحرفۃ کا اعتبار عرب وعجم سب کے لئے یکساں وبرابر ہے (شامی ۲/ ۳۲۰)۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ صنعت وحرفت میں من کل الوجوہ اتحاد ضروری نہیں، بلکہ تقارب وتناسب کافی ہے، "و أفاد كما في البحر أنه لا يلزم اتحادهما بل التقارب كاف فالحائک کفوء لحجام" (شامی ۲/ ۳۲۱، بدائع ۲/ ۳۲۰)۔

ب- نکاح کے باب میں شرعا کفاءت کا ثبوت تو ملتا ہے جیسا کہ اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا: خبردار ہو جاؤ عورتوں کی شادیاں ان کے اولیاء ہی کریں اور عورتیں غیر کفو میں اپنی شادی نہ کریں۔ یہ حدیث دار قطنی میں حضرت جابرؓ کی سند سے الفاظ کے تفاوت کے ساتھ منقول ہے البتہ مضمون متحد ہے۔

مذکورہ حدیث سے اجمالی طور پر کفاءت کا ثبوت تو ملتا ہے، لیکن اس کی پوری تفصیل یعنی کن کن چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے اور کن کن میں نہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا، البتہ کفاءت فی النسب کا ثبوت مشہور حدیث سے ملتا ہے جس میں اللہ کے رسول ﷺ نے قریش کو باہم ایک دوسرے کا کفو قرار دیا ہے، ایک قبیلہ کو دوسرے قبیلہ کا اور عرب کو باہم ایک دوسرے کا، اسی طرح عجم کو باہم ایک دوسرے کا کفو قرار دیا ہے، حاکم میں یہ حدیث موجود ہے چند الفاظ کے تفاوت کے ساتھ۔

لیکن فقہاء حنفیہ وغیرہم نے شریعت کے اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے عرف وعادت کے تناظر میں اپنے زمانہ کے احوال وکیفیات کے اعتبار سے چند دیگر اشیاء میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا ہے، جن سے لوگ باہم ایک دوسرے پر فخر ومباہات کرتے ہیں جیسا کہ اس کی مکمل تفصیل

گذر چکی ہے۔

۳-الف: شریعت اسلامیہ میں کفاءت نسبی کا اعتبار ہے جیسا کہ اس کی **مدلل** تفصیل گذر چکی ہے۔

ب- کتب فقہیہ کی تحقیق وتنقیح سے معلوم ہوتا ہے کہ کفاءت نسبی کا اعتبار اہل عرب کے ساتھ مخصوص ہے، کیونکہ عجمیوں کا نسب غیر مستند وغیر محفوظ ہے (شرح وقایہ ۲/ ۲۸) البتہ وہ عجمی حضرات جن کا نسب واقعتاً محفوظ و مستند ہو ان میں بھی کفاءت نسبی کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔

ج- نسبی کفاءت کے سلسلہ میں دراصل مرجع حدیث ہے:

"قریش بعضهم أکفاء لبعض، بطن ببطن والعرب بعضهم أکفاء لبعض، قبیلة بقبیلة، والموالی بعضهم أکفاء لبعض رجل برجل" انتهی۔

اس حدیث کو حاکم نے الفاظ کے تفاوت کے ساتھ ذکر کیا ہے۔قبیلہ قریش میں بعض بعض کا کفو ہے، لہذا قبیلہ بنو ہاشم اور دیگر قبائل قریش مثلاً بنو عبدشمس وغیرہ آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں ان میں تفاضل کا اعتبار نہیں، البتہ قریش کے علاوہ دیگر عرب کے قبائل قریش کے کفو نہیں، اس لئے کہ قریش کو تمام قبائل عرب پر فوقیت وفضیلت حاصل ہے، اسی طرح عجمی عربی کے لئے کفو نہیں کیونکہ عرب کو عجم پر فضیلت حاصل ہے، اور حدیث میں اس فضیلت کی جو نفی ہے اس سے مراد اخروی فضیلت ہے کہ وہاں صرف تقوی معیار ہے، باقی اہل عجم آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، ان میں باہم کوئی فرق نہیں (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۹، ہدایہ ۲/ ۳۰۰)۔

۴-موجودہ حالات میں کفاءت میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کی رعایت نہ کرنا احقر کی ناقص رائے میں زیادہ مناسب ہے، اس لئے کہ یہ اسلامی دعوت میں سد راہ ہے، اگر چہ حضرات فقہاء نے قدیم وجدید کا فرق ملحوظ رکھا ہے جیسا کہ اس کی تفصیل گذر چکی ہے۔

۵- دور حاضر میں مذکورہ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا جانا چاہئے: ۱-کفاءت فی الاسلام، ۲-کفاءت فی الدیانۃ، ۳-کفاءت فی الحرفۃ، ۴-کفاءت فی المال، ۵-کفاءت فی العلم۔

٦ – کفاءت کا اعتبار صرف عورت کے بارے میں کیا جائے گا، یعنی یہ ضروری ہے کہ مرد عورت کے مساوی ہو، یا اس سے فائق ہو۔ مرد کے بارے میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، لہذا اگر کوئی مرد بہت علم و فضل و مال والا ہو اور عورت اس کے برعکس ہو تب بھی یہ عورت مرد کے لئے کفو قرار پائے گی، اس لئے کہ مرد صاحب فراش ہوتا ہے اور عورت فراش ہوتی ہے، اس لئے عورت کے کمتر ہونے سے مرد کی کوئی ذلت نہیں ہے۔

٧ – الف: صحیح قول کے مطابق کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے، جبکہ بعض حضرات نے حق کفاءت کو ولی کے ساتھ مخصوص قرار دیا ہے (درمختار مع الشامی ۲/۳۱۷)۔

ب – عاقلہ، بالغہ خاتون نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح بالاتفاق لازم نہیں ہوا، البتہ مذکورہ نکاح کی صحت وعدم صحت میں اختلاف ہے، چنانچہ ایک قول یہ ہے کہ مذکورہ نکاح صحیح ہے، لیکن اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہے، اور قاضی سے فسخ کا مطالبہ کیا جاسکتا ہے، لیکن دوسرا قول جو اس زمانہ میں مفتی بہ ہے، وہ یہ ہے کہ یہ نکاح بالکلیہ منعقد وصحیح نہ ہوا (درمختار مع الشامی ۲/۲۹۶--۹۷)۔

ج – ولی مذکورہ نکاح کو بذریعہ قاضی فسخ کراسکتے ہیں۔

''وللولي الاعتراض في غير الكفوء فيفسخه القاضي'' (درمختار مع الشامی ۲/۲۹۷)۔

٨ – صورت مذکورہ میں لڑکی اور اس کے اولیاء کو بذریعہ قاضی نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا، جبکہ ابتداء عقد میں خلاف واقعہ بیان کردہ نسب یا معاشی وسماجی حالت بعد میں ظاہر شدہ واقعی حالت سے ادنی وکمتر ہو۔

مسئلہ کفاءت کی حقیقت و مصلحت

مولانا عبدالسلام خطیب ندوی ☆

شریعت اسلامی میں بہت سے ایسے اسباب بیان کئے گئے ہیں جن کا کفاءت میں اعتبار کیا جاتا ہے اور کچھ نصوص ایسے بھی وارد ہیں جس سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام کے جھنڈے تلے سب برابر ہیں افضلیت کا معیار تقویٰ ہے جسکا مدار اصلاً اصلاح باطن ہے، اجمالی طور پر فقہاء وائمہ مجتہدین نے جن اشیاء کو معیار کفاءت قرار دیا ہے اس میں دین، حسب ونسب، صلاح وتقویٰ حریت وصنعت، یسار واعسار اور عیوب مثبتہ للخیار شامل ہیں۔

اس میں اولیت وفوقیت متفقہ طور پر دین ہی کو حاصل ہے اور اسی پر امام مالکؒ نے کفاءت کا مدار رکھا ہے (کتاب الافصاح عن معانی الصحاح)۔

امام بخاریؒ بھی اس کے قائل ہیں جیسا کہ ابن حجرؒ نے باب الاکفاء فی الدین کی تشریح میں لکھا ہے اور یہی قول حضرات ابن عمر، ابن مسعود، محمد بن سیرین اور عمر بن عبدالعزیز وغیرہ سے منقول ہے (کمافی فتح الباری)۔

اسی طرح علامہ ابن المنذر نے امام ابویعلی کے حوالے سے امام شافعیؒ کا بھی ایک قول اسی کا نقل کیا ہے فرماتے ہیں قال الشافعي: الكفاءة في الدين۔

لیکن دوسرے ائمہ کرام نے بعض دوسرے اوصاف کو بھی معیار کفاءت میں شامل کیا ہے جن میں ائمہ اربعہ میں سے بالترتیب امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ کفاءت کا لحاظ نسب، دین،

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

حریت، اسلام، اصول صناعت اور یسار میں رکھا جائے گا۔

امام شافعیؒ نے اپنے مشہور و راجح قول میں کفاءت کا مدار پانچ چیزوں پر رکھا ہے جس کو صاحب عمدۃ السالک وعدۃ الناسک نے ان الفاظ میں بیان کیا ہے: آزادی، صنعت اور عیوب سے سلامتی (۳۱۴ کتاب النکاح)۔

امام احمدؒ نے اپنے مشہور قول میں پانچ چیزوں کو معیار کفاءت قرار دیا ہے، نسب، دین، حریت، صناعت اور مال۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف نسب اور دین میں ہے۔

اب بالترتیب دلائل بیان کئے جاتے ہیں۔

نسب اس کو ائمہ ثلاثہ نے مشروط کفاءت میں سے مانا ہے، اس سلسلہ میں امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس کا اعتبار صرف عربوں میں ہی ہوگا، اس لیے کہ عرب حضرات ہی اپنے نسب پر زیادہ توجہ دیتے ہیں اور اس کو اپنے لیے قابل فخر سمجھتے ہیں۔

اور شوافع میں نسب کا اعتبار سب میں ہوگا اور نسب کے سلسلے میں عام طور پر جمہور جس سے استدلال کرتے ہیں وہ یہ حدیث ہے: **العرب بعضهم أكفاء لبعض قبيلة بقبيلة ورجل برجل إلا حائك أو حجام رواه الحاكم والبيهقي**، لیکن ابن ابی حاتم کہتے ہیں: **هذا كذب لا أصل له**، علامہ ابن عبدالبرؒ اس حدیث کے بارے میں کہتے ہیں: ھذا منکر موضوع (فقہ السنہ ۲۵۸)۔

۲-دین کے سلسلہ میں استدلال عام احادیث اور آیات قرآنیہ سے کیا جاتا ہے، جیسے: **أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا لا يستوون** اور دین سے مراد اصلاً صلاح وتقوی ہے اور اس کو جمہور علماء نے ملحوظ رکھا ہے، صرف امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ اگر اعلانیہ فسق نہ ہو تو پھر اس کے لحاظ کی کوئی ضرورت نہیں ہے بہر حال یہ وصف ایسا ہے کہ اس کی رعایت ہونی چاہئے۔

۳-تیسری چیز اسلام الاصول ہے اس کا صرف احناف نے اعتبار کیا ہے، اس سے مراد

یہ ہے کہ باپ، دادا مسلمان ہوں اور اس کی علت یہ بتاتے ہیں کہ ایک شخص کا تعارف اسی وقت صحیح اور مکمل ہوسکتا ہے جب کہ اس کے آباء واجداد خصوصاً باپ دادا کا صحیح تعارف ہوسکے اور اس کا اعتبار صرف عجمیوں میں کرتے ہیں، اس لیے کہ اہل عرب اسلام پر فخر کرنے سے زیادہ اپنے نسب پر فخر کرتے رہے ہیں۔

۴- چوتھی چیز صناعت وحرفت ہے، اس کو بھی امام ابوحنیفہؒ واحمدؒ وشافعیؒ وغیرہ نے شروط کفاءت میں سے شمار کیا ہے، اس لیے کہ اس کو عرف عام میں عزت وذلت کا پیمانہ شمار کیا جاتا ہے۔

۵- پانچویں شرط مال ویسار ہے اس کو امام ابوحنیفہؒ واحمدؒ نے شروط کفاءت میں سے شمار کیا ہے۔

۶- چھٹی شرط حریت ہے، اس کو ائمہ ثلاثہ نے اسباب کفاءت میں شمار کیا ہے، اس کی دلیل حضرت بریرۃؓ کی روایت ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو آزادی ملنے پر غلام شوہر کی ماتحتی میں رہنے یا الگ ہونے کا اختیار دیا تھا تو انھوں نے الگ ہونے کو اختیار کیا تھا۔

۷- ساتویں شرط عیوب مثبتہ للخیار سے محفوظ ہونا، امام شافعیؒ نے اس کا اعتبار کیا ہے اور ایک قول امام مالک سے بھی اسی طرح کا نقل کیا گیا ہے، اس کی علت امام شافعیؒ یہ بیان کرتے ہیں کہ انسانی نفس اس طرح کے عیوب سے ابا کرتی ہے اور ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی ہے، اور یہ چھ امراض ہیں جن سے فسخ نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے، جن میں جذام، برص، جنون، رتق، قرن اور عنینیت وغیرہ ہے۔ حضرت عمرؓ اس طرح کے عیوب کے پائے جانے پر میاں بیوی کے مابین تفریق کردیا کرتے تھے۔

اب ہندوستان کی مخصوص صورت حال کے پیش نظر کفاءت میں نسب کا اعتبار اور اس کی تفصیلات کو پیش کرنے کی جو بات ہے تو اس کی دلیل میں ایک حدیث گذر چکی ہے جس پر بہت سے محدثین نے ضعیف وموضوع تک کا حکم لگایا ہے اور احکام کے سلسلہ میں اس طرح کی

کمزور درجے کی روایت کا اعتبار بھی نہیں۔ بالخصوص اس صورت میں جب کہ آیات قرآنیہ اور عام احادیث بکثرت اس کے معارض یا اس کے حکم کو کمزور کرنے والی موجود ہوں، نیز عمل صحابہ بھی اس کے مقابل میں وارد ہوں، اور اگر ان تمام اشکالات کے باوجود بھی اس حدیث کو تسلیم کیا جائے تب بھی امام ابوحنیفہؒ نے اس کو صرف حضراتِ عرب تک محدود رکھا ہے اور جنہوں نے اس کو عام رکھا ہے انھوں نے بھی جتنی تفصیل عربوں کے سلسلے میں کی ہے، ان تمام باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے اگر غور کیا جائے تو پتہ چل جائے گا کہ کفاءت میں نسب پر مدار رکھنے اور اس کو اتنی اہمیت دینے کی وجہ کیا ہے۔ سوائے اس کے کہ ہندوستان جیسے کثیر الادیان ملک میں دوسروں سے متاثر ہوکر اس میں غلو پیدا ہوگیا ہو اور اس کی کوئی خاص وجہ نہیں بتائی جاسکتی۔

اور غلو خالص عبادات میں پسندیدہ نہیں تو نکاح جیسے امور میں کہاں اس کو قبول کیا جاسکتا ہے۔ اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے:

''الدين يسر و لن يشاد الدين أحد إلا غلبه''۔

اسلام اور مسئلہ کفاءت

مفتی عبدالرحمٰن پالنپوری ☆

۱-کفاءت کے لغوی معنی برابری کے ہیں۔

''الکفاءۃ لغۃ المساواۃ'' (رد المحتار ۸۵/۳)۔

اصطلاح فقہاء میں کفاءت کے معنی مخصوص چیزوں میں مرد کا عورت کے برابر ہونا، یا عورت کا مرد سے کم درجہ ہونا۔

''المراد ھنا مساواۃ مخصوصۃ أو کون المرأۃ أدنی'' (الدر المختار علی ہامش رد المحتار ۸۴/۳)۔

کفاءت کے مشروع ہونے کی مصلحت:

شریعت مطہرہ نے جہاں پر ایک مسلمان عورت کو بلاتمیز رنگ ونسل، قوم وقبیلہ ہر مسلمان سے نکاح کرنے کی اجازت دی ہے، وہاں پر عورت اور اس کے اولیاء کو کفاءت کے اعتبار کرنے کا بھی حق دیا ہے، کیونکہ شریعت میں رشتہ کا مقصد میاں بیوی کے درمیان مدت العمر ہم آہنگی، تعلق کا استحکام، ہر ایک کا دوسرے کے فرائض وحقوق کو ادا کرنا، شوہر کا احترام، جائز احکام میں اس کی اطاعت، مرد کے لئے عورت کے ساتھ حسن سلوک ہے اور اس مقصد عظیم کا حصول میاں بیوی نیز ان کے متعلقین کے درمیان باہم اُنس وہم آہنگی پر موقوف ہے، لہذا اگر عقد نکاح میں کفاءت کا اعتبار نہ کیا جائے اور بے جوڑ نکاح ہو اور عورت احساس برتری میں مبتلا

☆ گجرات۔

ہواور شوہر کے ماتحت رہنے پر عار محسوس کرے تو ظاہر ہے کہ زوجین کے درمیان وہ ہم آہنگی اور قرب حاصل نہیں ہوگا جو نکاح کا مقصد اصلی ہے، لہذا کفاءت کا اعتبار کیا جانا شرعاً ضروری ہے (بدائع الصنائع ۲؍ ۳۱۷)۔

۲- عام طور پر فقہاء حنفیہ نے چھ چیزوں: نسب، اسلام، آزادی، دینداری، حرفت (پیشہ) اور مال میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، اور بعض فقہاء متاخرین نے عقل میں بھی کفاءت کو معتبر مانا ہے۔

۱-نسب: نسب میں کفاءت صرف عربوں میں معتبر ہے، عجمیوں میں معتبر نہیں۔

"**والحاصل أن النسب المعتبر هنا خاص بالعرب، وأما العجم فلا يعتبر في حقهم**" (البحر الرائق ۳؍ ۱۳۱)، "**لأن العجم ضيعوا أنسابهم**" (شرح وقایہ ۲؍)۔

پس عربوں میں تمام قریش آپس میں کفو ہیں اور بقیہ عرب آپس میں کفو ہیں۔

۲-اسلام میں کفاءت صرف عجمیوں میں معتبر ہے، عربوں میں معتبر نہیں۔

اور جو خود مسلمان ہو اور اس کا باپ مسلمان نہ ہو وہ اس عورت کا کفو نہیں جس کا باپ بھی مسلمان ہو، اسی طرح وہ شخص جس کا باپ مسلمان ہو وہ اس عورت کا کفو نہیں جس کے باپ، دادا دونوں مسلمان ہوں۔

مگر امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جس کا باپ مسلمان ہو وہ اس عورت کا کفو ہے جس کے باپ، دادا دونوں مسلمان ہوں (فتح القدیر ۳؍ ۱۹۱)۔

درحقیقت حضرات طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان اختلاف کا مدار اپنے اپنے علاقہ کے عرف وحالات پر ہے، بحوالہ سابق۔

۳-آزادی میں کفاءت عرب، عجم سب میں معتبر ہے۔

"**والحرية في العرب والعجم**" (ردالمحتار ۳؍ ۸۷)۔

آزادی میں کفاءت اسلام میں کفاءت کی نظیر ہے، یعنی جس کے باپ دادا بھی آزاد

ہوں وہ اس عورت کا کفو ہے جس کے باپ، دادا، پر دادا وغیرہ آزاد ہوں اور جس کا ایک باپ آزاد ہو وہ اس عورت کا کفو نہیں جس کے دو باپ، دادا آزاد ہوں اور جو خود آزاد ہو اور اس کا باپ آزاد نہ ہو وہ اس عورت کا کفو نہیں جس کا باپ بھی آزاد ہو (فتح القدیر ۳؍ ۱۹۱)۔

۴- دینداری میں کفاءت عربوں وعجمیوں سب میں معتبر ہے، لہذا فاسق عربی دیندار عورت کا کفو نہیں ہے، چاہے عورت عجمی ہو۔

''وظاهر كلامهم أن التقوى معتبرة في حق العرب والعجم، فلا يكون العربي الفاسق كفأً للصالحة عربية كانت أو عجمية'' (البحر الرائق ۳؍ ۱۳۲)۔

دینداری میں کفاءت امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسف کے نزدیک معتبر ہے، اور یہی مذہب صحیح ہے اور امام محمدؒ کے نزدیک معتبر نہیں ہے، مگر جبکہ شوہر ایسا ہو کہ لوگ چپتیں مارتے ہوں، اس کا مذاق اڑاتے ہوں، یا وہ نشہ میں مست ہو کر بازار میں نکلتا ہو اور لڑکے اس کو کھلونا بناتے ہوں کیونکہ وہ ذلیل وخوار ہے۔

اور اگر عورت دیندار ہو لیکن اس کا باپ دیندار نہ ہو، یا باپ دیندار ہو لیکن لڑکی دیندار نہ ہو، ایسی حالت میں کس حالت کا اعتبار کیا جائے گا، اس میں فقہاء کرام کی آراء مختلف ہیں۔ بعض حضرات باپ کی دینی حالت کا اعتبار کرتے ہیں اور بعض حضرات لڑکی کی دینی حالت کا اعتبار کرتے ہیں، مگر ظاہر یہ ہے کہ صرف لڑکی دیندار ہو یا صرف اس کا باپ دیندار ہو دونوں صورتوں میں فاسق مرد لڑکی کا کفو نہیں ہوگا۔

''والظاهر أن الصلاح منها أو من آبائها كاف لعدم كون الفاسق كفأً لها'' (بحر ۳؍ ۱۳۲)۔

۵- حرفت (پیشہ): میں کفاءت امام ابوحنیفہؒ کی ظاہر الروایت اور امام محمدؒ کی ایک روایت کے مطابق معتبر نہیں ہے، اور امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی دوسری روایت اور امام ابوحنیفہ کی دوسری روایت کے مطابق پیشہ میں کفاءت معتبر ہے اور امام ابو یوسفؒ سے یہ بھی مروی ہے کہ

پیشہ میں کفاءت معتبر نہیں مگر جبکہ پیشہ بہت زیادہ حقیر ہو جیسے پچھنے لگانے والا، جولاہہ، چمڑے کی دباغت کرنے والا (ہدایہ ۳/ ۱۹۳)۔

امام ابوحنیفہؒ اور امام ابو یوسفؒ کا اختلاف کوئی حقیقی اختلاف نہیں، بلکہ اختلاف کا مدار مختلف علاقے کے عرف وعادت پر مبنی ہے، علامہ شامیؒ نے بدائع کے حوالہ سے ردالمحتار ۴/ ۹۰ میں ذکر کیا ہے، اور بعض حضرات کا کہنا ہے کہ مذکورہ اختلاف زمانہ کا اختلاف ہے ،یعنی امام ابوحنیفہؒ کے زمانہ میں پیشوں کو حقیر نہیں سمجھا جاتا تھا، لہذا امام صاحب نے پیشہ میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا۔ اور صاحبینؒ کے زمانہ میں چونکہ پیشوں کو حقیر سمجھا جاتا تھا لہذا صاحبینؒ نے پیشہ میں کفاءت کا اعتبار کیا (فتح القدیر ۳/ ۱۹۳)۔

۶- مال: میں کفاءت عرب وعجم سب میں معتبر ہے (بدائع، ردالمحتار ۳/ ۹۰)۔

کفاءت میں مال کی مقدار کے متعلق اختلاف ہے، صحیح قول کے مطابق شوہر مہر کی اتنی مقدار کا مالک ہو جتنی عام طور پر نقد ادا کی جاتی ہے، اور ایک مہینہ کے نفقہ کا مالک ہو، اگر شوہر پیشہ والا نہ ہو اور اگر شوہر پیشہ والا ہے تو روزانہ عورت کے نفقہ کو کماتا ہو (مجمع الانہر ۱/ ۳۴۱)۔

۷- عقل: میں کفاءت معتبر ہونے کے متعلق ہمارے متقدمین فقہاء سے کوئی روایت نہیں ہے۔ اور متاخرین کے یہاں اس کے معتبر ہونے یا نہ ہونے میں اختلاف ہے۔

''قال قاضيخان فی شرح الجامع: وأما العقل فلا رواية فيه عن أصحابنا المتقدمين، واختلف فيه المتأخرون اه أی فی أنه هل يعتبر فی الكفاءة أولا'' (ردالمحتار ۳/ ۹۳)۔

عقل میں کفاءت کا اعتبار کیا جانا چاہئے، کیونکہ اعتبار نہ کرنے میں مقاصد نکاح کے فوت ہونے کا قوی خطرہ ہے۔ نیز لوگ بھی مجنون سے نکاح کروانے کو عار سمجھتے ہیں (الدرالمختار مع رد المحتار مصری ۳/ ۹۳)۔

فقہاء حنفیہ نے مذکورہ سات چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، ان میں سے بعض

چیزیں مثلاً نسب، دیانت، مال وغیرہ میں کفاءت کے معتبر ہونے کا مدار روایت پر بھی ہے، لیکن تمام چیزوں میں کفاءت معتبر ہونے کا اصل دارومدار عرف وحالات پر ہے، علامہ ابن ہمامؒ تحریر فرماتے ہیں:

''فإذا ثبت اعتبار الكفاءة بما قدمناه فيمكن ثبوت تفصيلها أيضا بالنظر إلى عرف الناس فيما يحقرونه ويعيرون به'' (فتح القدیر ۳/۱۸۹)۔

عرف وحالات کی تبدیلی سے مذکورہ چیزوں میں تبدیلی ہوسکتی ہے، علامہ شامیؒ نے فتح القدیر کے حوالے سے نقل کیا ہے:

''وفي الفتح: أن الموجب هو استنقاص أهل العرب فيدور معه'' (ردالمحتار ۳/ ۹۰)۔

۳: الف- حنفیہ کے مفتی بہ قول کے مطابق نکاح کے صحیح ہونے کے لئے کفاءت معتبر ہے اور ہمارے جمہور مشائخ بھی نکاح میں کفاءت کے قائل ہیں۔ البتہ امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، ابوالحسن الکرخیؒ، ابوبکر جصاص رازی اور آخر دو حضرات کے متبعین مشائخ عراق نکاح میں کفاءت کو معتبر نہیں مانتے۔

ب- نسب میں کفاءت صرف اہل عرب کے لئے معتبر ہے جیسا کہ جواب نمبر ۲ میں گذر چکا ہے۔

ج- جن فقہاء نے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، انہوں نے دنیا کے سارے لوگوں کی تین قسمیں کی ہیں: ۱- قریش یعنی وہ تمام عرب جن کا سلسلہ نسب نضر بن کنانہ سے ملتا ہے، وہ تمام باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں، ۲- عرب غیر قریش یعنی قریش کے علاوہ بقیہ تمام عرب وہ سب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ ۳- عجم یعنی غیر عرب جن کو فقہاء ''موالی'' سے تعبیر کرتے ہیں وہ سب ایک دوسرے کے کفو ہیں (عالمگیری ۱/ ۲۹۰)۔

۴- اسلام میں کفاءت کا اعتبار صرف عجمیوں میں عرف کی بناء پر ہے، لہذا جس علاقہ

یا جس برادری میں لوگ قدیم الاسلام پر فخر کرتے ہوں اور نومسلم کو لڑکی دینے یا نومسلم کی لڑکی لینے میں عار وحقارت محسوس کرتے ہوں، وہاں پر لوگوں کو دعوت وتبلیغ کی مصلحت سمجھا کر نومسلموں سے نکاح کا تعلق کرنے پر آمادہ کرنا چاہئے۔

۵-موجودہ دور میں بھی عرف وحالات کی بناء پر نسب، اسلام، دینداری، مال، عقل اور پیشہ میں کفاءت کا اعتبار کیا جانا ضروری ہے، مگر بعض پیشے جیسے چمڑے کی دباغت، لوہاری، جوتا سازی، کپڑا بننا وغیرہ جن کو فقہاء نے حقیر وادنی شمار کیا ہے، لیکن آج کے دور میں ان کے بڑے بڑے کارخانے قائم ہیں اور ان میں بہت سارے لوگ کام کرتے ہیں اور ان پیشہ والوں کو عرف میں حقیر نہیں سمجھا جاتا، لہذا ایسے تمام پیشے جن کے اختیار کرنے والوں کو عرف میں حقیر نہیں سمجھا جاتا وہ تمام پیشے حقارت ودناءت سے نکل جائیں گے، اور اعلی پیشے شمار کئے جائیں گے۔ جیسا کہ علامہ شامیؒ نے ٹیلر جبکہ استاذ ہو اور وہ مزدوروں سے کام لیتا ہو اس کو اور موزہ ساز جبکہ وہ بھی استاذ ہو اور مزدوروں سے کام لیتا ہو اس کو اعلی پیشہ میں رکھا ہے (ردالمحتار ۳؍۹۱)۔

۶-کفاءت کا اعتبار عورتوں کے لئے مردوں کی جانب میں معتبر ہے نہ کہ مردوں کے لئے عورتوں کی جانب میں، یعنی مرد کو عورت کا کفو ہونا ضروری ہے نہ کہ عورت کو مرد کا کفو ہونا۔

''الکفاءة معتبرة في الرجال للنساء كذا في المحيط السرخسي ولا تعتبر في جانب النساء للرجال كذا في البدائع'' (عالمگیری ۱؍۲۹۰)۔

۷: الف-کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے۔

''هي حق الولي لا حقها...... وفيه نظر بل هي حق لها أيضا'' (ردالمحتار ۳؍۸۵)۔

ب، ج- عاقلہ بالغہ عورت اگر بغیر رضامندی ولی عصبہ کے غیر کفو میں نکاح کر لے تو ظاہر الروایت کے مطابق وہ نکاح صحیح منعقد ہو جائے گا، لیکن لازم نہیں ہوگا، لہذا ولی کو نکاح فسخ کروانے کا حق حاصل ہے، اور اسی ظاہر الروایت پر ہمارے اکثر مشائخ رحمہم اللہ نے فتوی بھی دیا

ہے،مگر ہمارے اکابر عظام رحمہم اللہ نے الحیلۃ الناجزۃ ص ۱۰۵ میں حسن بن زیادؒ کی روایت پر فتویٰ دیا ہے اور اسی کو اختیار کیا ہے، اس روایت کے مطابق وہ نکاح بالکل منعقد ہی نہیں ہوگا بلکہ باطل شمار ہوگا، حتیٰ کہ اگر نکاح کے بعد ولی جائز بھی رکھے تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوگا، کیونکہ نکاح سے پہلے اجازت کا ہونا شرط ہے، لہذا عورت کے لئے لازم ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرے، اگر کرے گی تو ہمیشہ حرام، گناہ کبیرہ میں مبتلا رہے گی۔

عالمگیری میں ہے:

"والمختار في زماننا للفتوى رواية الحسن، وقال الشيخ الإمام شمس الأئمة السرخسي رواية الحسن أقرب إلى الاحتياط كذا في فتاوى قاضي خان" (عالمگیری ۱/ ۲۹۲)۔

۸- کسی لڑکے یا اس کے اہل خانہ نے اگر رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنا کفو ہونا ظاہر کیا اور لڑکی اور اس کے اہل خانہ نے اس پر اعتماد کرکے نکاح کردیا، پھر بعد میں دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوئی اور عدم کفو ہونا ظاہر ہوتو نکاح منعقد ہوگا لیکن لازم نہیں۔ لہذا لڑکی اور اس کے اولیاء دونوں کو نکاح فسخ کروانے کا حق حاصل ہوگا (۱/ ۲۹۳ الحیلۃ الناجزۃ للحلیلۃ العاجزۃ/ ۱۰۷)۔

اسلام میں کفاءت کی حقیقت اور اس کی مصلحت

مولانا محمد اسعد اللہ قاسمی ☆

۱- شریعت میں کفاءت کی حقیقت اور اس کی مصلحت:

فقہاء کرام نے کفاءت کے ثبوت میں چند ضعیف حدیث بیان کی ہیں جو درج ذیل ہیں:

۱-''ألا لا یزوج النساء إلا الأولیاء ولا یزوجن إلا من الأکفاء''۔

۲-''تخیروا لنطفکم وأنکحو الأکفاء''۔

۳-انه علیه الصلاة والسلام قال: ''یا علي ثلاث لا تؤخرها: الصلوة إذا أتت، والجنازة إذا حضرت، والأیم إذا وجدت کفأ''۔

۴-عن عمر بن الخطابؓ قال: ''لأ منعن فروج ذوات الأحساب إلا من الأکفاء''۔

پہلی چار روایات سے استدلال کرنا صحیح اور درست ہے، کیونکہ وہ ضعیف احادیث شواہد کی بنیاد پر حسن لغیرہ ہوگئی ہیں، اور حسن لغیرہ سے استدلال جائز اور درست ہوتا ہے۔

البتہ چوتھی روایت سے استدلال کرنا قیاس مع الفارق ہے، پھر ان ضعیف روایتوں کے علاوہ دیگر صحیح روایات سے بھی کفاءت کا ثبوت ملتا ہے جیسا کہ ترمذی شریف کی مندرجہ ذیل روایت سے واضح ہوتا ہے:

☆ میرٹھ۔

قال قال رسول الله ﷺ: "إذا جاءكم من ترضون دينه، وخلقه فانكحوه إلا تفعلوا تكن فتنة في الأرض وفساد قالوا: يا رسول الله! وإن كان فيه؟ قال: إذا جائكم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه ثلاث مرات" (ترمذی شریف ۱/۲۰۷)۔

اس سے واضح روایت ایک اور ہے جس کو ترمذی ومسلم دونوں نے نقل کیا ہے جس کو حضرت ابوہریرہؓ حضور ﷺ سے نقل کرتے ہیں:

قال: "تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك" (مسلم ۱/۴۷۳، ترمذی ۱/۲۰۷)۔

ان روایات سے کفاءت کا ثبوت ملتا ہے اور حقیقی کفاءت کیا ہے؟ اس کی تفصیل چند سطر کے بعد آئے گی۔

اور کفاءت کی مصلحت اور اس کا فائدہ یہ ہے کہ زوجین کے درمیان تعلقات خوشگوار ہوں گے اور دونوں کا نبھاؤ بھی بہتر طریقہ سے ہوگا جو نکاح کے مقاصد میں سے ایک ہے۔

۲- کفاءت کا اعتبار کن چیزوں میں ہوگا؟

فقہاء کرام نے کفاءت میں جن چیزوں کا اعتبار کیا ہے اس میں ائمہ کرام کے درمیان باہم اختلاف ہے، چنانچہ فقہاء حنفیہ کفاءت میں چھ چیزوں کا اعتبار کرتے ہیں، جس کو علامہ شامی نے شعر میں نقل فرمایا ہے:

إن الكفاءة في النكاح تكون في ستٍ لها بيت بديع قد ضبط
نسب وإسلام كذلك حرفة حرية وديانة مال فقط

حنفیہ کی طرف سے کفاءت فی النسب کے بارے میں جو دلیل پیش کی جاتی ہیں وہ حدیث انتہائی ضعیف ہے، جس کے الفاظ مندرجہ ذیل ہیں:

"العرب بعضهم أكفاء لبعض، قبيلة بقبيلة ورجل برجل والموالي بعضهم أكفاء لبعض قبيلة بقبيلة ورجل برجل إلا حائكا أو حجاما" (رواہ الحاکم)۔

علامہ ابن ہمام نے اس حدیث کو نقل کرنے کے بعد اس کے شواہد بھی نقل کئے ہیں، لیکن ابن ہمام نے تمام ہی روایتوں کو ضعیف، منکر اور مجہول قرار دیا ہے، البتہ اتنی بات بھی تحریر کی ہے کہ ضعیف حدیث تعدد طرق کی بنا پر حسن لغیرہ بن جاتی ہے (فتح القدیر ۳/ ۱۸۸، ۱۸۹)۔

مگر اس روایت سے استدلال کرتے ہوئے نسب کو کفاءت میں شمار کرنا کہاں تک صحیح ہے؟ اس کو ہم پچھلے صفحہ پر بیان کر چکے ہیں۔

شافعیہ اور حنابلہ بھی نسب کے بارے میں حنفیہ کے ساتھ ہیں اور ان کی دلیل بھی مذکورہ بالا روایت ہے، البتہ امام مالکؒ کفاءت میں صرف دینداری کا اعتبار کرتے ہیں اور ان کی دلیل ترمذی کی روایت ہے:

قال رسول الله ﷺ: "إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض" (ترمذی ۱/ ۲۰۷)۔

مشائخ حنفیہ میں امام ابوبکر الجصاص اور امام ابوالحسن الکرخی یہ دونوں بزرگ بھی کفاءت کے قائل نہیں (ردالمحتار ۴/ ۲۰۹)۔

حنفیہ کفاءت میں حریت اور اسلام کا بھی اعتبار کرتے ہیں (درمختار ۴/ ۲۱۱)۔

شافعیہ اور حنابلہ بھی حریت کا اعتبار کرتے ہیں، البتہ اسلام کا اعتبار نہیں کرتے۔

موجودہ دور میں غلامی ایک قصہ پارینہ بن چکی ہے، لہذا اس پر بحث کرنے کی زیادہ ضرورت نہیں۔

حنفیہ کفاءت میں دینداری کا بھی اعتبار کرتے ہیں اور ائمہ ثلاثہ بھی اسی کے قائل ہیں، گویا کہ ائمہ اربعہ اس پر متفق ہیں کہ کفاءت فی الدین کا اعتبار ہے اور متفق کیوں نہ ہوں؟ جبکہ دین کو حضور ﷺ نے فضیلت اور اعلیٰ تفاخر میں شمار کیا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۰)۔

حنفیہ کفاءت میں مال کو بھی شمار کرتے ہیں، پس جو شخص ایسا ہو کہ اس کے پاس کچھ نہ ہو اور نہ حاصل کرنے کی امید ہو تو وہ کھاتی پیتی مالدار لڑکی کا کفو نہ ہوگا۔

اور مالداری کا مطلب یہ ہے کہ لڑکا مہر اور نفقہ کی ادائیگی پر قدرت رکھتا ہو اور اتنی رقم کا مالک ہو یہ مطلب نہیں کہ لڑکا لکھ پتی اور کروڑ پتی جب تک نہ ہو وہ مالدار لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا۔

صاحب فتح القدیر ابن ہمام فرماتے ہیں:

''الصحيح أنه إذا كان قادرا على النفقة على طريق الكسب كان كفءا'' (فتح القدیر ۳/ ۱۹۲)۔

الحاصل: کفاءت میں مالداری کا اعتبار بھی کوئی اہم چیز نہیں، بلکہ انسان کتنا ہی قلاش اور مفلس ہو، اگر صحت مند اور تندرست ہے تو کھا کما سکتا ہے، پس جو لوگ مالداری میں شدت سے کام لیتے ہیں وہ احادیث کی روشنی میں صحیح نہیں، چنانچہ شافعیہ اور حنابلہ نے بھی کفاءت میں مال کا اعتبار نہیں کیا ہے۔

حنفیہ، شافعیہ، حنابلہ نے کفاءت میں حرفت وصنعت (پیشہ) کا بھی اعتبار کیا ہے، چنانچہ فقہی کتابوں میں لکھا ہوا ہے کہ پارچہ باف درزی کا کفو نہیں اور درزی پارچہ فروش کا اور تاجر کا کفو نہیں، اور پارچہ فروش عالم وقاضی کا کفو نہیں (درمختار ۴/ ۲۱۵)۔

جن لوگوں نے کفاءت میں نسب وحرفت کا اعتبار کیا ہے اس کی بنا تفاخر وتعیر پر ہے، اور کسی کو کسی پر فخر کرنا اور کسی کو گھٹیا اور کمتر سمجھنا شرعاً ناجائز اور حرام ہے، قرآن شریف کے اندر مذکور ہے:

''لا يسخر قوم من قوم عسى أن يكونوا خيرا منهم'' اور ''يا أيها الناس إنا خلقنا كم من ذكر وأنثى''۔

اور پھر جن پیشوں کا فقہاء نے ذکر فرمایا ہے وہ پیشے بلا کراہت جائز اور درست بلکہ ضروری ہیں، ورنہ تو لوگ ننگے پھریںگے اور گھومیں گے اور پھر انبیاء کرام سے یہ پیشے ثابت ہیں (تفصیل کے لئے دیکھئے: تقویۃ الایمان/ ۱۸۸ مطبوعہ اشرفیہ راشد کمپنی دیوبند اور دست کار اہل شرف ۱/ ۳ للمحدث الاعظمی)۔

خلاصہ یہ کہ کفاءت فی الحرفت کا اعتبار کرنا اور اس میں شدت برتنا غیروں کو اسلام سے متنفر کرنا ہے، غالبا اسی بناء پر محدث کبیر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب اعظمیؒ نے فرمایا ہے:

''اس بحث میں فقہی کتابوں سے جو نقل کیا جاتا ہے وہ سب غلط فہمی پر مبنی ہے'' (دست کار اہل شرف ۱/ ۱۱۸)۔

ہندوستان میں بعض لوگ ایسے بھی ہوئے ہیں جو شرافت نسبی کو شرافت علمی سے بھی بڑھا ہوا سمجھتے ہیں، یہ ان کی اپنی ذہنی اختراع ہے، جو ہندوستان میں رہ کر برادران وطن کی دیکھا دیکھی ذہن میں بس گئی، ورنہ تو شرافت علمی شرافت نسبی سے بڑھی ہوئی ہے، قرآن کی آیت اس پر دال ہے:

''هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون''۔

علامہ شامی فرماتے ہیں:

''فحيث كان شرف العلم أقوى من شرف النسب بدلالة الآية'' (ردالمحتار ۴/ ۲۱۸)۔

علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

''الحسيب يكون كفأ للنسيب، فالعالم العجمي كفء للجاهل العربي، والعلوية، لأن شرف العلم فوق شرف النسب'' (فتح القدیر ۳/ ۱۹۰)۔

یہاں تک ان چھ امور کا تذکرہ ہوا جو فقہاء حنفیہ کی کتابوں میں درج ہیں اور مشہور و معروف ہیں مگر ان کے علاوہ بھی بعض کتابوں میں درج ہیں، جن میں دو کا یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

۱- عقل، ۲- سلامتی من العیوب (فتح القدیر ۳/ ۱۸۸)۔

موجودہ دور میں یہ دیکھا جانا چاہئے کہ اگر عقل مند لڑکی کسی بے وقوف کم عقل لڑکے سے نکاح پر راضی ہے اور دونوں کے درمیان نبھاؤ کی بھی امید ہے تو نکاح ہوجانا چاہئے اور عقل کا

اعتبار نہ کیا جائے۔

اور اگر دونوں کے درمیان نبھاؤ کی امید نہیں تو پھر عقل کو کفاءت میں شمار کر کے نکاح نہیں کرنا چاہئے۔

اسی طرح اگر لڑکی تندرست اور صحت مند کسی ایسے لڑکے سے جو امراض میں مبتلا ہو نکاح پر راضی ہے تو دونوں کے درمیان نبھاؤ کی امید کرتے ہوئے نکاح کر دینا چاہئے اور اگر نبھاؤ کی امید نہیں تو پھر عیوب سے سلامتی کو کفاءت میں شمار کر کے نکاح نہیں کرنا چاہئے۔

الف-شریعت میں کفاءت نسبی کا اعتبار ہے یا نہیں؟

ہر ایسی جگہ جہاں زوجین کے درمیان نبھاؤ اور خوشگواری کی امید ہوگی وہ کفاءت میں شمار ہوگی، پس اگر یہ معاملہ نسب میں بھی ہو تو نسب میں کفاءت جائز اور درست ہوگی، چنانچہ یہاں احسن الفتاوی میں مذکور ایک سوال کا جواب نقل کیا جاتا ہے:

جواب: اگر دوسری برادری میں شادی نہ کرنے کی وجہ وہی ہوں جو سوال میں مذکور ہیں تو ان کی بناء پر غیر برادری میں شادی نہ کرنے کی پابندی جائز بلکہ ضروری ہے کیونکہ بدعات اور ناجائز رسوم کا پابند فاسق ہے اور فاسق شخص نیک آدمی کا کفو نہیں اور شریعت نے نکاح وشادی میں کفو کی پابندی کو مستحسن قرار دیا ہے، بدعات اور رسوم قبیحہ سے اجتناب فرض ہے اور مبتدعین وفساق سے تعلقات قائم کرنا جائز نہیں، اسی طرح اگر یہ گمان ہو کہ قومیت کے اختلاف کی وجہ سے امور خانہ داری کا زوجین کی نا اتفاقی اور آپس میں تنافر کا باعث ہوگا تو بھی قومیت کی پابندی جائز ہے، البتہ اگر غیر قوم میں شادی نہ کرنے کا باعث صرف فخر اور تکبر ہو تو یہ (برادری کی) پابندی جائز نہ ہوگی، پس اس کا معیار یہ ہوگا کہ غیر قوم کا اگر کوئی مرد شریعت کا پورا پابند اور بدعات سے مجتنب ہو اور اس کے گھر کے تو اعد وغیرہ بھی آپ کی قوم سے زیادہ مختلف نہ ہوں تو ان حالات میں ایسے شخص سے آپ رشتہ کرتے ہیں یا نہیں؟ اگر ایسے شخص سے بھی رشتہ کرنے کے لئے تیار

نہیں تو معلوم ہوا کہ آپ کا مقصد دین نہیں بلکہ تکبر ونخوت اس کا باعث ہے غرضیکہ ہر معاملہ میں شرعی حیثیت کو مدنظر رکھنا لازم ہے (احسن الفتاوی ۵/ ۱۷)۔

ب- نسب کا اعتبار کس کے لئے ہوتا ہے، عرب کے لئے یا عجم کے لئے؟

گذشتہ اوراق میں ہم نے اس بات کو واضح کیا ہے کہ کفاءت میں نسب کا اعتبار نہیں، پس اس کے سوال کے جواب کی بھی ضرورت نہیں۔

ج- نسبی کفاءت کا شرعی ضابطہ:

نسبی کفاءت کا شرعی ضابطہ یہ ہے کہ اگر زوجین مسلمان ہوں اور ان کی زندگی بھی شریعت سے ہم آہنگ ہو، پھر اگر نسب اور برادری ایک ہوجائے تو کوئی قباحت نہیں، بلکہ یہ تو زندگی میں مدد ومعاون بھی ہوسکتے ہیں۔

۴- کفاءت میں قدیم الاسلام وجدید الاسلام کا اعتبار:

باب کفاءت میں اسلام کی دو حیثیتیں ہیں:

۱- لڑکا اور لڑکی دونوں کا مسلمان ہونا (یہ حیثیت مجمع علیہ ہے کسی کا بھی اختلاف نہیں)۔

۲- نومسلم اور قدیمی مسلمان ہونا (ائمہ ثلاثہ اس کا اعتبار نہیں کرتے اور حنفیہ اس کا اعتبار کرتے ہیں)، تفصیل کے لئے دیکھئے: (درمختار ۴/ ۲۱۱)۔

دور حاضر میں اس کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟

موجودہ دور میں اگر حنفیہ کے قول کو لیتے ہوئے اس کا اعتبار کیا جائے تو نومسلموں کو بڑی پریشانی سامنے آئے گی کہ وہ نومسلم لڑکا کہاں سے تلاش کر کے لائیں اور کس کو زبردستی مسلمان بنائیں بڑی مشکلات کا سامنا ہوگا، جبکہ شرعی ضابطہ ہے کہ "الحرج مدفوع" اور خود اللہ تبارک وتعالی نے ارشاد فرمایا: "ما جعل الله عليكم في الدين من حرج"۔

پھر اگر حنفیہ نے اپنے زمانہ کے اعتبار سے قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کا اعتبار کیا ہے تو بھی موجودہ دور میں ضرورت عاملہ کی بناء پر (اسلام کی ترویج وترقی میں رکاوٹ کی وجہ سے) اس کا قطعا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

ان تمام اقوال اور موجودہ سنگین حالات کے پیش نظر قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کے کفاءت میں اعتبار نہ کرنے کا فیصلہ کیا جائے تو بہتر ہے، چنانچہ نومسلم دیندار لڑکا ایک قدیمی مسلمان لڑکی کا کفو ہوگا۔

۵- اگر کفاءت عرف پر مبنی ہے تو دور حاضر میں کس چیز کا اعتبار ہوگا؟

شریعت مطہرہ کے اندر کفاءت صرف دینداری میں معتبر ہوتی ہے، بقیہ دیگر جو چیزیں ہیں ان کا تعلق زوجین کی خوشگوار زندگی بسر ہونے اور دونوں کے درمیان نبھاؤ اور تعلق سے ہے۔

پس موجودہ دور میں یہ دیکھا جائے گا کہ دیندار لڑکی جس دیندار لڑکے سے نکاح پر رضامند ہو، یا عام لڑکی کسی عامی لڑکے پر راضی ہو تو دونوں کے درمیان مناکحت میں کوئی چیز مانع نہ ہوگی، اور اگر لڑکی فاسق ہے اور وہ دیندار لڑکے سے نکاح پر راضی ہے تو نبھاؤ کی امید رکھتے ہوئے دونوں کے درمیان کفاءت ہوگی، کیونکہ شوہر کو بیوی پر یک گونہ حاکمیت حاصل ہوتی ہے، اور اگر لڑکی دیندار ہے اور لڑکا فاسق ہے تو پھر کفاءت نہ ہوگی، مدار مبتلی بہ پر ہے۔

۶- کفاءت کا اعتبار کس کے بارے میں ہوگا؟

فقہاء کرام نے کفاءت کا اعتبار صرف عورت کے بارے میں کیا ہے، مرد کے بارے میں نہیں کی، اور دلیل یہ دی ہے کہ مرد مستفرش ہے اور عورت فراش ہے پس مستفرش کے کمتر ہونے کی وجہ سے فراش کو شرم وعار محسوس ہوگی برخلاف اس کے فراش کمتر ہو اور مستفرش بہتر ہو (درمختار ۲۰۶/۴تا ۲۰۷)۔

اور اس کی تائید قرآن کریم سے بھی ہوتی ہے:

''الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللہ بعضهم علی بعض''۔

اللہ تبارک وتعالیٰ نے مردوں کو عورتوں پر حاکم قرار دیا ہے، اس وجہ سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی، اس کا ظاہری تقاضہ یہ ہے کہ جب مردوں کو حاکم قرار دیا تو بہتر بھی مرد ہی ہوں گے اور عورت بہتر اور کمتر بھی ہوسکتی ہے، لہذا جب مرد بہتر ہے تو وہ کمتر و برتر دونوں پر حاکم بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ کفاءت کا اعتبار صرف عورت کے بارے میں کیا جائے گا اور مرد کے بارے میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

چنانچہ اگر لڑکی دیندار صوم وصلوۃ کی پابند ہے تو وہ بددین فاسق لڑکے کی کفو قرار نہ پائے گی، اس کے برخلاف اگر کوئی بددین فاسقہ لڑکی ہے تو وہ دیندار لڑکے کی کفو ہوسکتی ہے، کیونکہ شوہر کو بیوی پر حاکمیت ہوتی ہے تو اس لڑکے کے ذریعہ اس لڑکی کی بھی دیندار ہونے کی امید رہے گی۔

۷-الف: کفاءت کس کا حق ہے؟

متون کی کتابوں میں یہ مسئلہ بیان کیا گیا ہے کہ کفاءت ولی کا حق ہے عورت کا حق نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی لڑکی غیر کفو میں نکاح کرے گی تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا اور ولی نکاح فسخ کرا سکتا ہے۔ علامہ تمرتاشی فرماتے ہیں:

''وهی حق الولی لا حقها'' (تنویر الابصار ۴/۲۰۷)، آگے صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''وإذا زوجت المرأة نفسها من غیر کفء فللأولیاء أن یفرقوا بینهما دفعا لضرر العار عن أنفسهم'' (ہدایہ ۳/۱۸۷)۔

مگر علامہ شامیؒ کو اس پر اشکال ہے وہ فرماتے ہیں کہ کفاءت ولی کا بھی حق ہے اور عورت کا بھی حق ہے، چنانچہ علامہ شامیؒ اس کی دلیل میں مثال پیش فرماتے ہیں:

ایک مثال بطور دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر باپ دادا کے سوا کوئی ولی چھوٹے بچے کا غیر کفو میں نکاح کردے اور ولی فاسق بھی نہ ہو تب بھی نکاح صحیح نہیں ہوتا، معلوم ہوا کہ کفاءت عورت کا بھی حق ہے (رد المحتار ۲۰۷/۳)۔

نیز علامہ ابن ہمام کی عبارت سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ کفاءت عورت وولی دونوں کا حق ہے فرماتے ہیں:

''وانما جاز لإسقاطهن حق الكفاءة هن وأولياؤهن'' (فتح القدیر ۱۸۷/۳)۔

ب-ولی کی رضامندی کے بغیر عاقلہ بالغہ کا غیر کفو میں خود نکاح کرنا؟

عاقلہ بالغہ لڑکی اگر ازخود اپنی صوابدید کے مطابق کسی لڑکے سے نکاح کرلیتی ہے، تو وہ نکاح عند الحنفیہ صحیح اور درست ہوجاتا ہے ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے، کیونکہ لڑکی جب عاقلہ بالغہ ہوجاتی ہے، تو اس کے اوپر کسی کو اختیار نہیں رہتا اور وہ اپنے تمام حقوق میں تصرف کرنے کا اختیار رکھتی ہے، صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

''وينعقد نكاح الحرة العاقلة البالغة برضاها، وإن لم يعقد عليها ولى بكرا كانت أو ثيبا عند أبي حنيفة وأبي يوسف في ظاهر الرواية'' (ہدایہ)۔

اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے علامہ ابن ہمام فرماتے ہیں:

''ورواية رجوعه (أى محمد) إلى ظاهر الرواية فتحصل أن الثابت الآن هو اتفاق الثلاثة على الجواز مطلقا من الكفء وغيره، هذا على الوجه الذى ذكرناه عن أبي يوسف من ترتيب الروايات عنه وهو ما ذكره السرخسي'' (فتح القدیر ۱۵۷/۳)۔

خلاصہ یہ کہ عاقلہ بالغہ اپنا نکاح ولی کی رضا کے بغیر خواہ کفو میں کرے یا غیر کفو میں بہرصورت صحیح اور درست ہے۔

ج-غیر کفو میں کئے ہوئے نکاح کو کیا ولی فسخ کراسکتا ہے؟

عاقلہ بالغہ لڑکی نے ازخود اگر اپنا نکاح اپنی مرضی کے مطابق کرلیا خواہ کفو میں کیا ہو یا

غیر کفو میں، بہر صورت نکاح درست ہے، کیونکہ عاقلہ بالغہ کے اوپر کسی کو کوئی اختیار نہیں رہتا بلکہ وہ خود مختار ہوتی ہے، اپنے تمام حقوق میں خود تصرف کرنے کا اختیار رکھتی ہے، تو نکاح بھی ایک حق ہے اس میں بھی اس کو خود نکاح کرنے کا اختیار حاصل ہوگا، چنانچہ حق تصرف کا تقاضہ ہے کہ ولی کو حق اعتراض نہ ہوگا، چہ جائیکہ حق فسخ ہو۔ علامہ حصکفی فرماتے ہیں:

''(فنفذ نکاح حرة مکلفة بلا) رضا (ولي) والأصل أن کل من تصرف في ماله تصرف في نفسه ومن لا فلا'' (درمختار ۴/۱۵۵)۔

۸-غلط بیانی سے نکاح کردینے کی صورت میں صحیح علم کے بعد کیا حق فسخ حاصل ہے؟

مسئلہ کو سمجھنے سے پہلے یہ بات ذہن نشیں رہے کہ ہم نے گزشتہ اوراق میں اس بات کو ثابت کیا ہے کہ'' اصل کفاءت دینداری ہے اور مسلمان ہونا ہے'' اب مسئلہ کی نوعیت ملاحظہ فرمائیں:

اگر لڑکے والوں نے لڑکی کو اور اس کے ولی کو دھوکہ دے کر اور کفاءت ظاہر کر کے لڑکی سے نکاح کردیا ہے اور نسب و پیشہ بھی ایک ہی ہے یا الگ الگ ہے، پھر نکاح کے بعد خواہ خلوت صحیحہ سے پہلے یا بعد میں عدم کفاءت ظاہر ہوئی تو اس کی دو شکلیں سامنے آتی ہیں:

۱-لڑکی کی طرف سے کفاءت کی شرط نہیں لگائی گئی، بس لڑکے والوں نے کہہ دیا کہ یہ لڑکا آپ کی لڑکی کا کفو ہے اور نکاح کردیا گیا بعد کو علم ہوا کہ لڑکا اس لڑکی کا کفو نہیں ہے، تو اس صورت میں کسی کو حق فسخ نہیں ہوگا، کیونکہ یہ نکاح لڑکی کی رضامندی سے ہوا ہے۔ علامہ حصکفیؒ نے اس مسئلہ کو ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

''ولو زوجوها برضاها، ولم یعلموا بعدم الکفاءة ثم علموا لا خیار لأحد'' (درمختار ۴/۲۰۸)۔

اب اگر لڑکی نباہ نہ ہونے کی وجہ سے علاحدگی چاہتی ہے، تو اس کی صورت یہ ہوگی کہ شوہر خود طلاق دیدے یا پھر عورت شوہر سے خلع کا معاملہ کرے جس کی وجہ سے شوہر طلاق پر آمادہ ہوجائے اور اس خلع کی وجہ سے لڑکی پر کوئی گناہ بھی نہ ہوگا بشرطیکہ شریعت کے دائرے میں ہو۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں:

"وإذا تشاق الزوجان وخافا أن لا يقيما حدود الله فلا بأس بأن تفتدي نفسها منه بمال يخلعها به، لقوله تعالى: فلا جناح عليهما فيما افتدت به" (ہدایہ ۴؍ ۵۸)۔

۲-دوسری شکل یہ ہے کہ لڑکی کی طرف سے کفاءت کی شرط لگادی گئی ہو کہ ہمیں نکاح کفو میں ہی کرنا ہے اور پھر غلط بیانی سے نکاح ہوگیا، بعد میں صحیح علم ہوا تو اس صورت میں عاقد کو حق فسخ حاصل ہوگا، اس مسئلہ کو علامہ ابن ہمام نے ان الفاظ میں نقل فرمایا ہے:

"بخلاف ما إذا اشترط العاقد الكفاءة أو أخبره الزوج بها حيث كان له التفريق (وبعد سطر) أو شرطوا ذلك فظهر بخلافه كان للعاقد الفسخ" (فتح القدیر ۳؍ ۱۸۷)۔

یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ حق فسخ لڑکی کو اس وقت حاصل ہوگا جبکہ لڑکی عدم کفاءت کی بناء پر اور لڑکے کے اوباش ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ زندگی بسر کرنے پر کسی صورت میں راضی نہ ہو، بصورت دیگر نہیں۔

کفاءت کن چیزوں میں مطلوب ہے

مولانا عبدالرشید قاسمی ☆

۱-شریعت میں کفاءت کی حقیقت:

شوہر اور بیوی کے تعلقات زیادہ سے زیادہ خوشگوار اور مضبوط ہوں، اور ان کے مابین انتہائی محبت والفت پیدا کرنے کے لئے اسلامی شریعت نے دوسرے دفعات کے ساتھ یہ دفعہ بھی لگائی کہ رشتہ قائم کرنے کے وقت دینی، اقتصادی، سماجی مساوات کالحاظ کیا جائے، کیونکہ بغیر اس کے رشتہ ازدواج میں استواری اور خوشگواری نہایت مشکل ہے، اور جب یہ بات نہ ہوگی تو نکاح کا بنیادی مقصد ختم ہوجائے گا، اسی مناسبت اور برابری کو اسلامی قوانین میں کفاءت کہتے ہیں۔

کفاءت کی لغوی اور اصطلاحی تحقیق:

کفاءت لفظ کفو سے ماخوذ مصدر ہے، کفو کے معنی نظیر اور مثل کے ہیں قرآن کریم میں ارشاد ربانی ہے: "ولم یکن له كفوا أحد"۔

نیز نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: "المسلمون تتكافأ دماءهم، قال الحصكفي من كافاه إذا ساواه" یہ لفظ برابری کے لئے بولا جاتا ہے۔

علامہ شامی قہستانی سے نقل کرتے ہیں: "الكفاءة لغة المساواة وشرعا: مساواة الرجل للمرأة في الأمور الآتية":

☆ گوریلی بازار، جونپور۔

صاحب درمختار نے شرعی تعریف میں ان الفاظ کا اضافہ کیا ہے: "أو كون المرء ة أدنى" کفاءت لغۃ برابری کو کہتے ہیں اور شرعا اس سے امور دینیہ میں مرد کا عورت کے برابر یا عورت کا مرد سے کمتر ہونا مراد لیا جاتا ہے (ردالمحتار ۲/ ۳۳۳، الفقہ الاسلامی ۷/ ۲۲۹)۔

کفاءت فقہاء کی نظر میں:

نکاح میں زوجین کی کفاءت صرف چھ چیزوں میں ہوتی ہے اور وہ یہ ہیں: اسلام، نسب، پیشہ، حریت، دین، مال، علماء حنفیہ عیوب سے پاک ہونے کی قید کفاءت میں نہیں لگاتے ہیں، ہاں امام محمدؒ جذام، جنون، برص سے محفوظ ہونے کی قید لگاتے ہیں (الفقہ الاسلامی ۷/ ۲۴۰)۔

سیدنا امام اعظم نے اسلام اور دیانت کو علاحدہ علاحدہ شمار کیا ہے، اس لئے آپ کے نزدیک چھ شرطیں ہوگئیں۔

امام مالکؒ صرف دو چیزوں میں مساوات کو ضروری قرار دیتے ہیں، دین ودیانت اور ان عیوب اور امراض سے پاک ہونا جن کی بناء پر عورت کو فسخ نکاح کا حق رہتا ہے، جیسے جذام اور جنون۔

ائمہ اربعہ کے مابین اتفاقی واختلافی امور:

ائمہ اربعہ کفاءت کے باب میں دین پر متفق ہیں، اور ائمہ ثلاثہ متفق ہیں کفاءت میں حریت اور نسب اور پیشہ پر اور مالکیہ وشافعیہ اس امر پر متفق ہیں کہ مرد ان عیوب اور امراض سے پاک ہو جس کی بناء پر عورت کے لئے ثبوت خیار ہوتا ہے۔ اور فقہاء حنفیہ کی ظاہر الروایۃ اور حنابلہ متفق ہیں مال کی شرط پر اور حنفیہ باب کفاءت میں اس شرط میں منفرد ہیں کہ مرد کے آباء واجداد مسلمان ہوں (الفقہ الاسلامی ۷/ ۲۴۱)۔

اسلام: عورت اور مرد کا بوقت نکاح مسلمان ہونا ضروری ہے اگر رشتہ اسلام ان میں مفقود ہے تو پھر دونوں نکاح کے بندھن میں نہیں آسکتے، ایک شخص قدیم کافر ہے یا مشرک اور

دوسرا مسلمانوں کے گھر میں جنم لینے کے بعد بھی عقائد اسلام کا منکر ہے، تو یہ دونوں معاملہ نکاح میں یکساں ہیں، ان سے رشتہ نکاح نہیں قائم ہوگا، بلکہ عقد نکاح میں گواہ اور وکیل بھی نہیں بن سکتے۔

دیانت، تقوی اور عفت: ان سے مراد یہ ہے کہ وہ شخص عقیدۃً مسلمان ہو اور اس کا عمل عقیدے اور فکر کے موافق ہو اور اس میں صلاح یعنی پرہیز گاری بھی ہو، ایسے ہی وہ پاک دامن یعنی عفیف ہو، لہذا فاجر اور فاسق کسی نیک شخص کی صالحہ اور عفیفہ لڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا خواہ اس کا فسق ظاہر ہو یا غیر ظاہر، لیکن اس پر کوئی گواہ ہو کہ وہ فسق کرتا رہتا ہے۔ کیونکہ فاسق مردود الشہادۃ ہے اور چونکہ شریعت کی نظر میں فاسق کی انسانیت میں کمی ہے، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: "أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا لا يستوون" امام محمدؒ کے علاوہ سب کا اس پر اتفاق ہے۔

امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فسق مسئلہ کفاءت میں مانع نہیں بن سکتا، مگر جبکہ فاسق سے اس کے دوست مذاق کریں، یا خود فاسق بازار میں مستی کی حالت میں نکلے، کیونکہ فسق احکام آخرت میں سے ہے، لہذا اس پر احکام دنیا کی بناء نہیں ہوسکتی۔

مال: اس سے مراد یہ ہے کہ مہر اور بیوی کے نفقہ پر قادر ہو، کیونکہ صاحب ثروت تنگ دست اور مفلس کا کفو نہیں ہوگا، اسی وجہ سے بعض حنفیہ نے یہ قید لگائی ہے کہ اگر لڑکا ایک ماہ کے خرچ پر قادر ہے تو خوش حال لڑکی کا کفو بن سکتا ہے، آئندہ کسب کی وجہ سے، صاحب ہدایہ مال کی قید کی وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"وهو أن يكون مالكا للمهر والنفقة" (ہدایہ ۲/۳۰۰)۔

حنفیہ اور حنابلہ کفاءت میں مالی کشادگی کی بھی شرط لگاتے ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے فاطمہ بنت قیس سے فرمایا کہ معاویہ تیرے لئے چکنے سر کی طرح ہیں، کیونکہ ان کے پاس مال نہیں ہے، اور اکثر لوگ نسب کے اعتبار سے مال پر زیادہ فخر کرتے ہیں، نیز مالی وسعت بیوی کی تنگی کو بھی دور کر دیتی ہے اور بچوں کا خرچ بھی بسہولت ادا ہوتا ہے، اسی لئے مالی صلاحیت کا نہ ہونا

عرفاً عیب سمجھا جاتا ہے، اور لوگ آپس میں نسب کی طرح مال پر بھی فخر ومباحات سے کام لیتے ہیں۔

شافعیہ کا قول اصح اور مالکیہ مال کو کفاءت کی خصوصیت میں شمار نہیں کرتے، کیونکہ مال ایک کھسکنے والا سایہ ہے اور مال ادھر سے ادھر لڑھکنے وجھکنے کی صلاحیت رکھتا ہے، اسی وجہ سے اہل فہم مال پر فخر نہیں کرتے ہیں۔

ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کے نزدیک شافعیہ کا قول اصح اور مالکیہ کا قول راجح ہے، اس لئے کہ مال کے لئے دوام نہیں ہے، اور مال آنی جانی چیز ہے، رزق منقسم شدہ ہے جو محنت سے حاصل ہوتا ہے اور فقر دین میں باعث اعزاز ہے، اس بناء پر کہ آقاء مدنی ﷺ نے فرمایا: اے اللہ مجھے مسکین بنا کر زندہ رکھ اور موت بھی مسکین ہی کی حالت میں دے (الفقہ الاسلامی ۷/۲۴۶)۔

پیشہ، حرفت، صنعت: جمہور نے کفاءت کی خصوصیات میں پیشہ کو بھی شمار کیا ہے، بایں طور ایک پیشہ والا شوہر یا اس کے گھر والے صنعت وحرفت والی لڑکی یا اس کے گھر والے آپس میں کفو ہیں، لہذا کوئی رذیل پیشہ والا مثلاً پچھنہ لگانے والا، کپڑا بننے والا وغیرہ کفو نہیں ہیں کسی اعلی درجہ کے میکنک یا کسی بڑے تاجر کے، اسی طرح کپڑا فروش وغیرہ اور درزی رذیل پیشہ والے کا کفو نہیں ہیں، عرف کی بناء پر، نیز یہ لوگ کسی عالم قاضی مفتی وغیرہ کے لڑکی کے بھی کفو نہیں ہیں۔ اور فقہاء مالکیہ کفاءت میں حرفت کو شمار نہیں کرتے، کیونکہ ان کی وجہ سے دین میں کوئی عیب نہیں پیدا ہوتا اور نہ یہ وصف لازم ہے، علماء مالکیہ کے نزدیک پیشہ مال کے مشابہ ہے، اور مال اور صنعت یہ دونوں کمزوری، مرض، سکون، اور صحت کے مشابہ ہیں، یعنی جس طرح کوئی شخص ابھی بیمار ہے اور کچھ ایام کے بعد اچھی صحت والا ہوگیا، اسی طرح مال اور صنعت ہے کہ آج ہے کل نہیں، اور یہ ایک بدیہی امر ہے اور مالکیہ ہی کا قول ڈاکٹر وہبہ الزحیلی کے نزدیک راجح ہے۔

فرماتے ہیں: "وهذا هو الراجح لدی" (الفقہ الاسلامی ۷/۲۴۷)۔

نسب: حنابلہ اس کا نام منصب رکھتے ہیں۔

علماء مالکیہ نے نسب میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا ہے، البتہ جمہور کفاءت میں نسب کا

اعتبار کرتے ہیں (الفقہ الاسلامی ۷/ ۲۴۳)۔

حریت: جمہور کے نزدیک کفاءت میں حریت شرط ہے، لہذا غلام آزادلڑکی کا کفو نہیں ہوسکتا، اگرچہ غلام کا بعض حصہ آزاد کردیا گیا ہو، کیونکہ غلامیت آزادی میں عیب ہے اور غلام کو کسب معاش کی اجازت نہیں ہوتی، اور عموماً غلاموں سے شادی کرنے میں عار سمجھا جاتا ہے۔

ان عیوب سے پاک ہونا جن سے خیار کا ثبوت ہوتا ہے:

جنون اور جذام اور برص کو علماء مالکیہ اور شافعیہ کفاءت کی خصوصیات میں شمار کرتے ہیں، لہذا کسی مرد یا عورت کو ان عیوب میں سے کوئی عیب ہو تو وہ کفو نہیں ہوگا ان کا جوان عیوب سے پاک ہوں، کیونکہ نفس ایک دوسرے کے ساتھ صحبت سے نفرت کرے گا، اور نکاح کے مقصود میں خلل پڑے گا، اور علماء حنفیہ اور حنابلہ کفاءت میں ان عیوب سے پاک ہونے کی شرط نہیں لگاتے لیکن ان عیوب کو عورت کے لئے ثبوت خیار کا سبب تسلیم کرتے ہیں، نہ کہ اولیاء کے لئے، کیونکہ یہ عیوب ایسی تکلیف ہیں جو عورت کی ذات کے ساتھ مخصوص ہیں، لیکن ولی کو اس کا اختیار ہے کہ کوڑھی اور مجنون اور برص والے سے نکاح کرنے سے روک دے۔

یہی کفاءت کی چند خصوصیات ہیں جن کا اعتبار علماء اور فقہاء نے کیا ہے، اور ان کے علاوہ دیگر خصوصیات مثلاً خوبصورتی، عمر اور تہذیب وتمدن اور شہری ودیہاتی اس جیسے دوسرے عیوب عقد نکاح میں خیار کا ثبوت نہیں دیتے، مثلاً اندھاپن اور ہاتھ پیر کا کٹا ہوا اور بدصورتی، لہذا کفاءت میں ان کا کوئی اعتبار نہیں ہے، لہذا ایک بدشکل مرد خوبصورت عورت کا کفو ہے اور ایسے ہی عمر دراز کم سن عورت کا کفو ہے وغیرہ (الفقہ الاسلامی ۷/ ۲۴۲)۔

فقہاء کے مسالک ودلائل:

ائمہ مجتہدین کی کفاءت کے سلسلے میں دو جماعت ہے، حضرت سفیان ثوری، امام حسن بصری اور حضرت کرخی کی رائے یہ ہے کہ کفاءت نہ شرط اصل ہے اور نہ نکاح کے لئے شرط صحت

اور نہ شرط لزوم، ان کے دلائل یہ ہیں، کہ حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا:

''الناس سواسية كأسنان المشط، لا فضل لعربی علی عجمی إنما الفضل بالتقوی'' (سبل السلام ۱۲۹/۳)۔

(تمام لوگ انسان ہونے کی حیثیت سے برابر ہیں، جس طرح کنگھی کے دندانے برابر ہوتے ہیں، کسی عربی کو عربی ہونے کی حیثیت سے کسی عجمی پر فوقت نہیں ہے شرف وفضیلت صرف تقوی کی وجہ سے ہے)۔

حدیث بالا مطلق برابری اور کفاءت کے شرط نہ ہونے پر دلالت کرتی ہے، نیز ارشاد ربانی ہے: ''إن أكرمكم عند الله أتقاكم''، وقوله تعالى: "وهو الذى خلق من الماء بشرا'' اور ایک دوسری حدیث میں آپ علیہ السلام نے یوں فرمایا: ''ليس لعربی علی عجمی فضل إلا بالتقوی'' (مجمع الزوائد ۲۶۶/۳)۔

ان دلائل سے چند باتیں واضح ہوئیں: حقوق وواجبات میں تمام لوگ برابر ہیں، اور ان لوگوں کے لئے باعث فضیلت صرف تقوی ہے، انسانوں کی یہ تقسیم محض ایک تعارف کے لئے ہے، تاکہ ایک دوسرے کو پہچانیں اور ان کی خصوصیت کو معلوم کرسکیں، اور اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ انسان باہم فرق مراتب رکھتا ہے، اسی وجہ سے رزق اور مالداری میں ایک کو دوسرے پر فضیلت حاصل ہے، ارشاد ربانی ہے: ''والله فضل بعضكم على بعض فى الرزق'' اور علم میں بھی فرق ہے، اللہ رب العزت کا فرمان ہے: ''يرفع الله الذين آمنوا منكم والذين أوتوا العلم درجات''۔

ان ائمہ مجتہدین کے دلائل یہ بھی ہیں کہ حضرت بلالؓ نے کسی انصاری صحابی سے ان کی لڑکی سے عقد نکاح کی بات کی، انصاری صحابی نے انکار کردیا، حضرت بلالؓ نے آنحضرت علیہ السلام سے عرض کیا، حضور اکرم علیہ السلام نے حضرت بلال سے فرمایا کہ ان سے کہو کہ حضور علیہ السلام کا حکم ہے، حضور علیہ السلام نے عقد نکاح کا حکم کفاءت کے نہ ہونے کے باوجود دیا۔ اگر کفاءت معتبر

ہوتی تو آپ ﷺ کیوں حکم فرماتے، اسی لئے غیر کفو میں عقد نکاح مامور بہ ہے، اور اس کی تائید حضرت سالم کے واقعہ سے ہوتی ہے، جو ایک انصاری صحابیہ کے غلام تھے، ان کی شادی حضرت ابو حذیفہ کی بھتیجی سے ہوئی، اور آپ ﷺ نے قریشیہ عورت فاطمہ بنت قیس کو حکم دیا کہ وہ حضرت اسامہ سے شادی کریں، اسی طرح حضرت زینب کی شادی حضرت زید سے ہوئی، اسی طرح حضرت عبد الرحمٰن بن عوف کی بہن حضرت بلال کے عقد میں تھی، اسی طرح ابو ہند صحابی فصد کھولنے کا کام کرتے تھے، مگر آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے بنو بیاضہ ان کی شادی اپنی لڑکی سے کرو۔

جنایات میں تمام لوگوں کا خون برابر ہے، لہذا شریف شخص رذیل کے مقابل میں قتل کیا جائے اور عالم جاہل کے مقابل میں، لہذا اس پر قیاس کیا جاسکتا ہے کہ عقد نکاح میں کفاءت معتبر نہیں، کیونکہ اگر جنایات میں کفاءت غیر معتبر ہے تو عقد نکاح میں بدرجہ اولی غیر معتبر ہوگی۔ ان ائمہ کے نزدیک اصل چیز دین اور تقوی ہے، اگر ان کے ساتھ حسب ونسب، حسن وجمال، مال ودولت جمع ہوجائیں تو کوئی مضائقہ نہیں (الفقہ الاسلامی ۷/ ۲۱-۲۲)۔

جہاں تک ان ائمہ مکرمین کے استدلال آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے ہیں تو ان کا جواب ڈاکٹر وہبہ زحیلی صاحب نے یوں دیا ہے:

یہ احادیث ان احادیث سے معارض ہیں جن میں کفاءت مطلوب ہے، لہذا جن احادیث نبویہ سے کفاءت کا ثبوت ہوتا ہے۔ وہ محمول ہوں گی استحباب اور افضلیت پر، اور جن احادیث میں کفاءت کی ممانعت اور تمام انسان کو مساوی درجہ کا قرار دیا گیا ہے، تو یہ ایک امر آخرت ہے اور دنیا کے بہت سے معاملات میں فرق ایک علاقے سے دوسرے علاقے میں ہوتا ہے، اور یہ بھی ایک ظاہری بات ہے کہ دنیا کے احکام میں ایک عربی کو عجمی پر فوقیت ہوتی ہے، اور ان ائمہ نے کفاءت کے معتبر نہ ہونے کو جنایات پر جو قیاس کیا ہے اس کا جواب ڈاکٹر صاحب نے یوں دیا ہے:

یہ قیاس مع الفارق ہے، اس لئے کہ جنایات اور قصاص میں جو مساوات ہے وہ لوگوں کی مصلحت اور حقوق زندگی کی حفاظت کی بناء پر ہے، لہذا ایک صاحب مرتبہ اپنے سے کم کے قتل میں راہ فرار نہیں پائے گا، رہا عقد نکاح میں کفاءت کا مسئلہ تو یہ بات اظہر من الشمس ہے کہ زوجین کے مصالح مودت اور محبت سے پائے جاتے ہیں اور ان مصلحتوں کا تحقق بلا کفاءت نہیں ہوسکتا۔

دلیل عقلی: کفاءت زوجین کے مصالح کا منتظم ہے اور زوجین کے مصالح بارآور نہیں ہوتے مگر جبکہ وہ ہم کفو ہوں، اس لئے کہ شریف زادی لڑکی رذیل شخص کے ساتھ زندگی گزارنے سے انکار کرے گی، لہذا اعتبار کفاءت مرد کی جانب سے ضروری ہوا، نہ کہ عورت کی جانب سے، کیونکہ شوہر عدم کفاءت سے عموماً متاثر نہیں ہوتا اور عادت اور عرف ایک بڑی دلیل ہے، اور چونکہ بیوی بہت جلد متاثر ہوتی ہے، لہذا شوہر جب ہم کفو نہیں ہوگا تو تعلق مضبوط نہ ہوگا اور دونوں محبت و مودت سے محروم ہوں گے، اور شوہر کے لئے قوام ہونا ممکن نہیں ہوگا، اور ایسے ہی عورت کے اولیاء ایسے شخص سے رشتہ کرنے میں نفرت کریں گے، جنہیں وہ اپنے دین، مرتبہ و منصب اور نسب کے معیار پر نہیں پائیں گے، لہذا ازدواجی کا رشتہ کمزور پڑ جائے گا، اور اس رشتہ کے مقصود کا تحقق نہیں ہوگا، اور یہی رائے اکثر مسلم شہروں میں معمول بہ ہے، جیسے مصر، سوریہ، لیبیا، سعودی عرب وغیرہ۔

کفاءت میں امور معتبرہ کا مدار حالات پر ہے:

ڈاکٹر وہبہ زحیلی جمہور کی دلیل عقلی بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ جمہور کی دلیل انتہائی مضبوط تر ہے اور یہ عقلی دلیل عرف پر مبنی ہے، پس جب کفاءت کا دارومدار عرف ہوا، جیسا کہ ہمارے زمانے میں ہے تو کفاءت کے سلسلے میں عرض یہ ہے کہ یہ زمان و مکان کے مختلف ہونے سے مختلف ہوجاتا ہے، کبھی کسی زمانہ میں کوئی پیشہ، حرفت اور صنعت رذیل کام ہوتا ہے، پھر وہی دوسرے زمانے میں باعث عزت ہوجاتا ہے، اور کبھی کوئی پیشہ کسی شہر میں حقیر ہوتا ہے اور

دوسرے شہر میں باعث اعزاز ہوتا ہے۔

حضرت تھانویؒ امور کفاءت کی بناء عرف کو ہی قرار دیتے ہیں، ایک استفتاء کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

اور یہ کہ مبنی اس کا عرف پر ہے جس کا حدیث میں بھی اعتبار کیا گیا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہم عجم میں جو نسبا کفاءت معتبر نہ ہونا فقہاء نے لکھا ہے، یہ بھی مقید اس کے ساتھ ہے کہ جب عرف میں اس تفاوت کا اعتبار نہ ہو، ورنہ ان میں بھی باعتبار نسب وقومیت کے معتبر ہوگا (امداد الفتاوی ۲/۳۵۶)۔

ب- نسبی کفاءت عرب وعجم سب کے لئے ہے:

علماء حنفیہ نے کفاءت میں نسب کو اہل عرب کے ساتھ خاص کیا ہے، چونکہ عرب انساب کی حفاظت کرتے ہیں اور باہم فخر بھی کرتے ہیں اور انساب میں نقص کی وجہ سے شرم محسوس کرتے ہیں، اور عجم اپنے انساب کی اولاً حفاظت نہیں کرتے اور نہ ہی فخر کرتے ہیں، اسی وجہ سے عجمیوں میں کفاءت کے سلسلے میں حریت اور اسلام کا اعتبار کیا گیا ہے، حنفیہ کا قول اصح یہ ہے کہ عجمی عربی کا کفو نہیں ہوسکتا خواہ وہ عجمی عالم ہو یا بادشاہ۔

اس لئے کہ اللہ نے عرب کو غیر عرب پر منتخب کیا ہے، نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے۔ حنفیہ اور امام احمدؒ کی ایک روایت میں قریش ایک دوسرے کے کفو ہیں، اور باقی عرب ایک دوسرے کا کفو ہے، ان میں سے بنو باہلہ کو مستثنیٰ کیا گیا ہے ان کی رذالت کی وجہ سے اور ان ائمہ کی دلیل حدیث ابن عباس ہے: "قريش بعضهم أكفاء لبعض"۔

شافعیہ کے نزدیک اور امام احمدؒ کی ایک دوسری روایت میں یہ ہے کہ ہاشمی اور مطلبی یہ باقی قریش مثلاً بنو عبد شمس ونوفل کے کفو نہیں ہیں، اگر چہ یہ دونوں بنو ہاشم ہی کے قبیلے کے ہیں ان کی دلیل یہ ہے:

"إن الله اصطفى من العرب كنانة واصطفى من كنانة قريش، واصطفى

من قريش بني هاشم و اصطفاني من بني هاشم"۔

جمہور اس پر متفق ہیں کہ وہ قریش جو نضر بن کنانہ کی اولاد ہیں، نسبا تمام عرب پر افضل ہیں، لہٰذا ان کا کفو انہیں کے ہم مثل ہوگا، اور باقی قریشی یہ تمام عرب کے لئے کفو ہیں، اور غیر قریشیہ عورت یہ ہر قبیلے کی کفو ہوگی، لیکن یہ عورت کسی عجمی کی کفو نہیں ہوگی۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی فرماتے ہیں کہ سچی بات یہ ہے کہ کفاءت میں اعتبار نسب صحیح نہیں ہے اور مالکیہ کا قول صحیح ہے، کیونکہ حجۃ الوداع کا اعلان بہت صاف ہے کہ تمام انسان اولاد آدم ہیں، اور کسی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں مگر تقوی کی بنیاد پر اور جس حدیث پر جمہور نے اعتماد کیا ہے وہ ضعیف ہے، اس لئے کہ فضیلت قریش تمام عرب پر پھر عرب کی فضیلت عجم پر کسی سنت یعنی حدیث متواتر یا عمل نبی سے ثابت نہیں ہے، بلکہ سنت اس کے خلاف ہے، اس لئے کہ حضور ﷺ نے اپنی دو صاحبزادیوں کا عقد حضرت عثمانؓ اور ابو العاص بن ربیع سے کیا تھا، اور یہ دونوں بنو عبد شمس سے تھے اور حضرت علی نے اپنی بیٹی ام کلثوم کا عقد حضرت عمرؓ سے کیا، اور خود نبی ﷺ نے اپنی چچازاد بہن کا عقد زید بن حارثہ سے کیا، حالانکہ وہ قریشی تھیں اور زید بن حارثہ موالی میں سے تھے اور حضرت اسامہ بن زید کا عقد فاطمہ بنت قیس سے کیا درآنحالیکہ وہ قریشی تھیں۔

اہل عجم بھی ایک دوسرے کے کفو ہوتے ہیں اور ان میں بھی فخر ومباحات ہوتا ہے اور عربوں کی طرح یہ بھی انساب کی بناء پر ایک دوسرے پر مشرف ہوتے ہیں، جس طرح عرب اپنے نسبوں کا حریص ہوتا ہے، عجم بھی اپنے نسبوں کا حریص ہوتا ہے، اہل عجم کی لڑکی بھی شرم سے پسینہ پسینہ ہوجاتی ہے جس وقت وہ کسی رذیل شخص کے ساتھ منسوب کردی جائے۔

خلاصہ یہ کہ نسب میں کفاءت معتبر ہے، اور اس اعتبار کا اطلاق عرب اور عجم سب پر ہوگا (فتح القدیر ۳/ ۲۹۳، الفقہ الاسلامی ۷/ ۲۴۱ - ۲۴۴)۔

۴-قدیم الاسلام اور جدید الاسلام:

کفاءت میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا خاص اعتبار کیا جائے گا، اس

خصوصیت پر حنفیہ کی دلیل یہ ہے کہ جو شخص اس طور پر پہچانا جائے کہ اس کے والدین مسلمان ہیں تو اس کی نسبت اسلام کی طرف ہوگی (الفقہ الاسلامی ۷/ ۲۴۴)۔

بعض حضرات کا جو یہ خیال ہے کہ قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کا تصور نومسلموں کو مسلم سوسائٹی میں جذب کرنے اور ان کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہے، اور ایک حد تک خود اسلام کی دعوت وتبلیغ میں سدراہ ہے، یہ خیال ان حضرات کا خود فریبی میں مبتلا ہونے کی بناء پر، یا یوں کہئے کہ ایک مہمل سا خیال ہے، اس لئے کہ اسلام کو مبعوث ہوئے پندرہ صدیوں سے زیادہ ہوا، لیکن آج تک نومسلموں کی تعداد میں اضافہ کے بجائے کمی نہیں دیکھی گئی۔

۵-جب یہ بات واضح ہوگئی کہ فقہاء کے نزدیک کفاءت مطلوب ہے اور کفاءت کے مسئلہ کی بنیاد ماضی میں عرف پر رکھی گئی تو آج بھی ضروری ہے کہ مسئلہ کفاءت کا دارومدار عرف اور حالات حاضرہ پر مبنی ہو، لہذا دور حاضر میں کفاءت میں مندرجہ ذیل چیزوں کا لحاظ کیا جانا چاہئے:

۱-عقد نکاح کے لزوم میں یہ شرط لگائی جائے کہ مرد عورت کا کفو ہو۔

۲-اگر کوئی بالغہ عاقلہ بغیر ولی کی اجازت کے شادی کرلے تو اگر شوہر کفو میں ہے تو نکاح درست ہوگا، ورنہ ولی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوگا۔

۳-کفاءت میں شہر کے عرف کا اعتبار ہوگا، مثلاً زید کوئی ایسا کام کررہا تھا جو اس کے شہر میں ذلیل سمجھا جاتا ہے، لیکن وہ دوسرے شہر میں گیا اور رہنے لگا اور یہی کام اس شہر کے شرفاء کرتے ہیں تو یہ ان کا کفو ہوگا۔

۴-کفاءت عورت اور ولی دونوں کا حق ہے۔

۵-اگر عورت حاملہ ہوگئی ہو تو کفاءت کا حق ساقط ہوجائے گا۔

۶-کفاءت کی رعایت بوقت عقد ہوگی، بعد العقد زوال کفاءت مؤثر نہیں ہوگا۔

۷-عقد کے وقت کفاءت کی شرط لگائی گئی، یا شوہر نے خبر دیا کہ وہ کفو ہے پھر یہ بات کھل گئی کہ وہ غیر کفو ہے تو ولی اور لڑکی کو عقد فسخ کرانے کا حق حاصل ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ جب کفاءت کا مسئلہ ہر دور کے عرف اور حالات پر مبنی ہے تو امور بالا کا لحاظ کیا جانا انتہائی اہم ہے (الفقہ الاسلامی ۷/ ۲۴۸)۔

جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کفاءت عورت کے لئے طلب کی جائے گی نہ کہ مرد کے لئے، مطلب یہ ہے کہ عورت کے لئے کفاءت مرد کی جانب سے تلاش کی جائے گی یہ حق ہے عورت کا نہ کہ مرد کا، لہذا شرط لگائی جاتی ہے کہ مرد امور کفاءت میں عورت کے مماثل ہو یا اس سے بڑھ کر ہو۔

۷-عاقلہ بالغہ نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کر لیا تو یہ نکاح شرعا منعقد نہیں ہوگا۔

مذکورہ بالا نکاح اگر بلا رضامندی ولی ہوا ہے تو ولی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہے، اگر ولی چاہے تو، جیسا کہ ہدایہ اور شامی کی عبارات اس پر دال ہیں۔

۸-کسی لڑکے یا اس کے اہل خانہ نے اگر بوقت نکاح غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالت کے بارے میں خلاف واقع باتیں بیان کر کے لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو آمادہ کیا اور نکاح کر لیا، لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوئی تو لڑکی اور اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہے۔

کفاءت کا شرعی حکم

مفتی سعید الرحمٰن قاسمی ☆

کفاءت کی لغوی تعریف:

لغت میں کفاءت کے معنی قوت وشرف میں مماثلت اور برابری کے ہیں اور یہ مثل اور نظیر کے معنی میں بھی مستعمل ہوتا ہے (المعجم الوسیط، القاموس الفقہی / ۳۲۰)۔

کفاءت کی اصطلاحی تعریف:

میاں اور بیوی کے درمیان مخصوص امور میں مماثلت وبرابری کا ہونا یا عورت کا مرد سے کم تر ہونا۔

''المراد هنا المماثلة بين الزوجين في خصوص أمور أو كون المرأة أدنى'' (البحر الرائق ۳/ ۱۳۷)۔

مصالح کفاءت:

نکاح جہاں ایک مسنون عمل ہے وہیں یہ ایک پاکیزہ اور مقدس رشتہ بھی ہے، یہ رشتہ اسی وقت قائم رہ سکتا ہے جبکہ میاں بیوی کے درمیان مزاج وفکر، رہن سہن، سماجی ومعاشرتی، تہذیب وتمدن اور کلچر میں برابری ہو، اس کے خلاف ہونے کی صورت میں نکاح کا یہ مقدس رشتہ قائم نہیں رہ پاتا ہے اور طلاق وفسخ نکاح کی نوبت آپڑتی ہے، جیسا کہ اس کا مشاہدہ آئے دن ہوتا

☆ امارت شرعیہ پھلواری شریف، پٹنہ۔

رہتا ہے، اسی لئے شریعت اسلامیہ نے نکاح کے سلسلہ میں کفاءت کو شروع قرار دیا۔

علامہ ابن نجیم مصری "البحر الرائق" میں بڑے بلیغ انداز میں اس کی حکمت و مصلحت تحریر فرماتے ہیں:

نکاح میں کفاءت کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عام طور پر مصالح نکاح دو ہم مثل جوڑے کے درمیان ہی برقرار رہتے ہیں، کیونکہ شریف و معزز خاتون ارزل مرد کی فراش بننے سے انکار کرتی ہے (البحر الرائق ۳/ ۱۳۷)۔

۲- کفاءت کن چیزوں میں معتبر ہے؟

کتنی چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے، اس سلسلہ میں فقہاء کرام کے مختلف اقوال ملتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک کفاءت کا اعتبار مندرجہ ذیل چیزوں میں کیا گیا ہے:

نسب، اسلام، آزادی، مالداری، دیانت، صنعت وحرفت (الفتاوی الہندیہ ۱/ ۲۹۰، ۲۹۱، ردالمحتار ۲/ ۳۲۱، ۳۱۸، البحر الرائق ۳/ ۱۳۹)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک مندرجہ ذیل چھ چیزیں امور کفاءت ہیں:

دیانت، نسب، آزادی، صنعت وحرفت، مالداری، عیب سے بری ہونا (المجموع شرح المہذب ۱۶/ ۱۸۲، الافصاح لابن زہیر علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۱۲۱)۔

امور کفاءت کتنی چیزیں ہیں، اس سلسلہ میں امام احمد بن حنبلؒ کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ امور کفاءت پانچ ہیں، اور یہی ان کا مشہور مذہب ہے۔

نسب اور دیانت، آزادی، صنعت وحرفت، مالداری۔

اور ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف دو چیزوں میں ہے:

دیانت، نسب (المغنی لابن قدامہ الحنبلی ۶/ ۳۸۲)۔

امام مالکؒ کا مسلک یہ ہے کہ کفاءت صرف دیانتداری میں معتبر ہے (الافصاح علی المذاہب الاربعہ ۲/ ۱۲۱)۔

اب جبکہ تمام ائمہ کرام کی آراء کو ذکر کر دیا گیا تو ہر ایک کے دلائل ملاحظہ فرمائیں:

امام مالکؒ نے کفاءت میں صرف دین داری کا اعتبار کیا ہے، ان کی دلیل آیات قرآنیہ، احادیث اور آثار صحابہ ہے۔

قرآن کریم میں اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

"یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر وأنثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند الله أتقاکم" (سورۂ حجرات ۱۳)۔

بنی آدم تخلیق کے اعتبار سے سب کے سب برابر ہیں، کسی انسان کو کسی انسان پر کچھ بھی برتری حاصل نہیں ہے، البتہ فضیلت و برتری کا دارومدار تقوی اور حق اللہ اور حق الناس کی ادائیگی پر ہے، اس لئے نکاح کے معاملہ میں بھی صرف دینداری ہی کو معیار اور وجوح ترجیح قرار دیا جائے گا (فقہ السنۃ ۲؍ ۱۴۴)۔

ان کا دوسرا استدلال احادیث رسول اللہ ﷺ سے ہے۔

ترمذی شریف میں ابو حاتم مزنی کی روایت باسناد حسن موجود ہے، جس میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لڑکیوں کے اولیاء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا: جب تمہاری زیر پرورش لڑکیوں کا رشتہ نکاح ایسا شخص لے کر آئے جس کو تم دین اور اخلاق کے اعتبار سے پسند کرتے ہو تو تم اس سے اس کا نکاح کر دو، اگر ایسا نہ کیا تو زمین میں بڑا فساد برپا ہوگا، اس حدیث شریف سے یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی کہ وجوہ ترجیح صرف دینداری و اخلاق ہے۔

"إذا أتاکم من ترضون دینه وخلقه، فانکحوه إلا تفعلوا تکن فتنة فی الأرض وفساد کبیر" (ترمذی ۱؍ ۱۲۸)۔

اور دوسری روایت جو ابو داؤد شریف میں ہے، اس میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: اے بنو بیاضہ تم اپنی لڑکیوں کا نکاح کرو، ابو ہند سے اور ان کی لڑکی کا رشتہ اپنے یہاں کرو،

حالانکہ ابو ہند حجام تھے۔

قال النبی ﷺ: "یا بنی بیاضة! أنکحوا أبا هند و أنکحوا إلیه و کان حجاما" (ابوداؤد ۱/ ۲۸۶)۔

نیز نبی کریم ﷺ نے زینب بنت جحش کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ سے کیا۔

آثار صحابہ سے استدلال:

الف-ابو حذیفہ نے سالم کا نکاح ہند بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے کیا، حالانکہ سالم ایک انصاری عورت کے غلام تھے۔

ب-بلال بن رباح کا نکاح عبد الرحمٰن بن عوف جو بہت مالدار صحابی رسول تھے ان کی بہن سے ہوا تھا۔

ج-ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ کفو کے سلسلہ میں آپ کا کیا خیال ہے؟ تو آپ نے فرمایا: تمام کے تمام لوگ ایک دوسرے کے کفو ہیں، عربی عجمی کا اور قریشی ہاشمی کا، جبکہ وہ لوگ اسلام قبول کرلیں اور ایمان لے آئیں (فقہ السنہ ۲/ ۱۴۵)۔

مذکورہ تمام دلائل سے یہ بات نکھر کر سامنے آگئی کہ کفاءت صرف دینداری میں معتبر ہے، اس کے علاوہ دوسری چیزوں میں نہیں۔

دیانت وتقوی میں کفاءت:

تقریباً تمام ائمہ مجتہدین ومحدثین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفاءت میں دیانت وتقوی معتبر ہے۔ ایک صوم وصلاۃ کی پابند عابدہ، زاہدہ خاتون کسی فاسق وفاجر شخص کا کفو نہیں ہوسکتی ہے، اس لئے کہ عابدہ، زاہدہ خاتون فاسق وفاجر شخص کا بستر بننے میں ننگ وعار محسوس کرے گی اور اس کی زندگی اجیرن بن کر رہ جائے گی، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے لڑکی

کے اولیاء کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ جب کوئی دیندار شخص تمہاری زیر کفالت لڑکی کا پیغام نکاح دے تو تم اس کا نکاح اس سے کردو، اگر ایسا نہیں کیا اور دیانت پر جاہ ومنصب اور مال ودولت کو ترجیح دی تو زمین میں بڑا فساد برپا ہوگا، اس لئے دیانت کو امور کفاءت میں سے قرار دیا۔

بخاری شریف ومسلم شریف کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ کسی عورت سے چار چیزوں کی وجہ سے نکاح کیا جاتا ہے: مالداری، حسب ونسب، حسن وجمال اور دینداری، پھر فرمایا کہ دین والی کو اختیار کرو اسی میں تمہارے لئے کامیابی ہے۔

"عن أبی ھریرة عن النبی ﷺ قال: تنکح المرأة لأربع: لمالھا ولحسبھا وجمالھا ولدینھا، فاظفر بذات الدین تربت یداک" (بخاری ۲/ ۷۶۲، مسلم)۔

ایک تو اس حدیث سے یہ بات ثابت ہوئی کہ کفاءت میں وجوہ ترجیح دینداری ہے اور دوسرے یہ کہ لڑکے کے اولیاء کو حکم دیا گیا کہ جس طرح لڑکی کے اولیاء دیندار لڑکے کا انتخاب کریں، اسی طرح لڑکے کے اولیاء بھی دیندار لڑکی کا انتخاب کریں۔

آزادی میں کفاءت:

امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبلؒ کا مسلک یہ ہے کہ آزادی میں بھی کفاءت معتبر ہے، یعنی کوئی غلام کسی آزاد خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا ہے اور اسی طرح نہ ہی کوئی آزاد کردہ غلام اس خاتون کا کفو ہوسکتا ہے جو خاندانی اعتبار سے آزاد ہو، اسی طرح وہ آزاد کردہ غلام جس کا باپ آزاد ہو وہ ایسی خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا ہے جس کا باپ، دادا آزاد ہو (فتح القدیر ۳/ ۲۹۳)۔

اسلام میں کفاءت:

امور کفاءت میں سے ایک اسلام بھی ہے، اسی لئے ایک وہ شخص جو بذات خود مسلمان ہے وہ اس خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا جس کا باپ مسلمان ہو، اسی لئے امام ابوحنیفہ وامام محمد کے نزدیک جس کا باپ مسلمان ہو وہ اس خاتون کا کفو نہیں ہوسکتا جس کا باپ ودادا دونوں ہی

مسلمان ہوں، اس مسئلہ میں امام ابو یوسفؒ کا اختلاف ہے، اور جس کا باپ، دادا دونوں مسلمان ہوں وہ ایسی خاتون کا کفو ہوسکتا ہے جس کے آباء واجداد مسلمان ہوں۔

امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ کفاءت میں اسلام کا اعتبار صرف اہل عجم کے حق میں ہے اہل عرب کے حق میں نہیں، اس لئے کہ اہل عرب اس کو باعث افتخار نہیں سمجھتے ہیں۔

علامہ ابن عابدین شامی اپنی شہرۂ آفاق کتاب ''ردالمحتار'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''أفاد أن الإسلام لا يكون معتبرا في حق العرب كما اتفق عليه أبوحنيفة وصاحباه لأنهم لا يتفاخرون به'' (ردالمحتار ۲/۳۱۹)۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی لکھتے ہیں: ایسا عربی شخص جو بذات خود مسلم ہو اور اس کا باپ کافر ہو وہ ایسی خاتون کا کفو ہوسکتا ہے جس کے آباء واجداد مسلمان ہوں (ردالمحتار ۲/۳۱۹)۔

اس پوری تفصیل کا خلاصہ یہ ہے کہ عربی کے حق میں اسلام امور کفاءت میں سے نہیں ہے، کفاءت فی الاسلام یہ صرف عجمی کے حق میں معتبر ہے اور وہ بھی دو پشتوں تک اس کے بعد نہیں، اس کی وجہ علامہ ابن ہمام فتح القدیر میں تحریر فرماتے ہیں کہ اہل عرب نسب کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں، اور اہل عجم نے چونکہ اپنے نسب کو ضائع کردیا ہے اس لئے وہ اسلام کو باعث افتخار قرار دیتے ہیں (فتح القدیر ۳/ ۲۹۸)۔

الحاصل اس سلسلہ میں راقم السطور کی رائے یہ ہے کہ ہندوستان اور اس جیسے ممالک جہاں پسماندہ طبقہ کے لوگ مشرف باسلام ہو رہے ہیں، ان کے نکاح کے معاملہ میں کفاءت فی الاسلام کو لازم قرار نہ دیا جائے، اس لئے کہ اگر اس کو لازم قرار دے دیا جاتا ہے تو پھر نومسلم کی شادی کا مسئلہ بڑے سنگین نتائج لے کر برآمد ہوگا، اور یہ چیزیں دعوت وتبلیغ کے لئے رکاوٹ ثابت ہوں گی، اور لوگ اسلام قبول کرنے سے رک جائیں گے، لہذا ایک نومسلم شخص کو ایک قدیم الاسلام شخص کی لڑکیوں کا کفو ہونا چاہئے، اس سلسلہ میں مفتی اعظم ہند حضرت مفتی کفایت اللہ

صاحبؒ کا فتویٰ مزاج شریعت کے مطابق ہے اور ہمارے لئے لائحہ عمل بن سکتا ہے، وہ اس طرح کے ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''نومسلم کی اولاد کی شادی ہر مسلمان کی اولاد سے ہوسکتی ہے، یہ بات نہیں ہے کہ نومسلم کی اولاد کی شادی نومسلم کی اولاد کے ساتھ ہو، جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ نومسلم کی اولاد کی شادی نومسلم کی اولاد سے ہونی چاہئے وہ جاہل اور اسلامی احکام سے ناواقف ہے، شریعت مقدسہ اسلامیہ نے ہر مسلمان کو خواہ وہ موروثی مسلمان ہو یا نومسلم بھائی بھائی قرار دیا ہے، اور ہر مسلم اور نومسلم ایک دوسرے سے مناکحت کا رشتہ کرسکتے ہیں کوئی ممانعت نہیں ہے، جو مسلمان اپنے نو مسلم بھائی کو رشتہ دے گا وہ دہرے ثواب کا مستحق ہوگا'' (کفایت المفتی ۲۴۱/۵)۔

نسب میں کفاءت:

امام ابوحنیفہ، امام شافعیؒ واحمد بن حنبلؒ نسب میں کفاءت کے قائل ہیں، نسب سے مراد یہ ہے کہ مرد وعورت ہم جنس اور ہم قبیلہ ہوں، لہذا ایک قریشی شخص دوسرے قریشی شخص کا کفو قرار پائے گا، چاہے وہ کسی بھی قبیلہ کا ہو، ایک قریشی جو ہاشمی نہیں ہے وہ قریشیہ ہاشمیہ کا کفو مانا جائے گا اور عرب کا غیر قریشی کسی قریشی کا کفو نہیں ہوگا، انصار ومہاجرین آپس میں کفو ہیں، عجمی عربی کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، اسی طرح اہل عجم آپس میں کفو ہیں (الفتاوی الہندیہ ۲۹۰/۱)۔

شیخ الاسلام کی رائے فتاوی تاتارخانیہ میں ہے کہ اہل عجم کے درمیان کفاءت فی الاسلام معتبر ہے، کفاءت فی النسب معتبر نہیں ہے۔

''قال شيخ الاسلام رحمه الله: الكفاءة فيما بين الموالي يعتبر بالإسلام لا بالنسب'' (الفتاوی التاتارخانیہ ۵۸/۳)۔

علامہ ابن نجیم نے البحر الرائق میں قاضی خان کے حوالہ سے یہ بات نقل کی ہے کہ عجمی عالم جاہل عربی کا کفو ہوگا، اس لئے کہ علم کی شرافت نسب کی شرافت سے بڑھی ہوئی ہے (البحر الرائق ۱۴۰/۳)۔

مال میں کفاءت:

امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ایک روایت کے مطابق امام شافعیؒ کے نزدیک کفاءت فی المال معتبر ہے، علامہ کاسانی اپنی معروف ومشہور کتاب ''بدائع الصنائع'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ فقیر شخص مالدار عورت کا کفو نہیں ہوسکتا، اس لئے کہ دوسری چیزوں کی بنسبت لوگ مال و دولت میں زیادہ تفاخر کرتے ہیں، خصوصاً ہمارے اس زمانہ میں، اور اس لئے بھی کہ نکاح کا تعلق مہر اور نفقہ سے ہے اور ان چیزوں کے لئے مال لازم وضروری ہے اور اس کا تعلق نسب اور حریت سے نہیں ہے تو جب ان چیزوں کا کفاءت میں اعتبار کیا گیا تو مال کا بدرجہ اولی اعتبار ہوگا (بدائع الصنائع ۳؍۳۱۹)۔

کفاءت فی المال کا مطلب حنفیہ کے نزدیک یہ ہے کہ مہر اور نفقہ پر قدرت ہو اور یہی ظاہر الروایت ہے، اگر دونوں میں سے کسی پر بھی یا ان میں سے کسی ایک پر قدرت نہیں ہے تو وہ شخص مالدار عورت کا کفو نہیں ہوگا، اور مہر کی ادائیگی پر قدرت کا مفہوم یہ ہے کہ عرف میں جتنا مہر ادا کرنا بوقت نکاح ضروری ہوتا ہے، اتنے پر قدرت کافی ہے باقی پر نہیں، اور اگر عرف کچھ بھی مہر دینے کا نہ ہو جیسے ہندوستان میں تو پھر صرف نفقہ پر قدرت کافی ہے (الفتاوی الہندیہ ۱؍۲۹۱)۔

نفقہ کا مالک ہو اس سے کیا مراد ہے اس میں بھی اختلاف ہے، بعض حضرات کا یہ کہنا ہے کہ ایک مہینہ کے نفقہ کا مالک ہو، بعض نے کہا کہ چھ مہینے کا اور بعض نے کہا کہ سال بھر کے نفقہ کا مالک ہو، محقق ابن ہمام نے مجتبی کے حوالہ سے فتح القدیر میں تحریر فرمایا:

اگر شوہر کما کر کے نفقہ ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہو تو اس کو مالدار خاتون کا کفو قرار دیا جائے گا اور اسی کو صحیح قول قرار دیا ہے (فتح القدیر ۳؍۳۰۰)۔

صنعت وحرفت میں کفاءت:

امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ کفاءت فی الحرفہ کے قائل ہیں، فتاوی

ہندیہ میں ہے کہ: ظاہر الروایت کے مطابق امام ابوحنیفہ کفاءت فی الحرفہ کا اعتبار نہیں کرتے ہیں اور امام ابو یوسف ومحمد اور ایک روایت کے مطابق امام ابوحنیفہؒ اس کو معتبر مانتے ہیں (الفتاوی الہندیہ ۲۹۴/۱)۔

لیکن علامہ ابن نجیم مصری نے ''البحر الرائق'' میں غایۃ البیان کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ ظاہر روایت کے مطابق امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد صنعت وحرفت میں کفاءت کا اعتبار کرتے ہیں۔

''فی غاية البيان أن اعتبار الكفاءة في الصنائع هو ظاهر الرواية عن أبي حنيفة و صاحبيه'' (البحر الرائق ۱۴۳/۳)۔

صنعت وحرفت کا دار ومدار ماحول اور عرف پر ہے، اس لئے کہ ایک پیشہ جو ایک جگہ باعزت اور اچھا تصور کیا جاتا ہے تو اسی پیشہ کو دوسری جگہ حقارت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔

علامہ شامی نے فتح القدیر کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

''وفي الفتح ان الموجب هو استنقاص أهل العرف فيدور معه'' (ردالمحتار ۳۲۱/۴)۔

عیوب سے پاک ہونا:

شافعیہ اور ایک روایت کے مطابق امام مالک عیوب سے پاک ہونے کو کفاءت میں سے شمار کرتے ہیں، حنفیہ، حنابلہ اور مالکیہ اس کو کفاءت میں شمار نہیں کرتے ہیں۔علامہ ابن قدامہ ''المغنی'' میں تحریر فرماتے ہیں:

''و أما السلامة من العيوب فليس من شروط الكفاءة'' (المغنی لابن قدامہ ۴۸۵/۶)۔

نیز البحر الرائق میں ہے:

''ولا تعتبر الكفاءة عندنا فی السلامة من العیوب التی تفسخ بها البیع'' (البحر الرائق ۳/ ۱۴۳)۔

۳-(الف) نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟

نسب میں کفاءت معتبر ہے یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ائمہ کے اختلافات مع دلائل نسب میں کفاءت کے ضمن میں بالتفصیل بیان کر دیا گیا ہے، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی نسب میں کفاءت کے قائل ہیں اور امام مالک، سفیان ثوری، امام کرخی نسب میں کفاءت کو معتبر نہیں مانتے ہیں (فتح القدیر ۳/ ۲۹۳)۔

جہاں حنفیہ نے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے وہیں دوسری جانب احادیث اور آثار صحابہ سے غیر کفو میں نکاح ہونے کا ثبوت بھی ملتا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ اپنی لڑکیوں کا رشتہ ابوہند کے یہاں کریں اور ان کی لڑکیوں کا رشتہ اپنے یہاں کریں، حالانکہ ابوہند حجام تھے (ابوداؤد ۱/ ۲۸۶)، حضرت بلال بن رباح نے اپنا نکاح حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کی بہن سے کیا (فقہ السنۃ ۲/ ۱۴۵)۔

اس لئے راقم الحروف کی رائے تمام حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ہے کہ نسب کے سلسلہ میں زیادہ شدت اور سختی نہ برتی جائے اور کفاءت فی النسب کو انعقاد نکاح کے لئے شرط ولازم نہ قرار دیا جائے، محض اپنے نسب اور خاندان میں مناسب رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کو بن بیاہی طویل عمر تک رکھنا کسی طرح مناسب نہیں ہے، اس لئے کہ اس کے نتیجے میں بہت سارے مفاسد پیدا ہو جاتے ہیں جو شرعاً ناجائز اور حرام ہیں، اگر کوئی عاقلہ بالغہ لڑکی اپنی مرضی سے غیر کفو میں نکاح کرنے کے لئے بضد ہو اور لڑکا دیندار، تعلیم یافتہ ہو تو اولیاء کو اس میں شدت نہیں برتنی چاہیے اور تسامح سے کام لیتے ہوئے اس لڑکے سے نکاح کر دینا چاہئے۔ اور اس کی نظیر

وہ جزئیہ ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ عالم عجمی جاہل عربی کا کفو قرار پائے گا، اس لئے کہ علم کا شرف حسب ونسب کے شرف سے بڑھا ہوا ہے۔

''**فالعالم العجمي يكون كفأ للجاهل العربي والعلوية، لأن شرف العلم فوق شرف النسب والحسب**'' (البحر الرائق ۳؍۱۴۰)۔

مزید اس کی تائید مفتی کفایت اللہؒ کے فتوی سے بھی ہوتی ہے، وہ غیر کفو میں کی جانے والی شادی کے متعلق ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں:

''صحت نکاح کے لئے مرد وعورت کا مسلمان ہونا اور عورت کا مشرکات میں سے نہ ہونا فی حد ذاتہ کافی ہے، قرآن مجید کے نصوص صحیحہ اس پر دال ہیں، قرآنی آیات ''**وأحل لكم ماوراء ذلكم أن تبتغوا بأموالكم**'' اور ''**فانكحوا ماطاب لكم من النساء**'' اور سنت نبویہ نے عملی طور سے اس کی تصدیق کردی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے زینب ہاشمیہ کا عقد زید معتق سے باوجود زینب کی طرف سے انشراح قلب نہ ہونے کے کردیا، اس کے علاوہ بہت سی مثالیں صحابہ کرام کے افعال اور طرز عمل میں موجود ہیں کہ نسبی تفاوت ہونے کے باوجود نکاح ہوگئے، پس نصوص قرآنیہ اور تعامل صحابہ اور سلف صالحین اس امر پر دلیل قاطع ہیں کہ کفاءت نسبی فی حد ذاتہ صحت نکاح کی شرط نہیں ہے'' (کفایت المفتی ۵؍۲۱۶، ۲۲۰)۔

ب: نسب میں کفاءت کس کے حق میں معتبر ہے؟

نسب میں کفاءت عربی اور عجمی دونوں کے حق میں معتبر ہے یا کسی ایک کے حق میں، اس سلسلہ میں فقہاء کے دونوں طرح کے اقوال ملتے ہیں، لیکن اس کے متعلق علامہ ابن نجیم مصری ''البحر الرائق'' میں تحریر فرماتے ہیں کہ یہ صرف عربی کے حق میں معتبر ہے، عجمی کے حق میں نہیں، یہ قول اوفق بالقرآن والسنہ معلوم ہوتا ہے۔

''**فعلى هذا فالنسب معتبر في حق العرب فقط**'' (البحر الرائق ۳؍۱۴۱)۔

ج: اس کا جواب کفاءت فی النسب کے ذیل میں تفصیل سے بیان کردیا گیا ہے۔

۴-قدیم الاسلام اور جدید الاسلام میں کفاءت کا اعتبار:

حنفیہ کے نزدیک اسلام میں کفاءت معتبر ہے۔اب رہا یہ سوال کہ اسلام میں کفاءت کا اعتبار اہل عرب اور اہل عجم دونوں کے حق میں ہے یا صرف ایک کے حق میں، تو اس سلسلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین اس بات پر متفق ہیں کہ اسلام میں کفاءت کا اعتبار صرف عجمی کے حق میں ہے عربی کے حق میں نہیں۔اس لئے کہ اہل عرب اس کو اپنے لئے باعث فخر تصور نہیں کرتے ہیں۔

"قیدنا اعتبار هما فی حق العجم، لما فی التبیین وغیره أن أبا حنیفة وصاحبیه اتفقوا أن الإسلام لا یکون معتبرا فی حق العرب لأنهم لا یتفاخرون به" (البحر الرائق ۳/۱۴۱)۔

یہی وجہ ہے کہ علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

ایسا عربی شخص جو بذات خود مسلمان ہو اور اس کا باپ کافر ہو وہ ایسی عربی خاتون کا کفو ہوسکتا ہے جس کے آباء واجداد مسلمان ہوں (ردالمحتار ۴/۳۱۹)۔

اہل عجم کے حق میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے، لیکن اس سلسلہ میں میری ذاتی رائے یہ ہے کہ اس کو صحت نکاح کے لئے شرط نہ قرار دیا جائے، اس لئے کہ اگر اس کو صحت نکاح کے لئے شرط قرار دیا جاتا ہے تو خصوصا ہندوستان اور اس جیسے دیگر ممالک جہاں غیر مسلم پسماندہ اور نچلے طبقے کے لوگ حلقہ بگوش اسلام ہورہے ہیں تو پھر ان کے نکاح کا مسئلہ سنگین نتائج لے کر برآمد ہوگا اور یہ دعوت وتبلیغ اور قبول اسلام میں بھی رکاوٹ بنے گا (کفایت المفتی ۵/۲۴۱)۔

۵-دور حاضر میں میرے نزدیک کفاءت کا اعتبار دیانت،تقوی، مالداری،تہذیب وتمدن، رہن سہن اور معاشرت وکلچر میں ہے، اس کی پوری تفصیل امور کفاءت کے ذیل میں بیان کردی گئی ہے۔

۶- کفاءت کا اعتبار کس کی جانب سے کیا جائے؟

کفاءت کا اعتبار مرد کی جانب سے کیا جائے گا نہ کہ عورت کی جانب سے، لہذا مرد کا عورت کا کفو ہونا ضروری ہے نہ کہ عورت کا مرد کا کفو ہونا، "الأحوال الشخصية" میں اس کی کئی علتیں بیان کی گئی ہیں:

۱- اگر مرد غیر کفو میں نکاح کر لیتا ہے تو اس کے خاندان والوں کے لئے یہ شرم وعار کی بات نہیں ہے، اور اگر عورت غیر کفو میں نکاح کر لیتی ہے تو یہ اس کے خاندان والوں کے لئے شرم وعار کی بات ہے، اس لئے کہ جب مرد لوگوں کی نگاہ میں قدر ومنزلت والا ہوگا تو جب اس کے یہاں لڑکی جائے گی تو اس کی عزت میں اضافہ ہی ہوگا اور اگر عورت قدر ومنزلت والی ہو اور وہ کسی خسیس کے یہاں چلی جائے تو اس کی قدر ومنزلت میں کمی آجائے گی۔

۲- اللہ تعالیٰ نے مرد کو طلاق کا اختیار دیا ہے، اگر مرد نے غیر کفو میں نکاح کر لیا لیکن عورت کے اخلاق وکردار صحیح نہیں ہیں، اس کا مزاج وفکر اس سے ہم آہنگ نہیں ہے تو وہ اس کو طلاق دے کر علاحدہ کر سکتا ہے، لیکن عورت کو طلاق کا اختیار نہیں ہے، اس لئے اگر وہ بد اخلاق اور بد معاش کا فراش بنی تو اس کی زندگی اجیرن بن کر رہ جائے گی اور وہ ہمیشہ گھٹ گھٹ کر زندگی بسر کرے گی (الاحوال الشخصیہ ر ۱۴۲)۔

۷- الف: کفاءت کس کا حق ہے؟

کفاءت عورت کے ولی کا حق ہے یا عورت کا یا ولی اور عورت دونوں کا؟ اس سلسلہ میں صاحب درمختار کا خیال یہ ہے کہ یہ صرف اولیاء کا حق ہے، چنانچہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

"الكفاءة هي حق الولي لا حقها" (الدر المختار ۲؍ ۳۱۷)۔

اور انہوں نے اس کے استدلال میں یہ جزئیہ پیش کیا:

اگر کوئی عورت کسی مرد سے نکاح کر لے اور اس کی حالت کا اس کو علم نہ ہو، بعد میں پتہ چلے کہ وہ غلام ہے تو عورت کو خیار حاصل نہیں ہوگا، بلکہ اولیاء کو خیار حاصل ہوگا اور اگر اولیاء نے

عورت کی رضامندی سے کسی مرد سے نکاح کردیا اور بعد میں پتہ چلا کہ غیر کفو ہے تو ایسی صورت میں کسی کو خیار حاصل نہیں ہوگا (الدر المختار ۲/۳۱۸)۔

لیکن جمہور فقہاء کرام کی یہ رائے ہے کہ کفاءت عورت اور ولی دونوں کا حق ہے۔

"یری جمہور الفقہاء أن الکفاءۃ حق للمرأۃ والأولیاء" (فقہ السنۃ ۲/۱۵۱)۔

علامہ شامی کا رجحان بھی یہی ہے کہ کفاءت عورت اور اولیاء دونوں کا حق ہے، اور وہ اس کی دلیل یہ پیش کرتے ہیں کہ اگر باپ، دادا کے علاوہ دوسرے ولی نے نابالغہ کا نکاح غیر کفو میں کردیا تو نکاح درست نہیں ہوگا، اگر کفاءت صرف ولی کا حق ہوتا تو نکاح درست ہونا چاہئے، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے (رد المحتار ۲/۳۱۷)۔

(ب، ج): عاقلہ بالغہ کا اپنے ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرنا:

اگر کوئی بالغہ لڑکی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلے جبکہ ولی موجود ہو تو یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا، یا منعقد ہوجائے گا لیکن اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا، اس سلسلہ میں فقہاء حنفیہ کی دو رائیں ہیں، غیر ظاہر روایت جو حضرت حسن نے امام صاحب سے روایت کی کہ ایسا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا۔ کتب فقہ حنفی میں اسی کو مفتی بہ قرار دیا ہے، حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ نے "الحیلۃ الناجزۃ" میں اور مفتی عزیز الرحمٰن مفتی دار العلوم دیوبند نے فتاوی دار العلوم میں اسی کو اختیار کیا ہے، اس کے برخلاف ظاہر الروایت یہ ہے کہ نکاح تو منعقد ہوجائے گا لیکن اولیاء کو عدم کفو میں نکاح کرنے کی وجہ سے حق اعتراض حاصل ہوگا۔ علامہ ابن نجیم نے "البحر الرائق" میں خلاصہ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ بہت سے مشائخ نے ظاہر الروایت کے مطابق انعقاد نکاح کا فتوی دیا ہے۔

"وفی الخلاصۃ وکثیر من مشائخنا أفتوا بظاہر الروایۃ" (البحر الرائق ۳/۱۳۸)۔

مالکیہ کا مسلک یہ ہے کہ غیر کفو میں کیا گیا نکاح صحیح و درست قرار پائے گا، اور اس سلسلہ میں امام شافعی اور امام احمد بن حنبل کے دو قول ہیں، ایک یہ کہ کفاءت صحت نکاح کے لئے شرط ہے،

غیر کفو میں کیا گیا نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ کفاءت صحت نکاح کے لئے شرط نہیں ہے، غیر کفو میں کیا ہوا نکاح صحیح ومنعقد ہوگا، البتہ امام احمد کے نزدیک نکاح باطل نہیں ہوگا، بلکہ ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا یا ولی کو حق اعتراض حاصل ہوگا (الافصاح ۲/ ۱۲۱-۱۲۲)، فتاوی تاتارخانیہ میں ذخیرہ کے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اگر کوئی خاتون غیر کفو میں نکاح کر لے تو ولی کو یہ حق ہے کہ وہ اس معاملہ کو قاضی شریعت کے پاس لے جا کر نکاح فسخ کرا دے۔

"في الذخيرة إذا زوجت نفسها من غير كفوء فللولي أن يرفع الأمر إلى القاضي حتى تفسخ" (الفتاوی التاتارخانیہ ۳/ ۵۸)۔

ہمارے زمانہ میں جبکہ لوگوں کا مزاج بگڑ گیا ہے لوگ محض آپسی رنجش کی بنا پر کفو کو غیر کفو قرار دے کر نکاح کو ختم کر سکتے ہیں، اس لئے خصوصاً بہار واڑیسہ جہاں دار القضاء کا شرعی نظام بڑے مستحکم طور پر قائم ہے اور امیر شریعت قاضی کا تقرر فرماتے ہیں، قاضی حضرات پوری دیانتداری اور انصاف سے فیصلہ کرتے ہیں، لہذا راقم السطور کی رائے حالات کے پیش نظر یہ ہے کہ اگر عاقلہ بالغہ لڑکی اپنی مرضی سے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لے تو نکاح شرعاً صحیح ومنعقد ہو جائے گا، البتہ اس کے اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا، اور اس کے اولیاء قاضی شریعت کی شرعی عدالت دار القضاء میں درخواست پیش کر کے نکاح فسخ کرا سکتے ہیں۔

۸- لڑکے یا اس کے گھر والوں نے رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالات کے بارے میں خلاف واقع باتیں بیان کر کے لڑکی اور اس کے گھر والوں کو نکاح پر آمادہ کر لیا اور نکاح ہو جانے کے بعد اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی کا علم ہوا تو ایسی صورت میں نکاح تو شرعاً صحیح ومنعقد ہوگا، البتہ لڑکی اور اس کے اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا، لڑکی اور اس کے اولیاء قاضی شریعت کی شرعی عدالت دار القضاء میں درخواست پیش کر کے نکاح فسخ کرا سکتے ہیں (الدر المختار ۴/ ۳۱۸)۔

زوجین کے درمیان کن چیزوں میں کفاءت ضروری ہے

مولانا خورشید احمد اعظمی ☆

۱-شریعت نے فضیلت وبرتری کا معیار محض اعمال صالحہ کو قرار دیا ہے، اللہ کے رسول ﷺ کا ارشاد ہے: "أشرف الشرف الإسلام"۔

نکاح کا رشتہ جسے اسلام نے مستحکم وپائدار بنانے کی ہدایات دی ہیں اور اسے منقطع کرنے اور توڑنے کو جائز ہونے کے باوجود اللہ کے نزدیک ناپسندیدہ بتایا ہے، اس بات کا متقاضی ہے کہ اس کے لئے ایسی صورتیں اختیار کی جائیں جس کے سبب ازدواجی زندگی خوشگوار اور دوام پذیر ہو۔

شریعت اسلامی میں کفاءت کی حقیقت:

کفاءت کا لغوی معنی "مماثلت" ہے، "كافأ فلانا معناه ماثله، كفُؤه، كفُوءه"، یعنی مثلہ (قاموس) اس کی جمع اکفاء آتی ہے، "الأكفاء جمع كفء بمعنى النظير لغة" (البحر الرائق ۳/۱۲۷)۔

فقہی اصطلاح میں زوجین کے درمیان کچھ مخصوص امور میں مماثلت کا نام کفاءت ہے، "والمراد هنا المماثلة بين الزوجين في خصوص أمور أو كون المرأة أدنى" (البحر ۳/۱۲۷)۔

☆ محلہ رکھوا تھ پورہ، مئو۔

شریعت نے نکاح کے باب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، اور یہ ایک اتفاقی مسئلہ ہے اگر چہ اس میں اختلاف ہے کہ کن امور میں کفاءت کا لحاظ ہوگا، گو کہ راجح یہی ہے کہ وہ امور جو محض دنیوی فخر ومباہات کا باعث ہیں اور اسلام نے انہیں انسانی معاشرہ سے ختم کردیا ہے اب انہیں پھر دوبارہ زندگی دے کر معاشرہ میں پروان چڑھانا نہیں چاہئے۔

نکاح میں کفاءت کو مشروع قرار دینے کے مصالح:

جیسا کہ اوپر مذکور ہوا کہ نکاح ایک مقدس رشتہ ہے اور اس میں دوام وپختگی عند اللہ محبوب ہے، اس لئے کچھ بنیادی امور میں موافقت ویگانگت اور مماثلت ہونا ضروری ہے، تا کہ انتظامی امور میں انتشار نہ ہو اور یہ رشتہ رسول اللہ ﷺ کے فرمان:

"لم تر للمتحابين مثل النكاح" کا نمونہ بن سکے۔

البحر الرائق میں ہے: **"وهي معتبرة في النكاح، لأن المصالح إنما تنتظم بين المتكافئين عادة"** (۱۲۷/۱)۔

کفاءت کا اعتبار کن کن چیزوں میں کیا جائے گا؟

حنفیہ کے نزدیک کفاءت کا اعتبار نسب، مال، صنعت وحرفت اور دین میں کیا جاتا ہے، اس لئے کہ یہ امور دنیوی زندگی میں باعث فخر ومباحات ہیں، اور ان کا فقدان باعث عار و استخفاف ہوتا ہے (ہدایہ ۳۰۰، البحر ۱۳۰/۳)۔

نسب کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ غیر عرب عرب کے کفو نہیں ہیں، اور عرب میں بھی غیر قریش قریش کے کفو نہیں ہیں۔

"فقريش بعضهم أكفاء لبعض، وبقية العرب بعضهم أكفاء لبعض" (درمختار مع شامی ۲۰۹/۴)۔

اور عجمیوں میں نسب کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

''والحاصل أن النسب المعتبر ھھنا خاص بالعرب، وأما العجم فلا یعتبر فی حقھم ولذا کان بعضھم کفأ لبعض'' (البحر الرائق ۳/۱۳۱)۔

لہذا عجمی شخص کسی عربی النسل عورت کا کفو نہیں ہوسکتا، خواہ وہ عجمی عالم یا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو۔

''العجمی لا یکون کفواً للعربیة، ولو کان العجمی عالماً أو سلطانا وھو الأصح'' (درمختار ۴/۲۰۹)۔

البتہ عجمیوں میں آزادی اور اسلام کا لحاظ معتبر ہوگا، یعنی وہ شخص جو خود مسلمان ہوا ہے، یا آزاد کیا گیا ہے کسی ایسی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا جس کا باپ مسلمان ہو چکا ہو یا آزاد کیا گیا ہو، اسی طرح وہ شخص جس کی ایک پشت مسلمان ہو یا آزاد کی گئی ہے ایسی عورت کا کفو نہیں ہوسکتا جس کی دو پشتیں آزاد یا مسلمان ہوں۔

عربوں کے مابین ان دونوں چیزوں کا لحاظ نہیں کیا گیا ہے، بلکہ نفس زوجین کا مسلمان ہونا اور مرد کا آزاد ہونا کافی ہے، غلام مرد آزاد عورت کا کفو نہیں ہوگا۔

مالی اعتبار سے کفاءت کے متعلق تفصیل یہ ہے کہ اگر زوج نفقہ اور مہر کی ملکیت رکھتا ہے تو وہ عرفی مالدار عورت کا کفو بن سکتا ہے۔ مہر سے مراد وہ مقدار ہے جو عرفاً نقدی تعجیلا ادا کی جاتی ہے، اور نفقہ سے مراد ایک ماہ کا نفقہ ہے۔

جبکہ امام ابوحنیفہ و امام محمدؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ عرفی غنا و مالداری میں بھی مماثلت کا اعتبار ہوگا، لیکن شوہر اگر محنت کرکے عورت کا نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو تو اسے کفو مان لینا چاہئے (البحر الرائق ۳/۱۳۲)۔

صنعت وحرفت اور پیشہ میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے، کیونکہ یہ بھی باہم فخر ومباہات کا ذریعہ ہیں اور ان میں بھی دنی وشریف کی تقسیم کی گئی ہے۔

امام ابوحنیفہؒ سے ایک روایت یہ بھی ہے کہ صنعت وحرفت میں کفاءت کا اعتبار نہیں

ہوگا، اور حاشیہ میں عنایہ کے حوالہ سے اسی کو ظاہر وراجح قرار دیا ہے (ہدایہ ۳۰۱/۲)، لیکن مجتبیٰ اور شامی کے اعتبار سے حجام اور حائک وغیرہ دوسرے ان پیشہ والوں کے ہم پلہ نہیں ہوسکتے جن کو عرف میں شریف سمجھا جاتا ہے۔

دین میں کفاءت کا لحاظ امام ابوحنیفہؒ اور امام ابویوسف کے نزدیک کیا گیا ہے جبکہ امام محمدؒ نے اس میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا ہے (ہدایہ ۳۰۰)۔

امام شافعیؒ کے نزدیک ایک روایت کے مطابق مذکورہ امور میں کفاءت کا اعتبار ہوگا، اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ کفاءت صرف دین میں معتبر ہوگی (المغنی لابن قدامہ ۳۹۱/۹)۔

امام احمد بن حنبلؒ سے ایک روایت یہ ہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف دین اور حسب یعنی نسب میں ہوگا، جبکہ دوسری روایت یہ بھی ہے کہ مذکورہ دونوں امور کے ساتھ ساتھ مالداری، حریت اور صنعت وپیشہ میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، صاحب مغنی نے پہلے قول کو ہی راجح قرار دیا ہے اور اس میں بھی صرف دین میں ہی کفاءت معتبر ہونے کی طرف ان کا رجحان معلوم ہوتا ہے (المغنی لابن قدامہ ۳۹۱/۹)۔

امام مالکؒ نے صرف دینی امور میں ہی کفاءت کا اعتبار کیا ہے، اور متفقہ طور پر تمام مالکیہ کا یہی مذہب ہے۔

”قال ابن عبد البر: هذا جملة مذهب مالک و أصحابه“ (المغنی ۳۹۱/۹)۔

دلائل:

دین کے علاوہ دیگر امور میں اعتبار کفاءت کے لئے فی الجملہ ایک استدلال یہ بھی ہے کہ مذکورہ امور عوام الناس کے مابین فخر ومباہات کا سبب ہیں (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو: البحر الرائق، شامی)۔

۲-نسب کے سلسلہ میں ایک استدلال اس حدیث سے بھی کیا گیا ہے:

''إن الله اصطفى كنانة من ولد اسماعيل عليه السلام واصطفى من كنانة قريشا واصطفى من قريش بني هاشم واصطفاني من بني هاشم'' (مسلم)،
اولاً تو یہ حدیث مذکورہ مسئلہ سے متعلق ہے ہی نہیں اور علی سبیل التسلیم اس حدیث سے استدلال تام نہیں ہوتا ہے، کیونکہ تقاضاء حدیث یہ ہے کہ بنو ہاشم اولاد رسول اللہ ﷺ کے کفو نہ ہوں، اور اسی طرح قریش بنو ہاشم کے کفو نہ ہوں، جیسا کہ بنو کنانہ قریش کے کفو نہیں ہو سکتے۔

وہ امور جن میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے ان میں سے کوئی بھی متفق علیہ نہیں ہے، حتی کہ دین جس کے اعتبار پر ائمہ اربعہ متبوعین کا اتفاق ہے، اس کے متعلق امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

نسب کے متعلق اگر چہ ائمہ حنفیہ کا اتفاق ہے، امام احمدؒ نے بھی اس کا اعتبار کیا ہے، ایک روایت امام شافعیؒ سے بھی ہے، لیکن جن احادیث سے استدلال کیا گیا ہے وہ یا تو منقطع اور منکر ہیں یا باب کفاءت سے ان کا تعلق نہیں ہے، موقوف روایت بھی صریح الدلالۃ نہیں ہیں۔

مال اور حرفت جن کا اعتبار خود حنفیہ کے مابین مختلف فیہ ہے، امام احمد و شافعیؒ سے بھی ایک روایت ہے، لیکن اس سے متعلق کوئی نص صحیح موجود نہیں۔

اس کے برخلاف کتاب وسنت سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ وہ تمام امور جو دنیوی زندگی میں فخر ومباہات، تعلّی و استکبار اور دوسروں کی تحقیر و توہین کا باعث ہیں امور جاہلیت سے ہیں، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: اللہ تعالیٰ نے تم سے جاہلیت کے گھمنڈ، غرور اور آباء واجداد پر فخر کرنے کو مٹادیا ہے، اسلام میں یا تو مومن متقی ہوگا، یا بد بخت فاجر، تم سب آدم کی اولاد ہو اور آدم مٹی کے تھے (ابوداؤد باب فی التفاخر بالأحساب)۔

آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہی بات سمجھ میں آتی ہے کہ حقیقۃً کفاءت کا اعتبار دین میں ہی ہوتا تھا، بعد میں فقہاء نے اپنے اپنے زمانہ کے لحاظ سے عرفی امور میں بھی کفاءت کے معتبر ہونے کا قول کیا۔ علامہ ابن الہمام کا رجحان فتح القدیر میں اسی طرف ہے کہ کفاءت کے

بارے میں امور معتبرہ کا مدار نصوص پر نہیں بلکہ عرف پر ہے، اور حالات، زمانہ اور علاقہ کے اعتبار سے عرف میں تبدیلی ہوسکتی ہے فرماتے ہیں:

''فإن الموجب هو استنقاص أهل العرف فيدور معه، وعلى هذا ينبغي أن يكون الحائك كفوا للعطار بالاسكندرية'' (فتح القدیر ۳/۱۹۳)۔

پھر بھی راجح یہی ہے کہ نکاح میں دینداری اور اچھے اخلاق کو ہی مدار بنایا جائے۔

۳-الف: دورِ نبوت کے شادیوں کے واقعات سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلامی شریعت میں نکاح کے سلسلہ میں نسب کا اعتبار کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔

بنو بیاضہ کو حکم دینا کہ اپنی عورتوں کا نکاح ابو ہند حجام کے ساتھ کریں، زید بن حارثہ کا نکاح زینب بنت جحش کے ساتھ، مقداد بن الاسود کا نکاح ضباعۃ قرشیہ کے ساتھ وغیرہ نا قابل انکار ثبوت ہیں کہ ان پاک نفوس کے نزدیک اسلامی شرافت وفضیلت کے سامنے کسی اور چیز کی کوئی حقیقت نہیں تھی، وہ اس بات کو گرہ دیئے ہوئے تھے کہ اللہ نے ہمیں اسلام کے ذریعہ ہی عزت دی ہے۔

پھر بھی فقہی کتب میں اعتبار نسب کا ذکر ملتا ہے، فقہاء حنفیہ میں امام کرخیؒ نے اس کا اعتبار نہیں کیا ہے، فتاوی خیریہ، قاضی خاں وغیرہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ شرف علم شرف نسب سے بڑھا ہوا ہے (دیکھئے شامی ۴/۲۱۷، البحر الرائق)۔

ب- ظاہر ہے کہ اگر نسب کا اعتبار ہوگا بھی تو اسی نسب کا جو محفوظ وصحیح ہو نہ کہ موہوم وتراشیدہ، اسی لئے فقہی کتب میں یہ صراحت بھی ملتی ہے کہ ''أن النسب المعتبر ههنا خاص بالعرب، وأما العجم فلا يعتبر في حقهم ولذا كان بعضهم كفأ لبعض'' (البحر الرائق ۳/۱۳۱)۔

نکاح میں اعتبار کفاءت بالنسب عربوں کے ساتھ خاص ہے، عجمیوں میں اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، مولانا عبدالحیٔ فرنگی محلیؒ ہدایہ کی عبارت ''والموالي بعضهم أكفاء لبعض

رجل برجل'' کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:''أی کل رجل بآخر مساو وذلک لعدم حفظ النسب فی الأعاجم فجاز أن یزوج کل رجل بنت رجل آخر'' (ہدایہ/۳۰۰)۔

بہت سے لوگ اپنے آپ کو اکابر صحابہ کی طرف منسوب کرتے ہیں اور صدیقی، فاروقی، عثمانی وغیرہ لکھتے ہیں، واقعۃً ان کی نسل سے ہوں تو یک گونہ شرف کی بات ہے، اور اس کا تقاضا ہے کہ ان صحابہ کرام کی سیرت اور اخلاق وعادات بھی ان میں ہوں، لیکن اگر ایسا نہیں ہے جیسا کہ مولانا تھانویؒ نے لکھا ہے کہ تراشیدہ پاراں ہیں، یا جیسا کہ محقق اعظمی محدث جلیل مولانا حبیب الرحمٰن اعظمیؒ نے بعض نسب ناموں کے متعلق اپنی غیر مطبوعہ کتاب ''مسئلہ کفو'' میں لکھا ہے کہ موہوم اور مشکوک ہیں تو پھر اس صورت میں خدشہ اس بات کا بھی ہے کہ کہیں حدیث رسول ﷺ ''من انتسب إلی غیر أبیه فهو ملعون'' کے مصداق نہ ہو جائیں۔

ج- جن فقہاء نے نسب کا اعتبار کیا ہے، ان کے یہاں تفصیل یہ ہے کہ نسب کا اعتبار عربوں میں ہوگا، اور اس میں قریش آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہوں گے، غیر قرشی، قرشی کا کفو نہیں، بقیہ تمام عرب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، بعض لوگوں نے بنو باہلہ کا عام عربوں سے استثناء کیا ہے لیکن مستدل ''العرب بعضهم أکفاء لبعض'' کے اطلاق کے سبب محققین نے اس استثناء کو صحیح قرار نہیں دیا۔

۴- اسلام میں سبقت ایک شرف کی بات ضرور ہے لیکن کفاءت فی النکاح کے باب میں اس کا استعمال روح اسلام کے منافی ہے، اگر نو مسلم دیندار، متقی پرہیز گار ہے تو کیا مانع بنتا ہے کہ کوئی قدیم الاسلام عورت کا کفو نہ بن سکے، جبکہ موجودہ دور میں یہ بات تبلیغ اسلام کی راہ میں سد باب بن رہی ہے تو بدرجہ اولی اس کا لحاظ نہ کیا جانا چاہئے۔

۵- رواج تو اسی کو دینا چاہئے کہ دین کا لحاظ کرنے کا مزاج بن جائے، اور دینداری کو ترجیح دی جائے، عورت ومرد دونوں کی جانب سے اس صورت میں اختلاف طبائع کے باوجود خوشگوار زندگی کا امکان غالب ہے، ورنہ ایک ہی نسب اور خاندان میں مزاج وطبائع کا بین فرق

ہوتا ہے اور استحکام نہیں ہو پاتا۔

پھر بھی آسانی کے لئے حتی الامکان، ہم پیشہ، ہم خیال، عادات و اطوار اور رہن سہن میں موافق مل جائے تو بہتر ہے۔

۶- کفاءت کا اعتبار مرد وزن ہر دو کی جانب سے ہوگا یا صرف عورت کے بارے میں؟

فقہاء کی تصریحات اس سلسلہ میں یہی ملتی ہیں کہ عورت کے بارے میں مرد کی جانب سے کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، کیونکہ عورت عالی نسب، شریف پیشہ ہوگی تو اپنے سے کمتر کا فراش بننے میں ہتک محسوس کرے گی۔

''والكفاءة معتبرة من جانبه أي الرجل، لأن الشريفة تأبى أن تكون فراشا للدني، ولذا لا تعتبر من جانبها، لأن الزوج مستفرش فلا تغيظه دناءة الفراش وهذا عند الكل في جانبها'' (درمختار مع شامی ۴؍ ۲۰۷)۔

ظہیریہ کے حوالہ سے منقول ہے کہ صاحبین کے نزدیک اس کا اعتبار دونوں کے بارے میں کیا جائے گا، لیکن علامہ شامی نے اسے قول ضعیف قرار دیا ہے (۴؍ ۲۰۷)۔

حالانکہ جب اعتبار کفاءت کی علت یہ بیان کی گئی ہے: ''لأن بها تنتظم المصالح''، تو اس صورت میں دونوں کو ایک دوسرے کے مماثل ہونا چاہئے، مرد عالی نسب، خوش اخلاق، شریف پیشہ ہوگا تو بھلا اپنے سے کمتر کے ساتھ زندگی گزارنا کیوں کر پسند کرے گا، کیا اسے اس بات کا احساس نہیں ہوگا کہ اس سے پیدا ہونے والی اولاد کو کوئی ''ابن فلانة'' کا طعنہ نہ دے دے۔ اور پھر عورت اس گھٹن میں گھلتی رہے گی کہ وہ اپنے شوہر کی نگاہ میں ایک گھٹیا اور رذیل عورت ہے۔

۷- کفاءت کس کا حق ہے؟

بعض اقوال کی رو سے یہ صرف ولی کا حق ہے، لیکن علامہ شامی اس سے متفق نہیں

ہیں فرماتے ہیں:

''بل هی حق لها أیضا، بدلیل أن الولی لو زوج الصغیر غیر کفء لا یصح'' (شامی ۴؍۲۰۷) (بلکہ وہ (کفاءت) عورت کا بھی حق ہے، اس دلیل سے کہ اگر ولی صغیر کا نکاح غیر کفو سے کردے تو درست نہیں ہوگا)۔

''وفی الظهیریة: ولو انتسب الزوج لها نسبا غیر نسبه فإن ظهر دونه وهو لیس بکفء فحق الفسخ ثابت للکل'' (البحر الرائق ۳؍۱۳۸) (یعنی شوہر نے غلط نسب بتلا کر نکاح کیا، پھر حقیقت ظاہر ہونے پر معلوم ہوا کہ وہ عورت کا کفو نہیں ہے، تو حق فسخ سب کو یعنی ولی اور منکوحہ دونوں کو حاصل ہے)۔

یہ بھی دلیل ہے کہ کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے۔

اور وہ مسائل جو بطور مثال ایسے پیش کئے گئے ہیں جن میں عورت کو حق فسخ حاصل نہیں ان میں عدم استحقاق کا سبب نکاح کے وقت عورت کی رضامندی ہے، اس لئے اس کو حق فسخ حاصل نہیں۔

ب- کسی عاقلہ بالغہ خاتون نے اپنا نکاح ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں کرلیا تو یہ نکاح شرعا منعقد مانا جائے گا، کیونکہ صحت نکاح کے لئے نہ تو ولایت شرط ہے اور نہ ہی کفاءت۔

''من نکحت غیر کفء فرق الولی لما ذکرنا، وهذا ظاهر فی انعقاده صحیحا وهو ظاهر الروایة عن الثلاثة'' (البحر الرائق ۳؍۱۳۸)۔

اگرچہ ولی کو بقضاء قاضی تفریق کا حق حاصل ہوگا۔

اور حق تو یہ ہے کہ اگر کوئی عورت اپنا نکاح کسی صالح دیندار مرد سے بغیر اجازت ولی کرلے اور وہ مرد نسب و مال اور پیشہ وغیرہ کے اعتبار سے اس کا کفو نہ ہو تو اولیاء بجائے اس کے کہ اس نکاح کی تفریق کے پیچھے پڑیں اس کی حوصلہ افزائی کرنی چاہئے کہ اس نے معاشرہ میں رائج ایک غیر شرعی امر کو ٹھکراتے ہوئے قول رسول کریم ﷺ کے مطابق دیندار، با اخلاق مرد کو

اپنا زوج بنایا۔

ج-جز (ب) میں تفصیل گزر چکی۔

۸-سوال نمبر ۷ کے جز (الف) میں ظہیریہ کی عبارت گذر چکی کہ اگر اس نے غلط بیانی سے کام لیا، اور غیر کفو ثابت ہوا تو فسخ نکاح کا حق عورت اور ولی دونوں کو حاصل ہوگا اور اگر وہ غلط بیانی کے باوجود کفو نکلا تو فسخ نکاح کا حق صرف عورت کو حاصل ہوگا، اولیاء کو نہیں، اور اگر وہ اس سے بھی عالی نکلا جیسا کہ اس نے یا اس کے گھر والوں نے بتلایا تھا تو پھر حق فسخ کسی کو نہیں ہوگا، اور امام ابو یوسفؒ سے اخیر والی صورت میں مروی ہے کہ عورت کو حق فسخ حاصل رہے گا (البحر الرائق ۱۴۸/۳)۔

مسئلہ کفاءت

موجودہ حالات کے تناظر میں

مولانا ڈاکٹر سید اسرار الحق سبیلی ☆

۱- کفاءت کی حقیقت:

اکثر فقہاء نے کفاءت کو تسلیم کیا ہے اور اس کو نکاح کے لئے لازمی شرط یا نکاح کے صحیح ہونے کے لئے شرط قرار دیا ہے (فتاوی قاضیخاں ۱/ ۳۴۹، رد المحتار ۴/ ۲۰۶، بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۴)، لیکن امام مالک، سفیان ثوری، حسن بصری، حنفیہ میں علامہ کرخی اور صحابہ کی ایک جماعت نے کفاءت کو نکاح کے لئے شرط قرار نہیں دیا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۳، فتاوی خانیہ ۱/ ۳۴۹)۔

۲- کن کن چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے؟

حنفیہ کے نزدیک مندرجہ ذیل چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے:

نسب، حریت، اسلام، دیانت، مال اور حرفت، علامہ نسفی کا بیان ہے:

"والكفائة تعتبر نسبا، فقريش أكفاء، والعرب أكفاء، وحرية وإسلاما، وأبوان فيهما كالأباء وديانة ومالا وحرفة" (کنز الدقائق مع البحر الرائق ۳/ ۱۳۰)۔

(کفاءت نسب میں معتبر ہے، قریش ایک دوسرے کے کفو ہیں، اور عام عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، اور کفاءت حریت اور اسلام میں معتبر ہے، جس کے باپ اور دادا مسلمان

☆ رفیق المعہد العالی الاسلامی، حیدرآباد۔

ہوں، گویا اس کے تمام آباء واجداد مسلمان کے حکم میں ہوں گے، نیز کفاءت دیانت، مال اور حرفت میں معتبر ہے)۔

لیکن امام محمدؒ کے نزدیک دین میں کفاءت کا اعتبار نہیں، چنانچہ علامہ کاسانی ناقل ہیں:

''وقال محمد: لا تعتبر الكفاءة في الدين، لأن هذا من أمور الآخرة، والكفاءة من أحكام الدنيا'' (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۸)۔

(امام محمدؒ کہتے ہیں: دین میں کفاءت معتبر نہیں، کیونکہ یہ آخرت کے امور میں سے ہے، اور کفاءت دنیوی احکام سے متعلق ہے)۔

مالکیہ کے نزدیک تین چیزوں میں کفاءت معتبر ہے: ۱-حال (یعنی ان عیوب سے سلامتی جن کی بنا پر تفریق کی گنجائش ہے)، ۲-دین، ۳-حریت (الشرح الصغیر ۲/ ۳۹۹ طبع دار المعارف مصر ۱۳۹۲ھ)۔

بعض مالکیہ کے نزدیک حریت کا اعتبار نہیں ہے (الشرح الصغیر ۲/ ۴۰۰، نیز دیکھئے: الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۲۳۴)۔

شافعیہ کے نزدیک بنیادی طور پر چار چیزوں میں کفاءت ہے: دین، نسب، حریت اور صنعت، لیکن کچھ لوگوں نے عیوب سے سلامتی اور مال داری کا بھی اعتبار کیا ہے (المجموع شرح المہذب ۱۶/ ۱۸۴ طبع دار الفکر بیروت)۔

حنابلہ کے نزدیک اصلاً دو چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے: دین اور نسب، لیکن حریت، صنعت اور مال داری کی بھی روایت ہے، چنانچہ ابن قتیبہ نے وضاحت کی ہے:

کفو سے مراد دین اور منصب ہے، یعنی حسب ونسب، امام احمدؒ سے کفاءت کی بابت روایت مختلف ہے: ان سے یہ دو چیزیں دین اور نسب منقول ہے، ان سے پانچ کی بھی روایت ہے، یعنی: ان دو کے علاوہ حریت، صنعت اور مالداری۔ قاضی نے مجرد میں صراحت کی ہے کہ آخری تین کے نہ پائے جانے سے نکاح باطل نہیں ہوگا، یہ ایک روایت ہے، اور دو روایتیں پہلی دو شرطوں کے بارے میں ہیں (المغنی ۷/ ۲۷ طبع دار الفکر بیروت)۔

کفاءت کے معتبر ہونے کی دلیلیں:

کفاءت کا اعتبار کرنے والوں نے کفاءت کے ثبوت میں مندرجہ ذیل آیت و احادیث پیش کی ہیں:

۱-''أفمن کان مؤمنا کمن کان فاسقا لایستوون'' (سورۂ سجدہ:۱۸)۔

(بھلا جو مومن ہو، وہ اس شخص کی طرح ہوسکتا ہے جو کافر ہو؟ یہ دونوں برابر نہیں ہوسکتے)۔

اس آیت سے دین میں کفاءت کا ثبوت ملتا ہے، اور اس کی رعایت کی جاسکتی ہے۔

۲-عن علی أن النبی ﷺ قال: "یا علی! ثلاث لا تؤخرها: الصلاۃ إذا أتت، والجنازۃ إذا حضرت، والأیم إذا وجدت لها کفوء ا'' (رواہ الترمذی، مشکاۃ ۱/۶۱ طبع دیوبند)۔

(سیدنا علیؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا: اے علی! تین چیزوں میں تاخیر نہ کرو: نماز میں جب کہ اس کا وقت آجائے، جنازہ میں جبکہ وہ حاضر ہوجائے، اور بے نکاحی عورت کے نکاح میں جبکہ اس کا جوڑا مل جائے)۔

اس حدیث سے کفاءت کو ضروری قرار دینا مناسب نہیں، میرے ناقص خیال میں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب لڑکا یا لڑکی کا مناسب رشتہ مل جائے، تو بلاوجہ نکاح میں تاخیر کرنا بہتر نہیں ہے۔

۳-عن جابر بن عبد اللہ أن النبی ﷺ قال: ''لا تنکحوا النساء إلا الأکفاء، ولا تزوجوهن إلا الأولیاء'' (رواہ الدارقطنی والبیہقی بنصب الرایہ ۳/۱۹۶)۔

(سیدنا جابرؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورتوں کا نکاح کفو ہی میں کرو، اور اولیاء ہی ان کا نکاح کرائیں)۔

۴- عن عائشة قالت: قال رسول اللہ ﷺ: ''تخیروا لنطفکم

وانکحوا الأکفاء وانکحوا إلیهم" (ابن ماجہ ۱۴۱)۔

(حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے نطفوں کے لئے بہتر کی تلاش کرو، کفو میں نکاح کرو، اور کفو میں دوسروں کا نکاح کراؤ)۔

اس حدیث کے بارے میں حافظ زیلعی نے کہا ہے کہ یہ متعدد طریقوں سے مروی ہے، تمام طرق ضعیف ہیں: (نصب الرایہ ۳؍ ۱۹۷)۔

۵-"العرب بعضهم أکفاء لبعض، قبیلة بقبیلة، ورجل برجل، والموالی بعضهم أکفاء لبعض، قبیلة بقبیلة، ورجل برجل، إلا حائک وحجام - رواه الحاکم والبیهقی عن عبد الله بن عمر، وهو حدیث منقطع" (نصب الرایہ ۳؍ ۱۹۷، نیل الاوطار ۶؍ ۱۲۸)۔

(عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا اور ایک آدمی دوسرے آدمی کا کفو ہے، اور عجم ایک دوسرے کے کفو ہیں، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا، اور ایک آدمی دوسرے آدمی کا کفو ہے، سوائے جلاہے اور پچھنہ لگانے والے کے) اس حدیث کو حاکم اور بیہقی نے عبداللہ بن عمرؓ سے روایت کیا ہے، یہ حدیث منقطع ہے۔

۶- حدیث عائشة وعمر: "لأمنعن تزوج ذوات الأحساب إلا من الأکفاء" (رواه الدارقطنی - نیل الاوطار ۶؍ ۱۲۷)۔

(حضرت عائشہؓ اور حضرت عمرؓ کی حدیث ہے کہ: میں نسب وحسب والی عورتوں کو غیر کفو میں نکاح کرنے سے ضرور روکوں گا)۔

۷- عن أبی هریرة قال: رسول الله ﷺ: "إذا جاءکم من ترضون خلقه ودینه فزوجوه، إلا تفعلوه تکن فتنة فی الأرض وفساد عریض" (سنن ابن ماجہ ۱۴۱)۔

(سیدنا ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے پاس ایسا شخص آئے، جس کی خصلت اور دینداری تمہیں پسند ہو، تو تم اس کا نکاح کرادو، اگر تم ایسا

نہیں کروگے، تو زمین میں بڑا فتنہ وفساد رونما ہوجائے گا)۔

اس حدیث سے دیانت میں کفاءت کا ثبوت ملتا ہے، نکاح میں اس کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔

کفاءت کے باب میں جو احادیث صریح ہیں، وہ ضعیف ہیں، اور جو صحیح ہیں، وہ صریح نہیں، ضعیف احادیث سے زیادہ سے زیادہ استحباب ثابت ہوسکتا ہے، کفاءت کا لزوم ثابت کرنا مناسب نہیں۔

کفاءت کا مدار عرف پر:

کفاءت کا مدار درحقیقت عرف پر ہے، نہ کہ نصوص پر، کیونکہ روایات دونوں طرح کی ہیں، کفاءت کے ثبوت والی احادیث اکثر ضعیف ہیں، جبکہ جن نصوص سے کفاءت کی تردید ہوتی ہے، وہ قوی درجہ کی ہیں، چنانچہ علامہ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

اس کا سبب جمہور کی احادیث کا ضعف ہے، جمہور کی قوی تر دلیل عقلی ہے، جو عرف پر مبنی ہے، تو جب لوگوں کے درمیان کفاءت کے اعتبار نہ کرنے کا عرف ہو، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے، اور جب مساوات کی بنیاد تعامل پر ہے، اور لوگوں کے درمیان قبائلی اور طبقاتی رجحان ختم ہوگیا، تو اب کفاءت کی گنجائش نہیں ہوگی (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۲۳۴ طبع دار الفکر دمشق)۔

علامہ ابن ہمام کی توضیح سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ عرف اور عوامی رجحان کو دیکھتے ہوئے کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے (فتح القدیر ۳/ ۳۰۲، ۳۰۱ طبع دار الفکر بیروت)۔

۳- نسب میں کفاءت:

نسب میں کفاءت کا اعتبار بھی عرف کے مطابق ہے، نہ کہ نص کے مطابق، چنانچہ ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے لکھا ہے:

''أما العجم فلم يعنوا بأنسابهم ولم يفتخروا بها،ولهذااعتبر فيهم

الحرية و الإسلام" (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۲۴۳)۔

(البتہ عجمی نسب کا خیال نہیں کرتے، اور نہ اس پر فخر کرتے ہیں، اس لئے عجمیوں میں حریت اور اسلام کا اعتبار کیا جائے گا)۔

علامہ نووی نے سیدنا امام شافعیؒ سے نقل کیا ہے کہ نسب میں کفاءت حدیث سے ثابت نہیں، چنانچہ لکھتے ہیں:

امام شافعیؒ کہتے ہیں: نسب میں کفاءت کا معتبر ہونا حدیث سے ثابت نہیں، علامہ بزار نے سیدنا معاذؓ کی جو حدیث مرفوعاً نقل کی ہے کہ "عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، اور عجم ایک دوسرے کے کفو ہیں" اس کی اسناد ضعیف ہے (المجموع شرح المہذب ۱۶/ ۱۸۴)۔

اسی طرح صحیح احادیث سے نسب میں کفاءت کی تردید ہوتی ہے، چنانچہ ابو ہند جن کا نام یسار تھا، وہ پچھنہ لگایا کرتے تھے، وہ بنو بیاضہ کے مولی تھے، آپ ﷺ نے بنو بیاضہ سے ان کے نکاح کے بارے میں فرمایا:

"**يا بني بياضة أنكحوا أبا هند و أنكحوا إليه**" (مستدرک حاکم: ۲/ ۱۶۴، موارد الظمآن: ۹۴۴، تلخیص الحبیر ۳/ ۱۶۴) (اے بنو بیاضہ! ابو ہند کا نکاح کرادو، اور ان سے نکاح کرلو)۔

رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ بنت قیس قریشیہ کو حکم دیا کہ وہ اسامہ بن زید سے نکاح کرلیں، جب کہ اسامہ بن زید مولی تھے (مسلم ۱/ ۴۸۴، کتاب الطلاق، باب المطلقہ۔ البائن لا نفقۃ لہا طبع دیوبند)۔ سیدنا بلالؓ نے انصار کے ایک قبیلہ میں نکاح کا پیغام دیا، ان لوگوں نے رشتہ کرنے سے انکار کردیا، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: تم ان سے کہو کہ اللہ کے رسول تمہیں حکم دے رہے ہیں کہ تم میرا نکاح کرادو (دیکھئے: الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۲۳۱)۔

اسی طرح صحابہ کرام نے نسب کا اعتبار کئے بغیر صالح اشخاص سے اپنی بیٹیوں اور بہنوں کا رشتہ طے کیا ہے، چنانچہ سالم جو انصار کی ایک عورت کے مولی تھے، سیدنا ابو حذیفہ نے اپنی بھتیجی ہند بنت ولید بن عتبہ بن ربیعہ سے ان کا نکاح کرادیا (سنن نسائی ۲/ ۷۰ کتاب النکاح)۔

لہذا نسب میں کفاءت کی اجازت دینا نسلی تعصب کوتقویت دینے کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اس سے مسلم سماج میں مزید اونچ نیچ کے تصورات اور برہمن پسندی کو ہوا ملے گی، اس سلسلہ میں مالکیہ کے مسلک کو اختیار کرنا چاہئے، ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی رائے سے مجھے مکمل اتفاق ہے:

حقیقت یہ ہے کہ کفاءت میں نسب کا اعتبار درست نہیں، صحیح قول مالکیہ کا ہے، اس لئے کہ اسلام کی اصل خوبی مساوات کی دعوت ہے، اور نسلی، ذاتی، اونچ نیچ، اور زمانہ جاہلیت کے قبائلی اور نسبی امتیازات ودعاوی کے خلاف جنگ ہے، اور اس لئے بھی کہ عجمیوں میں اسلام پھیلنے کی وجہ اسلام کی یہی خوبی (مساوات کی دعوت) ہے، حجۃ الوداع کے موقع پر آپ ﷺ کا اعلان واضح ہے کہ تمام انسان سیدنا آدم علیہ السلام کے بیٹے ہیں، کسی عربی کو کسی عجمی پر سوائے تقوی کے کسی چیز میں برتری حاصل نہیں۔ جمہور نے جن احادیث پر اعتماد کیا ہے وہ ضعیف ہیں، قریش کی فضیلت تمام عرب پر اور عرب کی فضیلت عجم پر کسی حدیث سے ثابت نہیں، بلکہ حدیث سے اس کے خلاف ثابت ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۲۴۵، ۲۴۴)۔

۴-اسلام میں کفاءت:

اسلام میں کفاءت کا اعتبار صرف حنفیہ کے نزدیک ہے کہ جو عجمی صرف خود ایمان لایا ہو، وہ اس شخص کا کفو نہیں بن سکتا، جس کے والد بھی مسلمان ہوں (ہدایہ مع الفتح ۳/ ۲۹۸)، جمہور کے خلاف حنفیہ کی یہ رائے ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۲۴۲)، اس کی تائید کسی نص سے نہیں ہوتی، ممکن ہے کہ عرف کا خیال کرتے ہوئے حنفیہ نے یہ شرط لگائی ہو، لیکن ایک داعی امت کے لئے نکاح میں ایسی شرط لگانا کسی طرح مناسب نہیں، مسلمانوں کے لئے نکاح میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کی شرط لگانا دعوت وتبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بننے کا بڑا ذریعہ ہے۔

۵- کن چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہونا چاہئے؟

میرے ناقص خیال کے مطابق مالکیہ کے قول کے مطابق کفاءت میں صرف دین اور

حال یعنی عیوب وامراض سے سلامتی کی رعایت کی جانی چاہئے، لیکن ان دونوں کو نکاح میں شرط لازم قرار نہ دیا جائے، گرچہ حنفیہ نے عیوب سے سلامتی کا اعتبار نہیں کیا ہے (ردالمحتار ۴؍۲۲۰)، لیکن موجودہ زمانہ میں ایڈز اور کینسر جیسے لا علاج مرض کی وجہ سے اس کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، مجھے ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی اس رائے سے اتفاق ہے:

''والذی یظهرلی رجحان مذهب الإمام مالک فی هذا الشأن ، وهو اعتبار الکفاءة فقط فی الدین والحال، أی السلامة من العیوب التی توجب للمرأة الخیار فی الزواج'' (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷؍۲۳۴)۔

(اس بارے میں امام مالک کا مذہب میرے نزدیک راجح ہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف دین اور حال میں ہے، یعنی ان عیوب سے سلامتی جن کی بنا پر عورت کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہے)۔

۶ - کفاءت کس کے بارے میں معتبر ہے؟

ایسے تو فقہاء نے صرف مرد کے بارے میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، چنانچہ علامہ کاسانی لکھتے ہیں:

''فالکفاءة تعتبر للنساء، لا للرجال، علی معنی أنه تعتبر الکفاءة فی جانب الرجال للنساء، ولا تعتبر فی جانب النساء للرجال'' (بدائع الصنائع ۲؍۶۲۹ طبع المکتبہ نعیمیہ دیوبند) (کفاءت عورتوں کے لئے مردوں کے بارے میں معتبر ہے، نہ کہ مردوں کے لئے عورتوں کے بارے میں معتبر ہے)۔

اور المغنی میں ہے:

''والکفاءة معتبرة فی الرجل دون المرأة''(المغنی ۷؍۳۰) (کفاءت مرد کے بارے میں معتبر ہے نہ کہ عورت کے بارے میں)۔

لیکن دین کے معاملہ میں عورت کے بارے میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا جاسکتا ہے، امام بخاری نے مذکورہ حدیث کفاءت فی الدین کے باب میں ذکر کی ہے:

"تنکح المرأة لأربع: لما لها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها، فاظفر بذات الدين، تربت يداك" (بخاری ۲/ ۷۶۲ کتاب النکاح -باب الکفاء فی الدین) (چار چیزوں کی وجہ سے عورت سے شادی کی جاتی ہے، اس کے مال، حسب، جمال اور دین کی وجہ سے، تم دیندار عورت کو اختیار کر کے کامیابی حاصل کرو)۔

اسی طرح ابن ماجہ کی روایت ہے:

"تخيروا لنطفكم، وأنكحوا الأكفاء وأنكحوا إليهم" (سنن ابن ماجہ: ۱۴۱)۔

(اپنے نطفوں کے لئے بہتر کی تلاش کرو، کفو میں نکاح کرو اور کفو میں دوسروں کا نکاح کراؤ)۔

اس حدیث کے تحت شیخ عبدالغنی مجددی لکھتے ہیں:

"اپنے نطفوں کے لئے بہتر کی تلاش کا مطلب یہ ہے کہ نکاح کے لئے دین دار، صالحہ اور اچھی برادری کی عورت کا انتخاب کرو، تاکہ اولاد زنا سے نہ ہو، کیونکہ یہ رذالت اس کی اولاد میں اثر انداز ہوگی، اللہ تعالی کا ارشاد ہے: زانی زانیہ یا مشرکہ عورت سے نکاح کا مستحق ہے، اور زانیہ عورت زانی یا مشرک مرد کے ہی لائق ہے" (حاشیہ انجاح الحاجہ علی ابن ماجہ ۱۴۱)۔

اسی طرح سورہ نور کی دوسری آیت ہے:

"الخبيثات للخبيثين والخبيثون للخبيثات، والطيبات للطيبين والطيبون للطيبات" (سورۂ نور: ۲۶) (خبیث عورتیں خبیث مردوں کے لئے ہیں، اور خبیث مرد خبیث عورتوں کے لئے، پاکیزہ عورتیں پاکیزہ مردوں کے لئے ہیں، اور پاکیزہ مرد پاکیزہ عورتوں کے لئے)۔

کفاءت کے باب کے ہی ایک مسئلہ سے اس کی طرف روشنی ملتی ہے:

"(أمره بتزويج امرأة فزوجه أمة جاز، وقالا: لا يصح)، وهو استحسان، ملتقى تبعا للهداية، وفي شرح الطحاوي: قولهما أحسن للفتوى، واختاره أبو الليث، وأقره المصنف" (الدرالمختار ۴/ ۲۲۲)۔

(لڑکے نے کسی کو عورت سے نکاح کرانے کا حکم دیا، اس نے باندی سے اس کا نکاح کرادیا، تو یہ جائز ہے، صاحبین کے نزدیک بطور استحسان نکاح درست نہیں،...... طحاوی کی شرح میں ہے کہ صاحبین کا قول فتوی کے لئے بہتر ہے، ابو اللیثؒ نے اسی کو اختیار کیا ہے اور مصنف (صاحب تنویر الابصار) نے اس کو برقرار رکھا ہے)۔

اس کی وجہ علامہ شامی نے ذکر کی ہے:

"ووجه قولهما: إن المطلق ينصرف إلى المتعارف، وهو التزوج بالأكفاء" (ردالمحتار ۴/ ۲۲۲) (صاحبین کی دلیل یہ ہے کہ مطلق (نکاح) عرف کے مطابق مانا جائے گا، اور وہ کفو میں نکاح کرنا ہے)۔

۷-(الف) کفاءت کس کا حق ہے؟

صحیح بات یہ ہے کہ کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے، علامہ نووی کی مذکورہ ذیل عبارت ملاحظہ ہو:

"لأن المنع من نكاح غير الكفء لحقهما، فإذا رضيا زال المنع" (المجموع ۱۶/ ۱۷۸) (غیر کفو میں نکاح کرنے سے رکنا ان دونوں (ولی اور عورت) کا حق ہے، اگر وہ دونوں راضی ہوجائیں تو ممانعت ختم ہوجائے گی)۔

علامہ شامی درمختار پر رد کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

("وهي حق الولي لا حقها) كذا قال في البحر، واستشهد له بما ذكره الشارح عن الولوالجية، وفيه نظر، بل هي حق لها أيضا، بدليل أن الولي لو زوج

الصغیر غیر کف لا یصح، مالم یکن أبا أو جدا غیر ظاہر الفسق" (ردالمحتار ۳/۲۰۷)۔

(یہ ولی کا حق ہے نہ کہ عورت کا، جیسا کہ بحر میں ہے، اور شارح نے ولوالجیہ سے اس کو ثابت کیا ہے، لیکن اس میں غور کی ضرورت ہے، بلکہ یہ عورت کا بھی حق ہے، کیونکہ اگر ولی نے بچہ کا نکاح غیر کفو میں کیا، تو نکاح درست نہیں، جبکہ نکاح کرانے والا باپ دادا کے علاوہ کوئی عادل آدمی ہو)۔

ب-غیر کفو میں نکاح کا حکم:

کسی عورت نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا تو یہ نکاح منعقد ہوجائے گا (البحر الرائق ۳/۱۲۸)۔

ج-فسخ نکاح کا اختیار:

اگر کوئی لڑکی غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر شادی کرے، تو ولی کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہونا چاہئے، فسخ نکاح کا حق ان لوگوں کے نزدیک ہے، جو جمہور کے قول کے مطابق کفاءت کو نکاح کے لئے لازمی شرط مانتے ہیں، مجھ کوتاہ علم کے خیال میں مالکیہ کا مذہب راجح ہے اور کفاءت نکاح کے لئے شرط لازم نہیں ہے، لہذا مذکورہ صورت میں ولی کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا۔

۹-غلط بیانی کا حکم:

اگر کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے رشتہ طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا، اور اپنی نسبی، خاندانی، معاشی اور سماجی حالت کو بڑھا چڑھا کر پیش کیا، بعد میں ان کی کم تر حالت ظاہر ہوگئی، تو کیا لڑکی اور اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کا اختیار رہوگا؟

یہ مسئلہ بھی دراصل کفاءت کو شرط لازم ماننے اور نہ ماننے پر مبنی ہے، جمہور علماء کی

رائے کے مطابق فسخ نکاح کا اختیار رہوگا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۶۲۹)، لیکن علامہ کرخی، امام مالک، سفیان ثوری اور حسن بصری رحمہم اللہ کی رائے کے مطابق جو کفاءت کو سرے سے شرط نہیں مانتے (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۳، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۲۳۰)، فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا، یہی رائے راجح معلوم ہوتی ہے۔

مسئلہ کفاءت کی بنیادیں

مولانا ولی اللہ مجید قاسمی ☆

اسلام کے علاوہ کسی اور چیز میں کفاءت اور برابری ضروری ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، مجموعی طور پر آٹھ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے، دینداری، نسب وخاندان، پیشہ، خاندانی اسلام، مالداری، عیوب سے محفوظ ہونا، آزادی، وجاہت۔

۱-دینداری:

رشتہ نکاح کی پائیداری اور خوشگواری میں کلیدی کردار ادا کرنے والی دینداری ہے، یہی وہ چیز ہے جو اس نازک بندھن کو استحکام دیتی ہے۔ اس کی طرف رہنمائی کرتے ہوئے ہادی عالم ﷺ نے فرمایا تھا:

إذا خطب إليكم ممن ترضون دينه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض فساد، قالوا يا رسول الله وإن كان فيه قال: إذا جاءكم من ترضون دينه وخلقه فانكحوه ثلاث مرات (ترمذی ۱/ ۱۲۸ عن ابی حاتم مزنی، حسن دیکھئے ارواء الغلیل ۶/ ۲۶۶)۔

(جب تمہارے پاس کسی ایسے آدمی کا پیغام نکاح آئے جس کی دینی اور اخلاقی حالت تمہارے نزدیک پسندیدہ ہے تو اس سے شادی کرو، ایسا نہ کروگے تو روئے زمین پر فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا، لوگوں نے دریافت کیا یا رسول اللہ! اگر چہ اس میں کچھ ہو؟ (یعنی موجودہ خاندانی اور

☆ مقیم کویت۔

مالی اعتبار سے کمتر ہو) تو آپ ﷺ نے فرمایا: تم اس کے دین اور اخلاق سے راضی ہو تو شادی کردو (مصنف عبد الرزاق میں ہے کہ جس کے دین اور اخلاق سے تم راضی ہو اس کے رشتہ کو قبول کرلو، چاہے کوئی بھی ہو (۶/ ۱۵۳)۔

صحیح العقیدہ:

دینداری کی طرح صحیح عقیدہ کا بھی کفاءت میں اعتبار ہے، لہذا کوئی بدعقیدہ مرد کسی صحیح العقیدہ عورت کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، چنانچہ امام نووی شافعی لکھتے ہیں:

وإذا لم یکن الناس کفو اللعفیفه فالمبتدع أولی أن لایکون کفواً (روضۃ الطالبین ۷/ ۸۱)۔

اور ابن قدامہ حنبلی لکھتے ہیں:

رہا بدعتی تو امام احمد نے جہمیوں کے متعلق کہا ہے کہ کوئی اپنی لڑکی کی شادی ان میں کردیتا ہے تو تفریق کرادی جائے گی (المغنی ۶/ ۴۸۶)۔

۲-نسب وخاندان:

حضرت عمرؓ، عبداللہ بن مسعودؓ، پانچویں خلیفہ راشد عمر بن عبدالعزیز، مشہور اور جلیل القدر تابعی محمد بن سیرین، حسن بصری، ابن عون، حماد بن ابی سلیمان، امام مالک (شرح السنہ ۹/ ۹، فتح الباری ۹/ ۱۳۲، المغنی ۶/ ۴۸۰) بویطی کے نقل کے مطابق امام شافعی (فتح الباری ۹/ ۱۳۳، شرح مہذب ۱۶/ ۱۸۴)، ایک روایت کے مطابق امام احمد (المغنی)، امام کرخی حنفی، ابوبکر جصاص رازی (المبسوط ۵/ ۲۴، ردالمحتار ۴/ ۲۰۹) کے نزدیک دینداری کے علاوہ کسی اور چیز میں کفاءت اور برابری کا اعتبار نہیں ہے، ابن حزم ظاہری کا بھی یہی نقطۂ نظر ہے لیکن ان کے یہاں محض اسلام کافی ہے دینداری شرط نہیں ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک نسب اور خاندان کے اعتبار سے بھی مرد کا عورت کے برابر یا

اس سے برتر ہونا ضروری ہے، امام شافعی کا مشہور قول بھی یہی ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق منقول ہے۔

جو حضرات نسب وغیرہ میں کفاءت کے قائل ہیں، ان کے پیش نظر یہ دلائل ہیں:

۱- ارشاد ربانی ہے: **فلا تعضلوهن أن ينكحن أزواجهن إذا تراضوا بينهم بالمعروف** (النحل ۱۰/ ۲۴) (پھر جب وہ عورتیں عدت بھی پوری کر چکیں، تو تم ان کو اس امر سے نہ روکو کہ وہ اپنے شوہروں سے نکاح کرلیں جب کہ باہم سب رضامند ہوں قاعدہ کے مطابق)۔

علامہ ابن العربی مالکی نے اس آیت میں وارد لفظ "معروف" کے متعلق لکھا ہے کہ اس سے مراد کفاءت ہے.... کیونکہ یہ آیت نازل ہوئی ہے ایسی شوہر دیدہ عورت کے متعلق جو اپنے معاملہ کی مالک تھی، تو اس سے معلوم ہوا کہ آیت میں معروف سے مراد کفاءت ہے اور اس سے سرپرستوں کا ایک عظیم حق متعلق ہے، کیونکہ کفاءت کا اعتبار نہ کرنے میں انھیں ننگ وعار میں مبتلا کرنا ہے، اور اس پر امت کا اجماع ہے (احکام القرآن ۱/ ۲۰۱)۔

مانعین کے دلائل:

کفاءت کی پوری عمارت نسلی برتری، پیشہ ورانہ تفوق اور فخر پر قائم ہے، چنانچہ کسی بھی مسلک کی فقہی کتاب اٹھا کر دیکھئے اس طرح کی عبارتیں لکھی ہوئی ملیں گے۔

ارشاد ربانی ہے:

يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلناكم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم (الحجرات: ۱۳)۔

(لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد و عورت سے پیدا کیا اور پھر مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں بانٹ دیا تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ بلاشبہ اللہ کے یہاں تم میں وہی زیادہ معزز ہے جو

صاحب تقوی اور پرہیز گار ہو)۔

یعنی انسانوں کے درمیان تمدنی جغرافیائی تقسیم کی وجہ محض تعارف ہے" تفاضل" نہیں ہے، اللہ کی نگاہ میں کوئی ادنی اور اعلی نہیں، سب برابر ہیں کسی کو برتری اور فضیلت حاصل نہیں اگر کسی کو فضیلت حاصل ہوگی تو محض تقوی اور خوف خداندی کی وجہ سے اس کے سوا کوئی چیز باعث فوقیت نہیں۔

یہ آیت نسبی وغیرہ کفاءت کی بنیاد ہی کو منہدم کردیتی ہے، نسبی کفاءت کی تردید کے لئے ہی یہ آیت نازل ہوئی، چنانچہ امام زہری کہتے ہیں کہ اللہ کے رسول ﷺ نے قبیلہ بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ وہ ابو ہند سے نکاح کا تعلق قائم کریں اور اپنے میں سے کسی لڑکی کو ان کے ساتھ رشتہ ازدواج میں منسلک کردیں، تو انھوں نے عرض کیا، ہم اپنی بیٹیوں کو غلاموں کے نکاح میں دے دیں۔

۴-خاندانی اسلام:

حنفی اور شافعی علماء کے نزدیک عجمیوں کے اندر اسلام لانے میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، یعنی جو شخص خود مسلمان ہو اور اس کا باپ بھی اسلام قبول کر چکا ہو وہ اس کے برابر نہیں ہوسکتا جو خود تو مسلمان ہو لیکن اس کا باپ کافر ہو، اور جس کے باپ دادا دونوں مسلمان ہوں اس کے برابر وہ شخص نہیں جس کا باپ تو مسلمان ہو مگر دادا کافر ہو، لیکن کوئی شخص دو پشتوں سے مسلمان ہو تو وہ ایسے تمام لوگوں کا کفو ہے جو پشتہا پشت سے مسلمان ہوں۔

۵-مالداری:

حضرت فاطمہ بنت قیس رسول اکرم ﷺ کے پاس آئیں اور کہا کہ میرے لئے معاویہ بن ابوسفیان اور ابو جہم نے نکاح کا پیغام دیا ہے، آپ کا اس سلسلہ میں کیا مشورہ ہے؟ رسول ﷺ نے فرمایا: ابوجہم تو مارنے پیٹنے والے آدمی ہیں اور معاویہ نادار اور مفلوک الحال

ہیں، تم اسامہ سے نکاح کرلو۔

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضور ﷺ نے حضرت معاویہ کی غربت اور ناداری کی بنیاد پر ان سے نکاح کا مشورہ نہیں دیا، اور ایک دوسری حدیث میں آپ ﷺ نے دنیاوی زندگی میں مال کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا نسب ہی کی طرح مالداری بھی دنیا والوں کی نگاہ میں باعث عزو شرف ہے: إن أحساب أهل الدنيا المال (السنن الکبریٰ ۷/۱۳۶)۔

ان احادیث کی بنیاد پر فقہاء احناف اور شوافع کا خیال ہے کہ مالداری میں بھی کفاءت کا اعتبار ہے، امام احمد سے بھی ایک روایت اسی کے مطابق منقول ہے، لیکن مالداری کے لیے اتنا مال کافی ہے کہ مہر کی اتنی رقم کا مالک ہو جو فوری ادا طلب ہو اور بیوی کا خرچ اٹھانے پر قادر ہو، بلکہ امام ابو یوسف کے نزدیک تو صرف نفقہ کی ادائیگی پر قادر ہونا کافی ہوگا گرچہ وہ مہر ادا کرنے کے پوزیشن میں نہ ہو (الھدایہ ۲/۳۰۰، روضۃ الطالبین ۷/۸۲)۔

۶- عیوب سے محفوظ ہونا:

شادی سے پہلے ہی مرد میں کوئی عیب ہو لیکن اس نے عورت یا اس کے سرپرستوں کو آگاہ نہیں کیا یا شادی کے بعد مرد میں کوئی عیب پیدا ہوجائے تو دونوں صورتوں میں عورت عدالت میں نکاح ختم کردینے کے لئے اپیل کرسکتی ہے، جن عیوب کی وجہ سے عورت کو یہ حق حاصل ہوگا درج ذیل ہیں:

۱- پاگل پن، ۲- کوڑھ، ۳- سیاہ سفید داغ، ۴- خصی ہونا، ۵- عضو تناسل کٹا ہوا ہو، ۶- نامردی وغیرہ۔

امام مالک، شافعی، احمد بن حنبل کے نزدیک مذکورہ تمام عیوب کی وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا حق ملے گا، امام ابو حنیفہ کا خیال ہے کہ ان میں سے پانچویں اور چھٹے عیب کی وجہ سے عورت فسخ کا مطالبہ کرسکتی ہے، امام محمد کے نزدیک مذکورہ ان دو عیبوں کے ساتھ پاگل پن، سیاہ

وسفید داغ اور کوڑھ بھی شامل ہے، بلکہ بعض فقہی عبارتوں سے اندازہ ہوتا ہے کہ امام محمد کے یہاں اس سلسلہ میں اور بھی زیادہ وسعت ہے کہ مرد میں ایسا کوئی عیب ہو کہ اس کی وجہ سے عورت کے لئے اس کے ساتھ رہنا مشکل ہے تو بھی فسخ کا مقدمہ دائر کرسکتی ہے (تبیین الحقائق ۳/ ۲۵)۔

۷-آزادی:

غلامی کی حالت میں کسی باندی کی شادی کردی جائے تو آزاد ہونے کے بعد اسے اختیار ہے کہ سابق نکاح کو باقی رکھے یا ختم کردے، اس پر تمام فقہا کا اتفاق ہے، کیونکہ صحیح احادیث میں صراحت کے ساتھ یہ مذکور ہے کہ بریرہ نامی ایک باندی کا نکاح مغیث نام کے ایک غلام سے ہوا تھا اور جب وہ آزاد ہوئیں تو اللہ کے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم اب آزاد ہو، چاہو تو سابق نکاح کو باقی رکھو یا ختم کردو (الجامع الصحیح للبخاری) لیکن ظاہر ہے کہ یہ مسئلہ کفاءت سے غیر متعلق ہے کیونکہ کفاءت کا اعتبار ابتداءِ عقد میں ہوتا ہے، عقد ہو جانے کے بعد کفو یا غیر کفو ہونے کا اعتبار نہیں ہے، بلکہ یہ خیارات کے قبیل سے ہے، اس لئے امام مالک بھی اس کے قائل ہیں (بدایۃ المجتہد ۲/ ۲۶)۔

۸-وجاہت:

حنفی فقہاء نے کفاءت میں ''حسب'' کا بھی اعتبار کیا ہے، بلکہ ''حسب'' اس قدر اہم ہے کہ صاحب حسب کسی شریف النسب کا کفو ہوسکتا ہے، بلکہ کوئی شریف النسب بدکردار ہے تو صاحب حسب کفاءت کے اعتبار سے اس سے بڑھ جائے گا، اس کی حیثیت اور وقعت اس درجہ ہے کہ اس کی وجہ سے نسب کی کمتری پیشہ کی دناءت وغیرہ کی تلافی ہو جاتی ہے (فتح القدیر ۳/ ۱۹۰)۔

حسب سے کیا مراد ہے، اس سلسلہ میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے بعض حضرات کا رجحان ہے کہ حسب اچھے اخلاق کو کہا جاتا ہے، الحسب مکارم الاخلاق (حوالہ مذکور) کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ حسب دینداری کا نام ہے ''ویقال حسبه دینه'' صدر الاسلام فرماتے

ہیں کہ جاہ وحشمت اور عہدہ ومنصب کے مالک صاحب حسب کہلائیں گے (البحر الرائق ۳/۱۴۰ خوارزمی نے صدر الاسلام کے حوالے سے جو عبارت ذکر کی ہے اس کے الفاظ میں الذی له جاه حرمة وحشمة)۔

فقہاء کہتے ہیں کہ صاحب حسب، شریف النسب کا کفو ہوگا، اس لئے عجمی عالم کسی عربی جاہل اور علوی کا کفو ہے، کیونکہ علم کا شرف نسب کے شرف سے بڑھ کر ہے۔

اسلام میں کفاءت

مولانا محمد ثناء الہدیٰ قاسمی ☆

کفاءت میں امور معتبرہ:

کفاءت میں کن چیزوں کا اعتبار کیا جائے گا ان کا مدار نصوص پر نہیں، بلکہ اس دور کے حالات وعرف پر ہے، جو حالات اور عرف کی تبدیلی سے بدل سکتے ہیں سوائے اسلام اور دینداری کے، کہ ان کی اساس قرآن حکیم اور فرمان رسول علیہ السلام ہے۔

فقہاء ومجتہدین نے اسلام، دیانت وتقوی، مالداری، خاندانی وجاہت، نسب، عقل، پیشہ وغیرہ کو امور کفاءت میں شمار کیا ہے، ایک اور چیز آزادی ہے جو کبھی فقہاء کے نزدیک معتبر تھی، لیکن آج کی متمدن دنیا میں غلامی کا خاتمہ ہو چکا ہے اور سارے لوگ آزاد ہیں، اس لئے اب اس پر گفتگو کی ضرورت باقی نہیں رہی۔

اسلام میں کفاءت:

مؤمن مرد اور عورت کا نکاح مشرک اور مشرکہ سے نہیں ہوسکتا، اہل کتاب کی بات دوسری ہے، اس سلسلہ میں قرآن حکیم میں صاف طور پر آیا ہے:

''ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن ولأمة مؤمنة خير من مشركة ولو أعجبتكم ولا تنكحوا المشركين حتى يؤمنوا ولعبد مؤمن خير من

☆ نائب ناظم امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ۔

مشرک ولو أعجبکم‘‘(سورۂ بقرہ:۲۲۱)۔

(اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں اور مسلمان عورت (چاہے) لونڈی (کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ) بہتر ہے کافر عورت سے، گو وہ تم کو اچھی ہی معلوم ہو، اور مومن عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہوجائیں اور مسلمان مرد غلام بہتر ہے کافر مرد سے گو وہ تم کو اچھا ہی معلوم ہو)۔

کفاءت فی الاسلام کے حوالہ سے فقہاء کے یہاں جو معرکۃ آراء بحث ہے، اس کا تعلق قدیم الاسلام اور جدید الاسلام سے ہے، فتاوی قاضیخاں اور بدائع وغیرہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بعض فقہاء نے آباء واجداد کے مسلمان ہونے میں برابری کا اعتبار کیا ہے، تصریحات کے مطابق جو شخص خود مسلمان ہے لیکن اس کے آباء واجداد میں سے کوئی ایک بھی مسلمان نہیں ہوا تو یہ ایسے مسلمان کا کفو نہیں ہوسکتا جس کے آباء میں سے ایک مسلمان ہوا ہے اور جس شخص کے آباء میں ایک مسلمان ہے وہ ایسے مسلمان کا کفو نہیں ہوسکتا جس کے آباء میں دو یا تین مسلمان گذرے ہیں، البتہ ایسی عورت کا کفو ہوسکتا ہے جو خود مسلمان ہوئی ہو۔

لیکن جیسا کہ پہلے مذکور ہوا یہ ضروری نہیں کہ رشتہ قدیم الاسلام کا جدید الاسلام سے ہوا ہی نہیں، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ اگر لڑکی اور ولی یہ محسوس کریں کہ نباہ نہ ہونے یا احساس کمتری کی یہ وجہ ہوسکتی ہے، تو اس بنیاد پر وہ اس شادی سے اجتناب کرسکتے ہیں، پھر یہ حکم بھی ایسی جگہوں کے لئے ہے جہاں نومسلم ہونا شرم وعار اور عیب شمار کیا جاتا ہے، لیکن کہیں اگر یہ عیب کی بات نہ ہو تو اس میں کفاءت معتبر نہیں ہوگی، علامہ کاسانی کا خیال ہے:

’’اگر ایسی جگہ ہو جہاں جدید الاسلام ہونا باعث عار نہ ہو اور نہ وہ عیب شمار کیا جاتا ہو، تو ایسی جگہ ایک دوسرے کا کفو ہوگا، اس لئے کہ جب یہ بات باعث عار اور معیوب شمار نہ ہو تو اس سے کوئی نقص اور خرابی پیدا نہیں ہوگی اور ضرر کا تحقق نہیں ہوگا‘‘ (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۹)۔

یہ تفصیل امام ابوحنیفہؒ کے مذہب کے مطابق ہے اور عجمیوں کے لئے خاص ہے، کیونکہ

عجمی جدید الاسلام کو اپنے سے کم تر سمجھتے ہیں، عام فقہاء کے یہاں عرب ہوں یا عجم کفاءت فی الاسلام میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کا اعتبار نہیں ہے۔

''جو اسلام لایا یا جو غلام آزاد ہوا وہ اس شخص کا کفو ہو سکتا ہے جس کے والدین مسلمان اور آزاد ہوں، امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ وہ کفو نہیں ہوگا، لیکن یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اکثر صحابہ اسلام ہی لانے والے تھے اور بلا شبہ وہ افضل الامت ہیں تو یہ کہنا درست نہیں ہوگا کہ وہ تابعین کے کفو نہیں ہیں'' (المغنی ۷؍۳۰)۔

مولانا مفتی کفایت اللہؒ نے بھی قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کی تفریق کو درست نہیں مانا ہے (کفایت المفتی ۵؍۲۴۱)۔

ہندوستان کے عرف کو سامنے رکھتے ہوئے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ قدیم الاسلام جدید الاسلام کا کفو ہوگا اور اس میں آباء و اجداد کے لحاظ کے بجائے یہ بات زیادہ مناسب ہوگی کہ جس خاندان سے وہ مسلمان ہوا ہے، اس کے مقابل مسلمانوں میں جو خاندان ہوں وہ اس کے کفو ہوں، بہت سے خاندان مثلاً حجام، دھوبی، نٹ، حلال خور، وغیرہ مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں میں پائے جاتے ہیں، اسلام لانے کے بعد قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کی تفریق کی بغیر یہ آپس میں کفو ہوں گے، اسی طرح بعض خاندان وہ ہیں جو عرف کے اعتبار سے ایک دوسرے کے برابر سمجھے جاتے ہیں، جیسے سید اور برہمن، بھومی ہار اور شیخ، راجپوت اور مغل پٹھان، کواری اور کورَی وغیرہ جن میں سے کوئی مسلمان ہو تو وہ ایک دوسرے کے کفو ہوں گے، اس طرح نو مسلموں کی مناکحت کا مسئلہ آسانی سے طے ہو جائے گا اور اشاعت اسلام میں جس فرضی اور غیر فرضی رکاوٹ کا بار بار ذکر کیا جاتا ہے وہ بھی دور ہو جائے گا۔

دیانت وتقوی میں کفاءت:

نکاح میں اخلاق و دیانت، تقوی و دینداری میں کفاءت کا سب سے زیادہ اعتبار کیا گیا ہے، بلکہ بعض ائمہ مثلاً امام مالکؒ اور ایک قول کے مطابق امام شافعیؒ کے یہاں دینداری

ی میں کفاءت معتبر ہے، شیخین اسے منجملہ امور کفاءت میں شمار کرتے ہیں، احادیث رسول اللہ ﷺ بھی کثرت سے اس پر دلالت کرتی ہے، ارشاد نبوی ہے:

"إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض" (الترمذی ۱/ ۲۰۷)۔

(جب تمہارے پاس ایسا شخص نکاح کا پیغام بھیجے جس کے دین اور اخلاق سے تم مطمئن ہو تو اس سے نکاح کر دو اگر ایسا نہیں کرو گے تو زمین میں فتنہ وفساد برپا ہو جائے گا)۔

ایک دوسری حدیث میں ہے:

"تنكح المرأة بأربع: لمالها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك" (البخاری ۲/ ۶۲ ےباب الاکفاء فی الدین)۔

(عورت سے چار اوصاف کے پیش نظر نکاح کیا جاتا ہے، مال، حسب، خوبصورتی اور دینداری کی بنیاد پر پس تم دیندار کو اپنا کر کامیابی حاصل کرو)۔

ایک اور روایت میں ایماندار عورت سے نکاح کرنے کا حکم دیا گیا، کیونکہ وہ امور آخرت میں مددگار ہوگی (ابن ماجۃ کتاب النکاح)، اسی بنا پر فقہاء نے لکھا ہے کہ فاسق شخص نیک عورت کا کفو نہیں ہوسکتا خواہ فسق علانیہ کرتا ہو یا پوشیدہ طور پر، اس لئے کہ دینداری نسب وخاندان سے زیادہ باعث فخر چیز ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۱)، لہذا عورت یا اس کے آباء واجداد دونوں میں کسی کا بھی دیندار ہونا اس بات کو مستلزم ہے کہ فاسق مرد اس کا کفو نہیں ہوسکتا اور چونکہ فسق عملی سے زیادہ فسق اعتقادی کے اثرات انسانوں پر پڑتے ہیں، اس لئے یہیں سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ جو فرقے ضالہ اور منحرفہ ہیں اور جن کے انحراف وضلالت پر امت کا اتفاق ہے، اس کا کوئی فرد، صحیح العقیدہ عورت کا کفو نہیں ہوسکتا، تا آنکہ وہ اپنے عقائد سے توبہ نہ کرے۔

مالداری میں کفاءت:

امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کی ایک روایت یہ ہے کہ مال میں کفاءت معتبر

ہے، امام مالکؒ اور حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ اس کے قائل نہیں ہیں، مال میں کفاءت کے قائلین کی دلیل وہ روایت ہے جس میں حضرت فاطمہ بنت قیسؓ کو حضور ﷺ نے حضرت معاویہؓ سے عدم مال کی بناپر رشتہ کرنے سے منع فرمایا تھا اور حضرت اسامہؓ سے نکاح کا حکم دیا تھا (بیہقی ۱۳۵/۷، باب اعتبار الکفاءۃ)۔

فقہاء نے مالداری کی جس مقدار کو کفاءت کے لئے ضروری قرار دیا ہے، وہ مرد کا مہر اور نفقہ کی ادائیگی پر قادر ہونا ہے، چنانچہ ہدایہ میں ہے:

''هو أن يكون مالكا للمهر و النفقة'' (اور یہ کہ مرد مہر و نفقہ کے بقدر مال کا مالک ہو)۔

یہاں تک کہ اگر کوئی مرد دونوں میں ایک کی یا دونوں کی ادائیگی پر قادر نہ ہو تو کفو نہیں ہوگا، البتہ اگر لڑکی نابالغ ہو اور اس میں وطی کی صلاحیت نہ ہو تو ایسی لڑکی کے کفو ہونے کے لئے نفقہ کی ادائیگی پر قدرت ضروری نہیں ہے، کیونکہ اس صورت میں نفقہ واجب ہی نہیں ہوتا، پھر تبیین کے حوالہ سے فتاوی ہندیہ میں لکھا ہے کہ مہر سے وہ مقدار مراد ہے جو پہلی رات میں دینے کا رواج ہے، باقی مہر کا کوئی اعتبار نہیں گرچہ اس کی ادائیگی بھی فوری طور پر کرنی ہو۔

لیکن اب زمانہ کی قدریں بدل گئی ہیں، مذہب سے دوری نے مال کو اہل دنیا کا حسب بنادیا ہے، خود حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

''إن أحساب الدنيا الذي يذهبون إليه المال'' (جمع الفوائد ۲۱۸/۱) (دنیا کا حسب جس کی طرف لوگوں کا میلان ہے مال ہے)۔

بنابریں اس حقیر کا خیال ہے کہ معیار زندگی میں مساوات بھی زن وشو میں نباہ کے لئے ضروری ہے، اس لئے مہر ونفقہ کے علاوہ دونوں میں معاشی سطح کے قریب قریب یکسانیت بھی کفاءت فی المال میں شامل ہوگی، ابن نجیم نے نوازل سے ابو بکر اسکافؒ کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دس ہزار درہم کا مالک مرد اگر لاکھ پتی عورت سے شادی کرنا چاہے اور عورت کا بھائی اس پر

راضی نہ ہوتو وہ بہن کو نکاح سے روک سکتا ہے۔

ابن نجیم کہتے ہیں:

جب مرد کے پاس دس ہزار درہم ہوں اور وہ ایک لاکھ درہم والی عورت سے نکاح کرنا چاہے اور اس کا بھائی اس کو پسند نہ کرے، تو اس کے بھائی کو اس سے روکنے کا حق حاصل ہے (البحر الرائق ۱۳۲/۳)۔

نسب میں کفاءت:

دین وتقوی کے بعد معاشرتی طور وطریق میں باہم جوڑ اور ہم آہنگی کی سب سے بڑی اساس نسب ہے، اس لئے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ اور ایک قول کے مطابق امام احمد بن حنبلؒ نسب میں بھی کفاءت کو معتبر مانتے ہیں، آدم کی ساری اولاد کے یکساں ہونے اور اسلامی مساوات کے مستحکم تصور کے باوجود یہ انسانی معاشرت کا عملی مسئلہ ہے، یہ صحیح ہے کہ محض ذات پات، خاندان و نسل کی بنیاد پر اونچ نیچ کا تصور جاہلی تصور ہے اور اس میں غیر ضروری تشدد بھی مذموم ہے۔ مسئلہ صرف اتنا ہے کہ اگر کوئی زن وشو میں جوڑ اور ہم آہنگی کے لئے نسب کی رعایت سے شادی کرے تو یہ غلط نہ ہوگا اور شریعت اس پر داروگیر نہ کرے گی، اس کی بنیاد اسحاق ہمدانی کی وہ روایت ہے جسے ابن قدامہ نے نقل کیا ہے کہ سلیمان وجریر ایک سفر میں ساتھ تھے، نماز کا وقت ہوگیا تو جریر نے سلمان سے امامت کی درخواست کی، اس پر سلمان نے انکار کرتے ہوئے فرمایا:

"بل أنت فإنكم معشر العرب لا نتقدم عليكم في صلواتكم، ولا ننكح نساءكم إن الله فضلكم علينا بمحمد ﷺ وجعله فيكم" (المغنی ۴۸۲/۶)۔

(نہیں آپ (بڑھئے)، کیونکہ آپ عرب ہیں، نماز میں ہم آپ سے پیش قدمی نہیں کرسکتے اور نہ آپ کی عورتوں سے نکاح کرسکتے ہیں، اللہ نے آپ لوگوں کو ہم پر محمد ﷺ کے ذریعہ برتری عطا فرمائی اور ان کو آپ کے درمیان پیدا فرمایا)۔

اسی طرح حضور ﷺ کا ارشاد ہے:

"**قريش بعضهم أكفاء لبعض، بطن ببطن والعرب بعضهم أكفاء لبعض قبيلة بقبيلة**" (المبسوط ۵/۲۳) (قریش ایک دوسرے کے کفو ہیں، فرداً فرداً اور عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں قبیلہ کے اعتبار سے)۔

نسب میں کفاءت کا معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے یہ اعتبار عرب کے لئے عموماً ہے، اس لئے کہ ان کے یہاں نسب محفوظ رکھنے کا رواج قدیم ہے، اور عجم میں خصوصاً ان خاندانوں میں جن کا نسب معروف اور محفوظ ہے۔

پیشوں میں کفاءت:

شریعت نے جن پیشوں کو حلال کیا ہے وہ یقیناً حلال ہیں، پارچہ بافی، لوہاری، بڑھئی گیری، خیاطی، دباغت، بال بنانا، پچھنے لگانا، روئی دھننا یہ سب پیشے بہتر، حلال اور کسب معاش کے بہتر ذرائع ہیں، ان میں سے کئی نے موجودہ سماج میں فن کا مقام لے لیا ہے اور اس بنیاد پر سماج میں ان پیشوں سے منسلک افراد باعزت سمجھے جاتے ہیں، فقہاء نے پیشوں میں بھی کفاءت کا لحاظ کیا ہے اور لکھا ہے کہ پارچہ باف، حجام وغیرہ کپڑوں اور ادویہ کے تاجروں کے کفو نہیں ہوں گے، مگر اس کا مدار عرف پر ہے، شامی نے عرف کی رعایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اسکندریہ میں حائک کا پیشہ ایک معزز پیشہ ہے اس لئے وہاں عطار کا کفو حائک ہوسکتا ہے:

"**وعلى هذا ينبغي أن يكون الحائك كفواً للعطار بالإسكندرية، لما هناك من أحسن اعتبارها وعدم عدها نقصا البتة**" (رد المحتار ۲/۳۲۱)۔

(اسی بنیاد پر مناسب ہے کہ پارچہ باف اسکندریہ میں عطار کا کفو ہو، اس لئے کہ وہاں یہ پیشہ معزز ہے اور عیب میں شمار نہیں ہے)۔

ہندوستان میں اب پیشوں نے خاندان اور قبیلوں کی شکل اختیار کرلیا ہے، ممکن ہے کوئی

خیاطی کا کام نہ کرتا ہو مگر وہ خاندان کے اعتبار سے درزی کہلاتا ہے، روئی دھننے والا ممکن ہے بڑا تاجر ہو، لیکن اس کو دھنیا ہی کہا جاتا ہے، حجامت کا کام کسی خاندان میں کوئی نہیں کرتا، لیکن سماج میں ذات کی حیثیت سے اس کی شہرت حجام سے ہے، اس طرح کفاءت میں یہاں پیشے سے زیادہ خاندان کا لحاظ کیا جائے گا کہ یہی یہاں عرف ہے۔

اسی طرح خاندانی حسب ونسب اور شرافت بھی کفاءت میں معتبر ہے، لڑکے کا عقل مند ہونا اور جسمانی عیوب سے پاک ہونے کو بھی فقہاء نے امور کفاءت میں شمار کیا ہے، لیکن ان سب میں اصل مدار عرف ہی ہے، اور اس معاملہ میں لڑکی اور بعض حالتوں میں ولی کی رضامندی ہی سب کچھ ہے، وہ جس کو اپنا ہم پلہ وہم سر سمجھیں ان میں رشتہ ہوسکتا ہے خواہ وہ کسی قبیلہ، خاندان، ذات اور پیشہ سے تعلق رکھتا ہو۔

حق کفاءت:

کفاءت عورت اور ولی دونوں کا حق ہے، غیر کفو میں شادی سے کبھی عورت کی سماجی حیثیت متاثر ہوتی ہے، کبھی ولی کی اور کبھی دونوں کی، اس لئے شریعت نے اولیاء کو حق دیا کہ وہ اس حالت میں جبکہ عورت نے غیر کفو میں اپنا نکاح کرلیا ہو منعقد ہونے کے باوجود قاضی کے یہاں فسخ نکاح کا مطالبہ کر کے تفریق کرا سکتا ہے۔

''**امرأة تزوجت من غير كفوء فللولي أن يعترض ويرفع إلى القاضي حتى يفسخ**'' (جس عورت نے غیر کفو میں شادی کرلیا تو ولی کو اعتراض کا حق ہوگا اور وہ قاضی کے پاس معاملہ لے جائے گا، تا کہ قاضی فسخ کردے)۔

دوسری طرف کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے رشتہ نکاح طے کرتے وقت نسب وخاندان، معاشی وسماجی حالات کے بارے میں غلط بیانی سے کام لیا، بعد میں اس کی دھوکہ دہی واضح ہوئی تو اس شکل میں عورت اور اس کے ولی دونوں کو نکاح فسخ کرانے کا اختیار رہے گا،

عالمگیری میں ہے:

"ولو انتسب الزوج لها نسبا غیر نسبه، فإن ظهردونه وهو لیس بکفوء فحق الفسخ ثابت للکل وإن کان کفوءاً فحق الفسخ لها" (فتاوی ہندیہ ۲/۱۷) (اگر شوہر نے اپنا غلط نسب بیان کیا اور اس کی غلط بیانی ظاہر ہوگئی اور پتہ چل گیا کہ وہ کفو نہیں ہے تو حق فسخ سب کے لئے ثابت ہوگا، اور اگر کفو ہے تو عورت کو حق فسخ ہوگا)۔

شامی نے کفاءت کو ولی کا حق مانا ہے، اور اس جزئیہ میں کفو ہونے کے باوجود عورت کو حق فسخ تعزیراً دیا گیا ہے، اسی لئے اگر عورت کسی مرد سے نکاح کر لے اور بعد میں وہ غلام ہو تو اسے فسخ کا اختیار نہیں ملے گا، لیکن زیادہ صحیح بات یہی ہے کہ حق کفاءت دونوں کا حق ہے، کیونکہ غیر کفو میں نکاح کا ضرر بالواسطہ یا بلاواسطہ دونوں کو پہنچتا ہے۔

مذہب اسلام اور مسئلہ کفاءت

مفتی سعید الرحمن فاروقی ☆

۱-کفاءت کا معنی ہے برابری، شارح ہدایہ لکھتے ہیں: "والكفاءة بالفتح مصدر والاسم منه الكفء وهو النظير من كافأه إذا ساواه فهي معتبرة في النكاح، قال النبي ﷺ ألا لا يزوج النساء إلا الأولياء ولا يزوجن إلا من الأكفاء"۔

اس روایت کو علامہ ابن ہمام نے بھی نقل فرمایا ہے اور اس سے کفاءت کو شرعاً معتبر ماننے پر استدلال کیا ہے، لیکن اس پر نظر قائم کرتے ہوئے اس کے ضعف کی وضاحت بھی فرمادی ہے۔

لیکن اس کے بعد بھی علامہ موصوف نے اسے حجت قرار دیا ہے، کیونکہ اس کے دوسرے شواہد پائے جاتے ہیں خود ابن ہمام نے بھی چند شواہد ذکر کئے ہیں، ان میں ایک حضرت عمرؓ کی روایت ہے:

"لأ منعن فروج ذوات الأحساب إلا من الأكفاء"۔

اسے امام محمدؒ نے کتاب الآثار میں نقل کیا ہے، دوسری روایت حاکم کی جو حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے مروی ہے:

عن علي أنه عليه الصلوة والسلام قال له: "يا علي ثلث لا تؤخرها: الصلاة إذا أتت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت كفاء"۔

☆ محقق۔

حاکم نے اس حدیث کی تصحیح بھی کی ہے، ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ترمذی نے اگر چہ اس روایت کے متعلق یہ کہا ہے کہ: "لا أری إسناده متصلا" لیکن حاکم کی تصحیح سے اس کی نفی ہو جاتی ہے، اس سلسلے کی ایک اہم روایت حضرت عائشہؓ سے منقول ہے۔

"عن عائشة عن النبی ﷺ: تخیروا لنطفکم و أنکحوا الأکفاء"۔

حضرت عائشہ کے علاوہ یہ روایت حضرت انسؓ سے بھی مروی ہے، اور تعدد طرق کی بنیاد پر علامہ موصوف نے اس کی حجیت کی طرف بھی اشارہ کر دیا ہے:

"روی ذلک من حدیث عائشة وأنس و عمر من طرق عدیدة، فوجب ارتفاعه إلی الحجیة بالحسن لحصول الظن بصحة المعنی وفی هذا کفایة" اس کے بعد دوسرے مواقع، اس لفظ کے استعمال اور آنحضرت ﷺ کی جانب سے اس کی تائید کے بھی کچھ نظائر انہوں نے ذکر کئے ہیں، اعلاء السنن میں بھی باب مراعاۃ الکفاءۃ وجواز النکاح فی غیرہا کے ضمن میں سب سے پہلی روایت یہی حدیث عائشہؓ ہے، مصنف، ابن ماجہ اور فتح الباری کا حوالہ دیتے ہوئے حاکم کی تصحیح کو بیان کرنے کے بعد، دوسرے طریق حدیث عمر کے متعلق ابونعیم کی تخریج کو ذکر کرنے کے بعد ان کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر چہ سند میں کلام ہے، لیکن ایک سند دوسری کو تقویت بخشتی ہے، ضیاء مقدسی میں اس روایت کو حضرت انسؓ سے مرفوعاً نقل کیا گیا ہے، نیز علامہ سیوطی نے بھی الجامع الصغیر میں اسے بیہقی، ابن ماجہ اور مستدرک حاکم کے حوالہ سے ذکر کیا ہے اور اسے صحیح کا رمز دیا ہے۔

اعلاء السنن (۱۱/ ۵۷ حاشیہ) میں اس پر مزید گفتگو موجود ہے، حاصل کلام یہ ہے کہ حدیث کی سند مختلف فیہ ہے، بعض نے اسے صحیح اور بعض نے حسن بھی قرار دیا ہے، اور ایسا اختلاف مضر نہیں ہوا کرتا، حضرت علیؓ کی روایت: "لا تؤخر الصلاۃ الخ" کے متعلق صاحب اعلاء السنن کی تفصیل یہ ہے کہ اسے ترمذی اور حاکم نے ضعیف سندوں کے ساتھ نقل کیا ہے، لیکن علامہ سیوطیؒ نے الجامع الصغیر میں اس کی تحسین کی ہے، اور حاکم اور ذہبی نے اسے صحیح کہا ہے اور اس قسم

کا اختلاف قادح نہیں ہوا کرتا۔

۲- کفاءت کا اعتبار کئی امور میں کیا جاتا ہے، ان میں سے ایک نسب ہے، دوسرا امر ہے قبول اسلام چنانچہ جو خود مسلمان ہوا ہے وہ اس کا کفو نہیں، جس کا باپ مسلمان ہوا ہو اور جس کے باپ نے اسلام قبول کیا ہو وہ اس کا کفو نہیں ہوگا جس کا دادا بھی مسلمان تھا، لیکن جس کے باپ اور دادا دونوں مسلمان تھے وہ ہر ایک کا کفو ہے، قبول اسلام میں کفاءت کا اعتبار بعد کے زمانوں کے لئے ہے، چنانچہ اگر کسی مقام پر لوگ عام طور سے نئے نئے اسلام میں داخل ہو رہے ہیں، وہاں اس کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

تیسری چیز جس کی رعایت کی گئی ہے وہ حریت ہے، لہذا غلام آزاد عورت کا کفو نہیں ہے۔

''ومنها الحرية فالمملوک کیف کان لا یکون کفوء ا للحرة الخ''۔

کفاءت میں مال کا بھی اعتبار کیا گیا ہے، اور اس کی حد یہ ہے کہ شوہر نفقہ اور مہر کی ادائیگی پر قادر ہو۔

مال کے علاوہ دین داری کا لحاظ بھی کیا گیا ہے، لہذا فاسق و فاجر انسان کسی نیک صالحہ عورت کا کفو نہیں قرار دیا جائے گا۔

دین داری کے بعد حرفت کا بھی لحاظ کیا گیا ہے، لہذا ایسے ایک ہی خاندان کے لوگ ہوں، حرفت اور پیشہ کے الگ الگ ہونے سے بھی ان کے درمیان عدم کفاءت کا حکم ہوسکتا ہے، لیکن حرفت میں مختلف زمرے ہیں اور ہر ایک زمرے کے لوگ آپس میں ایک دوسرے کے کفو قرار دیئے گئے ہیں۔

حسن وجمال کی رعایت کو عالمگیری نے کفاءت میں تو شامل نہیں مانا ہے، لیکن اس کے بہتر ہونے کی طرف اشارہ کردیا ہے (عالمگیری کتاب النکاح الباب الخامس فی الاکفاء)۔

خاص امر توجہ طلب یہ ہے کہ یہ امور جن میں کفاءت معتبر ہے، ان کی بنیاد یہ ہے کہ یہ

وہ امور ہیں جن کی بناپر لوگوں میں تفاخر کا پایا جانا بدیہی ہے، اسلام اس تفاخر کی حوصلہ افزائی تو نہیں کرتا لیکن نکاح جیسے نازک رشتے کے استحکام کو مدنظر رکھتے ہوئے رعایت کی گئی ہے، کیونکہ لوگوں کی جو ذہنیت ہے اس کو دیکھتے ہوئے ان معاملات میں ناہمواری کسی بھی وقت افتراق کا سبب بن کر سامنے آسکتی ہے (البحرالرائق)۔

۳- یہ حقیقت ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں میں ہندوسماج کی طبقاتی تقسیم کے کچھ نہ کچھ اثرات اب بھی پائے جاتے ہیں، عام طور سے ہوا یہ ہے کہ یہاں جو لوگ مسلمان ہوئے انہوں نے اپنا آبائی پیشہ برقرار رکھا اور اس کی مناسبت سے انہوں نے اپنی ایک قومیت بھی موضوع کرلی قومی تفاخر یا احساس کمتری کے جوجذبات وہاں پائے جاتے تھے، کچھ نہ کچھ یہاں بھی باقی رہے اور جس طرح وہاں ایک دوسرے سے الگ تھلگ رہتے چلے آئے تھے یہاں بھی وہ دوری باقی رہی، لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اول تو مسلم معاشرے میں اونچ نیچ کا وہ مفہوم نہیں ہے جو غیر مسلم سماج میں پایا جاتا ہے، وہاں نچلی ذات کا آدمی الہامی کتابیں نہیں پڑھ سکتا، مذہبی پیشوائی کا مقام اسے حاصل نہیں ہوسکتا، عبادتگاہوں میں نہیں جاسکتا، ساتھ بیٹھ کر کھانا نہیں کھاسکتا وغیرہ، لیکن الحمدللہ ہندوستانی مسلمان جیسے بھی ہوں ان میں کسی بھی طبقے کا مسلمان سب کے برابر بیٹھنے، سب کے ساتھ کھانے پینے، مسجدوں میں جانے اور دینی تعلیم حاصل کرنے کا حق رکھتا ہے، حتی کہ وہ امامت بھی کرسکتا ہے، جنازہ اور نکاح بھی پڑھا سکتا ہے اور اگر وہ علم یا تقوی کے بلند مقام تک پہنچ جائے تو اس کی جوتیاں سیدھی کرنے کو ہر مسلمان باعث سعادت جانتا ہے۔

الف- شریعت نے کفاءت میں نسب کا بھی اعتبار کیا ہے، لیکن اس کی بنیاد عدم مساوات نہیں ہے، بلکہ جذبہ تفاخر اور معاشرتی ناہمواری اس کا اہم سبب ہے۔

ب- عرب اور عجم میں فرق یہ ہے کہ عربوں نے عام طور سے اپنے نسب کو محفوظ رکھا، ان کے یہاں ہزاروں سال پہلے بھی علم الانساب مستقل ایک علم تھا، لیکن ہم عجم کے یہاں یہ خصوصیت من حیث القوم موجود نہیں ہے، اس لئے عرب اور عجم کو الگ الگ شمار کیا گیا ہے،

عالمگیری میں ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ عرب تمام ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

"والصحیح أن العرب کلھم أکفاء کذا ذکرہ أبو الیسر فی مبسوطہ کذا فی الکافی" ایک روایت میں بھی آیا ہے: "العرب بعضھم أکفاء لبعض"، البتہ یہ قول بھی عامۃ کتابوں میں موجود ہے کہ عام عرب اہل قریش کے کفو نہیں ہیں، اہل عجم کے متعلق یہ وضاحت ہے کہ وہ اہل عرب کے کفو نہیں، لیکن یہ بات علی الاطلاق نہیں ہے، بلکہ یہ قول بھی ہے کہ ان میں جو اہل علم ہیں وہ عرب کے کفو مانے جائیں گے (البحر الرائق)۔

عجمیوں کے متعلق یہ بات کئی جگہ ملتی ہے کہ انہوں نے اپنا نسب ضائع کر دیا ہے، اس لئے ان کے مابین نسبی کفاءت نہیں، بلکہ دینداری میں کفاءت کا لحاظ ہوگا۔

ج-مسئلہ کفاءت استحبابی ہے نہ کہ وجوبی، اور اس کا اعتبار بھی مردوں میں کیا گیا ہے کہ وہ عورت کے کفو ہوں اور اگر عورت اور اس کے ولی عدم کفاءت کا علم ہو جانے کے بعد بھی اس رشتے پر رضامند ہیں تو کوئی اس نکاح کو نہ باطل کہے گا، نہ کسی قاضی کو یہ حق ہے کہ از خود نکاح کو فسخ کر دے، جو کچھ ہے وہ ذہنی یکسوئی کے نہ ہونے کی بناء پر ہے، اور چونکہ لوگ اس کو تفاخر کا سبب گردانتے ہیں، اس وجہ سے مصالح نکاح کی رعایت کرتے ہوئے نسبی کفاءت کا لحاظ بھی کیا جاتا ہے، فقہاء کی تمام گفتگو کا ماحصل یہی ہے، اور یہی اس مسئلے میں بنیادی ضابطہ ہے۔

۴- یہ پہلے وضاحت کی جا چکی ہے کہ جہاں جدید الاسلام ہونے کو کمتر درجہ نہ دیا جاتا ہو، وہاں ایسی کوئی تفریق نہ ہوگی، البتہ اگر کہیں اس معاملے میں تفاخر ہے، تو وہاں اس کی رعایت بہر حال کرنی ہوگی، باقی واقعات کی دنیا میں حقیقت تو یہ ہے کہ کوئی بھی نو مسلم غیر شادی شدہ نہیں رہتا، الحمدللہ مسلمانوں ہی میں ان کی شادیاں ہوتی ہیں، لہذا یہ کہنا کہ یہ مسئلہ تبلیغ کی راہ میں رکاوٹ بن سکتا ہے ایک خیالی مفروضہ ہے، یہ بھی مدنظر رکھنا چاہئے کہ جہاں غیر مسلم مرد مسلمان ہوتے ہیں ان کی عورتیں بھی مسلمان ہوتی رہتی ہیں، لہذا اگر کہیں خدانخواستہ ایسی ضرورت درپیش بھی ہو تو ان کا آپس میں بھی رشتہ ہو سکتا ہے۔

۵- ایسی جو چیزیں بھی باہمی تفاخر اور سماجی ناہمواری کا واقعاتی دنیا میں سبب بنتی ہیں نکاح کے معاملے میں اگر ان کی رعایت نہ کی گئی تو جو معاشرتی فساد پیدا ہوگا اس کا ہر عاقل تصور کرسکتا ہے، لہذا ایسے تمام امور کا لحاظ کیا جانا چاہئے، چنانچہ موجودہ ذہنیت کو دیکھتے ہوئے تعلیم میں مساوات اور خوبصورتی وبدصورتی کو بھی اس میں شمار کرسکتے ہیں۔

٦- مرد کی جانب سے اس کا لحاظ ہوگا بایں معنی کہ وہ عورت سے کسی معاملے میں کمتر نہ سمجھا جاتا ہو۔

۷: الف- کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے، جیسا کہ پہلے اس پر گفتگو کی جاچکی ہے۔

ب- غیر کفو میں عاقلہ بالغہ عورت ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرے تو ولی کو حق اعتراض حاصل ہے۔

ج- ولی اس نکاح کو قاضی کے ذریعہ فسخ کراسکتا ہے، لیکن اس کی حد بچے کی پیدائش تک ہے، اس کے بعد اسے یہ حق نہیں رہتا۔

۸- ہاں اگر کفاءت کے معاملے میں نکاح سے پہلے غلط بیانی سے کام لیا گیا اور نکاح ہونے کے بعد اس کا علم ہوا تو یہ نکاح قاضی کے ذریعہ فسخ کیا جاسکتا ہے۔

مسئلہ کفاءت اور اس کی حقیقت و مصلحت

مفتی عبدالرحیم قاسمی ☆

کفاءت کی حقیقت و مصلحت:

کفو کے معنی برابر اور ہمسر ہونے کے ہیں، زوجین کے درمیان مزاجوں کی موافقت و یکسانیت اور سماجی و معاشی قربت، رشتۂ نکاح کی استواری اور پائیداری، تعلقات کی خوشگواری کے لئے بنیادی عوامل ہیں، اسی مصلحت کے پیش نظر شریعت نے نکاح میں زوجین کے باہم کفو ہونے کا اعتبار کیا ہے، لہذا حسب ذیل امور کی رعایت کفاءت کے لئے مفید ہوگی:

دیانت و تقوی، مالداری اور معاشی سطح، ذریعہ معاش، حسب و خاندانی وجاہت، نسب و خاندان، اسلام و حریت۔

۱- دیانت و تقوی:

دیانت و تقوی اور اخلاق کا کفاءت میں معتبر ہونا فقہاء کے نزدیک تقریباً متفق علیہ ہے، بلکہ امام مالک اور ایک قول کے مطابق امام شافعی کے نزدیک صرف دینداری میں ہی کفاءت کا اعتبار ہے، حنفیہ کے نزدیک کفاءت میں دینداری پر ہی اکتفا کرنا افضل ہے۔

''وعندنا الأفضل اعتبار الدين والاقتصار عليه'' (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۷)۔

علامہ کاسانی نے فرمایا: امور کفاءت میں سے دینداری بھی ہے، امام ابوحنیفہؒ اور امام

☆ بھوپال۔

ابو یوسف کے قول میں، یہاں تک کہ نیکوں کی بیٹی نے خود فاسق سے نکاح کرلیا تو ان دونوں اماموں کے نزدیک اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے کیونکہ نسبی فخر کے مقابلہ میں دیندار ی فخر کی زیادہ حقدار ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۰)۔

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک فاسق نیکوں کا کفو نہیں ہوگا اور امام ابو یوسف اور امام محمد سے روایت ہے کہ جو نشہ کرتا ہو اگر وہ اس کو چھپاتا ہے اور نشہ کی حالت میں باہر نہیں نکلتا تو وہ نیک صالحہ خاندانی عورت کا کفو ہوگا اور علی الاعلان نشہ کرتا ہو تو کفو نہیں، اسی پر فتوی ہے (ردالمحتار ۲/ ۳۲۱)۔

۲-مالداری اور معاشی سطح:

حضرت امام ابوحنیفہؒ نے مال میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا ہے، امام ابو یوسف کے نزدیک مال میں کفاءت معتبر نہیں، کیونکہ مال آنی جانی چیز ہے، اس کے لئے قرار نہیں، لیکن تعلقات کی خوشگواری کے لئے معاشی سطح میں برابری ضروری ہے، فاطمہ بنت قیسؓ نے حضور ﷺ سے مشورہ کیا کہ مجھے معاویہ بن ابی سفیان اور ابوجہم نے پیغام دیا ہے، تو حضور ﷺ نے فرمایا: ابوجہم تو اپنی گردن سے لاٹھی نہیں رکھتے اور معاویہ تنگ دست ہیں، ان کے پاس مال نہیں۔

''**أما أبو جهم فلا يضع عصاه عن عاتقه، و أما معاوية فصعلوک لا مال له**'' (ابوداؤد شریف ۲/ ۳۱۳)۔

اس حدیث سے امام ابوحنیفہ کے قول کی تائید ہوتی ہے۔

برادریاں بڑی ہوں یا چھوٹی ان سب میں امیر وغریب کی اونچ نیچ موجود ہے، ایک خانوادہ اگر تعلیم واخلاق سے محروم ہے اور غربت کا شکار ہے تو اسے اس کی برادری میں حقیر سمجھا جاتا ہے، یہی حال پیشہ ور برادریوں کا ہے، اور یہ تفریق ذات پات کی نہیں ہے بلکہ حالت، حیثیت اور سماجی مرتبہ کی ہے (دلی کی برادریاں: ص ۳۱)۔

ذریعہ معاش اور صنعت وحرفت:

امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا: پیشوں میں کفاءت کا بالکل اعتبار نہیں اور حدیث "الناس أکفاء إلا الحائک والحجام" شاذ ہے، عموم بلوی والے مسئلہ میں اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، اور پیشہ کوئی لازمی چیز نہیں، آدمی کبھی نفیس پیشہ کرتا ہے اور کبھی حقیر پیشہ کرتا ہے، بخلاف نسب اور فقر کے ان سے عموماً جدائی نہیں ہوسکتی (مبسوط ۵/ ۲۵)۔

علامہ کاسانی نے لکھا ہے عرب میں پیشے باعث عار نہیں، امام ابوحنیفہ نے عرب کی عادت پر اس مسئلہ کی بنیاد رکھی اور امام ابو یوسف نے اہل بلاد کی عادت کے مطابق جواب دیا، یہ لوگ کم تر پیشوں کو باعث عار سمجھتے ہیں، پیشہ انسان کے وجود کے ساتھ ہمیشہ لگا رہنے والا لازمی نہیں وہ تو اس کو چھوڑنے کی قدرت رکھتا ہے۔

''لأنها ليست بأمر لازم واجب الوجود، ألا ترى أنه يقدر على تركها''
(بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۰)۔

عبارت مذکورہ سے معلوم ہوا کہ اس مسئلہ کی بنیاد عرف وعادت پر ہے اور کاروباری معیار کی ترقی اور وسائل کی فراوانی سے عرف عام میں انسان کی حیثیت بلند ہوتی ہے، علامہ شامی نے لکھا ہے: ٹیلر ماسٹر کاموں کی ذمہ داری لیتا ہو اور مزدور کام کرتے ہوں تو وہ کپڑا فروش اور تاجر کی بیٹی کا کفو ہے (ردالمحتار ۲/ ۳۲۲)۔

موجودہ دور میں مشنریوں کی ایجاد اور فیکٹریوں، کارخانوں کے قائم ہونے سے عرف وپیشوں کا معیار بلند تر ہوگیا ہے، لہذا کفاءت میں اس کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔ اعلی درجہ کے ملازمین تاجروں کے کفو ہوسکتے ہیں، اسکالرس اساتذہ تاجر کے کفو ہیں۔

۴- حسب وخاندانی وجاہت:

مال ودولت، جاہ ومنصب، عہدہ واقتدار، اخلاق وکردار اور علم وعمل میں سے کسی وجہ سے کوئی خاندان امتیازی شان رکھتا ہو، اور عزت ووجاہت کا حامل ہو تو دیگر مرتبہ خاندان ہی اس

کے کفو ہوں گے، چنانچہ امام محمدؒ نے فرمایا کہ خانوادہ خلافت کے سوا تمام عرب باہم کفو ہیں (ہدایہ ۳۲۰/۲)، اس سے اہل خلافت کی ممتاز حیثیت اور حسب کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح عجمی عالم کو شرف علم کے سبب علوی عربی عورت کا کفو قرار دیا گیا ہے (رد المحتار ۳۲۳/۲)۔

۵-نسب وخاندان میں کفاءت:

امام ابوحنیفہ، امام شافعی نسب میں کفاءت کے قائل ہیں، ان کے نزدیک تمام انسانوں کے تین طبقات ہیں: پہلا درجہ قریش یعنی نضر بن کنانہ کی اولاد آپس میں کفو ہیں، دوسرا درجہ قریش کے علاوہ سب عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، تیسرا درجہ غیر عرب عجم یہ باہم کفو ہیں۔

حضور علیہ السلام نے بنو بیاضہ کو ابو ہند سے نکاح کرنے کا حکم دیا: "یا بنی بیاضة أنکحوا أباهند و أنکحوا إلیه" (ابوداؤد ۲۸۶/۱)، لوگوں نے عرض کیا کہ کیا ہم اپنی بیٹیاں اپنے غلاموں سے بیاہ دیں، اسی موقع پر یہ آیت نازل ہوئی:

"یا أیها الناس إنا خلقناکم من ذکر و أنثی وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أکرمکم عند الله أتقاکم"، لہٰذا یہ آیت نسبی کفاءت کی تردید کرتی ہے۔

حضور علیہ السلام نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب کی شادی اپنے غلام حضرت زید سے فرمائی تھی۔ حضور علیہ السلام نے قریشی خاتون فاطمہ بنت قیس کا نکاح اپنے غلام زادے حضرت اسامہؓ سے حکم دے کر کرادیا تھا اور ان کی زندگی خوشگوار گذری (ابوداؤد شریف ۳۱۲/۲)۔

نومسلموں کے لئے کفاءت:

حضرت مفتی کفایت اللہ صاحب تحریر فرماتے ہیں: نومسلم کی اولاد کی شادی ہر مسلمان کی اولاد سے ہوسکتی ہے، یہ بات نہیں ہے کہ نومسلم کی اولاد کی شادی نومسلم کی اولاد کے ساتھ ہو (کفایت المفتی ۲۱۴/۵)۔

نومسلم جو نیک، صالح اور صوم وصلاۃ کے پابند ہوں ان کو لڑکی دینا جائز بلکہ موجب اجر

وثواب ہے، جولوگ اس نیک کام میں رخنہ اندازی کرتے ہیں وہ گنہگار ہوں گے (کفایت المفتی ۲۱۱/۵)۔

رقیت بھی کفر کا اثر ہے، مگر دور حاضر میں غلامی ختم ہوگئی، لہٰذا حریت کا کفاءت میں ذکر نہیں کیا گیا۔

فتنہ وفساد کے موجودہ دور میں نومسلم سے رشتۂ نکاح کے وقت یہ جانچ کر لینا ضروری ہے کہ نومسلم صادق وخالص ہے، اخلاص واستقامت سے متصف ہے، اس میں اسلامی رنگ رچ بس گیا ہے، تا کہ اسلامی معاشرہ غیر مسلموں کی سازشوں سے محفوظ رہ سکے، غالباً اسی جانب اشارہ کرنے کے لئے حضرت مفتی کفایت اللہ صاحبؒ نے دوسرے فتوی میں نومسلم سے نکاح کے لئے نیک صالح اور صوم وصلاۃ کا پابند ہونے کی شرط لگائی ہے، اور نومسلموں سے شادی بیاہ کی اجازت دے کر ان کو اسلامی معاشرہ میں جذب کرنے کی تحریک کی ہے۔

کفاءت کے لئے امور معتبرہ:

فقیہ الامت حضرت مفتی محمود صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں: یہ ذات برادری کی تخصیص مدار نجات نہیں، نہ اس کی وجہ سے ایمانی امتیاز برتنے کی اجازت ہے، ''انما المؤمنون إخوۃ'' الآیۃ اسی وجہ سے نماز میں ایک صف میں کھڑے ہونے سے کسی کو منع کرنے کا حق نہیں، نماز وروزہ، حج سب پر یکساں طریقہ سے لازم ہیں، جو شخص جس منصب کا اہل ہوگا علم وفہم، اخلاق، اعمال وتجربہ کے اعتبار سے وہ منصب اس کو دیا جائے گا، لیکن اس سے بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہر برادری کا ذہن، مزاج، طور طریقہ، عادت وخصلت، رہن سہن یکساں نہیں ان میں تفاوت یقینی اور مشاہد ہے۔

شادی کے لئے معاشرت میں توافق بہت قابل رعایت ہے، عمر میں بھی توافق کا لحاظ کیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے حضرت فاطمہؓ سے نکاح کا پیغام دیا تو حضرت رسول

مقبول ﷺ نے عمر میں توافق نہ ہونے کی وجہ سے عذر فرمایا، مگر یہ شرط لازم نہیں، صحت وقوت وغیرہ کی وجہ سے اس کو نظر انداز بھی کردیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت علیؓ نے اپنی لڑکی کا عقد حضرت عمرؓ سے کردیا تھا۔

مال کے اعتبار سے بھی توافق دیکھا جاتا ہے، چنانچہ حضور اکرم ﷺ سے ایک عورت نے مشورہ کیا کہ فلاں شخص نے پیغام دیا ہے، تو ارشاد فرمایا کہ اس کے پاس مال کم ہے، توافق نہیں۔

مزاج کے اعتبار سے بھی توافق کا لحاظ ہوتا ہے، جیسا کہ ایک صاحب کا مزاج سخت تھا ان کے پیغام کو قبول کرنے کا مشورہ نہیں دیا گیا۔

لون وجمال کی بھی رعایت ثابت ہے، تجارت، دباغت، زراعت، خیاطت، حجامت، حیاکت وغیرہ پیشوں اور مشاغل کے بھی خصوصی اثرات ہوتے ہیں، بعض قبائل کے بھی کچھ خواص بیان کئے گئے ہیں، کبھی لڑکے میں ایسا علم اور اخلاق کا جوہر بھی ہوتا ہے، جس کی وجہ سے دیگر امور کی رعایت نہ کرنے پر بھی مصالح نکاح منتظم ہوجاتے ہیں (فتاویٰ محمودیہ ۳/ ۲۳۰، ۲۳۱)۔

عورتوں کے لئے کفاءت کی ضرورت:

کفاءت کا اعتبار عورتوں کے لئے ہے، مردوں کے لئے نہیں، اس کا مطلب یہ ہے کہ کفاءت مردوں کی جانب عورتوں کے لئے معتبر ہے، اور عورتوں کی جانب مردوں کے لئے معتبر نہیں، خاص طور پر مردوں کی جانب کفاءت کا اعتبار کرنے کے متعلق ہی نصوص وارد ہوئی ہیں، اور جس مقصد کے لئے کفاءت مشروع ہوئی ہے، اس سے بھی مردوں کی جانب اعتبار کرنے کی تعیین ہوتی ہے، اس لئے کہ عورت ہی نفرت کرتی ہے نہ کہ مرد، کیونکہ وہی فراش بنتی ہے، شوہر تو فراش بناتا ہے، لہذا اس کو عار لاحق نہیں ہوتی (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۰)۔

معزز خاتون اپنے سے کمتر شوہر کا فراش بننے سے انکار کرے گی، اسی لئے عورت کی جانب کفاءت کا اعتبار نہیں کیا گیا، کیونکہ شوہر تو فراش بنانے والا ہے، اس کو فراش کا کمتر ہونا نفرت پر آمادہ نہیں کرے گا (درمختار علی ہامش ردالمحتار ۲/ ۳۱۷)۔

عورت شوہر کی ماتحت بن جاتی ہے اور شوہر مالک ہوجاتا ہے، "لأن النکاح رق للمرأة والزوج مالک" (شامی ۲/۳۱۷)۔

ظاہر ہے کہ عورت اپنے کو برتر سمجھتے ہوئے کمتر کے ماتحت رہنے سے نفرت کرے گی، لہذا مرد کا اس کے ہم مرتبہ ہونا ضروری ہے۔

کفاءت کس کا حق ہے؟

کفاءت عورت اور ولی دونوں کا حق ہے، اگر عورت نے ولی کی رضامندی کے بغیر ایسے شخص سے نکاح کرلیا جو کفو نہیں تو اولیاء کو اعتراض کا حق حاصل ہے، کیونکہ کفاءت اولیاء کا حق ہے، وہ اس سے استفادہ کرتے ہیں، داماد کے نسب کی بلندی و برتری سے فخر کرتے ہیں اور اس کے نسب کی کمتری سے عار محسوس کرتے ہیں، ان کو اس رشتہ سے ضرر ہوگا، لہذا اعتراض کے ذریعہ ان کو اپنے نفسوں سے ضرر دفع کرنے کا حق ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۸، ردالمحتار ۲/ ۳۱۸)۔

جب عورت نے اپنا نکاح ولی کی بغیر اجازت کرلیا تو اس وقت کفاءت میں اس کا حق باقی نہیں رہا، کیونکہ وہ اپنا حق کفاءت ساقط کرنے پر راضی ہوگئی، لہذا اب صرف ولی کا حق ہی باقی رہا۔

علامہ شامی نے فرمایا ہے: "الا تفاق علی أنه حق لکل منهما" اس پر سب کا اتفاق ہے کہ کفاءت عورت اور ولی دونوں کا حق ہے۔

ولی کو خود نکاح فسخ کرنے کا اختیار نہیں، البتہ ولی عدالت شرعیہ میں نکاح فسخ کرانے کے لئے استغاثہ کرے گا، اور قاضی صاحب ولی کی درخواست پر تحقیق کے بعد نکاح فسخ کردیں گے۔

غیر کفو میں بالغہ کا نکاح:

حضرت فقیہ الامت تحریر فرماتے ہیں: اگر عاقلہ بالغہ نے اپنا نکاح کفو میں مہر مثل پر کیا

ہے، تو وہ شرعاً نافذ اور درست ہے، امام ابوحنیفہؒ کا بھی یہی مذہب ہے، اور امام ابو یوسف کا قول ظاہر الروایہ میں یہی ہے، اور انہوں نے قول اول سے رجوع کیا ہے، جو یہ ہے کہ بغیر ولی کے نکاح منعقد نہیں ہوتا، جبکہ اس کا کوئی ولی ہو، تیسرا قول یہ ہے کہ اگر کفو میں کیا ہے تو جائز ہے ورنہ نہیں، اس سے بھی رجوع کیا اور فرمایا کہ زوج کفو ہو یا نہ ہو ہر صورت درست ہے۔

امام محمد کے نزدیک یہ نکاح ولی کی اجازت پر موقوف رہتا ہے، پھر ان سے بھی شیخین کے قول کی طرف جو کہ ظاہر الروایہ ہے رجوع مروی ہے، لہٰذا ظاہر الروایہ میں ہمارے ائمہ ثلاثہ کا قول متفق علیہ یہی ہے کہ نکاح درست اور نافذ ہے، پھر اس متفق علیہ قول کے خلاف فتوی دینا شرعاً درست نہیں، مبسوط میں بعض علماء کا قول نقل کیا ہے، معلوم نہیں کہ وہ حنفی ہیں یا غیر حنفی، جیسے کہ آئندہ قول اصحاب ظواہر کا درج ہے، پھر یہ کہ اس پر نہ کسی کا فتوی نقل کیا ہے نہ اس کو کسی دلیل سے مبرہن کیا ہے، ایسے قول پر فتوی دینا قواعد افتا کے خلاف ہے، کما صرح ابن عابدین فی عقود رسم المفتی۔

غلط بیانی اور دھوکہ دہی سے کیا ہوا نکاح:

اگر کسی شخص نے عورت سے نکاح کرنے کے لئے اس جیسا نسب ظاہر کیا، پھر اس کے خلاف اس کا نسب معلوم ہوا تو معاملہ ان صورتوں میں دائر ہوگا۔

یا تو چھپایا ہوا نسب ظاہر کئے ہوئے کے مثل ہوگا، یا اس سے اعلی ہوگا یا ادنی ہوگا، اگر دونوں نسب ایک دوسرے کے مثل ہوں تو اس عورت کو اختیار نہیں، اس لئے کہ وہ ادنی پر رضامند تھی، تو اعلی پر بدرجہ اولی راضی ہوگی اور اگر ادنی نسب ظاہر ہوا تو اس کو اختیار ہے (بدائع الصنائع ۳۲۱/۲)۔

علامہ شامی نے مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ زوج نے اگر دوسرا نسب ظاہر کردیا پھر اس سے کمتر نسب ظاہر ہوا حالانکہ وہ کفو نہیں ہے، تو فسخ کا حق سب کے لئے ثابت

ہے اور اگر کفو ہے تو فسخ کا حق صرف عورت کو حاصل ہے، اولیاء کو نہیں، اگر اس سے اہلی ظاہر ہوا جس کی اس نے خبر دی تھی تو کسی کو فسخ کا حق نہیں، امام ابو یوسف کے نزدیک عورت کو اس صورت میں فسخ کا حق حاصل ہے، کیونکہ ممکن ہے عورت اس کے ساتھ ٹھہرنے سے عاجز رہے (شامی ۴/ ۵۹۸)۔

غیر کفو میں نکاح کی صورت میں اولیاء عدالت شرعیہ میں دعوی دائر کر کے نکاح فسخ کرانے کا مطالبہ کریں، قاضی صاحب تحقیقات کے بعد نکاح فسخ کر دیں گے۔

مسئلہ کفاءت اور اسلام

مولانا مبارک حسین ندوی ☆

۱- میاں بیوی کے تعلقات کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار اور استوار بنانے اور زوجین میں زیادہ سے زیادہ محبت ومودت پیدا کرنے کے لئے شریعت نے نکاح میں دوسرے قیود کے ساتھ یہ بھی قید لگادی ہے کہ رشتہ ازدواج قائم کرنے میں دینی، معاشی اور معاشرتی مناسبت کا بھی لحاظ رکھا جائے ورنہ اس رشتہ میں استواری اور خوشگواری پیدا ہونا مشکل ہے اور جب یہ بات پیدا نہ ہوگی تو نکاح کا اصل مقصد ہی فوت ہوجائے گا، اسی مناسبت وبرابری کو اسلامی شریعت میں کفاءت کہتے ہیں۔

۲- اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے۔ ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ، امام شافعی اور امام احمد بن حنبلؒ پانچ چیزوں کا لحاظ کرتے ہیں:

۱- اسلام: جس کے باپ، دادا دونوں مسلمان ہوں، لیکن پردادا مسلمان نہ ہوتو وہ شخص اس عورت کا کفو سمجھا جائے گا، جس کے کئی پشتیں مسلمان ہوں، جو شخص خود مسلمان ہوگیا اس کا باپ کافر تھا وہ شخص اس عورت کا کفو نہیں جو خود مسلمان ہو اور اس کا باپ بھی مسلمان ہو مگر اس کا دادا مسلمان نہیں ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴؍۵۷)۔

فتاوی ہندیہ میں ہے کہ اسلام کی برابر کا اعتبار وہاں کے لوگوں کے لئے نہیں ہے جہاں نومسلم ہونا عیب نہیں سمجھا جاتا۔

☆ نیپال۔

۲-دیانت: دیانت وتقوی میں برابری کا مطلب یہ ہے کہ ایک آدمی تو صرف عقیدہ کے اعتبار سے مسلمان ہے، مگر اس کا عمل، عقیدہ اور فکر کے خلاف ہے یا مخالف ہے تو وہ لڑکی یا لڑکا اس لڑکی یا لڑکے کا کفو نہیں جو دینی، علمی اور ذہنی ہر اعتبار سے مسلمان ہے اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ:

''أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا لا يستون'' صاحب ہدایہ لکھتے ہیں کہ امانت اور تقوی سب سے عزت اور فخر کی چیز ہے، عورت کے لئے شوہر کے کم نسب ہونے میں جتنا عار نہیں، اس سے زیادہ اس کے فاسق اور بے عمل ہونے میں عار ہے (حوالہ ہدایہ ۲/۳۰۱)۔

۳-نسب: نسب کے شرف اور اس کی فضیلت کا اعتبار ہے، اگر کوئی سید، صدیقی، فاروقی خاندان ہے اور اسی میں نکاح کرتا ہے تو کوئی حرج نہیں، مگر یہ شرافت اور فضیلت دائمی نہیں بلکہ اضافی ہے، شرعی نقطۂ نظر سے نسب کا یہ شرف اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک اس میں شرف وفضیلت کے اوصاف باقی رہیں، جن فقہاء نے اس کا اعتبار کیا ہے انہوں نے بھی اس کو دائمی چیز نہیں سمجھا ہے، چنانچہ درمختار میں لکھا ہے کہ اگر چمڑا پکانے والا اپنا پیشہ چھوڑ کر تجارت کرنے لگے تو اگر وہ خصوصیات جن کی بناپر اس کی حیثیت کو کمتر سمجھا جاتا ہے اس میں باقی نہ رہیں تو وہ کسی بھی تاجر کا کفو ہوسکتا ہے (حوالہ درمختار ۲/۴۹۸)۔ علم کا شرف نسب کے شرف سے بڑھا ہوا ہے، جیسا کہ قرآن پاک میں ارشاد باری ہے:

''هل يستوى الذين يعلمون والذين لا يعلمون'' سے ظاہر ہوجاتا ہے، صاحب درمختار نے لکھا ہے کہ اسی رائے کو ابن ہمام اور فتح القدیر اور صاحب النہر وغیرہ نے بھی اختیار کیا ہے۔

۴-مال: کفو کے سلسلہ میں مال کا اعتبار ہے، اگر لڑکی مالدار ہے تو حتی الامکان اس کا رشتہ کسی مفلس ونادار وبے صلاحیت کے ساتھ نہ کرنا چاہئے، مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب تک کوئی مالدار لاکھ پتی لڑکا نہ ملے اپنی لڑکی نہ دے، بلکہ اس سے مراد صرف اتنا ہے کہ وہ

لڑکا مہر ادا کرنے اور خرچ چلانے پر قدرت رکھتا ہو تو وہ ہر عورت کا کفو ہوسکتا ہے، فتاوی عالمگیری اور فتح القدیر میں ہے:

"الصحيح أنه إذا كان قادرا على النفقة على طريق الكسب" (صحیح یہ ہے کہ جب وہ کما کر بیوی کو کھلانے پلانے اور پہنانے پر قادر ہو تو وہ اس کا کفو ہے)۔

۵-حرفت: اسلامی نقطۂ نظر سے کسی بھی پیشہ کے ساتھ عزت یا ذلت چمٹی ہوئی نہیں ہے، "إن الحرفة ليست بلازمة، ويمكن التحول من الخسة إلى النفيسة" (پیشہ کسی کے ساتھ ہمیشہ چمٹا نہیں رہتا، بلکہ ایک آدمی معمولی پیشہ چھوڑ کر دوسرا کوئی اچھا کام کرسکتا ہے) (ہدایہ ۲/ ۳۰۱)۔

اگر کسی جگہ دو مختلف پیشہ کرنے والے عزت یا ذلت کے اعتبار سے مساوی سمجھے جاتے ہوں تو وہاں ان دونوں پیشوں کے کرنے والے باہم کفو ہوں گے اور جہاں مساوی نہ سمجھے جاتے ہوں وہاں ایک دوسرے کے کفو نہ ہوں گے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۵۸)۔

امام مالکؒ کا نقطۂ نظر:

امام مالکؒ کہتے ہیں کہ "الكفاءة في النكاح المماثلة في أمرين: ۱-التدين بأن يكون مسلما غير فاسق ۲-السلامة من العيوب التي توجب للمرأة الخيار في الزوج"۔

اسلام میں اگر کسی انسان کو عزت وشرافت کا مستحق قرار دیا گیا ہے، تو وہ دین اور تقوی کے لحاظ سے ہے، اس بات کو نبی کریم ﷺ نے واضح طور پر حجۃ الوداع کے موقع پر لاکھوں انسانوں کے مجمع میں فرمایا تھا کہ اے لوگو! خبردار تمہارا رب ایک ہے اور تم سب کے باپ بھی ایک ہیں، یاد رکھنا کسی عربی کو عجمی پر نہ کسی عجمی کو عربی پر فوقیت ہے، نہ کالے کو گورے پر نہ گورے کو کالے پر مگر تقوی سے (ابوداؤد)۔

اس سے معلوم ہوا کہ اصل چیز تقوی ہے، مگر یہ نہیں کہ امام شافعیؒ اس کے علاوہ دوسری چیزوں کا لحاظ نہیں کرتے، البتہ وہ کہتے ہیں کہ اگر دین کے ساتھ حسب ونسب اور مال ودولت بھی جمع ہوجائیں، تو کوئی حرج نہیں اس لئے کہ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے: عورت یا تو اپنے دین واخلاق کی خوبی کی بناپر پسند کی جاتی ہے، یا مال ودولت کی بناپر یا حسن وجمال کی بناپر تم دین واخلاق والی عورت کو نکاح کے لئے منتخب کرو (مسلم وترمذی)۔

۳: الف- شریعت میں نسب کا اعتبار ہے (المغنی ۶/ ۴۸۳)۔

ب- نسب کی برابری صرف عربی النسل لوگوں میں معتبر ہے، ان کے علاوہ اور لوگ نسب میں مختلف ہونے کی وجہ سے کفونہ کہلائیں گے، عرب میں تمام قریش برابر ہیں خواہ اگر کوئی عدوی ہو کوئی تیمی، کوئی نوفلی۔ غیر قریشی قریشی کا کفونہیں اور غیر قریشی ایک دوسرے کے کفو ہیں، غیر عربی النسل عربی النسل کا کفونہیں ہوگا۔

امداد الفتاوی میں ہے کہ روایت حدیثیہ وفقہیہ سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت عمرؓ کا قول صحیح ہے اور یہ کہ معنی اس کا عرف پر ہے جس کا حدیث میں بھی اعتبار کیا گیا ہے، اور یہ بھی معلوم ہوا کہ باہم عجم میں جو نسبا کفاءت معتبر نہ ہونا فقہاء نے لکھا ہے یہ بھی مفید ہے اس کے ساتھ کہ جب عرف میں اس کفاءت کا اعتبار نہ ہو ورنہ ان میں بھی باعتبار نسب وقومیت کے معتبر ہوگا (امداد الفتاوی ۲/ ۳۶۸)۔

۴- کفاءت کے سلسلہ میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کا اعتبار تھا اور ہے، مگر موجودہ حالات میں جبکہ غیر مسلموں کو اسلام کی طرف مائل اور قبول اسلام کرنے کے بعد ان کی شادی بیاہ کا معاملہ اسلامی دعوت کے لئے رکاوٹ بن رہا ہے، اس بناپر اگر اس شرط کا لحاظ نہ رکھا جائے تو فتنے ختم ہو کر تبلیغ دین کی راہ ہموار ہوسکتی ہے۔

۵- دور حاضر میں کفاءت کے مسئلہ کو زیادہ اہم نہیں بنانا چاہئے، خاص طور سے ان علاقوں اور ماحول میں جبکہ بہت سی بچیاں انہیں پیچیدگیوں کی وجہ سے کافی عمر ہونے کے باوجود

شادی نہیں کر پاتیں ہیں، اور اس کے نتیجے میں بہت سے مفاسد پیدا ہوتے ہیں، اب اگر ہمارا مسلم معاشرہ ان مسائل سے اوپر اٹھ کر سونچے اور عملی جامہ پہنانے کے لئے اٹھے تو انشاء اللہ بہت سے مسائل خود بخود دور ہو جائیں گے، اس سلسلہ میں اگر تعلیم واخلاق وتدین کو مدنظر رکھ کر مسائل حل کئے جائیں تو انشاء اللہ خیر ہی خیر ہوگا۔

۶- کفاءت کا اعتبار صرف مرد کی طرف سے کیا جائے گا، یعنی مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے، عورت اگر مرد کی کفو نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

۷: الف- کفاءت کا حق ولی کو ہے مگر شرط یہ ہے کہ عصبہ ہو اگر چہ غیر محرم ہو۔

ب، ج- ایک قول کے مطابق نکاح ہو جائے گا اور ولی کو فسخ نکاح کا حق ہوگا، دوسرا قول یہ ہے کہ اگر لڑکی نے اپنا نکاح غیر کفو میں کر لیا اور ولی اس سے راضی نہیں ہے تو نکاح ہی نہیں ہوگا، اس لئے کہ کفاءت صحت نکاح کے لئے شرط ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۶۱/۴)۔

۸- مرد نے نکاح کرتے وقت عورت سے یا اس کے ولی سے کہا ہو کہ میں تمہارا کفو ہوں اور بعد میں اس کا غیر کفو ہونا ظاہر ہوا ہو تو عورت اور اس کے اولیاء دونوں کو نکاح فسخ کرا دینے کا حق حاصل ہوگا (درمختار بحوالہ امداد الفتاوی)۔

مسئلہ کفاءت کی شرعی حیثیت

مفتی محمد احسان قاسمی ☆

۱: الف - حقیقت کفاءت:

لغت میں کفاءت کے معنی مساوات و برابری کے ہیں، اور اصطلاح فقہاء میں نسب، آزادی اور اسلام لانے کے اعتبار سے، اسی طرح دینداری، مالداری اور پیشہ کی حیثیت سے شوہر کے بیوی سے اعلی یا برابر ہونے کو کفاءت کہتے ہیں۔ رد المحتار میں قہستانی سے منقول ہے:

"الکفاءۃ لغۃ المساواۃ، وشرعا مساواۃ الرجل للمرأۃ فی الأمور الآتیۃ" (رد المحتار ۳/ ۸۵، کذا فی البحر ۳/ ۱۲۷، الموسوعۃ الفقہیہ ۳۰/ ۲۱۹)۔

ب - مصالح کفاءت:

دو شخصوں میں ازدواجی رشتہ کے قائم ہوجانے کے بعد شریعت میں اس کا بقاء واستحکام مطلوب ہے، اور عورت سماج ومعاشرہ میں زیادہ کمتر مرد کے تحت رہنا گوارا نہیں کرتی، نیز زوجین کے مابین اخلاق وعادات اور طرز معاشرت میں اگر غیر معمولی تفاوت ہو تو ان کا تا دیر ایک ساتھ رہ کر خوشگوار زندگی گزارنا عادۃً بھی مشکل ہے، اس لئے شریعت نے کفاءت کو ملحوظ رکھا ہے، تا کہ رشتۂ زوجیت حتی الامکان مستحکم ہو سکے (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۴)۔

۲ - نکاح میں نفس کفاءت کو اکثر فقہاء نے معتبر قرار دیا ہے، البتہ امام مالک، امام

☆ دار العلوم وقف دیوبند۔

کرخی، سفیان ثوری، حسن بصری اور ابوبکر جصاص رحمہم اللہ نفس کفاءت ہی کے ملحوظ رکھے جانے کے قائل نہیں (ردالمحتار لابن عابدین ۳/۸۶)۔

جن کے نزدیک نفس کفاءت ہی معتبر نہیں ان کی دلیل وہ روایات ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عدم کفاءت کے باوجود نکاح کا حکم صادر فرمایا اور اگر کفاءت کا لحاظ ضروری ہوتا تو رسول اللہ ﷺ یہ حکم صادر نہ فرماتے۔

جو حضرات نفس کفاءت کو معتبر قرار دیتے ہیں، ان کی دلیل درج ذیل حدیث ہے:

روي عن رسول الله ﷺ أنه قال: "لا يزوج النساء إلا الأولياء، ولا يزوجن إلا من الأكفاء" (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۴)۔

کفاءت کو معتبر قرار دینے والے فقہاء کرام نے تتبع وغور وخوض کے بعد چھ چیزوں میں کفاءت کو ملحوظ رکھا ہے: ۱-نسب (جو عرب کے لئے منصوص بھی ہے)، ۲-قدیم الاسلام وجدید الاسلام ہونا، ۳-حرفہ وپیشہ، ۴-آزادی کا تقدم وتأخر، ۵-دیانت، ۶-مالی حیثیت، نسب اور مسلمان ہونے میں تقدم وتأخر کی وضاحت تو مابعد کے جوابات میں آرہی ہے۔ تیسری چیز پیشہ ہے، اگر کوئی شخص اپنے ہاتھ سے ایسا پیشہ کرتا ہے جس کو عرف میں گھٹیا وباعث عار سمجھا جاتا ہو تو ایسا شخص اس شخص کا کفو نہیں جس کا پیشہ اس سے اچھے درجہ کا ہو، لیکن آج کے دور میں اکثر کام عموماً مشینوں کے ذریعہ انجام پاتے ہیں، مثلاً جولاہے کا پیشہ ہے جس کو قدیم فقہاء نے باعث عار قرار دیا ہے، لیکن آج جگہ جگہ پاورلوم ہیں، بڑی بڑی مشینوں کے ذریعہ اور بڑے پیمانہ پر کپڑے کی بنائی ہورہی ہے جو باعث عار ہونے کے بجائے باعث فخر وعزت ہے، ایسی صورت میں اگرچہ وہ گھرانہ اس پیشہ کی طرف منسوب ہو لیکن باعث عار نہ ہو کر اس میں وہ بحث باقی نہیں رہنی چاہئے جو قدیم فقہاء کے یہاں ان کے عرف کی وجہ سے ملتی ہے، اور اسی طرح دیگر پیشوں کو بھی اسی تناظر میں متعین کیا جانا چاہئے (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۸)۔

چوتھی چیز آزادی ہے، جس میں تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی کے باپ دادا آزاد ہوں تو وہ

اس کا بھی کفو ہے جس کی متعدد نسلیں آزاد چلی آتی ہوں، اگر کوئی خود آزاد ہو تو وہ اس کا کفو نہیں جس کا صرف باپ آزاد ہو اور جس کا صرف باپ آزاد ہو وہ اس کا کفو نہیں جس کا دادا بھی آزاد ہو (فتاویٰ ہندیہ ۱/ ۲۹۰، البدائع ۲/ ۶۲۷)۔

پانچویں چیز دیانت ہے، امام اعظمؒ وامام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ کسی کے فسق سے عار کا ہونا زیادہ سخت ہے دوسری چیزوں سے عار ہونے کے مقابلہ میں اور نسب وحریت وغیرہ پر فخر کئے جانے کے بالمقابل دینداری پر فخر کیا جانا زیادہ اہم ہے، اس لئے ان کے نزدیک دیانت میں بھی کفاءت کا اعتبار ہے اور دیندار کسی فاسق کا کفو نہیں ،کوئی عاقلہ بالغہ اگر صالح ہو اور صالح ودیندار گھرانے سے تعلق رکھتی ہو اور وہ کسی فاسق سے نکاح کرے تو اس کے اولیاء کو حق ہوگا کہ وہ اس نکاح پر اعتراض کر کے فسخ کا دعویٰ پیش کردیں۔ البتہ امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ فسق دو طرح کا ہے ایک تو وہ جس کو دنیا میں بھی باعث عار سمجھا جاتا ہو کہ لوگ اس فاسق سے بر بناء فسق مسخرہ پن کرتے ہوں، اس پر ہنستے اور اس سے تفریح لیتے ہوں، یا اس سے فسق کی وجہ سے دور رہنا پسند کرتے ہوں وغیرہ تو ایسے فسق کی وجہ سے وہ فاسق کسی صالح ودیندار کا کفو نہیں ہوگا، اور ایک فسق وہ ہے جس کا تعلق صرف آخرت سے ہو، یا فسق کے ساتھ ساتھ اس شخص کو کوئی اعلیٰ مرتبہ ومنصب حاصل ہوگیا ہو جس نے اس کے اندر رعب ودبدبہ پیدا کردیا ہو تو وہ شخص صالح گھرانہ کا کفو ہوگا اور اس کے فسق کا معاملہ آخرت پر چھوڑ دیا جائے گا۔

چھٹی چیز مالی حیثیت وثروت ہے۔ اس سلسلہ میں حنفیہ کا مسلک، امام شافعیؒ کا مسلک، امام مالک کا ایک قول اور امام احمد بن حنبلؒ کی روایت یہ ہے کہ کفاءت میں مالی حیثیت کا اعتبار ہے اور فقیر مالدار عورت کا کفو نہیں ہے، ان کی دلیل یہ ہے کہ عادۃً مال پر بہت زیادہ فخر کیا جاتا ہے، نکاح کا مال (مہر ونان ونفقہ) سے خاص جوڑ ہے اور مالدار عورت کو اگر غریب شوہر ملے تو وہ اس کی پریشانی کا باعث ہوسکتا ہے، نیز نبی اکرم ﷺ کا فرمان ہے: **"الحسب المال"** (ترمذی)، الحاصل متعدد وجوہات کی وجہ سے عرف میں غربت وفقر کو باعث عار اور

مالداری کو باعث افتخار سمجھا جاتا ہے، اس لئے کفاءت میں ثروت معتبر ہے، اور اس سلسلہ میں امام مالکؒ کا قول، بقول نووی امام شافعیؒ کا صحیح مسلک اور حنابلہ کی ایک روایت یہ ہے کہ مال آنے جانے والی اور ختم ہونے والی چیز ہے، اہل نظر ومروت کے یہاں مال باعث افتخار نہیں ہے، اس لئے کفاءت میں مال کا کوئی اعتبار نہیں (الموسوعہ ۳۴/۲۹۴)۔

۳- نسب:

شرعاً نفس نسب میں کفاءت معتبر ہے اور یہ منصوص بھی ہے (بدائع الصنائع ۲/۳۱۶)۔

لیکن بیشتر عجمیوں کے انساب پورے طور پر محفوظ نہ رہنے کی وجہ سے اور عجمی ممالک کے عموماً عنوۃً فتح ہونے کی وجہ سے بہت سے اہل عجم کو اہل عرب کے آزاد کردہ غلاموں کی حیثیت حاصل ہوجانے کے باعث نسبی کفاءت اہل عجم میں معتبر نہ رہ کر اہل عرب کے لئے خاص رہ گئی (البحر الرائق ۳/۱۳۱، ردالمحتار ۳/۸۶، الہندیہ ۱/۲۹۰)۔ اسی وجہ سے اہل عجم میں نسب پر فخر وعار کا معاملہ ایک وقت میں باقی نہ رہا۔

۴- اسلام میں تقدم وتأخر:

اہل عجم قدیم الاسلام ہونے کے باعث فخر اور جدید الاسلام ہونے کو اس سے کم وکمتر سمجھتے ہیں، اسی لئے کفاءت میں قدیم الاسلام وجدید الاسلام ہونے کا اعتبار کیا گیا ہے۔

۵- جن چھ چیزوں میں فقہاء کرام نے کفاءت کا اعتبار کیا ہے، آج کے دور میں بھی انہیں چیزوں میں کفاءت کا لحاظ کیا جانا رشتۂ زوجیت کے استحکام کے لئے مناسب ہے، لیکن ان چھ چیزوں کی تفصیلات میں افراط وتفریط جو عام ہے اس کو مذکورہ بالا وضاحت کی روشنی میں دور کیا جانا ضروری ہے۔

۶- کفاءت کا اعتبار صرف عورت کے بارے میں کیا جائے گا کہ مرد اس سے کمتر نہ ہو، اس لئے کہ عورت ہی کو کسی کمتر کا فراش بننے میں عار ہوتی ہے، برخلاف مرد کے کہ وہ مستفرش

وبحیثیت حاکم کے ہوتا ہے (شامی ۳/ ۸۴)۔

۷- بالغہ لڑکی کے نکاح کی صورت میں کفاءت صرف اولیاء کا حق ہے، لڑکی کا نہیں (درمختار علی ردالمحتار ۳/ ۸۵۹)۔

اور اگر عاقلہ بالغہ خاتون ولی کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کر لے، تو امام اعظمؒ اور امام زفرؒ کا مسلک، امام ابو یوسفؒ کا قول اول اور امام محمدؒ کا مرجوع الیہ قول یہ ہے کہ یہ نکاح منعقد ودرست ہو جائے گا۔ البتہ غیر کفو کی عار سے بچنے کے لئے اس کے اولیاء کو اعتراض کا حق باقی رہے گا کہ وہ اس نکاح پر اعتراض کر کے بذریعہ قاضی اس کو فسخ کرا سکتے ہیں۔

"الحرة العاقلة البالغة إذا زوجت نفسها من رجل جاز في قول أبي حنيفة وزفر وأبي يوسف الأول سواء زوجت نفسها من كفوء أو غير كفوء الخ، وروي عن محمد أنه رجع إلى قول أبي حنيفة" (بدائع الصنائع ۲/ ۵۱۳)۔

۸- اگر کسی شخص نے اپنے حسب ونسب میں غلط بیانی سے کام لے کر کسی لڑکی سے نکاح کرلیا، بعد میں یہ حقیقت سامنے آئی کہ یہ شخص بیان کردہ تفصیلات کے مقابلہ میں حسب ونسب میں اور بھی زیادہ اہم ہے تو کسی کو کوئی حق فسخ نہیں، اور اگر نسب میں بھی بیان کردہ تفصیلات سے کم ہو اور غیر کفو بھی ہو، تو لڑکی اور اس کے اولیاء کو خیار فسخ حاصل ہوگا، اور اگر کفو ہو تو صرف لڑکی کو خیار فسخ حاصل ہوگا۔

شامی میں ہے: "لو انتسب الزوج لها نسبا غير نسبه فإن ظهر دونه وهو ليس بكفوء فحق الفسخ ثابت للكل، وإن كان كفوءا فحق الفسخ لها دون الأولياء، وإن كان ما ظهر فوق ما أخبر فلا فسخ لأحد" (ردالمحتار ۳/ ۸۵)۔

اسلام میں کفاءت کی شرعی حیثیت

مولانا فیاض عالم قاسمی ☆

۱-کفاءت کے معنی برابری کے ہیں قرآن پاک میں بھی کفو کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو برابری کے معنی میں ہے "ولم یکن له کفوا أحد"۔

لیکن فقہاء کے یہاں "کفاءت" کہتے ہیں: "مساواة الرجل للمرأة أو کون المرأة أدنی" (مرد عورت کے برابر کا ہو یا اس سے فائق ہو)۔

شریعت اسلامی میں کفاءت کی کیا حقیقت ہے، اور نکاح میں کفاءت کو مشروع قرار دینے کے مصالح کیا ہیں؟

روایات وآثار سے مسئلہ کفاءت ثابت ہے، اس لئے نکاح میں کفاءت کی رعایت بہتر ہے، اور کفاءت کو مشروع قرار دینے کی مصلحت یہ ہے کہ رشتۂ نکاح کا اصل مقصد دوام اور تعلق کو برقرار رکھنا ہے، اور بیوی پر شوہر کی اطاعت وفرمانبرداری اور شوہر پر حسن سلوک لازم ہے، اور یہ سب چیزیں اسی وقت پائی جاسکتی ہیں جبکہ نکاح میں کفاءت کا خیال رکھا جائے، اگر کفاءت کا خیال نہیں رکھا گیا تو یہ مقصد فوت ہوجائے گا۔

فقہاء نے مجموعی حیثیت سے سات چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے: نسب وخاندان، آزادی، اسلام، دیانت وتقوی، مال، صنعت وپیشہ، حسب۔

☆ مہاراشٹر۔

کفاءت فی النسب :

امام اعظم، امام شافعی اور ایک قول کے مطابق امام احمدؒ نسب میں کفاءت کے قائل ہیں، امام مالک نسب میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں۔

جولوگ نسب میں کفاءت کے قائل ہیں، انہوں نے نسب کے اعتبار سے پوری دنیا کو تین درجات میں تقسیم کیا ہے:

۱-قریش ایک دوسرے کے کفو ہیں، چاہے جیسے ہوں حتی کہ جو قریشی ہاشمی نہیں ہے وہ ہاشمی کا کفو ہے، ۲-قریش کے علاوہ بقیہ تمام عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، ۳-غیر عرب یعنی عجم جس کو موالی بھی کہا جاتا ہے، یہ سب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

جولوگ نسب میں کفاءت کے قائل ہیں ان کے دلائل یہ ہیں:

۱-"قريش بعضهم أكفاء لبعض"۔

۲-"إن الله اصطفى كنانة من ولد إسماعيل، واصطفى من كنانة قريشا، واصطفى من قريش بني هاشم وا صطفاني من بني هاشم"۔

۳-عن أبي إسحقاق الهمداني قال: "خرج سليمان وجرير في سفر فاقيمت الصلوة، فقال جرير لسليمان: تقدم أنت، قال سليمان: بل أنت، فأنكم معشر العرب لانتقدم عليكم في صلوتكم ولا ننكح نساءكم، إن الله فضلكم علينا بمحمد ﷺ وجعله فيكم"۔

۴-حضرت عمرؓ کا قول: "لأمنعن فروج ذوات الاحساب إلامن الأكفاء، قال: قلت ماالأكفاء؟ قال: في الأحساب"۔

۵-اگر شادی میں کفاءت کا خیال نہ رکھا جائے تو عورت احساس برتری میں مبتلا ہوجائے گی اور شوہر کے ماتحت رہنے میں شرم وعار محسوس کرے گی، اس طرح رشتۂ نکاح کا مقصد فوت ہوجائے گا۔

جولوگ نسب میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں ان کے دلائل:

۱-اسلام مساوات وبرابری کا درس دیتا ہے، اسلام جس طرح قوم پرستی اور وطن پرستی سے بالاتر ہے، اسی طرح نسب پرستی اور آباء پرستی کا بھی مخالف ہے، خاندان وقبیلہ کا وجود اسلام میں اس لئے نہیں ہے کہ اس کی وجہ سے باہم اونچ نیچ، برتر وکمتر کا تصور کیا جائے **بلکہ یہ تو تعارف** کے لئے ہے۔

۲-قرآن پاک میں کہیں بھی کفاءت کا اعتبار کرنے کی طرف کوئی آیت موجود نہیں ہے، جبکہ متعدد آیات ایسی ہیں جو خاندان وغیرہ میں کفاءت کے تصور کو رد کرتی ہیں: **"إنما المؤمنون إخوة"، "المؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض"**۔

۳-نبی کریم ﷺ نے بنو بیاضہ کو حکم دیا کہ اپنی خاتون کا نکاح ابو ہند سے کریں، لوگوں نے کہا: کیا ہم اپنی بیٹیاں اپنے غلام سے بیاہ دیں، اس موقع پر یہ آیت نازل ہوئی، **"یا أیها الناس إنا خلقناکم......الخ"** اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ آیت کفاءت کے تصور کو ختم کرنے کے لئے نازل ہوئی ہے۔

۴-آپ ﷺ کا قول: **"إذا خطب إلیکم من ترضون دینه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوه تکن فتنة في الأرض وفساد عریض"**۔

۵-آپ ﷺ کے ذاتی عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، وہ اس طرح کہ حضرت زید بن حارث جو آپ ﷺ کے غلام تھے ان کی شادی اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے کرائی، اسی طرح حضرت اسامہؓ کی شادی آپ ﷺ نے خود ہی حضرت فاطمہ بنت قیس سے فرمائی۔

خلاصہ یہ کہ کتاب وسنت کی تصریحات اور آثار صحابہ وغیرہ سے یہی اندازہ ہوتا ہے کہ نسب میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہونا چاہئے۔

کفاءت فی الحریۃ یعنی آزادی:

اکثر فقہاء کے نزدیک آزادی اور غلامی میں کفاءت کا اعتبار ہے۔

کفاءت فی الاسلام:

عام فقہاء کے یہاں نومسلم عام مسلمانوں کا کفو ہے، چاہے وہ عرب ہوں یا عجم، جیسا کہ ابن قدامہ نے صراحت کی ہے (المغنی ۷؍۲۰)۔

عربوں کے بارے میں حنفیہ بھی متفق ہیں کہ ان کے درمیان نومسلم اور قدیم الاسلام افراد برابر ہیں، اور ایک دوسرے کے کفو ہیں، لیکن عجمیوں کے بارے میں تفصیل ہے کہ جس شخص نے خود اسلام قبول کیا ہو اور اس کے والدین کافر ہوں۔ وہ امام اعظم ابوحنیفہ ومحمدؒ کے نزدیک ایسے شخص کا کفو نہیں ہے جس کے خاندان میں دو پشتوں سے اسلام ہو۔

دراصل اس مسئلہ میں فقہاء نے اپنے اپنے دور کے حالات اور سماج کے مزاج کو سامنے رکھا ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ اس سلسلہ میں کتاب وسنت میں کوئی بنیاد نہیں ملتی ہے، اور نہ ہی کوئی نص اس پر دلالت کرتی ہے۔

اس لئے موجودہ زمانہ میں اگر قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کے درمیان فرق کو برقرار رکھا گیا تو یہ چیز اسلام کے پھیلنے میں کسی قدر رکاوٹ پیدا کرے گی، اس بنا پر اس مسئلہ میں اس فرق کو ختم کردینا چاہئے۔

کفاءت فی الدین:

کفاءت فی الدین کا مطلب یہ ہے کہ فاسق وفاجر مرد نیک اور صالح عورت کا کفو نہیں ہوسکتا ہے، اب خود لڑکی کے صالح ہونے کا اعتبار کیا جائے یا اس کے خاندان کے صالح ہونے کا، اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، صحیح تو یہ ہے کہ خود لڑکی صالحہ ہو، اگر وہ ایسی نہیں ہے لیکن اس کے خاندان کے لوگ صالح ہیں تو ان دونوں صورتوں میں فاسق مرد اس کا کفو

نہیں ہے۔

"والظاهر أن الصلاح لو منها أو من آباء ها كاف لعدم كون الفاسق كفأالهم" (بحر ۳/۱۳۳)، حاصل یہ کہ دیانت وتقوی میں کفاءت کا اعتبار تقریبا فقہاء کے نزدیک مسلم ہے، چونکہ اس سلسلہ میں روایت بھی موجود ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی وجہ سے نکاح کیا جائے اور رشتہ نکاح میں دینداری کو اہمیت دی جائے۔

"تنكح المرأة بأربع: لمالها، ولحسبها، ولجمالها، ولدينها فاظفر بذات الدين تربت يداك"، دوسری روایت: "إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض" اس لئے دیانت وتقوی واخلاق میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا۔

کفاءت فی المال:

مال میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے، ائمہ ثلاثہ، امام اعظمؒ وامام شافعیؒ، اور ایک قول کے مطابق امام احمدؒ بھی اس کے قائل ہیں، امام مالکؒ مال میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں۔

قائلین کے طرف سے دلیل یہ ہے کہ فاطمہ بنت قیس کو حضرت معاویہؓ نے نکاح کا پیغام دیا، حضرت فاطمہؓ نے آپ ﷺ سے مشورہ کیا تو آپ ﷺ نے ان کی مفلوک الحالی کا ذکر کیا اور حضرت اسامہؓ سے نکاح کا حکم دیا۔

امام مالک کی طرف سے یہ دلیل ہے کہ مال چونکہ آنے جانے والی چیز ہے اس کو ثبات وقرار نہیں ہے، دوسرے یہ کہ دین کی نگاہ میں فقر شرف وعزت کی چیز ہے، اسی لئے تو آپ ﷺ نے اپنے لئے اس کی دعا فرمائی تھی۔

اب جن لوگوں نے مال میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے ان کے یہاں بھی اس کی تحدید میں اختلاف ہے، حنفیہ کے یہاں صحیح قول کے مطابق مالیت میں یکسانیت کا ہونا ضروری ہے، بلکہ اگر

مردمہر مثل اور نفقہ کی ادائیگی پر قادر ہو تو وہ مالدار گھرانہ کا کفو ہے (بدائع ۲؍۳۱۹)۔

حنابلہ کی رائے حنفیہ کی رائے کی طرح ہے (المغنی ۷؍۲۹)۔

شامی نے مزید سہولت نقل کی ہے کہ اگر مہر کی ادائیگی پر قادر نہ ہوتا ہم نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو یہ بھی کفاءت کے لئے کافی ہوگا۔

بہر حال اس زمانہ میں شادی بیاہ میں مالی حیثیت نے جو اہمیت حاصل کرلیا ہے، اور اکثر وبیشتر یہ چیز زوجین کے درمیان احساس کمتری اور برتری کا ذریعہ بن جاتی ہے اور تلخی پیدا کرتی ہے، اس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اگر مالی اعتبار سے اور معاشی حیثیت سے زیادہ فرق ہو تو کفاءت کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔

صنعت وپیشہ میں کفاءت:

فقہاء نے پیشہ کو بھی کفاءت کی بنیاد قرار دیا ہے، امام احمدؒ سے اس سلسلہ میں دو قول منقول ہیں۔ امام اعظم کا مشہور قول یہ ہے کہ صنعت وحرفت اور پیشہ میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے، امام ابو یوسفؒ کے نزدیک ایسے پیشے کے لوگ جن کے پیشے کو حقیر سمجھا جاتا ہے وہ دوسرے پیشہ کے لوگوں کے کفو نہیں ہوسکتے۔

فقہاء نے اس کی تفصیل اس طرح نقل کی ہے کہ ایک ہی پیشہ کے لوگ باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں، اسی طرح دو مختلف پیشوں کے لوگ جن میں زیادہ فرق نہ ہو اور سماج میں قریبی درجہ کے سمجھے جاتے ہوں وہ ایک دوسرے کے کفو ہوں گے (بحر ۳؍۱۴۳)۔

فقہاء متقدمین کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ پیشوں میں وہ دینی اور شرعی قباحتوں کو بھی ملحوظ رکھتے تھے، چونکہ کفاءت کا اصل تعلق عرف سے ہے، اس لئے علامہ شامیؒ کا میلان اسی طرف ہے کہ یہ بات اس زمانہ کی تھی جبکہ خیر کا غلبہ تھا، اور تقوی فخر کی چیز تھی، اب جبکہ دنیا ہی فخر کی چیز ہے تو ایسے لوگوں کو خسیس شمار کرنا قابل غور ہے۔

دراصل صنعت وحرفت وپیشہ میں کفاءت کے سلسلہ میں عرف کو خاص اہمیت دی گئی ہے، اس لئے اگر کوئی پیشہ کسی زمانہ میں یا کسی علاقہ میں شرم وعار کی بات ہوتو ایسا پیشہ والا کسی بھی اعلی پیشہ کے لوگوں کا کفو نہیں ہوگا اور اگر عار کی بات نہ ہوتو کفو ہوگا۔

کفاءت فی الحسب:

حسب سے وہ وجاہت مراد ہے جو کسی خاندان یا فرد کو اس کے علم، عہدہ، حیثیت عرفی اور حکومت واقتدار کی وجہ سے حاصل ہو۔

فقہاء کے یہاں مختلف جزئیات ملتی ہیں جن میں حسب کو کفاءت کے مسئلہ میں اہمیت دی گئی ہے، چنانچہ عجمی عالم کو اس کے علم کی بناپر ہاشمی اور عرب جاہل کا کفو قرار دیا گیا ہے، کیونکہ علم کا شرف نسبی شرف سے بڑھ کر ہے۔ یہ صحیح ہے کہ کسی خاندان کو اپنی علمی خدمات یا جاہ ومنصب، یا حیثیت عرفی کی وجہ سے ایسا مقام حاصل ہوجاتا ہے کہ اگر ایسے خاندان کے لوگوں کا رشتہ ایسے خاندان میں ہوجائے جو ان پڑھ ہو، تو ان دونوں خاندانوں کے رہن سہن، طرز زندگی، معاشرت اور اخلاق میں کافی فرق ہوجاتا ہے جس بناپر ایک خاندان کا دوسرے سے جو تعلق اور نزدیکی ہونی چاہئے، اس میں خلل پیدا ہوجاتا ہے، اور اگر رشتہ ہوچکا ہے تو احساس کمتری اور برتری کی وجہ سے رشتۂ نکاح میں ناچاقی پیدا ہوتی ہے، اس لئے حسب کے سلسلہ میں کفاءت کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔

فقہاء نے کفاءت کے بارے میں جن چیزوں کی تعیین کی ہے، یہ اپنے اپنے دور کے حالات اور عرف کو سامنے رکھتے ہوئے کی ہے اس لئے حالات اور عرف کی تبدیلی کی وجہ سے ان میں بھی تبدیلی کی جاسکتی ہے۔

۳-الف: نسب میں کفاءت کے سلسلہ میں ایک روایت ہے: "**قریش بعضھم أکفاء لبعض الخ**" اکثر حضرات نے اسی سے استدلال کیا ہے، لیکن یہ روایت ضعیف ہے، اس کے علاوہ بھی روایتیں ہیں جیسا کہ سوال ۲ میں مذکور ہوا ہے وہ بھی ضعف سے خالی نہیں ہے۔ پھر

آپ ﷺ کا ذاتی عمل اور آثار صحابہ سے بھی پتہ چلتا ہے کہ نسب میں کفاءت معتبر نہیں ہے، دوسرے یہ کہ اسلام کے مزاج کے بھی خلاف ہے کہ اسلام تو مساوات و برابری کا سبق دیتا ہے، ذات برادری، اونچ نیچ کا تصور نہیں دیتا، لیکن لوگوں نے اسے فخر اور اونچ نیچ کی چیز سمجھ لیا ہے اس لئے نسب میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے۔

نسبی کفاءت کے ضابطہ کے سلسلہ میں ایک روایت سے روشنی ملتی ہے، اگر چہ روایت ضعیف ہے: "**قریش بعضهم أكفاء لبعض بطن ببطن و العرب بعضهم أكفاء لبعض قبيلة بقبيلة**" (قریش باہم ایک دوسرے کے کفو ہیں، قبیلہ کا ایک بطن دوسرے بطن کا، اور عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کا)۔

فقہاء نے اس طرح صراحت کی ہے کہ قریش ایک دوسرے کے کفو ہیں، چاہے جیسے ہوں، حتی کہ جو قریشی ہاشمی نہیں ہے وہ ہاشمی کا کفو ہے، قریش کے علاوہ تمام عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں، اور عجم سب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

۴- کفاءت میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار کیا جائے یا نہیں، اگر غور کیا جائے تو اس سلسلہ میں کفاءت کے معتبر ہونے کی کوئی دلیل کتاب وسنت میں نہیں ملتی ہے، خواہ دلیل قوی ہو یا ضعیف، دراصل اس سلسلہ میں فقہاء نے حالات، سوسائٹی، اور سماج کو سامنے رکھا ہے، اب موجودہ صورت حال میں جبکہ دیگر مذاہب کے لوگ اسلام کی طرف متوجہ ہو رہے ہیں، اگر قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا کفاءت میں اعتبار کیا جائے تو ایسے لوگوں کے لئے دشواری پیدا ہوگی اور یہ بھی صحیح ہے کہ کسی حد تک اسلام کی دعوت وتبلیغ میں یہ چیز سد راہ بن رہی ہے، اس لئے کفاءت میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار نہیں کیا جانا چاہئے۔

۵- کفاءت کا مسئلہ ہر دور کے عرف وحالات پر مبنی ہے، اور عرف میں تبدیلی بھی ہوتی رہتی ہے، اس لئے موجودہ حالات میں کفاءت دین، مال اور حسب میں معتبر ہونا چاہئے۔

۶- کفاءت کا اعتبار صرف عورت کی طرف سے کیا جائے گا، مرد کی طرف سے نہیں،

یعنی مرد کو عورت کے برابر اور ہم پلہ ہونا چاہئے، یا عورت سے اونچے درجہ کا ہونا چاہئے، عورت سے کمتر نہیں ہونا چاہئے، اگر چہ بعض کا قول اس کے خلاف بھی ہے، لیکن صحیح یہی ہے کہ عورت ہی کی طرف سے اعتبار کیا جائے گا، جیسا کہ شامی نے بھی لکھا ہے: "مساواة الرجل للمرأة أو كون المرأة أدنى"، اس لئے کفاءت کا اعتبار مرد و عورت دونوں کے بارے میں نہیں کیا جائے گا بلکہ صرف عورت کے بارے میں کیا جائے گا۔

۷- الف: کفاءت نہ صرف عورت کا حق ہے اور نہ صرف ولی کا حق ہے، بلکہ یہ جس طرح عورت کا حق ہے، اسی طرح ولی کا بھی حق ہے، اس لئے کہ غیر کفو میں نکاح کا ہونا جس طرح عورت کے لئے عار کی چیز ہے، اسی طرح اس کے ولی کے لئے بھی عار کی چیز ہے، اسی لئے تو ولی کو حق اعتراض حاصل ہوتا ہے، حاصل یہ کہ کفاءت عورت اور ولی دونوں کا حق ہے۔

ب- عاقلہ بالغہ خاتون نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح لازم و منعقد ہوگا یا نہیں، اس سلسلہ میں متاخرین فقہاء کا فتوی یہی ہے کہ نکاح نافذ ہی نہیں ہوگا، جیسا کہ درمختار میں ہے: "ويفتى في غير الكفوء لعدم جوازه أصلا وهو المختار للفتوى لفساد الزمان" (ہامش رد ۲/ ۴۰۸)۔ لیکن موجودہ زمانہ میں اگر اس قول پر فتوی دیا جائے، تو بڑی دشواری پیش آئے گی اس طور پر کہ شہر کے ماحول میں بہت سے ایسے نکاح ہوجاتے ہیں جس میں ولی کی اجازت نہیں ہوتی، لیکن نکاح ہونے کے بعد مجبورا ولی بھی سکوت اختیار کرلیتا ہے، اب ان حالات میں اگر متاخرین کے قول پر عمل کیا جائے تو بڑی دقت پیش آئے گی اور بہت سے نکاحوں کو غیر نافذ قرار دینا پڑے گا، جس سے بڑی پیچیدگی پیدا ہوگی، اس لئے میری ناقص رائے میں ایسے نکاح کو لازم و نافذ قرار دیا جانا چاہئے۔

ج- عاقلہ بالغہ نے اگر ولی کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا ہے تو وہ نکاح منعقد و نافذ ہوگا، اب ولی کو حق اعتراض اور فسخ کرانے کا حق ہوگا یا نہیں، تو فتاوی سراجیہ میں ہے: "امرأة تزوجت من غير كفوء فللولي أن يعترض ويرفع إلى القاضي حتى

یفسخ"، اسی طرح صاحب بدائع نے بھی ۱۱۸/۲ پر تحریر کیا ہے، یہ کہ اس صورت میں ولی کو فسخ نکاح کا حق حاصل ہوتا ہے، کیونکہ عدم کفو کی بنا پر یہ نکاح اس کے لئے بھی موجب عار ہے۔

۸- کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے اگر رشتہ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا، اور نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالت کے بارے میں خلاف واقع باتیں بیان کر کے لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کرلیا اور نکاح کرلیا اور بعد میں اس دھوکہ دہی کا پتہ چلا تو اس صورت میں لڑکی اور اس کے اولیاء کو نکاح فسخ کرانے کا حق ہوگا۔ جیسا کہ درمختار میں ہے:

"**لو انتسب الزوج لها نسبا غير نسبه فإن ظهر دونه وهو ليس بكفوء فحق الفسخ ثابت للكل**" (۸۴۲/۲)، عالمگیری کتاب النکاح باب الأ کفاء میں بھی اسی طرح ہے، اور چونکہ اس صورت میں ایک تو دھوکہ دہی ہے جو کہ خود غلط ہے، دوسرے یہ کہ اس نکاح کو برقرار رکھنے میں عورت اور اس کے ولی دونوں کے لئے عار ہے، اس لئے حق فسخ عورت اور ولی دونوں کو حاصل ہوگا۔

مسئلہ کفاءت اور اسلامی تعلیمات

مولانا ابوبکر قاسمی ☆

۲- کفاءت میں معتبر امور اور ان کے دلائل کا تذکرہ:

ائمہ اربعہ اور دیگر فقہائے مجتہدین نے نکاح کی کفاءت میں کن کن چیزوں میں زوجین کے درمیان برابری کا اعتبار کیا ہے۔ نیز ان چیزوں کی تعیین کا مدار نصوص پر ہے یا عرف اور ان مختلف فقہاء کی تصریحات کے بموجب جن چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے وہ یہ ہیں: (۱) دین واخلاق، دوسرے لفظوں میں دیانت وتقویٰ (۲) نسب وحسب اور خاندانی وجاہت (۳) صنعت وحرفت اور پیشہ (۴) مال ودولت، (۵) عیوب سے حفاظت وسلامتی، (۶) حریت وآزادی (۷) قبولیت اسلام میں قدامت وحداثت، (۸) عقل ودانائی (۹) حسن وجمال یا خوبصورتی وبدصورتی (۱۰) عمر وسن کا توازن۔ ترتیب وار ہر ایک کی تفصیل ملاحظہ ہو۔

(۱) کفاءت فی الدین: دین سے مراد اگر مذہب اسلام ہو جیسا کہ باری تعالیٰ کا ارشاد ہے: **إن الدين عند الله الإسلام** تو اس صورت میں کفاءت فی الدین کا مطلب یہ ہے کہ مسلمہ عورت کا شوہر بھی مسلمان ہو، اگر وہ کافر ہوا تو اس سے مسلمہ عورت کا نکاح کسی بھی فقیہ کے نزدیک جائز نہ ہوگا، چنانچہ کفاءت فی الدین کے اسی مفہوم کو سامنے رکھ کر حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے، **واعتبار الكفاءة في الدين متفق عليها فلا تحل المسلمة لكافر أصلاً**، (فتح الباری باب الاکفاء فی الدین ۹/۳۵) اور اگر دین سے مراد تدین اور

☆ مہاراشٹر۔

دینداری ہے، تو ایسی صورت میں کفاءت فی الدین کا مطلب یہ ہوگا کہ نیک وصالحہ خاتون کا کفو نیک وصالح مرد ہو۔ اگر اس کے برعکس معاملہ ہوا تو لڑکی اور اس کے اولیا دونوں کے لیے وہ رشتہ نکاح باعث ننگ و عار ہوگا۔

(۲) کفاءت فی النسب: حضرت امام مالک کے علاوہ دیگر فقہاء اور ائمہ ثلاثہ نے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے اور واضح قول کے مطابق عرب کی طرح عجم میں بھی نسب میں کفاءت معتبر ہے ......**الأصح اعتبار النسب فی العجم کالعرب قیاسا علیھم** اور احقر کے نزدیک یہ مسئلہ بھی قرآن وسنت کے دلائل سے مبرہن ہے، چنانچہ سورۃ الفرقان آیت ۵۴ میں ہے اور وہی ہے جس نے پانی سے آدمی بنایا پھر اس کو خاندان اور سسرال والا بنایا۔

(۲) کفاءت فی الحرفت: نسب ہی کی طرح مالکیہ کے یہاں پیشہ اور ذریعہ معاش میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے۔

ولا یعتبر المالکیة الحرفة من خصال الکفاءة فی النکاح (فتح الباری کتاب الطب بالحجامة ۱۰/۱۵۹ حدیث (۵۶۹۶)) اسی طرح امام ابوحنیفہ علیہ الرحمہ کا بھی مشہور قول اور امام احمد کی ایک روایت یہی ہے کہ صنعت وحرفت اور پیشہ میں کفاءت معتبر نہیں ہے، کیونکہ پیشہ میں تبدیلی ممکن ہے۔ لہذا یہ وصف لازم نہیں ہے کہ اس کا اعتبار کیا جائے۔

(۴) کفاءت فی المال: اکثر ائمہ نے مال میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا ہے، کیونکہ نکاح کے نتیجہ میں شوہر پر جہاں مہر کا وجوب ہوتا ہے وہیں بیوی کے نفقہ کا لزوم بھی ہوتا ہے، بلکہ بیوی اگر مالدار ہو تو اس کے لئے خادم کا نفقہ بھی شوہر پر واجب ہوتا ہے، بسا اوقات بیوی کے لئے شوہر کی غربت ومفلسی دور حاضر میں ازدواجی زندگی میں بہت کچھ تلخی وتفریق کا باعث بن جاتی ہے، اس لئے بعض جلیل القدر فقہاء کے بقول اگر زوجین کے معاشی ومالی احوال میں غیر معمولی فرق نہ ہو تو نکاح میں کفاءت کے لئے اس کا بھی اعتبار ہوگا۔

لیکن مفتی بہ قول کے مطابق اکثر ائمہ نے مال میں کفاءت کا اعتبار صرف اس حد تک

کیا ہے کہ شوہر اپنی بیوی کا نفقہ اور اس کا مہر مثل ادا کر سکے، لہذا جو مرد مال کی اتنی مقدار رکھتا ہو وہ مالدار سے مالدار عورت کا کفو ہو سکتا ہے۔

(۵) الكفاءة في السلامة من العيوب: جن عیوب کے سبب عورت کو مذہب اسلام نے فسخ نکاح کا اختیار دیا ہے۔ ان عیوب سے سلامتی کا بہت سے فقہاء نے کفاءت کے باب میں اعتبار کیا ہے۔

فقہاء احناف نے اگر چہ کفاءت فی النکاح کے لیے مرد کے عیوب **مثبتة للخيار** سلامتی کا تذکرہ صراحت کے ساتھ نہیں کیا ہے لیکن چونکہ ان کے یہاں اس مسئلہ کی تفصیلات کا تعلق زیادہ تر عرف سے ہے، اور دور حاضر کا عرف کفاءت کے لئے عیوب سے حفاظت کا متقاضی ہے۔ اس لئے فقہائے احناف کے **أصول الحكم المبنى على العرف يتغير بتغير العرف** کے مطابق بھی تندرست لڑکی کے لئے اس کے جوڑے کے انتخاب میں عیوب سے سلامتی کو ملحوظ رکھا جائے گا، چنانچہ امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ جو صوبہ بہار و اڑیسہ میں فقہ حنفی کا نقیب و ترجمان ہے اس کے دار القضاء میں فسخ نکاح کی ایک اہم بنیاد شوہر میں پائے جانے والے گھناؤنے عیوب کو بھی قرار دیا ہے (ملاحظہ ہو: حضرت مولانا عبد الصمد رحمانی کی کتاب التفریق والفسخ)۔

لہذا دور حاضر میں لڑکی کے لئے لڑکے کے انتخاب میں عیوب سے سلامتی میں کفاءت کے اعتبار پر تقریباً سارے فقہاء کا اتفاق ہے۔

(۶) کفاءت فی الحریۃ: اکثر فقہاء نے غلامی اور آزادی میں بھی کفاءت اعتبار کیا ہے چنانچہ آزاد عورت کا کفو کوئی آزاد مرد ہی ہو سکتا ہے۔

(۷) کفاءت فی الاسلام: اس کی قدامت و حداثت کا مسئلہ کفاءت میں اعتبار ہے یا نہیں؟ دوسرے لفظوں میں کوئی نو مسلم کسی ایسی عورت کا کفو ہو سکتا ہے یا نہیں جس کے آباء واجداد ہی کے دور سے اس کا دین اسلام آرہا ہے۔ تو اس سلسلہ میں مالکیہ کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں

ہے، چنانچہ خود حضرت امام مالک سے منقول ہے کہ انہوں نے سارے مسلمانوں کو ایک دوسرے کا کفوقرار دیا ہے۔ قال مالک: أهل الإسلام كلهم بعضهم لبعض أكفاء اسی طرح حنابلہ میں سے ابن قدامہ نے بھی المغنی ۷/۳۰ میں اسلام کی قدامت وحداثت میں عدم کفاءت کی صحت کی تصریح کی ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اگر فقہاء احناف اور شوافع نے اسلام کی قدامت وحداثت کا بھی مسئلہ کفاءت میں اعتبار کیا ہے تو اس کی بھی ایک نا قابل انکار حقیقت ہے۔ جس کو سرے سے نظر انداز کر دیا اسے بالکل کالعدم قرار دینا نہ ہی کوئی منصفانہ فیصلہ ہے اور نہ ہی اسے حالات حاضرہ کا گہرا مطالعہ کہا جا سکتا ہے۔

(۸) کفاءت فی العقل: جو عورت خود صحیح العقل ہو اس کا کفو وہ مرد ہو سکتا ہے یا نہیں جو سفیہ، معتوہ یا پاگل ہو، تو اس سلسلے میں فقہائے متقدمین نے کوئی صراحت نہیں کی ہے، البتہ فقہاء متاخرین کے سامنے جب یہ مسئلہ آیا تو اس کی بابت ان کے درمیان اختلاف ہو گیا۔ علامہ ابن نجیم علیہ الرحمہ نے اگر چہ مجنون کو عاقلہ کا کفو قرار دیا ہے، تاہم انہوں نے بھی اس سلسلہ میں مشائخ کا اختلاف قلمبند کیا ہے، لیکن ان سب اختلافات کے باوجود اس بات سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ عقل ہی اللہ تعالیٰ کا عطا کردہ وہ عظیم سرمایہ ہے جس سے مختلف اشیاء کے حسن وقبح کا پتہ چلتا ہے۔

نیز ظاہر ہے کہ بغیر عقل کے مقاصد نکاح کا کما حقہ حصول نہیں ہو سکتا، اس لئے عقل کی اہمیت کے پیش نظر ضروری ہوتا ہے کہ کفاءت فی النکاح کے لئے عقل میں کفاءت کو بھی ملحوظ رکھا جائے۔

(۹) فی الجمال: کسی حسین وخوبصورت عورت کا کفو کوئی بدصورت مرد ہو سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس سلسلہ میں جمہور علماء کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے کفاءت فی النکاح کے لیے اوصاف معتبرہ میں حسن وجمال کو شمار نہیں کیا ہے، ذهب جمهور الفقهاء إلىٰ أن

الجمال ليس من الخصال المعتبرة في الكفاءة للنكاح

لیکن حضرت ثابت بن قیس کی اہلیہ کے خلع کے واقعہ کی تفصیل اور اس کے اسباب کو بیان کرتے ہوئے حضرت حافظ ابن حجر علیہ الرحمہ نے بخاری شریف کتاب الطلاق باب الخلع کے تحت فتح الباری شرح بخاری میں جن روایات کو نقل کیا ہے ان میں صراحت کے ساتھ درج ہے:''كانت حبيبة بنت سهل عند ثابت بن قيس وكان رجلا دميما فقالت: والله لولا مخافة الله إذا دخل عليّ لبصقت في وجهه'' (الدرالمختار ۲/ ۳۵۱(۲)الموسوعہ ۳۴/ ۲۸۲(۳)الموسوعہ ۳۴/ ۲۸۱)۔

مذکورہ حدیث سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ نکاح کی پائیداری کے لئے حسن وجمال والی عورت کے شوہر کے انتخاب میں قد کی موزونیت کے ساتھ حسن وجمال کو بھی ملحوظ رکھنا چاہئے، چنانچہ الموسوعۃ الفقہیہ میں ہے:

''لكن النصيحة أن يراعي الأولياء المجانسة في الحسن والجمال''
(واللہ اعلم)

(۱۰) کفاءت فی السن: بوقت نکاح لڑکی کے لئے لڑکے کے انتخاب میں اولیاء کو چاہئے کہ عمر کے توازن کا بھی لحاظ رکھیں چنانچہ سیدنا ابوبکر وعمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے جب حضرت فاطمہ سے نکاح کا پیغام حضور اکرم ﷺ کے پاس بھیجا تو حضور پاک ﷺ نے کم سن کا عذر پیش فرمایا، پھر جب حضرت علیؓ نے نکاح کا پیغام دیا تو آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کردیا، یہ پورا واقعہ نسائی شریف میں موجود ہے۔

شوافع کے درمیان اگر چہ اس امر میں اختلاف ہوا ہے کہ نوجوان عورت کا کفو کوئی بوڑھا مرد ہوسکتا ہے یا نہیں؟ تاہم ان کے یہاں کفاءت فی السن کو ملحوظ رکھ کر شادی کرنے کو پسند کیا گیا ہے، چنانچہ الموسوعہ میں ہے: ذهب الشافعية إلى أن الشيخ كفوء للشابة لكن الروياني ذكر أن الشيخ لا يكون كفو للشابة على الأصح (فتح الباری القدیر ۳/ ۲۹۳)۔

یہاں تک دس امور کا تذکرہ کیا گیا ہے جن میں کفاءت کا مختلف فقہاء نے اعتبار کیا ہے۔ اگر چہ ان سارے امور میں تمام فقہاء کا اتفاق نہیں ہے، مگر قرآن وسنت کی نصوص اور حضرات فقہاء کی تصریحات سے ان امور میں کفاءت کا ملحوظ ہونا مستفاد ہوتا ہے، اس لئے اگر کوئی شخص کسی لڑکی کے جوڑنے کے انتخاب میں مندرجہ بالا امور میں کفاءت کو ملحوظ رکھ کر کوئی مناسب رشتہ تلاش کرے تو شرعاً اس کی گنجائش ہے۔

(۳) ہندوستان کے موجودہ حالات میں نسبی کفاءت کی شرعی حیثیت

(الف) اسلامی شریعت نے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے: **عن جابر بن عبداللہ قال قال رسول اللہ ﷺ: "لا تنكحو النساء إلا الأكفاء ولا يزوجهن إلا الأولياء" الخ۔**

(ب) جن لوگوں کا نسب معروف ہے خواہ وہ عرب ہوں یا عجم ان سب میں نسبی کفاءت کا اعتبار ہوگا، ہاں وہ عجم کے باشندے جن کے نسب محفوظ نہیں ہیں، یا جو عربی قبائل کی طرف منسوب نہیں ہیں ان میں کفاءت معتبر نہیں ہے۔

شوافع کا قول تو اس سے زیادہ واضح ہے ان کے یہاں تو عرب وعجم سب میں نسبی کفاءت کا اعتبار ہوگا، چنانچہ الموسوعہ میں ہے:

قالوا الأصح اعتبار النسب في العجم كالعرب قياساً عليهم (الموسوعۃ الفقہیۃ ۳۴/ ۲۷۵) واللہ اعلم۔

(ج) نسبی کفاءت کی تلاش صرف لڑکی کے لیے لڑکے کے انتخاب میں ہوگی نہ کہ لڑکے کے لئے لڑکی کے انتخاب میں، ہاں اگر لڑکا نابالغ ہو تو لڑکی کے نسب کو بھی دیکھا جائے گا۔

(د) لڑکے کے صرف باپ کے نسب کو دیکھا جائے گا نہ کہ اس کی ماں کے نسبی رشتہ کو (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۴/ ۲۶۷)۔

(۳) ناکح کے نسب کے علاوہ اس کے دین واخلاق، صحت وسن اور عائلی احوال کو بھی دیکھ لینا چاہیے، کیونکہ نکاح سے جو اصل مقصود ہے اس کے لئے سب ہی امور پر نظر رکھنے کی ضرورت ہے، چنانچہ اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ نے لکھا ہے: ''نکاح سے جو اصل مقصود ہے یعنی مصالح خاصہ اس کے لیے سب ہی امور پر نظر کرنے کی ضرورت ہے۔

(۴) قریشیہ یا عربیہ عورت کا وہ مرد بھی کفو ہوسکتا ہے جو دیندار اور عالم ہو اگر چہ وہ غیر قریشی اور عجمی ہو، یہی مفتی بہ قول ہے (شامی ۲/ ۳۵۰)۔

(۶) کفاءت لڑکی اور اولیاء دونوں کا حق ہے، عام حالت میں کفاءت کی رعایت بہتر ہے، لیکن کسی دینی مصلحت یا معاشرتی ضرورت کے پیش نظر خود لڑکی اور اولیاء اپنے حق کو ساقط کر کے رضامندی سے غیر کفوء میں رشتہ نکاح قائم کرلیں تو جائز ہے، البتہ نابالغ نابالغہ کے نکاح میں باپ دادا کے علاوہ دیگر اولیاء پر واجب ہے کہ کفوء کا لحاظ رکھیں۔

(۴) کفاءت فی الاسلام سے متعلق غلط فہمی کا ازالہ:

عورت کا نکاح چونکہ صرف مسلمان مرد ہی سے ہوسکتا ہے، اور ایک نومسلم کا پکا مسلمان ہونا ضروری نہیں ہے، اس لئے فقہاء احناف وشوافع نے کفاءت فی النکاح کے باب میں قدیمۃ الاسلام عورت کے لئے اسی جیسے مرد کو اس کا کفو قرار دیا ہے اور اس سلسلہ میں اسلام کی قدامت وحداثت کو ملحوظ رکھا ہے۔ اور یہ مسئلہ کبھی بھی کسی نومسلم کو مسلم سوسائٹی میں جذب کرنے اور اس کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں رکاوٹ نہیں بنا ہے۔ اور نہ ہی یہ اسلام کی دعوت وتبلیغ کی راہ میں سدراہ ہوا ہے۔

(۵) دور حاضر میں کفاءت کے لئے امور معتبرہ:

کفاءت کے لئے امور معتبرہ میں سے نسب اور پیشہ کی کفاءت کے سلسلہ میں عام طور سے حضرات فقہاء نے ہر دور کے عرف وحالات کو سامنے رکھا ہے۔ دور حاضر کے اندر شیخ

انصاری، سید، پیٹھان کی خاندانی معاشرت شہروں میں اور پڑھے لکھے طبقوں میں یکساں نظر آتی ہے، اس لئے یہ سب باہم ایک دوسرے کے کفوء ہیں۔

اسی طرح پیشے کے اعتبار سے تقریباً تمام اہل پیشہ برابر ہیں، ہاں جولوگ مقامی طور پر جاروب کشی اور دباغت دینے کا پیشہ کرتے ہیں وہ اپنے غیر کے کفوء نہیں سمجھے جاتے، ہاں جولوگ نوکر رکھ کر یہ کام کرواتے ہیں وہ دیگر اہل پیشہ کے کفوء ہوسکتے ہیں۔

(۶) کفاءت کا اعتبار کس کے لئے ہوگا؟

مرد اور عورت دونوں نابالغ ہوں یا کوئی ایک نابالغ ہوتو ان دونوں صورتوں میں دونوں جہت سے کفاءت کو دیکھا جائے گا اور اگر دونوں بالغ ہوں تو صرف عورت کے لئے اس کے شوہر کے انتخاب میں کفاءت کا اعتبار ہوگا (ردالمحتار ۲/ ۳۴۴)۔

(۷) کفاءت کس کا حق ہے؟

(الف) کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے (فتح القدیر ۳/ ۲۹۳)۔

(ب) عاقلہ بالغہ خاتون نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح شرعاً منعقد ہوگا یا نہیں، تو اس سلسلہ میں فقہائے احناف کی ظاہر روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ ولی کی اجازت پر موقوف رہے گا بشرطیکہ ولی ہو ورنہ بالاتفاق نکاح صحیح ولازم مانا جائے گا، اور حسن بن زیاد کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح غیر کفو میں منعقد نہ ہوگا، اور امام سرخسی نے اسی روایت کو احوط قرار دیا ہے، اور صاحب فتاویٰ خانیہ نے اسے اصح کہا ہے، اور صاحب موسوعہ نے اس روایت کو احناف کی مفتی بہ اور پسندیدہ روایت قرار دیا ہے، اور صاحب فتاویٰ بزازیہ نے حضرت امام ابوحنیفہ کی جواز نکاح والی روایت کو مفتی بہ قرار دیا ہے، اور احقر کے نزدیک دور حاضر میں جواز نکاح والاقول یہی لائق فتویٰ ہے، کیونکہ بطلان نکاح والی روایت کو لینے کی صورت میں شوہر اگر مذکورہ بیوی سے دخول کرے گا تو زنا کاری لازم آتی

ہے، دوسرے اگر مذکورہ منکوحہ عورت کا نکاح کسی دوسرے مرد سے بغیر تفریق کرائے ہوئے کردیا جائے تو ظاہر روایت کے اعتبار سے چونکہ نکاح صحیح ہوگیا تھا، اس لیے یہ دوسرا موجب زنا ہوگا، اس طرح ایک مسلمان عورت کا عمر بھر مبتلائے زنا ہونا لازم آتا ہے جب کہ صحت نکاح والے قول پر یہ احتمالات پیدا نہیں ہوتے، اس لیے ظاہر روایت ہی کو دور حاضر میں معمول بہا بنانا چاہئے۔

(۸) غیر کفو میں نکاح ہوجانے پر شرعی حکم:

کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے اگر رشتہ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا، اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالات کے بارے میں خلاف واقع باتیں بیان کرکے لڑکے، لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کرکے نکاح کرلیا پھر جب بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی کا علم لڑکی اور اس کے اولیاء کو ہوا تو وہ دونوں اس نکاح کو شرعا ولادت وحمل سے پہلے فسخ کراسکتے ہیں۔

زوجین کے درمیان کفاءت اور اسلامی تعلیمات

مولانا محمد ظفر عالم ندوی ☆

۱- کفاءت کی حقیقت:

کفاءت لغت میں برابری اور مماثلت کے معنی میں ہے (لسان العرب، القاموس المحیط مادۂ کفأ)۔

فقہاء کے نزدیک مختلف ابواب میں مختلف مفہوم میں کفاءت کا لفظ مستعمل ہے، باب نکاح میں حنفیہ کے نزدیک کفاءت مرد وعورت کے درمیان مخصوص چیزوں میں مساوات وبرابری کا نام ہے، علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

"الکفاءة مساواة مخصوصة بين الرجل والمرأة" (الدرالمختار ۳/۳۱۷)، یعنی زوجین مذہب، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور تمول میں ایک دوسرے کے ہمسر ہوں (مجموعہ قوانین اسلامی از ڈاکٹر تنزیل الرحمن ۱/۲۶۴)۔

مالکیہ کے نزدیک تدین اور عیوب سے صحیح وسالم ہونے میں زوجین ایک دوسرے کے مساوی ومماثل ہوں۔

"الکفاء ة هی المما ثلة والمقاربة فی التدين والحال، أی السلامة من العيوب الموجبة للخيار" (التاج والاکلیل ۳/۴۶۰)۔

شافعیہ کہتے ہیں کہ کفاءت یہ ہے کہ ایسی چیز جس کا مفقود ہونا فریق ثانی کے لئے

☆ استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

باعث ننگ وعار ہو۔

"الكفائة المماثلة و المساواة في خمسة أشياء" (کشاف القناع ۵/ ۶۷، ۶۸)۔

اب رہی یہ بات کہ فقہاء نے کفاءت کی شرعی حیثیت کیا متعین کی ہے؟ جمہور فقہاء حنفیہ اور حنابلہ کی رائے تو یہی ہے کہ کفاءت کا اعتبار کرنا واجب اور ضروری ہے، لیکن بعض فقہاء حنفیہ نے اسے تسلیم نہیں کیا ہے اور کفو کو نکاح کے صحیح یا لازم ہونے کے لئے معتبر نہیں مانا ہے، ملک العلماء علامہ کاسانیؒ نے ان حضرات کی آراء کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"قال عامة العلماء: إنها شرط وقال الكرخي: ليست بشرط وهو قول مالكؒ و سفيان الثوري و الحسن البصري" (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۷)۔

جمہور فقہاء کی طرف سے جو دلائل پیش کئے جاتے ہیں ان میں عام طور پر یہ روایت نقل کی جاتی ہے:

"أن رسول الله ﷺ أنه قال: لا يزوج النساء إلا الأولياء، ولا يزوجن إلا من الأكفاء، ولا مهر أقل من عشرة دراهم" (درایہ علی الہدایہ ۲/ ۲۹۹)۔

اسی طرح دوسری روایت ہے جو حضرت عائشہ سے مروی ہے:

"تخيروا لنطفكم و أنكحوا الأكفاء" (نیل الاوطار ۶/ ۱۲۸)۔

ایک تیسری روایت جو دارقطنی کی ہے اور حضرت جابرؓ سے مروی ہے، یہ ہے:

"لا تنكح النساء إلا الأكفاء" (سنن کبریٰ بیہقی ۷/ ۱۳۶)۔

روایات کے علاوہ کچھ آثار صحابہ بھی ان حضرات کے سامنے ہیں، اسی طرح ان حضرات کے پیش نظر یہ بات بھی ہے کہ اگر کفو کا اعتبار نہ کیا جائے تو نکاح کے مصالح متاثر ہو سکتے ہیں، اور ناہمواری کی وجہ سے زوجین اور ان کے خاندان کے درمیان بجائے خوشگوار ماحول رہنے کے مستقل تلخی کا ماحول بنا رہے گا، جیسا کہ ایسے رشتوں میں عام طور سے دیکھا جاتا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۷)۔

موجودہ دور میں جبکہ ایک طرف خود مسلمانوں کے ایک بڑے طبقہ میں کفو کے لحاظ کرنے کو برا سمجھا جارہا ہے، اور دوسری طرف غیر مسلم کفو کے مسئلہ کو ذات وبرادری کی تفریق وتقسیم سے ملا کر سیاسی فائدہ اٹھانے کی کوششیں کررہے ہیں، تو ایسے حالات میں سوائے چند کے تمام امور بالخصوص نسبی اور مالی کفو کا اعتبار نہ کیا جانا چاہئے، بلکہ بدلتے ہوئے حالات کو پیش نظر رکھا جانا چاہئے۔

جمہور کی دلیل سب سے زیادہ قوی ہے، اور عقل وسمجھ میں آنے والی بھی ہے، اور اس کا مدار عرف پر ہے، لہذا جب لوگوں کے درمیان عرف وہ ہوجائے جو ہمارے موجودہ دور میں ہے یعنی کفاءت کی طرف توجہ نہ دینے کا تو مساوات کی بنیاد وہی ہوگی جس کا تعامل ہوگا، اور جب لوگوں میں خاندان اور برادری کا امتیاز اور طبقاتی فرق ختم ہوچکا ہے، تو ایسے حالات اور دور میں کفاءت کا جواز نا قابل اعتبار ہوگا۔

۲-امور کفاءت:

ایسے امور جن میں فقہاء نے کفاءت کا اعتبار کیا ہے وہ درج ذیل ہیں:

امام مالکؒ نے صرف دینداری اور حال میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، حال سے مراد ان کے نزدیک مرد کا ایسے عیوب سے پاک ہونا ہے جن کی وجہ سے عورت کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوجاتا ہے، امام مالکؒ کے نزدیک نسب، آزادی، پیشہ یا مال غیر اعتباری چیزیں ہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعہ لعبد الرحمن الجزیری ۴/ ۵۴، ۵۵)۔

شافعیہ کے نزدیک چار چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے: نسب، دین، آزادی اور پیشہ میں، حنفیہ کے نزدیک اسلام، نسب، آزادی، دیانت، پیشہ اور مال میں کفاءت کا اعتبار ہے، حنابلہ نے بھی سوائے اسلام کے بقیہ تمام امور میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۵۴)، اس اجمال کی تفصیل مع دلائل ائمہ درج ذیل ہیں:

دینداری میں کفاءت:

جمہور فقہاء کا خیال ہے کہ جن امور میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا ان میں دینداری بھی ہے، یعنی زوجین دینداری میں ایک دوسرے کے ہمسر ہوں، یہی وجہ ہے کہ فاسق وفاجر مرد نیک عورت کا کفو نہیں ہوسکتا، علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں:

''حتی لو أن امرأة من بنات الصالحین، إذا زوجت نفسها من فاسق كان للأولیاء حق الاعتراض، لأن التفاخر بالدین أحق من التفاخر بالنسب'' (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۵۴)۔

دینداری اور اخلاق کا معتبر ہونا فقہاء کے نزدیک ایک حد تک متفق علیہ ہے، بلکہ امام مالکؒ اور ایک روایت کے مطابق امام شافعیؒ کے نزدیک صرف دینداری ہی میں کفاءت کا اعتبار ہے، کسی اور چیز میں نہیں، ابن قدامہ لکھتے ہیں:

''وقال مالک الکفاءة فی الدین لا غیر'' (المغنی ۷/ ۱۶)۔

شافعیہ نے صراحت کی ہے کہ کفاءت کا اعتبار دینداری، صلاح وتقوی اور محرمات سے اجتناب میں ہے، یہی وجہ ہے کہ کوئی فاسق شخص کسی پاکدامن عورت کا کفو نہیں ہوگا، ان حضرات کے نزدیک مبتدع شخص بھی پاکدامن اور متبع سنت عورت کا کفو نہیں ہوسکتا (روضۃ الطالبین ۷/ ۸۱، نہایۃ المحتاج ۶/ ۲۵۳)۔

حنابلہ کی بھی اس سلسلہ میں اسی طرح کی صراحت موجود ہے (المغنی ۶/ ۴۸۲)۔

ابن قدامہؒ نے امام احمدؒ کی ایک روایت یہ بھی نقل کی ہے:

''لا یزوج ابنته من حروری قد مرق من الدین، ولا من الرافضی ولا من القدری'' (حوالہ سابق)۔

بہر حال جن حضرات نے مختلف امور میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، ان کے نزدیک بھی دیانت واخلاق میں کفاءت کا لحاظ کرنا اور دوسرے امور کفاءت سے صرف نظر کرنا افضل اور بہتر

ہے، علامہ کاسانیؒ ان حضرات کا خیال ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

''وعندنا الأفضل اعتبار الدين والاقتصار عليه'' (بدائع الصنائع ۲/۳۱۹)۔

آزادی میں کفاءت:

حنفیہ، شافعیہ اور صحیح قول کے مطابق حنابلہ کی رائے یہ ہے کہ آزادی وغلامی ان امور میں ہیں جن میں کفاءت معتبر ہے، ابن قدامہؒ لکھتے ہیں:

''فأما الحرية فالصحيح أنها من شروط الكفاءة فلا يكون العبد كفوا للحرة'' (المغنی ۷/۲۸)۔

البتہ آزادی وغلامی میں کفاءت کا اعتبار صرف عجمیوں میں ہے۔

علامہ ابن نجیمؒ نے صراحت کی ہے: ''الحرية والإسلام فهما معتبران في العجم'' (البحر الرائق ۳/۱۳۱)۔

نسب میں کفاءت:

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ نے نسب میں کفو کا اعتبار کیا ہے، ان حضرات نے عام طور پر استدلال میں روایات پیش کی ہیں، ایک روایت جس کو فقہاء نے عام طور پر ذکر کیا ہے یہ ہے:

''قريش بعضهم أكفاء لبعض، بطن ببطن والعرب بعضهم أكفاء لبعض قبيلة بقبيلة والموالي بعضهم أكفاء لبعض رجل برجل'' (نصب الرایہ للزیلعی ۳/۱۹۷)۔

علامہ کاسانیؒ فرماتے ہیں کہ نسب میں کفاءت کے معتبر ہونے کے متعلق بنیادی دلیل یہی روایت ہے، علامہ موصوف کے الفاظ یوں ہیں:

''والأصل فيه قول النبي ﷺ قريش بعضهم أكفاء لبعض'' (بدائع الصنائع ۲/۱۵،۱۶)، علامہ ابن قدامہؒ نے ان حضرات کے دلائل میں حضرت عمرؓ کے اس قول کو بھی نقل کیا ہے:

''لأمنعن فروج ذوات الأحساب إلا من الأكفاء ،قال قلت ما الأكفاء؟ قال : في الأحساب'' (المغنی ۶/ ۴۸۳)۔

فقہاء نے ان حضرات کی طرف سے اور بھی روایات اور دلائل پیش کی ہیں، تاہم بنیادی دلیل آنحضرت ﷺ کا قول مذکور ہے۔

امام مالکؒ، سفیان ثوری، حنفیہ میں ابو الحسن کرخیؒ، ابو بکر جصاص رازی، اسی طرح علامہ ابن حزمؒ وغیرہ نسب میں کفاءت کے قائل نہیں ہیں، ان حضرات کا خیال یہ ہے کہ تمام مسلمان ایک دوسرے کے کفو اور ہم سر ہیں، کیونکہ مذہب اسلام کا نظریہ یہ ہے کہ تمام انسان بحیثیت انسان کے برابر ہیں، وطن، قوم، طبقات اور نسب کی بنیاد پر ایک کو دوسرے پر کوئی فوقیت و برتری نہیں ہے، اسلام میں قبیلوں اور خاندان کا فرق و امتیاز تفاخر کے لئے نہیں بلکہ تعارف کے لئے ہے، چنانچہ ارشاد خداوندی ہے:

''إنا خلقناكم من ذكر وأنثى وجعلنا كم شعوبا وقبائل لتعارفوا إن أكرمكم عند الله أتقاكم'' (سورہ حجرات: ۱۳)۔

اسی طرح حدیث نبوی ہے: ''لا فضل لعربي على عجمي، ولا لعجمي على عربي ولا لأبيض على أسود ولا لأسود على أبيض إلا بالتقوى'' (مسند احمد ۵/ ۴۱۱)۔

اس حدیث نبوی اور مذکورہ آیت سے یہ واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ اسلام میں نسب اور دوسرے امور کی وجہ سے انسانوں، قبیلوں، خاندانوں اور برادریوں کے درمیان کوئی فرق و امتیاز نہیں، بلکہ مذکورہ آیت کریمہ کا جو پس منظر اور شان نزول ہے، وہ واضح طور پر بتاتا ہے کہ اس آیت کا نزول ہی اس کفاءت کے تصور کو رد اور ختم کرنے کے لئے ہوا ہے، علامہ قرطبی نے ابوداؤد کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ یہ آیت کفاءت کے تصور کے رد کو واضح طور پر بتاتی ہے (الجامع لأحکام القرآن ۱۶/ ۳۴۱)۔

نسب کے سلسلہ میں کفاءت کے مسئلہ پر ہر دو فریق کی آراء اور دلائل کا جب ہم جائزہ

لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جن حضرات فقہاء نے نسب میں کفو کا اعتبار نہیں کیا ہے، ان کے دلائل کتاب وسنت کی تصریحات، صحابہ کے آثار وواقعات اور دین کے مجموعی مزاج ومذاق سے زیادہ قریب ہیں، جن فقہاء نے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے ان کے پیش نظر دراصل ان کے عہد کا عرف ورواج ہے جسے فقہاء نے مباح قرار دیا ہے اور محض دینداری اور اخلاق میں کفاءت پر اکتفاء کرنے کو بہتر اور مستحب سمجھا ہے، جیسا کہ اس سے قبل علامہ کاسانیؒ کی وضاحت گذر چکی ہے۔

"وعندنا الأفضل اعتبار الدين والاقتصار عليه" (بدائع الصنائع ۲/۳۱۹)۔

حسب میں کفاءت:

حسب کے سلسلہ میں عام طور پر صراحت نہیں ملتی لیکن بعض کتب فقہ میں قدرے صراحت پائی جاتی ہے، حسب سے مراد بعض فقہاء کے نزدیک نسب اور خاندان ہے، بعض حضرات کے نزدیک اس سے مراد مال ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک دین واخلاق ہے، کچھ فقہاء نے وجاہت مراد لی ہے اور وجاہت سے مراد وہ شرف ووجاہت ہے جو کسی خاندان یا فرد کو اس کے علم، مقام ومذہب اور حکومت واقتدار کی وجہ سے حاصل ہوجایا کرتی ہے، علامہ چلپی بیان کرتے ہیں:

"الحسب ما يعده الإنسان من مفاخر آبائه.....قال ابن السكيت: الحسب والكرم يكونان في الرجل وإن لم يكن له آباء لهم شرف" (حاشیہ چلپی علی تبیین الحقائق ۲/۱۲۹) (وہ چیز جس کو انسان خاندانی مفاخر میں شمار کرتا ہے وہ حسب ہے، ابن سکیت نے کہا ہے: بعض دفعہ انسان کو آبائی شرف حاصل نہیں ہوتا لیکن خود اس میں کرم وحسب پایا جاتا ہے)۔

اسی طرح محیط میں صدر الاسلام سے نقل کیا گیا ہے: "الحسب الذي له جاه وحشمة ومنصب" یعنی صاحب جاہ وحشمت اور اہل عہدہ ومنصب صاحب حسب

کہلائیں گے۔

حسب کے اس آخری مفہوم کو جب اس کے جزئیات اور اس سلسلہ میں فقہاء کی جو تفصیلات ہیں ان پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حسب کا یہی آخری مفہوم زیادہ صحیح اور بامعنی معلوم ہوتا ہے، یعنی جزئیات کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہاء نے حسب کو کفاءت کے مسئلہ میں کافی اہمیت دی ہے، چنانچہ عجمی عالم کو اس کے علم کی بناپر ہاشمی اور عرب جاہل کا کفوقرار دیا گیا، کیونکہ علم کا شرف نسبی شرف سے بڑھ کر ہے۔

علامہ ابن نجیم نے لکھا ہے کہ امام ابو یوسفؒ نے فرمایا کہ نومسلم کو اگر دوسری ایسی فضیلتیں حاصل ہوں جو نسب کی کمی کو پورا کردے تو ایسا نومسلم خاندانی مسلمان کا کفو ہوگا (البحر الرائق ۳؍ ۱۴۳)۔ اسی طرح امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ تمام ہاشمی اور تمام عرب باہم کفو ہیں، سوائے خانوادہ خلافت کے کہ خانوادہ خلافت کو بمقابلہ دوسرے خاندانوں کے برتر سمجھا جائے گا (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۴؍ ۲۷۴)۔

اس سلسلہ میں علامہ شامیؒ نے لکھا ہے: اگر علم وحسب کا شرف نسب وخاندان کے شرف سے بڑھ کر نہ ہوتا تو کیا امام ابوحنیفہؒ اور حسن بصریؒ جیسے غیر عربی کسی جاہل قریشی یا اپنے پاؤں پر پیشاب کرنے والے عربی کے کفو نہیں ہوسکتے، علامہ موصوف کے الفاظ اس طرح ہیں:

”وكيف يصح لأحد أن يقول أن مثل أبي حنيفة أو الحسن البصري وغيرهما ممن ليس بعربي، أنه لايكون كفوا لبنت قريش جاهل أو لبنت عربي بوال على عقبيه“ (ردالمحتار ۲؍ ۳۲۳)۔

مذکورہ تفصیلات سے معلوم ہوا کہ حسب اور عزت وشرف ایک ایسی چیز ہے جو اگر کسی فرد یا خاندان کو حاصل ہوجائے تو بلاشبہ ان کا مقام، نسب اور دیگر امور سے بلندتر ہوگا، اس میں کوئی شک نہیں کہ اس قسم کے صاحب وجاہت وشرف حضرات آپس میں ایک دوسرے کے کفو کہلائیں گے خواہ وہ نسبی طور پر کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتے ہوں، عرب ہوں یا عجم، اس سلسلہ

میں سب برابر تصور کئے جائیں گے، یہ وہ پہلو ہے کہ اگر اس کو نظر انداز کیا جائے تو اس میں مصالح زندگی متاثر ہو سکتے ہیں، اس لئے اس میں کفاءت کا اعتبار کیا جانا چاہئے۔

اسلام میں کفاءت:

عربوں کے سلسلہ میں تو تمام فقہاء متفق ہیں کہ خواہ نو مسلم ہوں یا قدیم الاسلام سب ایک دوسرے کے کفو ہیں، البتہ عجمیوں کے بارے میں اختلاف ہے، اکثر فقہاء کے نزدیک نو مسلم قدیم الاسلام مسلمانوں کے کفو ہیں، خواہ عرب ہوں یا عجم، البتہ امام ابوحنیفہؒ کی رائے اس سلسلہ میں جدا ہے، علامہ ابن قدامہ لکھتے ہیں:

نو مسلم اور آزاد ایسے شخص کا کفو ہے جو دو پشتوں سے مسلمان اور آزاد ہو، امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا کہ کفو نہیں ہے اور یہ صحیح نہیں ہے، اس لئے کہ اکثر صحابہ نو مسلم تھے جو اس امت کے سب سے افضل لوگ تھے، لہذا یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صحابہ تابعین کے کفو نہیں ہیں (المغنی ۷/ ۳۰)۔

حنفیہ اس سلسلہ میں تفصیل بیان کرتے ہیں کہ جس شخص نے اسلام قبول کرلیا ہو اور اس کے والدین کافر ہوں اور جس کے والدین کافر ہوں اور وہ خود مسلمان ہو تو وہ امام ابوحنیفہ اور امام محمدؒ کے نزدیک ایسے شخص کا کفو نہیں جس کے خاندان میں دو پشتوں سے اسلام ہو، البتہ ایسا شخص جس کے یہاں دو پشت سے اسلام ہو، یعنی باپ اور دادا دونوں مسلمان ہوں تو وہ تمام مسلمانوں کا کفو ہے، چاہے پشتہا پشت سے مسلمان کیوں نہ ہوں، امام ابو یوسف نے اتنا فرق کیا ہے کہ جس کے والدین مسلمان ہوں یعنی ایک پشت سے جس کے خاندان میں اسلام ہو تو وہ تمام مسلمانوں کے کفو ہیں (رد المحتار ۴/ ۳۱۹، البحر الرائق ۳/ ۱۳۲)۔

فقہاء کے مذکورہ اقوال کا جب جائزہ لیا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان آراء کی بنیاد نصوص پر نہیں ہے، بلکہ فقہاء نے اپنے زمانہ کے عرف اور معاشرہ کے مزاج و مذاق کو پیش نظر رکھا ہے، اسی لئے علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں کہ ایسی آبادی جہاں قریب ہی زمانہ میں اسلام پھیلا ہو اور نو

مسلم ہونا عیب نہ سمجھا جاتا ہو وہاں کے لئے یہ حکم نہ ہوگا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۳۱۹)۔

ناچیز کے خیال میں اس سلسلہ میں جمہور کا مسلک راجح اور اسلام کے مزاج اور دور حاضر کے ذہن ودماغ کے موافق ہے، اس لئے اسلام میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا جانا چاہئے۔

مال میں کفاءت:

حنفیہ، شافعیہ اور حنابلہ کی معتبر رائے یہ ہے کہ مال میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، البتہ حنفیہ میں امام ابو یوسفؒ کا یہ اختلاف نقل کیا گیا ہے کہ ان کے نزدیک مال میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ مال آنے جانے والی چیز ہے جس کو قرار نہیں، صاحب ہدایہ لکھتے ہیں:

"قال أبو یوسف لا یعتبر، لأنه لا ثبات له، إذ المال غاد ورائح" (ہدایہ ۲/۳۰۱)۔

شیخ ابو زہرہ لکھتے ہیں کہ امام ابو یوسفؒ سے مروی ہے کہ مال میں کفاءت کے لئے مہر مثل کی ادائیگی پر قادر ہونا شرط نہیں، بلکہ نفقہ دینے کی استطاعت ہونا شرط ہے، اس لئے کہ نفقہ پر عام طور پر نکاح کا دوام واستمرار ہوا کرتا ہے، لیکن مہر پر نہیں، کبھی کبھی انسان باپ ودادا کی قدرت کی وجہ سے مہر کی ادائیگی پر قادر ہو جاتا ہے، اسی طرح دیگر رشتہ دار جو عرفاً بطور ہدیہ مہر ادا کر دیتے ہیں، اس سے بھی مہر پر قدرت ہو جاتی ہے (الاحوال الشخصیہ رص ۱۳۹)۔

جن لوگوں نے مال میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے ان کے نزدیک اس کی تفصیل میں اختلاف ہے، حنفیہ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ زوجین میں سے دونوں کی مالی حالت اور معاشی سطح میں یکسانیت ضروری نہیں، بلکہ اگر مرد مہر مثل ادا کرنے پر قادر ہو اور نفقہ دے سکتا ہو تو وہ مالدار سے مالدار خاتون کا کفو اور ہمسر ہوگا (بدائع الصنائع ۲/۳۱۹)۔

حنابلہ کی بھی رائے یہی ہے کہ مال میں کفاءت کے لئے مہر کی ادائیگی اور قدرت اور حسب ضرورت نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت کافی ہے، ابن قدامہ لکھتے ہیں:

"والیسار المعتبر ما یقدر به علی الإنفاق علیها حسب ما یجب لها ویمکنه أداء مهرها" (المغنی ۷/۲۹)۔

صاحب ہدایہ اور شارح ہدایہ علامہ ابن ہمامؒ لکھتے ہیں مہر پر قدرت سے مراد مہر معجّل ادا کرنے کی صلاحیت ہو، شیخ ابو زہرہ کا خیال یہ ہے، ان دونوں حضرات کی عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ ائمہ مذہب کی رائے یہی ہے:

''أما المهر ففی الهداية والفتح أن القدرة علی المال تكون بالقدرة علی المعجل، وعبارتهما تفيد أن ذلک رأی أئمة المذهب، لا رأي أبی يوسف وحده'' (حاشیہ الاحوال الشخصیہ ۱۳۹)۔

علامہ حصکفیؒ اور علامہ شامیؒ کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات زمانہ کے پیش نظر بعد کے فقہاء نے اس میں مزید سہولت اختیار کی ہے، حصکفی کہتے ہیں کہ اگر مہر کے اتنے حصے کی ادائیگی پر قدرت ہو جو عام طور پر بعجلت ادا کیا جاتا ہو، اس کے علاوہ ایک ماہ کا نفقہ ادا کر سکتا ہو اور ایسی صنعت یا پیشہ ہو کہ وہ روز کا روز نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو یہ بھی کفاءت فی المال کے لئے کافی ہے (درمختار علی ردالمحتار ۲/ ۳۲۱)۔

علامہ شامیؒ فرماتے ہیں کہ زیلعیؒ نے بعض حضرات سے مزید سہولت نقل کی ہے کہ اگر مہر کی ادائیگی پر قادر نہ ہو، لیکن نفقہ ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو تو یہ بھی کفاءت فی المال کے لئے کافی ہوگا (ردالمحتار ۲/ ۳۲۱)۔

حاصل یہ کہ مال میں کفاءت کے معتبر ہونے یا نہ ہونے کے سلسلہ میں دونوں طرح کی رائیں فقہاء کے یہاں ملتی ہیں، ہر دو طرف سے دلائل بھی پیش کئے جاتے ہیں، لیکن موجودہ دور میں جس کو مادیت کا دور کہا جاتا ہے، مال نے جو اہمیت حاصل کی ہے اور جس کی بنیاد پر سماج اور عرف میں کافی حد تک مالی سطح کا اعتبار کیا جاتا ہے، اس کو دیکھتے ہوئے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ اگر زوجین اور ان کے خاندان میں مالی اعتبار سے غیر معمولی فرق ہو تو کفاءت کا اعتبار کیا جانا چاہئے، ورنہ ہمارے زمانہ میں ہر دو خاندان اور زوجین کی زندگی تلخی اور دشواریوں کا شکار ہوتی رہے گی، اس لئے اس پہلو کو مدنظر رکھنا چاہئے۔

پیشہ یا ذریعہ معاش میں کفاءت:

پیشہ اور ذریعہ معاش میں کفاءت کا مطلب یہ ہے کہ شوہر کا ذریعہ معاش بیوی کے باپ کے ذریعہ معاش سے قریب تر ہو، امام ابو یوسفؒ نے اور امام محمدؒ نے کفاءت میں اس کا اعتبار کیا ہے، لیکن امام ابوحنیفہؒ نے پیشہ میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا ہے (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۱، المغنی ۲۹/۷، البحر الرائق ۳/ ۱۳۳، نہایۃ المحتاج ۶/ ۲۵۱)۔

امام سرخسیؒ نے مبسوط میں امام ابوحنیفہؒ کی یہی رائے ذکر کی ہے:

''المروی عن أبی حنیفة أن ذلک غیر معتبر أصلا'' (المبسوط ۵/ ۲۵)۔

شافعیہ اور حنابلہ کا معتبر قول یہ ہے کہ پیشہ وذریعہ معاش میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، حنفیہ کا مفتی بہ قول یہی ہے کہ اعلی پیشہ والے کمتر پیشہ والوں کے کفو نہ ہوں گے، شمس الائمہ الحلوانی نے صراحت کی ہے کہ اسی پر فتوی ہے۔

پیشہ اور ذریعہ معاش کے سلسلہ میں فقہاء کی تصریحات اور جزئیات پر گہری نظر ڈالنے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا تمام تر مدار عرف پر ہے، جہاں جہاں جن پیشوں کو اعلی اور جن پیشوں کو ادنی سمجھا جاتا ہے، وہاں اسی کا اعتبار ہوگا، ممکن ہے کہ دوسری جگہ وہ دونوں پیشے یکساں سمجھے جاتے ہوں، یا کسی دور میں کوئی دو پیشے الگ الگ مقام رکھتے ہوں لیکن دوسرے زمانے اور حالات میں وہ دونوں پیشے یکساں سمجھے جاتے ہوں، اس لئے شیخ ابوزہرہ نے اس نکتہ کی طرف توجہ دلاتے ہوئے یہ وضاحت کی ہے کہ جن لوگوں نے صنعت وحرفت اور ذریعہ معاش میں کفو کا اعتبار کیا ہے، دراصل ان کی نگاہ لوگوں کے عرف پر ہے، اس لئے کہ ایسا دیکھا جاتا ہے کہ جو لوگ اعلی پیشہ اختیار کئے رہتے ہیں، وہ اس سے کمتر پیشہ والوں کے یہاں رشتہ نکاح کرنے سے گریز کرتے ہیں، خاص طور پر جبکہ دونوں خاندانوں کے پیشوں میں غیر معمولی تفاوت ہو، لہذا اس مسئلہ میں اصل معیار عرف ہی ہے، شیخ ابوزہرہ نے اس میں اپنا رجحان کفو کے معتبر ہونے ہی کا ظاہر کیا ہے (الاحوال الشخصیہ / ۱۴۰، ۱۴۱)۔

مذکورہ بالا تفصیلات کی روشنی میں ہم اس نتیجہ میں پہنچتے ہیں کہ پیشہ کا تفاوت اور فرق ایک اضافی شئے ہے کہ کون سا پیشہ حقیر و ذلیل ہے اور کون سا شریف اور باعزت، اس کا انحصار سماج اور ملک کے عام رسم ورواج پر ہے، لہذا اسی کے مطابق حکم بھی ہوگا۔

عیوب سے محفوظ ہونے میں کفاءت:

جمہور فقہاء نے کفاءت میں اس کو معتبر نہیں سمجھا ہے، لیکن فقہاء شافعیہ نے اسے معتبر مانتے ہوئے یہ صراحت کی ہے کہ کسی صحت مند عورت کا کفو وہی مرد ہوسکتا ہے جو جسمانی اعتبار سے سنگین قسم کے نقص و عیوب سے خالی ہو، جیسے جذام، جنون، برص (المغنی ۳۹/۷، البحر الرائق ۱۴۴/۳)، اور بعض فقہاء نے اس کو کفاءت فی الحال سے تعبیر کیا ہے:

"والحال وهو أن يكون الزوج سالما من العيوب الفاحشة" (ارشاد الساری شرح بخاری ۱۹/۸)۔

مالکیہ اور حنابلہ اگر چہ عیوب سے محفوظ ہونے میں کفاءت کا اعتبار نہیں کرتے ہیں، اس کے باوجود سنگین امراض کی بناء پر عورت کو اس بات کا حق دیا ہے کہ وہ اس مرد سے تفریق کا مطالبہ کرے، امام ابوحنیفہؒ نے نامردی اور اس کے سوا دوسرے امراض کی بناء پر عورت کو مطالبہ کی تفریق کا حق نہیں دیا ہے، لیکن امام محمدؒ کا مسلک وہی ہے جو مالکیہ اور حنابلہ کا ہے اور حنفیہ کے یہاں اسی پر فتوی ہے، لہذا صرف اختلاف اس میں رہ جاتا ہے کہ شافعیہ کے یہاں مرد میں ایسے عیوب پائے جانے کی صورت میں عورت کے سوا خود اس کے اولیاء بھی تفریق کا مطالبہ کرسکتے ہیں، کیونکہ ان کے نزدیک اس مسئلہ کا تعلق کفاءت سے ہے اور کفاءت صرف عورت ہی کا حق نہیں ہے بلکہ اولیاء کا بھی حق ہے، جبکہ دوسرے فقہاء کے نزدیک تفریق کا مطالبہ صرف عورت ہی کرسکتی ہے اولیاء نہیں، کیونکہ ان حضرات کے نزدیک اس مسئلہ کا تعلق کفاءت سے نہیں بلکہ عورت کے ذاتی حقوق سے متعلق ہے (المغنی ۴۹/۷)۔

۳-نسبی کفاءت اور اہل عرب وعجم میں اس کا فرق ہے یا نہیں؟

جن فقہاء نے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، انہوں نے نسب کے اعتبار سے پوری دنیا کو تین حصوں میں تقسیم کیا ہے، اول قریش، یعنی وہ تمام عرب جن کا سلسلہ نسب نضر بن کنانہ سے ملتا ہے، یہ سب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، دوسرا درجہ قریش کے علاوہ تمام عربوں کا ہے، یہ سب ایک دوسرے کے کفو ہیں، تیسرا طبقہ غیر عرب کا ہے، یعنی عجم جن کو فقہاء ''موالی'' کا نام دیتے ہیں، یہ سب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔

زیلعی نے نصب الرایہ میں مستدرک حاکم کے حوالہ سے ایک روایت نقل کی ہے جس میں یہ بھی صراحت ہے:

''**الموالی بعضهم أكفاء لبعض قبيلة بقبيلة ورجل برجل إلا حائک أو حجام**'' (نصب الرایہ ۳/ ۱۹۷)۔

فقہاء نے صراحت کی ہے کہ عجمیوں کے لئے فخر کی چیز اسلام ہے نہ کہ نسب (فتح القدیر ۳/ ۴۲۱)، اس سے قبل کفاءت فی النسب کی بحث میں بات کی جاچکی ہے کہ فقہاء کی ایک تعداد ہے، جنہوں نے نسب میں کفاءت کا اعتبار ہی نہیں کیا ہے اور جن لوگوں نے اعتبار کیا ہے ان کے نزدیک بھی عجمیوں میں کفو کا اعتبار نہیں ہوگا۔

ان تفصیلات سے یہ بات واضح ہوجاتی ہے کہ ہندوستان میں جو خاندان محض نسبی کفاءت کی بنیاد پر اپنی نوجوان لڑکیوں کے رشتہ میں تاخیر کرتے ہیں، اپنی ہی برادری اور خاندان کے لڑکے کی تلاش میں لڑکیوں کی عمریں طویل ہوجانے کو گوارہ کرتے ہیں، یہ شرعا بالکل درست نہیں ہے، کیونکہ جب عجمیوں میں نسبی کفاءت کا کوئی اعتبار ہی نہیں ہے تو پھر اس کا اعتبار کرکے اتنے سنگین مسائل کھڑا کرنے اور غیر مسلموں اور دشمنان اسلام ومسلمان کو ایک غلط موقع دینے کا راستہ اختیار کرنا کسی طرح درست نہیں ہے۔ مذکورہ تفصیلات کا حاصل یہ ہے کہ:

الف-بعض فقہاء نے نسب کا اعتبار کیا ہے اور بعض نے نہیں کیا ہے۔

ب--جن لوگوں نے اعتبار کیا ہے وہ صرف اہل عرب کے لئے کیا ہے نہ کہ عجم کے لئے۔ البتہ وہ خاندان جو عربی النسل ہیں اور عجمی ممالک میں اشاعت دین یا کسی غرض سے آ گئے ہوں اور ان کا نسب محفوظ ہو اور نسب کے تحفظ کی غرض سے ہمیشہ کفاءت کا خیال رکھا ہو جیسا کہ ہندوستان میں ایسے بعض خاندان موجود ہیں، ان کے لئے کفاءت کا اعتبار شرعاً معتبر ہوگا، گویا نسبی اعتبار سے ان کا شمار اہل عجم میں نہیں بلکہ اہل عرب میں ہوگا۔

ج - یہ تفصیلات کفاءت فی النسب کی بحث میں گذر چکی ہے۔

۴- دور حاضر میں قدیم الاسلام وجدید الاسلام میں کفاءت کی حیثیت:

جمہور فقہاء کی رائے تو یہی ہے کہ اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، خاص طور پر موجودہ دور میں جبکہ ہر مذہب اور کلچر کے لوگ اپنی مذہب اور تہذیب کو مساوات کا علمبر دار کہہ کر پیش کرتے ہیں، اس لئے مسلمانوں کو بھی کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہئے جو اسلام کی دعوت وتبلیغ میں سدراہ ہو، اس لئے ناچیز کے نزدیک اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۵- دور حاضر میں کن چیزوں میں کفاءت کا لحاظ ہوگا؟

ناچیز کے خیال میں دیانت واخلاق، آزادی، حسب اور کسی حد تک غیر معمولی تفاوت کی صورت میں مال میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا جانا چاہئے، لیکن نسب، اسلام، پیشہ وذریعہ معاش میں اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۶- کفاءت کے سلسلہ میں مرد وعورت دونوں کی جانب دیکھا جائے گا یا صرف مرد کی جانب؟

کفاءت کا اعتبار مرد کی جانب میں ہے، یعنی مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے، یہ ضروری نہیں کہ عورت بھی مرد کے کفو اور ہمسر ہو (الاحوال الشخصیۃ لأبی زہرہ/ ۱۴۲)۔

علامہ حصکفی نے بھی درمختار میں صراحت کی ہے کہ کفاءت میں مرد کی جانب کو دیکھا جائے گا کہ مرد عورت کے ہمسر ہو (درمختار ۲؍ ۳۱۷)۔

شیخ ابو زہرہ نے صراحت کی ہے، اصل تو یہی ہے کہ کفاءت میں جانب مرد کو دیکھا جائے گا کہ وہ عورت کا کفو ہے یا نہیں لیکن مسلک حنفی میں دو صورتیں ایسی بھی ہیں جہاں جانب عورت بھی کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا۔

ایک صورت یہ ہے کہ کسی صغیر یا مجنون کا نکاح باپ، دادا اور بیٹے کے علاوہ کسی نے کرایا، یا ان تینوں میں سے کسی ایک نے کرایا جو کہ سوء اختیار میں مشہور ہو تو ایسی صورت میں نکاح درست ہونے کے لئے کفاءت شرط ہے، اگر عورت اس صورت میں مرد کی کفو نہ ہو تو نکاح درست نہ ہوگا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص نے دوسرے کو بلا کسی قید و پابندی کے نکاح کرانے کا وکیل بنادیا، تو صاحبینؒ کی رائے یہ ہے کہ وکیل کے لئے ضروری ہوگا کہ وہ کفو میں نکاح کرائے، ان دونوں صورتوں میں عورت کی جانب کفو کا اعتبار کیا جائے گا (الاحوال الشخصیہ ؍ص ۱۴۳)۔

۷- کفاءت ولی کا حق ہے یا صرف عورت کا؟

الف- جمہور فقہاء کی رائے یہ ہے کہ کفاءت بیوی اور اولیاء دونوں کا حق ہے، کیونکہ عورت ایسے شخص کے فراش بننے سے اپنی حفاظت کرے گی جو اس کے ہمسر نہیں، اسی لئے یہ حق اس کو حاصل ہوگا اور اولیاء کو اس لئے یہ حق حاصل ہوگا کہ اولیاء اپنے داماد کے عالی نسب ہونے پر فخر محسوس کرتے ہیں اور کمتر نسب ہونے پر عار محسوس کرتے ہیں، اس صورت میں انہیں ضرر لاحق ہوگا، لہذا انہیں یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ اپنے ضرر کو نکاح پر اعتراض کر کے دور کریں (الموسوعۃ الفقہیہ ۳۴؍ ۲۷۱، مادۃ الکفاءۃ)۔

شیخ ابو زہرہ نے وضاحت فرمائی ہے کہ جمہور کا مسلک یہی ہے کہ کفاءت بیوی کا بھی

حق ہے اور اولیاء کا بھی، یہی وجہ ہے کہ اگر عورت نے علم کے باوجود غیر کفو میں نکاح کرلیا اور اولیاء اس سے راضی نہ ہوں تو عقد نکاح فاسد ہوجائے گا اور اگر عورت کو خود ہی غیر کفو کا علم نہ ہو اور اسے دھوکا دیا گیا تو اسے نکاح کے باقی رکھنے اور فسخ کرنے کا حق حاصل ہوگا (الاحوال الشخصیہ ر ۱۴۴)۔

ڈاکٹر وہبہ زحیلی مسلک کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ فقہاء کا اس پر اتفاق ہے کہ کفاءت عورت اور ولی دونوں کا حق ہے، جب عورت غیر کفو میں نکاح کرلے تو اولیاء کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق حاصل ہوگا (الفقہ الاسلامی ۷/ ۲۳۷)۔

مذکورہ بالا تفصیلات سے معلوم ہوا کہ کفاءت عورت کا بھی حق ہے اور ان کے اولیاء کا بھی حق ہے، اس سلسلہ میں دوسرے مذاہب فقہ میں بالخصوص شافعیہ کے یہاں یہ بحث آتی ہے کہ کفاءت یا تو صرف ولی کا حق ہے یا عورت کا، لیکن جمہور جس پر متفق ہیں وہ یہی ہے کہ یہ دونوں کا حق ہے۔

ب- عاقلہ بالغہ خاتون نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا، تو اس سلسلہ میں حنفیہ کا مفتی بہ قول تو یہی ہے کہ نکاح منعقد نہیں ہوگا، علامہ شامی نے محققین کی یہی رائے نقل کی ہے (ردالمحتار ۲/ ۳۲۵)، علامہ ابن ہمامؒ کی بھی یہی رائے ہے (فتح القدیر ۲/ ۴۱۹)، علامہ سرخسیؒ فرماتے ہیں، احوط یہی ہے (المبسوط للسرخسی ۵/ ۲۹)، قاضی خاں نے بھی اس کو اصح اور احوط قرار دیا ہے، اس کے برخلاف دوسری رائے جو ظاہر الروایہ بھی ہے اور مشہور بھی ہے کہ نکاح منعقد ہوجائے گا، البتہ اولیاء کو قاضی کے پاس معاملہ رکھ کر نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا، پہلی رائے رکھنے والے حضرات کا استدلال یہ ہے کہ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ہر ولی اپنا معاملہ قاضی کے یہاں اچھی طرح پیش نہیں کرسکتا ہے اور نہ ہی ہر قاضی معاملہ کی تہہ تک پہنچ کر صحیح فیصلہ کرنے پر قادر ہوتا ہے اور اگر قاضی صحیح فیصلہ کرنے پر قادر بھی ہو تب بھی حکام کے پاس آمد ورفت میں مالی بار پڑے گا جس کا ہر شخص متحمل نہیں ہوگا، جس سے ضرر لاحق ہوگا، اس لئے احتیاط اسی میں ہے کہ پہلے ہی اس کا سد باب کردیا جائے، لیکن اگر گہرائی کے ساتھ جائزہ لیا جائے تو اس

استدلال میں کوئی مضبوطی نہیں معلوم ہوتی ہے، کیونکہ اسلامی معاشرہ میں تمام تر معاملات میں نظام قضاء کو بڑی اہمیت حاصل ہے، محض یہی ایک مسئلہ نہیں ہے جس کی وجہ سے عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے سے امت کو بچالیا جائے، اور مالی بار سے بچالیا جائے، ایک بات شیخ ابو زہرہ نے اس سلسلہ میں بیان کی ہے جو سمجھ میں بھی آتی ہے، وہ یہ ہے کہ اگر نکاح کو صحیح قرار دیا جائے تو اس کی وجہ سے لڑکی رخصت ہوگی، زوجین کے تعلقات ازدواج قائم ہوجائیں گے، اولیاء جب تک اپنا معاملہ عدالت میں پیش کریں گے اور نکاح فسخ کرائیں گے، اس وقت تک تعلقات کا قائم ہوجانا پھر اس کے نتیجہ میں اولاد کا ہوجانا یا کم ازکم صرف زوجین کے درمیان خلوت صحیحہ کا ہوجانا یہی ایسی چیز ہے جو اولیاء کے لئے ننگ وعار کا باعث ہے، جس کو فسخ کے بعد بھی مٹایا نہیں جاسکتا (الاحوال الشخصیۃ ر ۱۴۵)۔

ناچیز کا خیال ہے کہ موجودہ دور کے رجحانات اور حالات کو بھی اس سلسلہ میں پیش نظر رکھنا چاہئے، کیونکہ مسلمان تعلیم یافتہ خواتین کا ایک طبقہ اس انداز سے بھی سوچتا ہے کہ ہمیں اپنی ذات اور زندگی کے معاملات میں خود سوچنے اور فیصلہ کرنے کا موقع ملنا چاہئے، نکاح جو خالص ان کی زندگی کا ذاتی مسئلہ ہے اس میں ان کو پوری آزادیٔ رائے ملنی چاہئے، مزید برآں موجودہ دور میں دشمنان اسلام، اسلامی قوانین کے جن گوشوں کو ہدف ملامت بنائے ہوئے ہیں ان میں عورتوں کے مسائل سرفہرست ہیں۔ ایسے حالات اور دور میں اگر عورتوں کا کیا ہوا نکاح گو کہ غیر کفو میں ہو اگر منعقد قرار نہیں دیا جاتا تو خود مسلم خواتین اور ان کے اثر میں دشمنان اسلام کو اسلامی قوانین وشریعت کو بگاڑ کر پیش کرنے اور فتنہ برپا کرنے کا موقع ہاتھ آجائے گا، ناچیز کا تعلق ایک اہم دار الافتاء سے ہونے کی بناء پر اس سلسلہ کے بہت سے واقعات کا براہ راست واسطہ پڑتا ہے، ان واقعات کو قریب سے دیکھنے اور سمجھنے کی وجہ سے بھی ناچیز راقم کا خیال ہے کہ اس مسئلہ میں متوازن صورت اختیار کرنی چاہئے، وہ یہ ہے کہ جہاں عدالت شرعی قائم ہو وہاں ظاہر الروایہ ہی پر عمل کرنا بہتر ہے، یعنی نکاح منعقد ہوگا، البتہ اولیاء اگر ضرورت محسوس کریں تو شرعی عدالت

سے رجوع کریں، اور جن جگہوں میں قضاء شرعی کا نظام نہیں ہے، وہاں معاملہ دار الافتاء کے تابع رہے، مفتی وقت واقعہ پر غور کرے اور اگر واقعی اولیاء کے لئے اس ماحول میں ننگ و عار اور قابل لحاظ ضرر رہے تو نکاح کے عدم انعقاد کا فتوی دے، اور اگر خود لڑکی صاحب شعور اور تعلیم یافتہ ہو اور اولیاء کو کوئی قابل لحاظ ضرر بھی نہ ہو تو نکاح کے منعقد ہونے کا فتوی دے، یہ تجویز ناچیز کا اس لئے بھی بہتر ہے کہ کفاءت کے مسئلہ کا تمام تر مدار عرف پر ہے، جیسا کہ پہلے بحث گذر چکی ہے اور آج کا عرف اس مسئلہ میں بھی پہلے سے کافی حد تک بدلا ہوا ہے۔

ج - اگر عاقلہ بالغہ خاتون نے غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا اور وہاں نظام قضاء موجود ہو تو اولیاء معاملہ کو عدالت شرعی میں پیش کریں، قاضی شریعت کے نزدیک اولیاء کا ضرر اگر ثابت ہو جائے تو بلاشبہ اس ضرر کو دفع کرنے کے لئے نکاح فسخ کرایا جاسکتا ہے۔

۸ - اس سلسلہ میں فقہاء کی رائے یہی ہے کہ خود لڑکی اور اس کے اولیاء دونوں کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل ہوگا (الأحوال الشخصية لابی زہرہ ر۱۴۶)۔

مسئلہ کفاءت کی اسلامی حیثیت

مفتی ضیاء الحق ☆

کفو کی حقیقت:

شریعت میں کفو نہ افراط پر مبنی ہے نہ تفریط پر، بلکہ شریعت میں کفو کی اہمیت دینے کی حقیقت اور بنیادی مقصد یہ ہے کہ میاں بیوی کی زندگی خوش گوار گذرے اور ''پدرم سلطان بود'' والی عصبیت سے محفوظ رہا جا سکے۔

کفو کا اعتبار:

صاحب شرح وقایہ، کنز اور صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ کفو کا اعتبار سات چیزوں میں ہوگا اور اس میں عرف کا اعتبار کرنا معتبر ہے، کما صرح فی الاشباہ ''العرف معتبر''، لہذا کفاءت یعنی (Equality) میں جگہ اور دستور کا لحاظ ہوگا۔

سات چیزیں ہیں جن میں کفاءت کا اعتبار کیا گیا ہے:

مسلمان ہونا، نسب کا اعتبار، آزاد ہونا، دیانت دار و امانت دار ہونا، مال کا اعتبار، پیشہ، عرف کا اعتبار۔

عجم:

عجم چند ٹکروں میں منقسم ہے: ایشاء، یورپ، افریقہ، ایشاء کوچک، براعظم، برصغیر۔ اس

☆ مدرسہ بیت العلوم جعفرآباد دہلی۔

میں بر اعظم عام طور سے برصغیر کا کفو نہیں ہوا کرتا، لیکن نقد ان کلی بھی نہیں ہے، اسی طرح ایشیاء اور یورپ کا بھی وہی حال ہے لیکن کل ملا کر ان کے کفو ہونے سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

صنعت:

اب ہم جائزہ لیتے ہیں ان لوگوں کا جو پہلی قسم یعنی صنعت سے تعلق رکھتے ہیں، اس میں عام طور سے ہندوستانی، پاکستانی، بنگلہ دیشی، افغانی، نیپالی نظریہ برابر ہے، یعنی کہ یہ لوگ اپنے کو مختلف صف میں شمار کرتے ہیں اور ان کا مستقل اپنے اپنے کفو کا ایک معیار ہے، ان میں نہ سنار، لوہار کا کفو سمجھا جاتا ہے اور نہ لوہار سنار کا، نہ میکنک جوہری کا اور نہ جوہری میکنک کا، بلکہ اگر ان میں کا کوئی ایک دوسرے کی بیٹی بیاہ لائے تو یہ ان کے لئے نہایت ہی ذلت وعار کی بات سمجھی جاتی ہے، یہاں تک کہ ایسا جرم کرنے والے کو کبھی گھر سے نکلنے پر مجبور کیا جاتا ہے اور طلاق دینے پر بھی مجبور کیا جاتا ہے، ایسا کرنے والے کو خاندان کی شرافت کا باغی اور خاندان کے نام پر بدنما داغ سمجھا جاتا ہے۔

حرفت:

صاحب حرفت بھی صاحب صنعت کی طرح ہیں، ان کا معیار ان سے بھی کبھی بڑھ جاتا ہے، کہ اگر کبھی ایسا واقعہ بلکہ حادثہ پیش آ جائے تو انہیں لڑکے یا لڑکی کو کاٹ دینا، ذبح کر دینا گوارہ ہے مگر ایک دوسرے کے یہاں شادی بیاہ گوارہ نہیں، بلکہ قطعی گنجائش نہیں، اس دوسری قسم کے سبھی لوگ جبکہ معاشرہ میں ننگ وعار سمجھے جاتے ہیں اس کے باوجود بھی یہ اپنی وضعی شرافت کے دعوے دار ہیں اور انہیں منظور نہیں کہ کوئی غیر آ کر ان کی بیٹی بیاہ لے، چاہے وہ اپنے خاندان کا اعلی ہی کیوں نہ ہوں۔ واقعات وشواہد اس کے بینہ گواہ ہیں۔

تجارت:

تجارت کا پیشہ، بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے، اس پیشہ میں تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

۱-اعلی، ۲-متوسط، ۳-ادنی۔ اس میں اعلی وہ لوگ کہلاتے ہیں جن کی بڑی بڑی فیکٹریاں ہیں، بہت سے کارخانے چل رہے ہیں، یا ان کا آل انڈیا لیبل پر یا آل پاکستان لیبل پر اکسپورٹ (درآمد) امپورٹ (برآمد) کا کام ہے، اور ان کی ملک، صوبہ شہر یا علاقہ میں خاصی شہرت ہے، ایسے لوگ عموماً اپنی تجارت کے ذریعہ کمائی ہوئی عزت کو ہی ''کفو'' بناتے ہیں، چنانچہ اگر ان کے خاندان کا کوئی غریب آدمی ہو تو نسبی قرابت کے باوجود یہ ان سے رشتہ نہیں کرتے ہیں، بلکہ ایسا کرنے کو اپنے لئے توہین سمجھتے ہیں۔

دوسری قسم:

تجارت کے میدان میں تھوڑے بہت فرق کے ساتھ درمیانی اور ادنی قریب قریب ہیں، یہ لوگ اوپر والی صفات کے حامل تو نہیں ہیں بلکہ ان سے نیچے ہیں اور ان دونوں کا باہمی تھوڑا سا امتیاز کالعدم شمار ہوتا ہے، یعنی پھل فروش سبزی فروش سے شادی کر لیتا ہے، اور ہر قسم کا سامان بیچنے والے یعنی جنرل اسٹور والے اور کپڑ فروش کبھی تو مصنوعی خاندان کا اعتبار کرتے ہیں اور کبھی آپس میں شادی کر لیتے ہیں۔

غرض یہ کہ یہ لوگ ایک دوسرے سے اپنے بال بچوں کا رشتہ بلا جھجک کر لیا کرتے ہیں اور کوئی خاص بات نہیں سمجھی جاتی، نیز یہی ان لوگوں کا کفو ہے اور شریعت ان کے عرف میں ''کفو'' ہونے کی بنا پر اعتبار کرتی ہے، کیونکہ قاعدہ ہے ''**العرف معتبر**''۔

سوال نمبر ۳ اور ۵ سے متعلق تقریباً ساری باتیں بیان کر دی گئیں ہیں، البتہ سوال نمبر ۴ ایک اہم مسئلہ ہے موجودہ دور میں کہ فقہاء کرام کے اقوال، اور فقہ کی کتابیں تمام کی تمام اس بات پر متفق نظر آتی ہیں کہ قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کو بھی معیار سمجھا جائے، لیکن راقم الحروف اس بارے میں یہ سمجھتا ہے کہ یہ تفاوت کا معیار ان کے یہاں یوں ہی قائم نہیں ہوا ہوگا۔ بلکہ وہی خاندانی عار والی بات پیش نظر رہا کرتی ہوگی اور اس بات کی دلیل کے طور پر میں صرف کہہ سکتا ہوں کہ یہ مسائل ان ملکوں اور مقامات پر لکھے گئے اور اس زمانہ میں لکھے گئے جب اسلام

کوتمام عالم میں برتری حاصل تھی اور اس وقت کے مناسب یہی لکھنا ہی تھا، تا کہ یہ امتیاز ہو سکے کہ کون قدیم ہے اور کون جدید، پھر حکومت کی مصلحتیں ان کے ساتھ قائم ہوں، لیکن موجودہ زمانہ کی رفتار میں حالات کچھ اور ہیں اور واقعی معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں ایک حد تک رکاوٹ محسوس ہوتی ہے۔ نیز جدید الاسلام ایک حد تک احساس کمتری کے شکار ہوجاتے ہیں کہ ہم اپنے دھرم میں تو چودھری تھے مگر یہاں عجیب منظر ہے۔

لہذا حالات کے پیش نظر اس میں تخفیف ہونی چاہئے، تا کہ تالیف قلب ہو اور اضافہ امت کی راہ ہموار ہو سکے، قطع نظر اس سے کہ اسلام کو تالیف قلب کی ضرورت نہیں ہے، کیونکہ یہ مسئلہ اولاً مختلف فیہ ہے، دوسرے یہ کہ یہ صرف بیت المال کے اموال سے متعلق ہے۔

سوال نمبر ۶ میں جو یہ بات آئی ہے کہ کفاءت کا اعتبار مرد وعورت دونوں کے بارے میں کیا جائے گا، یا صرف عورت کے بارے میں تو اس کا جواب اس طرح دیا جا سکتا ہے کہ:

۱-عورت اپنے سے اعلی کفو میں نکاح کرلے یا ادنی میں بہر کیف غیر کفو میں ہونے کی وجہ سے ولی کو حق اعتراض ہوگا۔

۲-دوسری صورت یہ ہے کہ مرد اپنے سے اعلی میں شادی کرے تو مذکورہ باتیں اور دلائل اس کے جواب کے لئے کافی ہیں۔

۳-البتہ مرد اگر اپنے سے کم تر جگہ میں شادی کرلے تو کیا حکم ہے، اس بارے میں فتاوی دار العلوم کے جواب کو بعینہ نقل کیا جاتا ہے۔

''جبکہ زوج شریف ہے اور عورت دنیۃ ہے تو عدم کفاءت کی وجہ سے بطلان نکاح کا حکم نہ کیا جاوے گا، اس لئے کہ کفاءت میں جانب زوج کا اعتبار ہے، کہ وہ عورت سے کم درجہ کا نہ ہو، اگر چہ عورت کمتر درجہ ہو'' (فتاوی دار العلوم ۸/۲۰۷۹)۔

کفاءت کا حق:

سوال نمبر ۷ میں جو جزئیات بیان ہوئی ہیں، اس میں ایک پہلو (الف) کا ہے کہ کفاءت

کس کا حق ہے؟ اس بارے میں فقہ کی تمام کتابیں متفق ہیں کہ کفاءت کا حق ولی کو ہے، کیونکہ ایسا ممکن ہے کہ لڑکی بالغہ نا سمجھی کی بناپر کوئی ایسا قدم اٹھائے جو ولی کے لئے باعث عار ہے، مثلاً اس نے غیر کفو میں شادی رچالی تو ایسی صورت میں شرمندگی اور رسوائی جو ایک فطری امر ہے، اس سے بچنے کے لئے کوئی نہ کوئی راہ تو ہونی ہی چاہئے، اسی لئے شریعت میں آیا ہے:

"**فللولی حق الاعتراض فی غیر کفو**" (شرح وقایہ ۲۳۲۰)۔

ب- نکاح تو نام ہے دو گواہوں کی موجودگی میں ایجاب وقبول کا، سو اگر ایسا ہوا ہے تو نکاح منعقد ہو جائے گا، البتہ ولی کو اختیار رہے کہ وہ فسخ کرنا چاہے تو فسخ کرادے اور باقی رکھنا چاہے تو باقی رکھے، فتاوی دار العلوم میں لکھا ہے: **عدم کفاءت کی وجہ سے بطلان نکاح نہ کیا جاوے گا** (مسئلہ فی البحر فی اول باب الاکفاء، وفی الدر وہکذا فی المکثر ۱۰۱)۔

ایسا بہت ہوتا ہے کہ غیر کفو میں نکاح ہوگیا، لیکن ولی کسی داخلی یا خارجی مصلحت کے پیش نظر خاموش ہو جاتے ہیں، ایسی صورت میں نکاح برقرار رہے گا (شرح وقایہ ۲؍۲۰)۔

دھوکہ بازی کا حل:

اب ہمارے لئے ایک اہم مسئلہ رہ جاتا ہے، اور وہ دھوکہ بازی کر کے نکاح کرنے کا ہے، جو آج کل خاص کر شہروں میں عام ہو رہا ہے، یعنی لڑکا بظاہر یہ جتانے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بھی اس خاندان سے تعلق رکھتا ہے جس خاندان کی لڑکی ہے، اور بسا اوقات لڑکیاں ایسا کر بیٹھتی ہیں، یہ قبیح فعل یعنی دھوکہ بازی صرف اسی مذہب میں نہیں ہے، بلکہ تمام مذاہب میں بھی یہ ناسور موجود ہے، تو اگر ایسا ہوگیا کہ کسی نے دھوکہ بازی سے اچھے خاندان کی لڑکی بیاہ لایا پھر جب معلوم ہوا کہ وہ اس خاندان کا نہیں تھا تو اب کیا کیا جائے؟

اس بارے میں فتاوی دار العلوم کے اندر بڑی صراحت ہے، وہیں پر ملاحظہ کیا جائے، اور ایک بات کا لحاظ ضروری ہے، یہ کہ خود اولیاء کو دھوکہ ہوا یا دھوکہ دیا گیا، اگر دوسری صورت ہو تو

یوں تحریر ہے:

ولی اور عورت کو نکاح باقی رکھنے اور فسخ کرانے کا اختیار ہے، (۲/ ۳۴۴) اور باب العنین کے آخر میں صاحب شامی نے تحریر کیا ہے کہ جس شخص نے دھوکہ دے کر اور اپنا نسب غلط بتا کر نکاح کرلیا، بعد میں اگر غیر کفو ظاہر ہوا تو ولی اور زوجہ دونوں کو فسخ کا اختیار ہے بنا بر حق کفاءت کے (ردالمحتار باب الکفاءۃ ۲/ ۴۳۶)۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کفو ہو مگر جو نسب بیان کیا تھا وہ غلط نکلا، تو اس صورت میں صرف عورت کو اختیار ہے، اس وجہ سے کہ دھوکہ کا اثر اس پر پڑے گا (ردالمحتار باب العنین ۲/ ۸۲۳ بحوالہ فتاوی دارالعلوم ۸/ ۲۲۴)۔

کفاءت کی حقیقت اور اس کے مسائل

مولانا عبدالقیوم پالنپوری قاسمی ☆

۱- کفاءت کے لغوی معنی مماثلت اور برابری کے ہیں، اصلاح فقہ میں کفاءت نام ہے، عار کو دفع کرنے کے لئے مخصوص امور میں مرد کا عورت کے برابر ہونے یا برتر ہونے کا۔

"الکفاءة لغة: المساواة، وشرعاً: مساواة الرجل للمرأة في الأمور الآتية" (رد المحتار ۳/۸۵)۔

کفاءت کا ثبوت مختلف احادیث اور آثار سے ہے، لیکن جو روایات منقول ہیں، بالعموم ضعف سے خالی نہیں، اور مختلف احادیث ضعیفہ کے اجتماع سے قوت پیدا ہوتی ہے، جو فی الجملہ کفاءت کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۲۳۳)۔

کفاءت کو نکاح میں مشروع قرار دینے کے مصالح یہ ہیں کہ شوہر اگر عورت کا کفو نہیں ہوگا تو ان کے درمیان محبت اور ازدواجی تعلق کا دائمی رہنا مشکل رہے گا، اور عورت کے اولیاء اور خاندان والوں کو بھی ایسے شخص سے رشتۂ مصاہرت سے نفرت وعار ہوگی جو نسب، عزت ومال اور دین میں ان کے برابر نہ ہوگا، حضرت مولانا محمد یوسف صاحب لدھیانوی تحریر فرماتے ہیں:

نکاح اس مقدس رشتہ کا نام ہے جو نہ صرف زوجین کو بلکہ ان کے تمام متعلقین کو بھی بہت سے حقوق فرائض کا پابند کرتا ہے، اور ان تمام حقوق فرائض کی ادائیگی نہ صرف میاں بیوی کی مکمل یکجہتی اور ہم آہنگی پر موقوف ہے، بلکہ دونوں طرف کے اہل تعلق کے درمیان باہمی اُنس و

☆ مدرسہ جامعہ نذریہ کاکوسی، گجرات۔

احترام کو بھی چاہتی ہے...... رشتہ ازدواج چونکہ محض نظریاتی چیز نہیں ہے بلکہ زندگی کی امتحان گاہ میں ہر لمحہ اسے عملی تجربوں سے گزرنا ہوتا ہے، اس لئے اسلام نے جو صحیح معنوں میں دین فطرت ہے، انسانی فطرت کی کمزوریوں کو نظر انداز نہیں کیا، جہاں اس نے اپنے اصول ومساوات کے مطابق یہ فتوی دیا کہ ایک مسلمان خاتون کا نکاح بلاتمیز رنگ ونسل، عقل وشکل، مال ووجاہت ہر مسلمان کے ساتھ جائز ہے، وہاں اس نے انسانی فطرت کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ پابندی بھی عائد کی ہے کہ اس عقد سے متاثر ہونے والے اہم ترین افراد کی رضامندی کے بغیر بے جوڑ نکاح نہ کیا جاوے، تاکہ اس عقد کے نتیجہ میں ناخوشگواریوں، تلخیوں اور لڑائی جھگڑوں کا طوفان برپا نہ ہوجائے، یہ حاصل ہے اسلام میں مسئلہ کفو کی اہمیت کا (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/ ۱۲)۔

۲- حنفیہ کے یہاں کفاءت نسب، اسلام، حریت، دینداری وتقوی، پیشہ اور مال میں معتبر ہے، ان میں سے بعض کا ثبوت احادیث سے ہے اور ان تمام کے کفاءت میں معتبر ہونے میں اصل مدار عرف وعادات پر ہے، جیسا کہ فقہاء کرام کی عبارات میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، چنانچہ فقہاء کرام ان میں سے بعض کے عرب میں معتبر ہونے اور عجم میں معتبر نہ ہونے، اسی طرح ائمہ حنفیہؒ کے درمیان بعض کے نزدیک بعض کے معتبر ہونے اور دوسرے امام کے نزدیک اس کے معتبر نہ ہونے کو ان کے زمانے اور علاقے کے عرف اور لوگوں کے مزاج پر مبنی قرار دیتے ہیں۔

جب ان کا مدار عرف پر ہے تو حالات اور عرف کے بدلنے سے ان امور میں تبدیلی اور کمی بیشی ہوسکتی ہے۔

فقہاء کرام نے جن امور کو کفاءت میں معتبر مانا ہے اس کی قدرے تفصیل حسب ذیل ہے:

اسلام میں کفاءت:

حنفیہ کے یہاں عربوں میں کفاءت فی الاسلام معتبر نہیں (ردالمحتار ۳/ ۸۷)۔

البتہ اسلام میں کفاءت عجمیوں میں معتبر ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ جو شخص خود نو مسلم ہو اور اس کا باپ کافر ہو اس مسلمان عورت کا کفو نہیں جس کا باپ مسلمان ہو، اور اسی طرح طرفینؒ کے نزدیک وہ مسلم جس کا باپ مسلمان ہو نہ کہ دادا اس مسلمان عورت کے لئے کفو نہیں جس کے خاندان میں اسلام باپ، دادا سے ہو، اس سے اوپر مسلمان نہ ہو۔ اور امام ابو یوسفؒ کے نزدیک جس شخص کا باپ فقط مسلمان ہو وہ کفو ہے اس مسلم عورت کے لئے جس کے خاندان میں پشتہا پشت سے اسلام ہو، اور جس شخص کے باپ اور دادا مسلمان ہوں وہ کفو ہے اس عورت کا جس کا خاندان پشتہا پشت سے مسلمان ہو، جیسا کہ درمختار اور اس کے حاشیہ رد المحتار میں ہے (رد المحتار ۳؍ ۸۸)۔

علامہ شامیؒ نے نقل کیا ہے کہ طرفینؒ اور امام ابو یوسفؒ کے درمیان اختلاف علاقہ اور جگہ کا اختلاف ہے، حقیقی اختلاف نہیں ہے (رد المحتار ۳؍ ۸۸)۔

عرف پر مبنی ہونے کی بناپر علامہ کاسانیؒ لکھتے ہیں: ایسی آبادی جہاں قریبی زمانہ میں اسلام پھیلا ہو اور نو مسلم ہونا عیب نہ سمجھا جاتا ہو وہاں نو مسلم قدیم الاسلام کے لئے کفو ہوگا (بدائع الصنائع ۲؍ ۶۲۷)۔

آزادی میں کفاءت:

آزادی وغلامی میں بھی کفاءت معتبر ہے، لہذا غلام آزاد عورت کا کفو نہیں ہے۔

دین میں کفاءت:

شیخینؒ کے مفتی بہ قول کے مطابق تقوی اور دین داری میں بھی عرب وعجم میں کفاءت معتبر ہے (رد المحتار ۳؍ ۸۸)۔

لہذا فاسق مرد نیک عورت کا کفو نہیں ہوسکتا ہے اور اگر عورت غیر صالحہ ہو لیکن بنت صالحین ہو تو فاسق اس کا کفو نہ ہوگا (رد المحتار ۳؍ ۸۹)۔

امام محمدؒ دین میں کفاءت معتبر نہیں مانتے ہیں، تاہم ان کے نزدیک مرد کا فسق اگر بہت بڑھا ہوا ہو کہ علانیہ فسق وفجور میں مبتلا رہتا ہو، یا نشہ کی حالت میں باہر نکلتا ہو اور بچے اس سے کھلواڑ کرتے ہوں تو وہ نیک عورت کا کفو نہیں ہوسکتا ہے۔

پیشہ میں کفاءت:

امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ حرفت میں کفاءت معتبر نہیں ہے۔

''والمروي عن أبی حنيفة أن ذلک غير معتبر أصلا'' (مبسوط ۲۵/۵)۔

اور امام ابویوسفؒ کے نزدیک صنعت وحرفت میں کفاءت معتبر ہے، علامہ کاسانیؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ یہ اختلاف درحقیقت عرف وعادت پر مبنی ہے (بدائع ۲/ ۶۲۸)۔

حاصل یہ ہے کہ کفاءت میں پیشہ کا اعتبار عرف پر مبنی ہے، لہذا ہر جگہ کے عرف و عادت پر حکم ہوگا، اور اگر کسی خاندان کو کوئی پیشہ اختیار کرنے کی وجہ سے عار لگ گئی تھی، بعد میں اس خاندان نے اس پیشہ کو ترک کردیا، لیکن اس کو سابقہ پیشہ ہی کی بناء پر عرفاً کم درجہ سمجھا جاتا ہے، تو وہ خاندان برتر پیشہ والوں کی لڑکی کے لئے کفو نہ ہوگا۔

''وإن أمکن ترکها، يبقی عارها کما في المجتبی'' (بحر ۳/ ۱۴۳)۔

ہاں اگر سابقہ پیشہ چھوڑے اتنے دن گزر جائیں کہ لوگوں کے ذہن سے ان کی تحقیر ختم ہوجائے تو اب ان کے ساتھ پیشہ کی دناءت کا لحاظ نہ کیا جائے، علامہ شامی تحریر فرماتے ہیں:

''ولو قيل إنه إن بقي عارها لم يکن کفوا، وإن تناسی أمرها لتقادم زمانها کان کفوا'' (منحۃ الخالق علی البحر ۳/ ۱۴۳)۔

مال میں کفاءت:

عرب وعجم دونوں میں مال میں کفاءت معتبر ہے، اور مفتی بہ قول کے مطابق اس میں اعتبار عورت کے مہر مثل اور اس کے نفقہ پر قادر ہونا ہے، اس طور پر کہ عورت کے مہر معجل کی ادائیگی

پر قادر ہو، اور اگر وہ پیشہ والا نہیں ہے تو ایک ماہ کے عورت کے نفقہ پر قادر ہو، اور اگر صاحب حرفت و پیشہ ہے، تو عورت کے ہر روز کے نفقہ کی کفایت کے بقدر کمانے پر قادر ہو، لہذا جو شخص عورت کے مہر معجّل اور اس کے نفقہ پر قادر ہو وہ اس مالدار عورت کا کفو ہے جو مال میں اس مرد سے بڑھی ہوئی ہو (ردالمحتار مع الدر ۳/ ۹۰)۔

نسب میں کفاءت کی تفصیل سوال نمبر ۳ کے جواب میں آ رہی ہے وہاں ملاحظہ کرلیں۔

۳- اپنے ہی خاندان و برادری میں رشتہ نہ ملنے کی وجہ سے لڑکیوں کو بن بیاہی طویل عمر تک بیٹھائے رکھنا (جس سے بہت سے مفاسد پیدا ہونے کا خطرہ ہے) شرعاً درست نہیں، حضرت مولانا یوسف صاحب تحریر فرماتے ہیں:

اپنی برادری کے محدود دائرے میں شادی بیاہ کرنے پر زور دیا جاتا ہے، اور بعض دفعہ اس پر ہرجانہ یا بائیکاٹ تک کی سزا دی جاتی ہے، یہ شرعاً غلط اور حرام ہے، لڑکی اور اس کے اولیاء کی رضامندی سے دوسری اسلامی برادریوں میں بھی نکاح ہوسکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی عیب کی بات نہیں ہے، اور اگر دوسری اسلامی برادری کا لڑکا نیک ہو اور اپنی برادری میں ایسا رشتہ نہ ہو تو غیر برادری کے ایسے نیک رشتے کو ترجیح دینی چاہئے (آپ کے مسائل اور ان کا حل ۵/ ۶۴)۔

الف، ب، ج: کفاءت فی النسب:

کفاءت فی النسب عربوں میں معتبر ہے اور عربوں میں وہ برادریاں بھی داخل ہیں جن کا نسب معروف ہے، جیسے حضرات حسنین اور خلفاء اربعہؓ اور انصار وغیرہم کی طرف منسوب خاندان۔ ان میں تفصیل یہ ہے کہ قریش سب ایک دوسرے کے کفو ہیں اور قریش کے علاوہ دیگر قبائل عرب ایک دوسرے کے کفو ہیں۔ صاحب ہدایہ وغیرہ نے بنو باہلہ کو عام عرب قبائل کا کفو نہیں مانا ہے، مگر علامہ ابن نجیم مصریؒ و ابن ہمامؒ وغیرہما نے بنو باہلہ کو عام عربوں کا کفو قرار دیا ہے

اور یہی صحیح ہے (دیکھئے: البحر الرائق ۳/۱۴۱، ردالمحتار ۳/۸۷)۔

۴- کفاءت میں قدیم الاسلام یا جدید الاسلام کا اعتبار عرف پر مبنی ہے (جیسا کہ گذرا جواب دوم میں کفاءت فی الاسلام کے عنوان کے تحت) لہذا جن برادریوں یا علاقوں میں اس کے اعتبار کا عرف ہو ان کو ترغیب دے کر اسلامی مصالح سے واقف کر کے ختم کرنے کی کوشش کرنی چاہئے، اور انہیں یہ بات ذہن نشین کرانی چاہئے کہ لڑکی اور اس کے ولی کی رضامندی سے اس کا نکاح ہر نومسلم سے ہوسکتا ہے بلکہ ترغیبا فی قبول الاسلام بہتر اور موجب اجر وثواب ہے۔ حضرت مفتی کفایت اللہ تحریر فرماتے ہیں:

''نیک صالح نومسلم جو صلوۃ وصوم کا پابند ہو اس کو لڑکی دینا جائز ہے بلکہ موجب اجر وثواب ہے جو لوگ اس نیک کام میں رخنہ اندازی کرتے ہیں وہ سخت گنہگار ہوں گے'' (کفایت المفتی ۵/۲۱۱)۔

۵- کفاءت کا مسئلہ عرف پر مبنی ہے، لہذا موجودہ دور میں بھی عرفا جن کا اعتبار کیا جاتا ہے ان کا اعتبار ہوگا، اس دور میں بھی عزت وشرف، مال ودولت، دین وتقوی اور نسب وبرادری اور پیشہ وتعلیم کا اعتبار کیا جاتا ہے، اسی طرح عقل وجنون اور قدرت علی الجماع کا اعتبار ہوگا۔

۶- کفاءت کا اعتبار صرف عورت کے لئے مردوں کی جانب سے کیا جائے گا، نہ کہ برعکس میں، لہذا شرط ہوگا کہ مرد عورت کے برابر ہو یا بڑھا ہوا ہو امور کفاءت میں عورت سے (بدائع الصنائع ۲/۶۳۹)۔

۷: الف- کفاءت بیوی اور اس کے اولیاء دونوں کا حق ہے (ردالمحتار ۳/۸۵)۔

ب، ج- عاقلہ بالغہ لڑکی نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح ظاہر الروایۃ کے مطابق نافذ ہے لیکن لازم نہیں، لہذا ولی کو فسخ کرانے کا اختیار ہوگا۔ اور مفتی بہ قول کے مطابق یہ نکاح صحیح ہی نہیں ہوتا بلکہ بالکل باطل ہے، یہی ہمارے اکابرینؒ کا اختیار کردہ ہے، چنانچہ الحیلۃ الناجزہ میں ہے:

بالغ عورت بغیر اذن ولی عصبہ کے غیر کفو میں نکاح کرے، اس صورت میں فتویٰ اس پر ہے کہ نکاح صحیح نہیں ہوتا بلکہ بالکل باطل ہے، حتی کہ اگر نکاح کے بعد ولی عصبہ جائز بھی رکھے تب بھی صحیح نہیں ہوتا، کیونکہ نکاح سے قبل اجازت کا ہونا شرط ہے، لہٰذا عورت کو لازم ہے کہ ایسا ہرگز نہ کرے، اگر کرے گی تو نکاح کالعدم ہونے کی وجہ سے ہمیشہ معصیت میں مبتلا رہے گی (الحیلۃ الناجزہ، ص ۱۰۵)۔

۸- کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب و خاندان یا معاشی و سماجی حالت کے بارے میں خلاف واقع باتیں بیان کر کے لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کر کے نکاح کرا لیا، پھر غلط بیانی واضح ہوئی اور یہ ثابت ہوا کہ وہ عورت کا کفو نہیں ہے، تو اس صورت میں عورت اور اس کے اولیاء کو خیار فسخ حاصل ہوگا۔ جیسا کہ الحیلۃ الناجزہ میں ہے کہ بالغہ عورت کا نکاح باجازت ولی کسی ایسے شخص سے ہوا جن کی کفاءت کا حال معلوم نہ تھا، لیکن بوقت نکاح کفاءت کی شرط کر لی تھی یا صراحۃً تو شرط نہ کی تھی مگر خاوند کی طرف سے کفو ہونا ظاہر کیا گیا تھا، اور اس پر اعتماد کر کے نکاح کر دیا ہو پھر خلاف ظاہر ہوا اور ثابت ہوا کہ کفو نہیں ہے، حکم اس صورت کا یہ ہے کہ عورت کو بھی خیار فسخ حاصل ہوگا اور اس کے ولی کو بھی (الحیلۃ الناجزہ، ۱۰۷)۔

مسئلہ کفاءت فی النکاح

مفتی سید مصلح الدین بڑودوی ☆

کفاءت کے معنی:

کفو اور کفاءت کے لغوی معنی مماثلت اور مساوات کے ہیں، کہا جاتا ہے: "فلان کفوٌ فلان" (یعنی وہ شخص فلاں کے مساوی (برابرسرابر) ہے)، اور اسی معنی میں ارشادِ خداوندی ہے: "ولم یکن له کفوا أحد" (یعنی خدا کا کوئی مثیل اور مساوی نہیں)، نیز ارشادِ نبوی ہے: "المسلمون تتکافأ دماءهم" (یعنی مسلمانوں کے خون باہمی طور پر مساوی اور برابر ہیں) ادنیٰ شخص اور اعلیٰ شخص دونوں کا خون یکساں اور برابر ہے۔

کفاءت کے شرعی معنی:

زوجین (میاں بیوی) کی باہمی وہ مماثلت ومساوات جو چند امور مخصوصہ کے بارے میں لاحق ہونے والی عار اور شرم کو دور کرنے کے لئے ہو، اس مماثلت اور مساوات کو فقہاء کی اصطلاح میں کفو اور کفاءت کہا جاتا ہے۔

اوصاف کفاءت:

فقہاء کرام کا خصائل کفاءت کے بارے میں اختلاف ہے۔ مالکیہ کے یہاں خصائل کفاءت دو ہیں: دین اور حال یعنی فسخ نکاح کے اختیار کو ثابت کرنے والے عیوب سے صحیح

☆ جامعہ تعلیم الاسلام، برطانیہ۔

سالم ہونا۔

حنفیہ کے یہاں چھ ہیں: دین، اسلام، حریت، نسب، مال، حرفت وصنعت۔

حنابلہ کے یہاں بھی پانچ ہیں: دین، حریت، مال، صناعت یعنی حرفت، نسب۔

کفاءت کی مصلحت و غایت:

ازدواجی زندگی کو خوشگوار بنانا اور مضبوط و مستحکم بنیادوں پر بایں طور استوار کرنا کہ عرف اور حالات کے لحاظ سے عورت یا اولیاء عورت کو کسی قسم کا عار محسوس نہ ہو۔

نکاح کے لئے کفاءت شرط ہے یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء کرام کے دو نقطۂ نظر ہیں:

پہلا نقطۂ نظر: سفیان ثوری، حسن بصری، حنفیہ میں سے کرخی وغیرہ بعض فقہاء کا خیال یہ ہے کہ کفو اور کفاءت نکاح کے لئے مطلقاً شرط نہیں نہ شرط صحت اور نہ شرط لزوم، چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ خاوند بیوی کا کفو ہو یا نہ ہو، بہر حال نکاح صحیح اور لازم ہو جائے گا۔

دلائل:

''**الناس سواسية كأسنان المشط، لا فضل لعربي على عجمي، إنما الفضل بالتقوى**'' (حضور علیہ السلام ارشاد فرماتے ہیں کہ تمام انسان کنگھی کے دانوں کی طرح برابر ہیں، کسی عربی کو عجمی پر کوئی فضیلت وفوقیت نہیں، فضیلت تقوی کی بنیاد پر حاصل ہوتی ہے)، نیز ارشاد خداوندی ہے: ''**إن أكرمكم عند الله أتقاكم**'' وغیرہ۔

حضرت بلالؓ نے انصار میں پیغام نکاح دیا، انہوں نے انکار کر دیا، اس پر حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''**قل لهم إن رسول الله يأمركم أن تزوجوني**'' (اے بلال انصار سے کہہ دو کہ اللہ کے رسول کا حکم ہے تم میرا نکاح کرادو)، حضور علیہ السلام نے حضرت زینبؓ کا نکاح زید بن حارثہؓ سے کرایا۔

جمہور فقہاء اس نظریہ کو رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ عرف وعادت پر مبنی امور و

احوال میں اشخاص و افراد کا باہمی تفاوت ایک ناقابل انکار حقیقت ہے، مال و دولت، علم وعمل وغیرہ کمالات اور خوبیوں کے پیش نظر باہمی تفاضل ایک حد تک ملحوظ ومعتبر ہے۔

''والله فضل بعضكم على بعض في الرزق'' اللہ تعالی نے تم میں سے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے۔

''يرفع الله الذين آمنوا والذين أوتوا العلم درجات'' (تم میں سے ایمان وعمل والوں کے درجات اللہ تعالی بلند کرتا ہے)۔

بہر حال یہ فرق مراتب فطرت انسانیہ کا مقتضی ہے اور فطری تقاضے نیز وہ عرف وعادت جو اصول ومبادی دین کے خلاف نہ ہوں، شریعت مطہرہ ان کو نظر انداز نہیں کرتی۔

مذکورہ بالا آیات واحادیث کے معنی یہ ہیں کہ لوگ حقوق وواجبات شرعیہ میں مساوی ہیں اور اخروی فضیلت تقوی پر مبنی ہے۔ نیز کفاءت کا مطلوب ملحوظ ہونے پر دلالت کرنے والی دیگر احادیث کی بناء پر مذکورہ بالا حدیثیں ندب واستحباب پر محمول ہیں، عربی وعجمی احکام آخرت کے اعتبار سے مساوی ہیں، لیکن بہت سے احکام دنیا میں عجمی پر عربی کی فضیلت ظاہر ہے۔

دوسرا نقطۂ نظر:

جمہور فقہاء بشمول ائمہ اربعہ یہ فرماتے ہیں کہ زوجین میں باہمی الفت ومحبت کے ساتھ حسن ودوام معاشرت ودیگر منافع ومصالح نکاح کے حصول وترتب کے لئے کفاءت لزوم نکاح کی شرط ہے، یعنی نکاح غیر کفو میں صحیح تو ہوجائے گا، لیکن لازم نہ ہوگا۔

لزوم نکاح کا مطلب یہ ہے کہ بعد زوجین یا اور کسی کو نکاح فسخ کرانے کا حق حاصل وباقی نہ رہے۔

شرط کفاءت کی نوعیت:

فقہاء مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں کہ کفو اور کفاءت لزوم نکاح کی شرط ہے، صحت نکاح

کی شرط نہیں، چنانچہ اگر کسی عورت نے غیر کفو میں خود نکاح کرلیا تو نکاح صحیح ہوجائے گا، البتہ اس عورت کے اولیاء کو حق اعتراض ہے کہ وہ اپنے اوپر سے عار کو دفع کرنے کے لئے قاضی کے یہاں فسخ نکاح کا دعوی اور مطالبہ کرسکتا ہے، لیکن اگر وہ اپنا حق اعتراض وفسخ نکاح کو ساقط کردیں تو نکاح لازم ہوجائے گا، اور اگر کفاءت صحت نکاح کی شرط ہوتی تو اولیاء کے حق اعتراض کو ساقط کرنے کی صورت میں بھی نکاح صحیح نہ ہوگا، کیونکہ شرط صحت کسی کے ساقط کرنے سے ساقط نہیں ہوتی (بدائع ۲/ ۳۱۷، مغنی المحتاج ۳/ ۱۶۴، المہذب ۲/ ۳۸، المغنی ۶/ ۴۸۰ وغیرہ کتب فقہ)۔

کفاءت کس کا حق ہے؟

فقہاء مذاہب اربعہ اس پر متفق ہیں کہ کفاءت عورت اور اس کے اولیاء دونوں میں سے ہر ایک کا حق ہے، پس عورت نے غیر کفو میں نکاح کیا تو اس کے اولیاء کو اور اگر اولیاء نے غیر کفو میں نکاح کرادیا ہے تو عورت کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا حق ملے گا، کیونکہ ایک نوجوان عورت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور شکایت کی کہ میرے باپ نے اپنے بھتیجے سے اس کی خساست کو رفع کرنے پر میرا نکاح کردیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس عورت کو فسخ نکاح کرانے کا اختیار دیا (بدائع ۳۱۸، فتح القدیر ۲/ ۴۲۴، مہذب ۲/ ۳۸، المغنی ۶/ ۴۸)۔

اولیاء کی باہمی ترتیب حق اعتراض میں اور سقوط حق فسخ نکاح کا وقت:

حنفیہ کے نزدیک فسخ نکاح کے مطالبہ کا یہ حق عورت کے عصبہ اولیاء کو **الاقرب فالاقرب** کی بنیاد پر حاصل ہوتا ہے۔ اور ناراضگی کی صورت میں فسخ نکاح کا یہ حق بہ حسب ظاہر روایت عورت کو بچہ پیدا ہونے یا عورت کا حمل اچھی طرح ظاہر ہونے سے پہلے تک ہے، اس کے بعد وہ اس نکاح کو فسخ نہیں کراسکتے۔

پھر یہ کفاءت ابتداء عقد میں یعنی بہ وقت نکاح معتبر ہے، لہذا بعد از عقد زوال کفاءت مضر نہیں چنانچہ خاوند بہ وقت عقد کفو تھا، پھر نکاح کے بعد غیر کفو ہوگیا تو اس صورت میں فسخ نکاح کا حق نہ ہوگا۔

کیا مرد اور عورت دونوں کے بارے میں کفاءت کا اعتبار ضروری ہے؟

جمہور فقہاء کے نزدیک کفاءت صرف عورت کے حق میں مطلوب ومعتبر ہے، بایں معنی کہ امور واوصاف کفاءت میں خاوند کا عورت کے مساوی یا قریب ہونا شرط اور ضروری ہے، اور عورت کا ان امور کفاءت میں خاوند کے مساوی یا قریب ہونا ضروری نہیں، بلکہ عورت ان امور میں خاوند سے کمتر ہو تب بھی صحیح ہے، کیونکہ عورت کے خاوند سے ان امور میں کمتر ہونے کی وجہ سے مرد کو کسی قسم کی عار محسوس نہیں ہوگی، لیکن مرد کا امور کفاءت میں عورت کی بہ نسبت کمتر ہونا عرفاً اور عادۃً عورت اور اس کے اولیاء کے حق میں باعث عار وشرم شمار کیا جاتا ہے۔

لیکن اس اصل اور ضابطہ سے دو مسئلہ مستثنیٰ ہیں کہ ان میں عورت کا مرد کے لئے کفو ہونا اور مرد کے برابر ہونا ضروری اور شرط ہے۔

۱- باپ یا دادا کے علاوہ اور کوئی ولی عدیم الاہلیۃ یا ناقص الاہلیۃ کا نکاح کرائے۔ یا وہ باپ یا دادا نکاح کرا دے جو قبل از عقد معروف ومشہور بسوء الاختیار ہو، تو یہاں پر مصلحت نکاح کو ملحوظ رکھتے ہوئے احتیاطاً بیوی کا خاوند کے لئے کفو ہونا اس نکاح کی صحت کے لئے شرط ہے۔

۲- کوئی مرد کسی شخص کو مطلقاً وکیل بالنکاح بنائے تو موکل پر اس عقد کے نفاذ کے لئے صاحبینؒ کے نزدیک زوجہ کا خاوند کے لئے کفو ہونا ضروری ہے۔

امور واوصاف کفاءت کی تفصیل:

کن امور اور کن اوصاف وخصوصیات میں کفاءت مطلوب ومعتبر ہے؟ اس کے بارے میں فقہاء مذاہب اربعہ کا اختلاف ہے۔

مالکیہؒ کے نزدیک امور کفاءت دو ہیں: دین اور حال یعنی خیار فسخ کو ثابت کرنے والے عیوب سے خالی ہونا۔ ان کے نزدیک حال بہ معنی حسب ونسب مراد نہیں۔

حنفیہؒ کے نزدیک: دین، اسلام، حریت، نسب، مال، حرفت وصنعت، حنفیہ کے یہاں

خیار فسخ کو ثابت کرنے والے عیوب مثلاً جذام، جنون، برص، بخر، فتر سے سالم ومحفوظ ہونے میں کفاءت ضروری نہیں، البتہ امام محمدؒ کے نزدیک اگلے تین عیوب مذکورہ بالا سے سالم ہونا ضروری ہے۔

شافعیہؒ کے نزدیک امور کفاءت پانچ ہیں: دین یا عفت، حریت، نسب۔ مذکورہ بالا عیوب سے خالی ہونا، حرفت وصنعت۔

حنابلہ کے نزدیک: ان کے یہاں بھی امور کفاءت پانچ ہیں: دین، حریت، نسب، یسار (مال)، صناعت یعنی حرفت۔

خلاصہ کلام یہ کہ فقہاء مذاہب اربعہؒ کفاءت فی الدین پر متفق ہیں اور غیر مالکیہ حریت ونسب وحرفت میں کفاءت پر متفق ہیں اور مالکیہ وشافعیہ مذکورہ بالا عیوب سے سلامتی کی خصلت پر متفق ہیں، اور حنفیہؒ حسب ظاہر روایت اور حنابلہؒ خصلت مال میں کفاءت پر متفق ہیں، البتہ حضرات حنفیہؒ خصلت اسلام اصول کے معتبر قرار دینے میں متفرد ہیں (بدائع ۲/ ۳۱۸، درمختار ورد المحتار باب الکفاءت ۳/ ۱۳، المہذب، ۲/ ۳۹، المغنی ۶/ ۴۸۲، ۴۸۶)۔

مسئلہ کفاءت اور اس کی بنیادیں

مولانا اعجاز احمد قاسمی ☆

۱-کفاءت لغت میں نظیر اور مثل کے معنی میں ہے، پس کفاءت کالغوی معنی مماثلت اور مشابہت کے ہیں اور شرعاً امور مخصوصہ میں مرد وعورت کے درمیان مماثلت کا نام کفاءت ہے، اور وہ امور مخصوصہ نسب، اسلام، حرفت، حریت، دیانت اور مال ہیں۔

۲-کفاءت کا اعتبار کن چیزوں میں کیا جائے گا؟

یہ بات امر محقق اور ثابت فی الواقع ہے کہ نصوص قرآنیہ اور احادیث نبویہ سے یہ امر محدد نہیں، البتہ اصولی اعتبار سے کفاءت کے اعتبار کئے جانے کے سلسلے میں نصوص موجود ہیں:

''ثلث لا تؤخرها: الصلوة إذا أتت، والجنازة إذا حضرت، والأيم إذا وجدت لها كفوا''، اسی طرح ''قريش أكفاء لبعض'' وغیرہ زوجین کے درمیان مناسبت اور مماثلت کے لحاظ کئے جانے کی طرف مشیر ہے۔

تدین میں کفاءت:

اپنے اپنے زمانہ اور حالات وعرف کے اعتبار سے اس کی تعیین کی جاسکتی ہے کہ کن چیزوں میں مناسبت رشتہ کو پائیدار اور مستحکم بنائے گا، اسی وجہ سے اس کی تعیین میں ائمہ کے مابین اختلاف ہوا ہے۔ تقریباً تمام ہی ائمہ کا اتفاق ہے کہ تدین یعنی دینداری اور تقوی میں مماثلت

☆ مدرسہ محمود العلوم، مدھوبنی۔

بین الزوجین کا لحاظ ضروری ہے، اور اسی وصف کے قابل لحاظ ہونے کی اہمیت نص سے بھی واضح ہوتی ہے: "أفمن كان مؤمنا كمن كان فاسقا لا يستوون" ایک صالح مومن ایک فاسق مومن کے برابر نہیں ہوسکتے۔

حریت:

حریت بھی شروط کفاءت میں سے ہے اور یہ بھی صریح حدیث سے ثابت ہے۔ "**فأما الحرية فالصحيح أنها من شروط الكفاءة، فلا يكون العبد كفو الحرة، لأن النبي ﷺ خير بريرة حين عتقت تحت عبد**" (المغنی ۷/۳۷۶) (آزادی بھی شروط کفاءت میں سے ہے، پس غلام آزاد کا کفو نہ ہوگا، نبی کریم ﷺ حضرت بریرہؓ کو خیار دیا جس وقت غلام کے نکاح میں رہتے ہوئے آزاد کی گئیں)۔

مالکیہ نے تدین کے ساتھ ساتھ فقط سلامت من العیوب کو کفو کے لئے ضروری قرار دیا ہے، ان کے نزدیک ان دونوں چیزوں کے علاوہ کوئی تیسری چیز کفاءت میں معتبر نہیں ہے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۵۸)۔

کفاءت فی الحرفت:

حرفت اور پیشہ میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، یہ امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبل، اور امام شافعی کا قول ثانی ہے، اس کا مدار بھی عرف وعادت پر ہے، زوج کے گھر والوں اور خود اس کا پیشہ لڑکی اور لڑکی کے گھر والوں کے پیشہ کے ہم مثل ہو۔

کفاءت فی المال:

مال میں کفاءت کا اعتبار حنفیہ کا مسلہ ہے، اور حنفیہ میں بھی مفتی بہ قول کے مطابق مال میں کفاءت کا اعتبار صرف اس قدر رہے کہ شوہر مہر اور نفقہ پر قدرت رکھتا ہو، گرچہ عورت بہت زیادہ

مال ومتاع والی ہووہ اس مرد کا کفو بن سکتی ہے جو روزمرہ کے اخراجات اور مہر کی اتنی مقدار کے ادا کرنے پر قدرت رکھتا ہو جس قدر کی ادائیگی بوقت نکاح عرف میں ضروری ہو (ہدایہ ۲/ ۳۰۰)۔

کفاءت فی النسب :

امام ابوحنیفہؒ، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کی روایت ثانی یہ ہے کہ نسب میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، عند اللہ یقیناً نسب پر فخر ومباہات انتہائی مذموم اور غلط ہے۔ مگر عند الناس نسب وحسب پر تفاخر امر حقیقت ہے، نسب وخاندان کی وجہ سے عرفاً وعادتاً معاشرہ میں شرافت اور عزت کا تصور یقیناً پایا جاتا ہے، جس کا لحاظ ہر زمانہ میں لوگ اپنی لڑکی کی شادی اور بیاہ کے وقت ضرور کرتے ہیں۔

کفاءت فی الاسلام :

قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کے مابین کفاءت میں اعتبار کے سلسلے میں فقہاء کی تصریحات اس طرح ہیں کہ جس کے دو یا دو سے زیادہ باپ اسلام میں گذر چکے ہوں، وہ اس کے کفو ہیں جس کے آباء و اجداد اسلام کی حالت میں گذر چکے ہیں، اور جس نے خود اسلام قبول کیا ہے یا اس کے ایک باپ نے اسلام قبول کیا تو وہ اس شخص کا کفو نہیں بن سکتا جس کے دو یا دو سے زیادہ باپ اور دادا اسلام کی حالت میں گذر چکے ہیں۔

''لأن تمام النسب بالأب و الجد'' (ہدایہ ۲/ ۳۰۰) گویا اسلام کفاءت میں اعتبار کیا گیا ہے۔

مگر اس زمانہ میں خاص کر ہندوستان جیسے ملک میں اگر ہم حدیث الاسلام اور قدیم الاسلام کا فرق رکھیں گے تو نومسلموں کے لئے ایک قسم کی رکاوٹ پیدا ہو جائے گی اور مسئلہ کھڑا ہو جائے گا کہ اس کی شادی بیاہ کیسے ہوگی۔

مسئلہ کفاءت عرف و عادت پر مبنی ہے:

کفاءت کا مسئلہ ہر زمانہ کے عرف و عادت پر مبنی ہے، تغیر زمان و مکان سے امور کفاءت میں تبدیلی ہوتی رہے گی، ائمہ کے درمیان اختلاف بھی عرف و عادت کے فرق کی وجہ سے ہوا ہے۔ آج کے عرف میں کسی پیشہ اور حرفت کو مذموم نہیں سمجھا جاتا ہے اور نہ باعث عار و شرم ہے، لہذا اس میں کفاءت کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

البتہ اس زمانہ میں تعلیمی تقابل کا رواج ہے۔ دینی و عصری تعلیم میں ایک دوسرے سے برتری اور تفوق کا ذوق بنتا جارہا ہے۔ جاہلانہ گھرانہ کو خواہ مال و دولت میں کتنا ہی بڑھا ہوا ہو گھٹیا اور معیوب مانا جاتا ہے، لہذا عصری یا دینی تعلیم سے آراستہ گھر اور فرد اس کا کفو نہیں ہے جو سرے سے علم سے دور اور نا بلد غیر مہذب ہے۔ علم میں تفاخر اتنی ہوتی جارہی ہے کہ اس دور میں اچھا معاشرہ کسی اور چیز میں تفاخر کو پسند نہیں کرتا، علم اتنی مضبوط اور قوی چیز ہے کہ ایک عجمی عالم جاہل عربی کا کفو بن جاتا ہے، وہاں پر نسب کا تفاخر علمی تفاخر سے مغلوب ہو جاتا ہے۔

''و العجمی العالم کفء للعربی الجاهل'' (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۵۴)۔

کفاءت جانب رجل میں معتبر ہے:

کفاءت جانب رجال میں معتبر ہے نہ کہ جانب مرأۃ میں، پس شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ جس سے چاہے شادی کرے، گرچہ باندی اور خادمہ ہی کیوں نہ ہو، جس کی علت اس طرح بیان کیا گیا ہے۔

اس لئے کہ لوگ باندی اور خسیس عورت کو فراش بنانے میں عار محسوس نہیں کرتے ہیں اور اسی پر عرف جاری ہے ہر زمان و مکان میں۔

کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے:

کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے، علامہ شامی نے ''وهی حق الولی لا

حقها" کے تحت تحریر فرمایا ہے کہ: "وفیه نظر بل هی حق لها أیضا، بدلیل أن الولی لو زوج الصغیرة غیر کفوء لا یصح مالم یکن أبا وجدا غیر ظاهر الفسق" (شامی ۳۱۷/۴)۔

(صرف ولی کا حق ہے عورت کا نہیں) (اس میں نظر ہے بلکہ یہ عورت کا بھی حق ہے، اس وجہ سے کہ ولی نے اگر صغیرہ کا غیر کفو میں نکاح کردیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہے بشرطیکہ ولی غیر ظاہر الفسق باپ دادا کے علاوہ ہو، مالی کفاءت لڑکی کا حق ہے، اس کے ساقط کرنے سے ساقط ہوجائے گا۔ نسبی کفاءت لڑکی اور اولیاء دونوں کا حق ہے، دونوں اپنے اس حق کو اگر ترک کردیتے ہیں تو کہیں بھی کسی سے شادی ہوسکتی ہے)۔

دھوکہ اور فریب کی صورت میں فسخ نکاح:

لڑکا یا اس کے اہل خانہ نے اگر غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کرلیا اور نکاح کرلیا مگر دھوکہ دہی ظاہر ہوگئی تو ایسی صورت میں لڑکی اور اس کے اولیاء کو فسخ نکاح کا خیار حاصل ہوگا۔

بحر میں ہے: "وأما إذا شرطوا فأخبرهم بالکفاءة فزوجها علی ذلک، ثم ظهر أنه غیر کفء کان لهم الخیار" (بحر ۳/ ۱۲۸)۔

(کفاءت کی خبر دی گئی اور اسی شرط پر ولی نے لڑکی کی شادی کردیا، پھر دھوکہ دہی ظاہر ہوگئی کہ وہ غیر کفو ہے تو اولیاء کو خیار فسخ حاصل ہوگا، جھوٹ اور فریب کا نتیجہ یہی ہونا چاہئے)۔

نکاح میں کفاءت کا مسئلہ

مولانا اخلاق الرحمٰن قاسمی ☆

کفاءت کے معنی ہمسری، برابری، کفو، نظیر اور مساوی ہے، الکفاءت فی النکاح یہ ہے کہ شوہر عورت کا مساوی ہو، اس کے حسب میں، نسب میں، دین میں، عمر میں، جمال میں وغیرہ ذالک کما سیاتی۔

نکاح میں کفاءت کی بڑی اہمیت ہے، اور اس کی واضح دلیل حضور ﷺ کا ارشاد گرامی: "خبردار عورتوں کا نکاح نہ کریں مگر اولیاء اور نہ کریں مگر ہمسروں سے" مگر محدثین کے نزدیک یہ حدیث اس درجہ کی نہیں کہ جس سے استدلال کیا جا سکے کیونکہ بعض راوی متہم بالکذب ہیں۔زیادہ صحیح حدیث، حدیث علی ہے جسے امام ترمذی نے روایت کیا ہے، وہ حدیث شریف یہ ہے: "تین چیزیں ہیں جن کو مؤخر نہ کرے: نماز جب وقت آ جائے، جنازہ جب حاضر ہو جائے، اور بغیر شوہر والی عورت جب اس کا کفو مل جائے"۔

عقلی اعتبار سے بھی اس کے مصالح ہیں اور وہ مصالح پورے طور پر اس وقت حاصل ہو سکتے ہیں جبکہ نکاح دو ہمسروں میں منعقد ہو، اس لئے مصالح نکاح کو حاصل کرنے کے لئے کفو کا ہونا ضروری ہے، کیونکہ شریف خاندان کی عورت، شریف خاندان کے شوہر ہی کا فراش بننا گوارا کرے گی، البتہ عورت شریف خاندان کی نہ ہو تو مضائقہ نہیں، کیونکہ فراش بنانے کا تعلق شوہر سے ہے، جس کی وجہ سے فراش کا ادنی اور کمتر ہونا شوہر کے لئے باعث غیظ وغضب نہیں۔

☆ مفتی۔

پھر کفاءت چند چیزوں میں ضروری ہے:

۱-ثم الکفاءة تعتبر فی النسب (ہدایہ) (کفاءت کا اعتبار نسب میں بھی ملحوظ رکھا گیا ہے)۔

کفاءت نسب میں اس لئے معتبر ہے کہ یہ باہم فخر کا ذریعہ اور سبب ہے، اسی وجہ سے بعض قریش بعض کا کفو ہے، اسی طرح بعض عرب بعض کا کفو ہے، اور اس بارے میں حضور ﷺ کا قول ہے کہ قریش میں بعض کفو ہے بعض کا، اور عرب میں بعض کفو ہے بعض کا، اسی طرح ہر قبیلہ دوسرے قبیلہ کا اور بعض عجمی کفو ہے بعض کا، اسی طرح ایک مرد دوسرے مرد کا، اور قریش میں باہم ایک دوسرے کی فضیلت معتبر نہیں وجہ اس کی مذکورہ روایت ہے، مگر امام محمدؒ نے ایک استثنائی حکم فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ نسب مشہور ہو فضیلت معتبر ہے۔

۲-کفاءت فی الدین، دین و دیانت میں بھی کفاءت کا لحاظ رکھا گیا ہے (ہدایہ)، حضرات شیخین اسی کے قائل ہیں اور یہی صحیح ہے، وجہ اس کی یہ ہے کہ دین اعلی مفاخر میں سے ہے، اور عورت کے لئے شوہر کے فاسق ہونے کے بالمقابل نسباً گھٹیا ہونے پر زیادہ عار دلائی جاتی ہے، اور حضرت امام محمدؒ نے فرمایا کہ دیانت امور آخرت میں سے ہے، لہذا احکام دنیا اس پر مبنی نہیں ہوں گے، الا یہ کہ شوہر کو برسر راہ مارا جائے تمسخر کیا جائے، بازار میں نشہ کی حالت میں نکالا جائے اور بچے اس کے ساتھ مستی کرتے پھریں جو اس کے حقارت کا سبب ہو۔

۳-کفاءت فی المال:

مال میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا جاتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہے کہ شوہر مہر ونفقہ کا مالک ہو، ظاہر الروایہ میں اسی کو معتبر مانا گیا ہے، حتی کہ جو شخص دونوں کا مالک نہیں ہے یا ایک کا مالک نہیں ہے تو وہ شخص کفو نہیں ہوسکتا۔ اس لئے کہ مہر تو بدل بضع ہے، لہذا اس کا ادا کرنا ضروری ہے، باقی رہا نفقہ تو نفقہ سے زوجیت کا قیام اور زندگی کا دوام ہے، اور مہر سے مراد اتنی مقدار ہے جس کی تعجیل متعارف ہے، باقی عرفاً موجل ہے۔

۴- کفاءت فی الحرفۃ والصنعت:

کفاءت کا اعتبار صنعت وحرفت اور پیشے میں بھی حضرات فقہاء نے کیا ہے، یہ حضرات صاحبین کے نزدیک ہے، اور حضرت امام صاحبؒ کے نزدیک اس بارے میں دو روایت ہے، ایک کے مطابق معتبر نہیں، دوسری روایت کے مطابق معتبر ہے، امام ابو یوسف سے بھی ایک روایت ہے کہ معتبر نہیں ہے، البتہ پیشہ ہی گھٹیا ہو مثلاً حجام، دباغت، جولاہہ کا پیشہ تو اس صورت میں کفاءت معتبر ہوگی، پیشوں میں کفاءت کے معتبر ہونے کی وجہ یہ ہے کہ لوگ عمدہ پیشوں پر فخر کرتے ہیں اور گھٹیا پیشوں پر شرم محسوس کرتے ہیں، دوسرے قول کی وجہ یہ ہے کہ پیشہ لازم نہیں ادنی سے اعلی کی طرف منتقل ہونا ممکن ہے، لہذا جو چیز غیر لازم ہے اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا۔

۵- غیر عرب میں کفاءت:

ہدایہ میں اعاجم کے بارے میں تفصیل یہ ہے کہ وہ شخص جس کے دو باپ (باپ دادا) اسلام سے مشرف ہیں، یا اس سے زیادہ تو ایسا شخص اس کا کفو بن سکتا ہے جس کے بہت سارے اجداد مشرف باسلام ہیں، اس لئے کہ نسبت کی تکمیل باپ دادا سے ہوتی ہے اور حضرت امام ابو یوسف نے ایک کو دو کے ساتھ لاحق کیا ہے، اور جو شخص خود مسلمان ہو یہ اس شخص کا کفو نہیں بن سکتا جس کا ایک باپ مشرف باسلام ہو، یہ اس لئے ہے کہ اعاجم میں تفاخر اسلام میں ہوتا ہے، اور اسی طرح حریت میں کفاءت کا اعتبار ہے۔

کفاءت اور عرف:

کفاءت کے بارے میں یہ پہلو بھی بڑا اہم ہے کہ آیا کفاءت کا مدار بھی عرف پر ہے؟ تو اس بارے میں صحیح اور صاف بات یہ ہے کہ حضرات فقہاء نے صرف کفاءت کے باب میں عرف و عادت کا مدار و اعتبار صنعت وحرفت اور پیشے میں کیا ہے، باقی اس بارے میں جملہ تفصیل گذر چکی ہے جن کا مدار عرف و عادت پر نہیں ہے (کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ ۴/۵۵)۔

کفاءت کا اعتبار اور حق:

کفاءت میں مردوں کے احوال کا لحاظ کیا جاتا ہے نہ کہ عورتوں کا باقی ظہیریہ کی جو عبارت ہے جس سے عورت کے متعلق تائید ہوتی ہے، وہ صحیح نہیں ہے، کیونکہ اس میں کئی اعتبار سے ضعف ہے جس کی وجہ سے قابل حجت نہیں، صاحب بدائع نے بھی اس امر کی تردید کی ہے، الغرض یہ ہے کہ کفاءت کے حق میں مردوں کے احوال کا لحاظ کیا جائے گا۔

حق کفاءت:

کفاءت عورت کا حق ہے یا ولی کا یا دونوں کا؟ تو اس بارے میں علامہ شامی کی وضاحت یہ ہے کہ کفاءت عورت اور مرد دونوں کا حق ہے، قدرے وضاحت کے ساتھ اور قید و شرائط کے ساتھ ابھی جس کا ذکر ہو چکا ہے، علامہ موصوف نے فرمایا کہ:

"الاتفاق علی أنه حق الفسخ للکل"

بغیر کسی اختلاف کے اس بارے میں سبھی متفق ہیں کہ حق کفاءت عورت اور ولی دونوں کا ہے۔

جہاں تک عاقلہ بالغہ کے از خود غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرنے کا تعلق ہے تو یہ نکاح بلا ریب منعقد ہو جائے گا، لیکن اب فسخ کا حق عورت کو نہ ہوگا، البتہ ایسی صورت میں ولی کے فسخ نکاح کا حق بدستور باقی رہے گا۔ درمختار کی عبارت اس بارے میں اس طرح ہے:

"فلو نکحت رجلا و لم تعلم حاله فإذاهو عبد لا خيار لها بل للاولياء"۔

ہاں اگر کسی لڑکے نے، یا اس کے اہل خانہ نے غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب اور خاندان، یا معاشی وسماجی حالات کے بارے میں خلاف واقعہ بیان کیا، اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کر لیا اور نکاح بھی کر لیا، بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوئی تو ایسی

صورت میں ولی اورعورت ہر ایک کو اختیار ہے، یہاں یہ بات واضح رہے کہ یہ صورت اس وقت ہے، جبکہ عورت اور اس کے ولی کے معیار سے لڑکے یا اس کے گھر والوں کا بیان کمتر یا مساوی نہ ہو، لہذا ایسی صورت اگر نہیں ہے بلکہ اس کے خلاف لڑکے کا معیار بڑھا ہوا ہے، تو ایسی صورتوں میں فسخ کا حق عورت اور ولی میں سے کسی کو بھی نہ ہوگا (شامی ۳۱۷/۴)۔

مسئلہ کفاءت

مولانا محمد ارشد قاسمی

۱- کفاءت کی حقیقت:

کفاءت کا لغوی معنی برابری اور مساوات ہے: "ولم یکن له کفوا أحد"۔
اصطلاح شرع میں کفاءت کی حقیقت یہ ہے کہ نکاح کے باب میں مرد عورت کا چند خاص امور میں برابر ہو۔

"أنکحوا الأکفاء" (ابن ماجہ اعلاء السنن ۱۱/۵۷)، اس جیسی متعدد روایات مستدل ہیں۔

کفاءت کی مشروعیت:

ازدواجی زندگی کو خوشگوار رہنا، لڑکی اور اس کے سرپرستوں کو ننگ وعار سے محفوظ رکھنا۔

۲- کفاءت کے بارے میں ائمہ کے مسالک:

حنفیہ کے یہاں چھ امور میں کفاءت معتبر ہے:

۱- نسب۔ "قریش بعضهم أکفاء لبعض" (روی الحاکم عن عبداللہ بن عمر)۔

۲- آزادی۔ "الولاء لحمة کلحمة النسب" (بدائع الصنائع ۲/ ۳۷۲)۔

۳- مال۔

۴- دیانت تقوی "فاظفر بذات الدین تربت یداک"۔

۵- صنعت وحرفت۔

۶- اسلام۔

مالکیہ کے یہاں دوامور میں کفاءت معتبر ہے:

۱-دینداری، ۲-عیوب سے بری ہونا، مثلاً برص، جذام وغیرہ۔

شافعیہ کے یہاں پانچ امور میں کفاءت معتبر ہے:

۱-نسب، ۲-آزادی، ۳-صنعت وحرفت، ۴-دیانت، ۵-عیوب سے براءت۔

حنابلہ کے یہاں بھی پانچ امور میں کفاءت معتبر ہے:

۱-نسب، ۲-دیانت، ۳-آزادی، ۴-صنعت وحرفت، ۵-مال۔

دینی کفاءت:

تمام ائمہ کے یہاں دینی کفاءت معتبر ہے، اس سلسلہ میں "**الطیبات للطیبین**" اور "**فاظفر بذات الدین تربت یداک**" خاص طور پر مستدل ہے، اور امور دنیا و امور آخرت دونوں ہی تقوی وپرہیز گاری سے بنتے سنورتے ہیں۔

اس لئے شریک حیات کے انتخاب میں بالخصوص دیانت کو معیار بنانا چاہئے، دینی اعتبار سے یہ وصف مطلوب ضرور ہے، البتہ یہ وصف شرط نکاح نہیں ہے۔

حنفیہ میں سے شیخین اس وصف کو معتبر مانتے ہوئے فرماتے ہیں کہ اگر نیکوکار کی لڑکی نے فاسق سے نکاح کرلیا تو اولیاء کو حق اعتراض حاصل ہوگا (بدائع الصنائع ۲/ ۳۷۴)۔

امام محمد فرماتے ہیں کہ یہ وصف معتبر نہیں، اس لئے کہ یہ امور آخرت سے متعلق ہے۔ اور کفاءت کا تعلق دنیوی احکام سے ہے، الا یہ کہ فسق کھلم کھلا ہو۔

آج کے حالات کے پیش نظر امام محمد کے قول پر فتوی دیا جائے تو بہتر ہے۔ ہاں فسق اعتقادی کا خصوصی خیال رکھا جائے، صحیح العقیدہ عورت کے لئے فاسد العقیدہ مرد کفو نہیں قرار دیا جا سکتا۔

صنعت وحرفت:

فقہاء نے پیشہ میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے اور اس سلسلہ میں مختلف اقوال ہیں کہ معتبر

ہے کہ نہیں۔

اس کی بنیاد کوئی نص قطعی نہیں ہے، صرف یہ سماجی مسئلہ ہے جو عرف وعادت پر مبنی ہے، اس لئے عرف وعادت کی تبدیلی کے باعث اس میں تبدیلی ہوگی، بالخصوص آج کے دور میں رزق حلال کے حصول کے لئے ہر قسم کا پیشہ اختیار کیا جارہا ہے اور معیوب نہیں سمجھا جاتا، اس لئے اس دور میں اس کا اعتبار نہیں کرنا چاہئے۔

البتہ جو پیشے شرعی اعتبار سے حرام ہیں ان سے احتراز کیا جائے گا۔

مال:

فقہاء نے کفاءت میں مال کا اعتبار بھی کیا ہے اور ان کے مختلف اقوال ہیں:

حنفیہ اور حنابلہ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ دونوں کی معاشی سطح میں یکسانیت ضروری نہیں، بلکہ اگر شوہر مہر مثل اور نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو تو وہ متمول خاندان کا کفو ہوگا، نفقہ پر قدرت کی تصریح حصکفی نے اس طرح کی ہے کہ نفقہ پر قدرت کے لئے اتنا کافی ہے کہ وہ کمانے والا ہو اور ہر روز اتنا کمالیتا ہو جو اس دن کے خرچ کے لئے کافی ہو (ردالمحتار ۲/ ۳۲۱)۔

۳- نسبی کفاءت کا اعتبار ہے یا نہیں؟

(الف) امام ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، امام احمد بن حنبلؒ نسب میں کفاءت کے قائل ہیں، البتہ امام مالک، ابوالحسن کرخی، سفیان ثوری، ابن حزم نسبی کفاءت کے قائل نہیں ہیں۔

جن فقہاء نے کفاءت نسبی کا اعتبار کیا ہے ان کے دلائل مبنی بر نصوص ہیں اور جنہوں نے اعتبار نہیں کیا ہے ان کے دلائل بھی مبنی بر نصوص ہیں، لیکن روایات کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان میں حکم شرعی کی دلیل بننے کی صلاحیت کے بارے میں غور کرنا ہوگا، اس لئے کہ وہ صحیح نہیں ہیں، یا کم از کم ان کا صحیح ہونا متفق علیہ نہیں ہے۔

بہر حال دونوں طرح کی روایات ہیں، اس لئے اس میں توسع اختیار کرنا چاہئے، وہ

اس طرح ممکن ہے کہ غیر کفو میں نکاح کو باطل اور غیر منعقد قرار دیا جائے، ائمہ نے نسبی کفاءت کا اعتبار کیا ہے، جس کی بنیاد اگر چہ نصوص قطعیہ نہیں ہے بلکہ عرف وعادت ہے، اس طرح یہ ایک سماجی مسئلہ بن جاتا ہے، آج کے دور میں بھی یہ مسئلہ کافی اہمیت رکھتا ہے۔

حالات کے پیش نظر اگر معاشرہ وسماج قبول کرنے کے لئے تیار ہوجائے تو امام مالک کے مسلک کو اختیار کرنے میں مصالح ہیں، یوں بھی یہ مسئلہ مجتہد فیہ ہے اس لئے کوئی سخت رائے رکھنا بہتر نہیں۔

ب-- جن فقہاء کے نزدیک کفاءت نسبی کا اعتبار ہے، ان کے اصول کے مطابق عرب وعجم دونوں میں اعتبار ہونا چاہئے، اس لئے کہ عجم میں بھی عرفاً قبائل کی تقسیم ہے۔

ج - کفاءت نسبی کے شرعی ضابطے:

ا- کفاءت نسبی کی بنیاد عرف پر ہے، ۲- کفاءت کا حق عورت اور اولیاء کی مرضی سے ساقط ہوجائے گا۔

۳- برصغیر میں جو قبائل عرب آباد ہوئے اگر ان کے شجرے محفوظ ہوں تو ان کے مابین اس کا اعتبار ہوگا۔

۴- نسب میں اعتبار باپ کا ہے۔ ان تمام امور کے ساتھ اگر حالات کے پیش نظر کفو میں رشتہ نہ ملے تو غیر کفو میں شادی کر دینی چاہئے۔

۴- قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار:

امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک خاندانی مسلمان ہونا کفاءت میں معتبر ہے، ائمہ حنفیہ کے اقوال بھی اس سلسلہ میں مختلف ہیں۔

اگر غور کیا جائے تو یہ بھی ایک سماجی مسئلہ ہے، اس لئے جہاں کا سماج قبول کرے وہاں اس کا اعتبار نہیں اور اگر قبول نہ کرے تو اعتبار کیا جائے، البتہ کوشش یہ ہونی چاہئے کہ نومسلم کو مسلم

معاشرہ میں قبول کیا جائے جو اسلام کی روح سے ہم آہنگ ہے۔

۵- اگر کفاءت کا اعتبار کیا جائے تو جن امور کو ائمہ نے شمار کیا ہے اس کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

البتہ مصالح نکاح میں آج کے دور میں مندرجہ ذیل امور کا خیال رکھنا چاہئے، نسب وخاندان، دیانت وتقوی، تعلیم وتہذیب، عمر، خوبصورتی، مزاج کی ہم آہنگی، عیوب سے سلامتی بالخصوص امراض موذیہ وغیرہ۔

ان میں بعض امور کی رعایت مستحسن ہے تاکہ رشتہ ازدواج پائدار رہو، اگر لحاظ نہ کیا تو عقد صحیح ہوگا اور فسخ کا اختیار نہیں ملے گا سوائے ان امراض کے جن کے باعث حق فسخ حاصل ہوتا ہے۔

۶- کفاءت میں کس کا اعتبار ہوگا؟

بیشتر فقہاء نے "الکفاءة تعتبر للنساء لا للرجال" (کفاءت کا اعتبار صرف عورت کی طرف سے ہوتا ہے نہ کہ مرد کی طرف سے) کو اختیار کیا ہے (بدائع ۲/ ۳۲۷)۔

۷ (الف)- کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے (الدر المختار ۳/ ۲۰۷)۔

ب- اگر عاقلہ بالغہ خاتون نے ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا تو یہ نکاح تو صحیح ہوگا، البتہ اولیاء کو اعتراض اور فسخ کرانے کا حق ائمہ نے دیا ہے، لیکن موجودہ ہندوستان میں نظام قضاء چونکہ جمیع مالہ وما علیہ کے ساتھ رائج نہیں ہے، اس لئے فسخ کرانے کا مسئلہ دشوار کن ہے، اس لئے اولیاء کو چاہئے کہ اولاد پر ایسی نوبت نہ آنے دیں بالفرض اگر ایسا واقعہ پیش آجائے تو پھر سکوت اختیار کریں اور نباہ کے لئے ممکنہ تعاون دیں۔

۸- اگر کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے نکاح کرلیا تو یقیناً یہ غلط بیانی اور دھوکہ دہی قابل مواخذہ ہے، اس لئے اصول کے تحت لڑکی اور ولی کو حق فسخ ملنا چاہئے، لیکن نظام قضاء کی دشواری وپیچیدگی کے باعث اس مسئلہ کو بھی حل کرنا آسان نہیں، اس لئے عقد نکاح تو بہرحال صحیح ہوا اب چاہئے کہ صاحب معاملہ ضبط وتحمل سے کام لیتے ہوئے نباہ کی کوشش کرے۔

مسئلہ کفاءت اور اسلامی تعلیمات

مولانا محمد روح الامین ☆

۱-لغت میں کفء کہتے ہیں مثل اور نظیر کو، اور شریعت اسلامیہ میں کفء کہتے ہیں، چند مخصوص چیزوں میں زوجین کے درمیان مماثلت کا ہونا، یا عورت کا مرد کے بنسبت کم درجہ کا ہونا۔

جیسا کہ البحر الرائق میں آیا ہے:

"والمراد هنا المماثلة بين الزوجين في خصوص أمور، أو كون المرأة أدنى، وهي معتبرة في النكاح"۔

شریعت اسلامیہ میں کفاءت کو مشروع قرار دینے کی وجہ اور مصلحت یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اولاد آدم کو ایسی فطرت دے کر پیدا فرمایا کہ وہ فطری طور پر زندگی بسر کرنے کے لئے معاشرہ اور سماج کو چاہتا ہے۔

شریعت اسلامیہ میں کفاءت کا اعتبار کیا جاتا ہے، تاکہ اس سے ازدواجی زندگی میں خوشگواری ہر حال میں برقرار رہے اور جب ازدواجی زندگی خوشگوار ہوگی تو بتدریج پورا سماج اور معاشرہ خوشحال اور خوشگوار ہوگا۔ یہی اسلام کا مطمح نظر ہے۔

۲-فقہاء کرام نے جن چیزوں میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے وہ کل چھ ہیں: نسب، حریت، اسلام، دیانت، مال، حرفت۔

☆ چیئرمین اسلام پر چار کمیٹی، کاٹابان مسجد کیمپس، ڈھاکہ، بنگلہ دیش۔

جن میں سے ہر ایک پر ہم مختصر بحث کریں گے۔

نسب: نسب کا اعتبار فقہاء کرام نے صرف عرب میں کیا ہے عجم میں نہیں، کیونکہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا کہ عجم سب کے سب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، اسی حدیث کی روشنی میں فقہاء کرام نے بھی فرمایا کہ نسب کا اعتبار صرف عرب میں ہوگا عجم میں نہیں، کیونکہ انہوں نے اپنا نسب گم کردیا ہے، اس لئے اب ہمارا فخر کا سامان صرف اور صرف دین اسلام ہے نہ کہ نسب (البحر الرائق ۳؍۱۳۱)۔

حریت اور اسلام: یہ دونوں عرب اور عجم میں معتبر ہیں، کیونکہ ان کے ذریعہ فخر کیا جاتا ہے، جیسا کہ بحر میں ہے:

''وأما الحریة والإسلام فمعتبران فی العرب والعجم بالنسبة إلی الزوج'' (۳؍۱۳۳)۔

دیانت: اس میں اگرچہ تھوڑا سا اختلاف ہے شیخینؒ اور امام محمدؒ کا، لیکن فتوی شیخینؒ کے قول پر ہے کہ فاسق چاہے معلن ہو یا غیر معلن صالحہ کا کفو نہیں بن سکتا ہے۔

مال: اس میں تھوڑا بہت اختلاف ہے کہ شوہر کو کتنی مقدار مال کا مالک ہونا چاہئے، مفتی بہ قول یہ ہے کہ لڑکا اگر مہر اور نفقہ کا مالک ہے تو وہ مالدار لڑکی کا کفو بن سکتا ہے، مہر میں مہر معجل پر قدرت ہی کافی ہے اور نفقہ میں اتنی قدرت ہونا چاہئے کہ وہ بیوی کا خرچ پورا کرسکے (بحر ۳؍۱۳۲، ۱۳۳)۔

حرفت یعنی پیشہ: اس کا بھی عرب اور عجم دونوں میں اعتبار کیا جائے گا، اس میں بالکل ایک پیشہ کا ہونا ضروری نہیں، بلکہ لڑکا اگر لڑکی والوں کے پیشہ کے قریب قریب ہے تو بھی کافی ہے اور اگر ان سے اعلی ہو تو بطریق اولی ہوگا۔

ان چیزوں کا اصل مدار تو گرچہ نصوص پر ہے، لیکن جس چیز کو علت بنایا گیا اس کا مدار عرف پر ہے اور وہ ہے مفاخرۃ الاولیاء۔ اس لئے ہمیشہ اشیاء کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، مفاخرۃ

الاولیاء کو مدنظر رکھتے ہوئے، کیونکہ یہ اولیاء کا ہی حق ہے۔

۳-الف، ب:

چونکہ سوال کا تعلق ہندوستان یعنی عجمیوں سے ہے، اس لئے میں صرف عجمیوں کے بارے میں بات کروں گا۔

عجمیوں میں شریعت اسلامیہ نے نسب کے بجائے اسلام کو وجہ کفو قرار دیا ہے اور یہ تفصیل بتایا گیا ہے کہ اگر کسی لڑکے کا صرف باپ مسلمان ہے وہ اس لڑکی کا کفو نہیں بن سکتا جس کے کئی پشتیں مسلمان ہیں۔

البتہ بدائع میں ''قیل'' کے ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ یہ اصول وہاں کے لئے ہے جہاں قدیم الاسلام ہو، لیکن جہاں طویل زمانہ سے لوگ مسلمان نہ ہوں، بلکہ جدید عہد الاسلام ہوں، ایسے علاقہ میں مذکورہ صورت میں بھی کفو بن سکتا ہے۔

۴-مذکورہ بالا تفصیلات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ: ۱-اشیاء کفاءت کا اعتبار کرنا یہ اولیاء کا حق ہے، ۲-ان کا مدار عرف پر ہے، ۳-اعتبار صرف لڑکے کی جانب سے ہوگا لڑکی کے لئے، نہ کہ دونوں جانب۔

اگر یہ تینوں چیزیں مدنظر رکھی جائیں اور عوام کو سمجھا دیا جائے کہ وہ ان کو مدنظر رکھتے ہوئے نکاح کرائیں تو میرے خیال میں کوئی مشکل درپیش نہیں ہونا چاہئے۔

کیونکہ اسلام نے کفو کا اعتبار کیا ہے لڑکی کی مصلحت کے لئے اور ولی کے حق کا خیال کرتے ہوئے۔

اب اگر کہیں لڑکی کی مصلحت پائی جائے، لڑکا بھی شریف ہے خاندان بھی اچھا ہے، تو اس صورت میں لڑکے کا نومسلم ہونا نکاح کے لئے رکاوٹ نہیں ہونا چاہئے، خاص کر ہندوستان جیسے ملک میں جہاں لمحہ بہ لمحہ اسلام کو مٹانے کی کوشش کی جارہی ہے۔

اگر کہیں جدید الاسلام کو عیب سمجھتے بھی ہیں لیکن ایسا لڑکا جو شریف ہے، خاندان بھی اچھا ہے، لڑکی بھی پسند ہے تو ایسی صورت میں صرف جدید الاسلام ہونا رکاوٹ نہیں ہونا چاہئے، اس حالت میں اگر اولیاء اپنا یہ حق چھوڑ دیں، اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ مسلم سوسائٹی میں لوگوں کا جذب ہو، ان میں انتشار اور ہندوؤں جیسی اونچ نیچ کی غلط فہمی پیدا نہ ہو، تو میرے خیال میں انشاء اللہ تعالی یہ اولیاء صرف ایک عمدہ کام ہی نہیں کریں گے بلکہ ثواب کے بھی حق دار ہوں گے۔

۵- چونکہ یہ عرف پر مبنی ہے اس لئے ہر ملک اور علاقہ کے مفتی صاحبان ہی اس علاقہ کے عرف کو دیکھتے ہوئے فرمائیں گے کہ اس وقت اس علاقہ میں کن چیزوں کا اعتبار کیا جائے۔

۶- صرف مرد کی جانب سے کی جائے گی، عورت کے لئے (البدائع ۲/ ۳۲۰)۔

۷- کفاءت ولی کا حق ہے نہ کہ عورت کا۔ جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

''وھو حق الولی لاحقھا'' (البحر ۳/ ۱۲۸)۔

ب- یہ نکاح شرعاً منعقد ہو جائے گا البتہ لازم نہیں ہوگا، ولی کو حق فسخ حاصل ہوگا۔

۸- جی ہاں! ان کو خلاف واقع باتوں کے علم ہوتے ہی خیار فسخ حاصل ہوگا، لڑکی کو بھی اور اولیاء کو بھی۔

جیسا کہ البحر الرائق میں ہے:

''أما إذا شرطوا فأخبرھم بالکفاءۃ فزوجوھا علی ذلک، ثم ظھر أنه غیر کفوء کان لھم الخیار'' (البحر الرائق ۳/ ۱۲۸، الفتاوی الشامیہ ۳/ ۸۵)۔

تیسرا باب

مختصر تحریریں

کفاءت کا مسئلہ اسلامی شریعت میں

حضرت مولانا مفتی نظام الدینؒ ☆

سوالنامہ میں آنعزیز نے جو تفصیلات درج کی ہیں وہ نہایت عالمانہ اور لائق تعریف وانعام ہیں، اس کی ہر شق پر تفصیلی گفتگو کرنے کے لئے ایک ضخیم کتاب لکھنا پڑے گا، اور اس کی طاقت احقر کو بروقت نہیں ہے، اس لئے محض اس کے بعض لازمی اجزاء پر بقدر ضرورت عرض ہے۔

مسئلہ کفاءت میں اہم ترین چیز نکاح وطلاق کے جواز وعدم جواز کا مسئلہ ہے، اس سلسلہ میں حدیث: "القريش بعضهم أكفاء لبعض"، أو كما قال عليه السلام اور حدیث: "العرب بعضهم أكفاء لبعض" أو كما قال عليه السلام کو تسلیم کرتے ہوئے اور تمام فقہی جزئیات کو بھی سامنے رکھتے ہوئے صرف اتنا عرض ہے کہ نکاح میں کفاءت اس کی علت تامہ اور علت فاعلی نہیں ہے کہ اس کا تخلف معلول سے نہ ہو سکے، بلکہ کفاءت محض اس کی حکمت ومصلحت اور سبب کے درجے میں ہے اور حکمت ومصلحت اور سبب کا تخلف ذی حکمت وذی مصلحت اور ذی سبب سے ہو سکتا ہے اور اسی طرح حکمت ومصلحت اور سبب کا توافق وتوارد اس کی علت غائیہ سے بھی ہو سکتا ہے اور کفاءت کی علت غائیہ صرف دو چیزیں ہیں:

اول: زوجین میں خوشگوار زندگی گذارنا نصیب ہو جائے، دوم: علت غائیہ یہ ہے کہ لوگوں میں اس نکاح سے عار کا پیدا نہ ہونا، پس علت غائی کہ زوجین میں خوشگوار زندگی گذارنا

☆ سابق صدر مفتی دار العلوم دیوبند۔

نصیب ہوجائے، اس کے بارے میں حکم شرعی یہ ہے کہ اگر کوئی عورت کسی مرد سے نکاح کرنا چاہے اور دونوں کا معاشرہ بالکل یکساں اور ہم رنگ ہو اور دونوں مسلمان ہوں خواہ کسی مختلف خاندان کے ہوں تو ان دونوں کا دو گواہوں کے سامنے نکاح کرلینا شرعاً درست رہے گا، اور ان کی اولاد کو جائز النسب اور حلال کہنا بھی لازم رہے گا، اور اگر عورت کے کسی عصبہ اقرب کو عار ہو تو دار القضاء شرعی میں اپنا معاملہ رکھ کر تفریق کی کوشش کرسکتا ہے ورنہ صبر کرے، اور یہ جو بعض فقہاء نے لکھ دیا ہے کہ نکاح ہی صحیح نہ ہوگا ان کا یہ کہنا غلط وغیر صحیح ہے، اس لئے کہ اولاً تو حکومت شرعیہ موجود نہیں ہے اور اگر موجود بھی ہو جب بھی ضروری نہیں ہے کہ دخول سے پہلے ہی حکومت تفریق کردے یا کرادے۔

اور اگر ذرا بھی غفلت ہوجائے اور دخول ہوجائے تو یہ دخول حرام کاری وزنا کے حکم میں ہوگا اور یہ کسی طرح جائز نہیں اور بعضوں کا یہ وجہ بیان کرنا کہ شرفاء کو دار القضا اور عدالت میں جانے آنے میں عار ہوتا ہے اور نہیں جاتے آتے اور یونہی گھٹ گھٹ کر مرتے ہیں، اس لئے اس نکاح کو ہی جائز نہ کہا جائے تو یہ وجہ بھی فی زمانہ صحیح نہیں، اس لئے کہ اب تو اچھے اچھے شرفاء بھی عدالتوں میں آتے جاتے ہیں اور عار نہیں سمجھتے، اس لئے یہ وجہ بیان کرنا غلط اور غیر صحیح اور بے موقع ہوگی۔ تیسرے یہ کہ اصل شرعی "**أمور المسلمین محمولة علی السداد والصلاح**"، اس کی واضح مثال بھی قواعد الفقہ رص ۱۲ میں بیان کردی گئی ہے، یہ بھی اس حکم مذکور کے خلاف ہے اور چوتھے یہ کہ حضرت امام ابو یوسفؒ کے "کتاب الآثار" میں ہے کہ ہر مسلمان عاقل بالغ کے قول وفعل اور عمل کو محمل حسن پر محمول کرنا ضروری ہے اور صورت مسئولہ میں احتمال زنا ہوجانے کی وجہ سے یہ حمل محمل حسن پر محمول کرنا نہ ہوگا، بلکہ محمل خبیث پر محمول کرنا ہوجائے گا، اس لئے یہ بھی عدم صحت نکاح کی وجہ کسی طرح صحیح اور جائز نہ ہوگی اور ظاہر الروایات پر عمل کرنے سے نکاح منعقد وصحیح ہوجائے گا اور ان خرابیوں میں سے کوئی خرابی لازم نہ آئے گی۔ اور اس کی کچھ وضاحت علت غائیہ کے ضمن میں آچکی ہے، اور علت غائی کا حاصل یہ ہے کہ لوگوں میں اس نکاح

سے عار نہ پیدا ہوتا ہو، اس مسئلہ میں عرض ہے کہ قرآن پاک میں صریح نص ہے: "قل هل يستوي الذين يعلمون والذين لا يعلمون" یعنی اللہ تعالیٰ کا حضور ﷺ کو حکم ہے کہ آپ لوگوں سے کہہ دیجئے کہ ذی علم اور غیر ذی علم برابر نہیں ہوسکتے، اس آیت کریمہ میں ظاہر اور متبادر یہی ہے کہ ذی علم سے مراد صحیح عقیدہ اور صحیح علم والے ہیں۔ کما اشار اليه قوله تعالى: "إن الله يغفر الذنوب جميعا" وإن الله لا يغفر أن يشرك به" اس آیت کریمہ میں مشرکین نہیں فرمایا بلکہ "أن يشرك" فرمایا یہ جملہ فعلیہ ہے جو تجدد وحدوث کو چاہتا ہے اس سے اشارہ ہوگیا کہ اگر کوئی ایک شرک بھی کرے گا تو اس کو اللہ تعالیٰ نہیں بخشیں گے، بس اس قید سے بطور اشارۃ النص معلوم ہوگیا کہ ذی علم میں محض صحیح عقیدہ والے اور صحیح علم والے مراد ہیں، یہیں سے علت غائی کہ اس نکاح سے لوگوں میں عار کا نہ پیدا ہونا اس کا حکم یہ ملتا ہے کہ وہ بھی صحیح العقیدہ اور صحیح العلم ہو اور ایسا ہو کہ اس سے نکاح کرنے سے عار پیدا نہ ہو، نکاح بالکل جائز اور درست رہے گا۔

پس وہ ذی علم جو سفلیات کا عمل کرتا ہے وہ عموماً افعال شرکیہ کا عمل بھی کرتا ہے، اور اسی طرح جو لوگ ایک شرک بھی کرتے ہیں وہ گرچہ صوم وصلاۃ کے پابند بھی ہوں لہذا پابند ہونے کے باوجود کسی غیر اللہ کی دوہائی دینے اور استمداد کرتے ہوں خواہ کسی زندہ یا مردہ مسلمان عالم ہی سے دوہائی کرتے ہوں اور استمداد کرتے ہوں، ان کی مغفرت اللہ پاک نہ فرمائیں گے، لہذا ایسے شخص سے نکاح کرنا ہرگز درست نہ رہے گا، اور یہیں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ ایسے صفات صحیحہ معتبرہ کا حامل اگر چہ کتنے ہی گرے درجے کے خاندان کا ہوحتی کہ ولد الزنا بھی ہو جب بھی چونکہ اس میں ولد کا قصور نہیں ہوتا، اس لئے اگر یہ لوگ علم دین حاصل کر کے مقتدا بن جائیں اور عورت، مرد سب اس کی جانب اپنے معاملات میں رجوع کرتے ہوں یا اس سے مسائل پوچھتے ہوں کوئی عار شمار نہ کرتے ہوں تو یہ سب لوگ ایسے ہوں گے کہ بڑے بڑے خاندان والے اور بڑے بڑے شرفاء اور عالی خاندان کی لڑکی سے ان کا نکاح ہوجائے تو وہ نکاح بلا شبہ وبلا ریب

جائز و درست رہے گا، اس جزئیہ فقہیہ کی اچھی وضاحت شامی نعمانی جلد ثانی کے باب الاکفاء میں بھی دیکھی جا سکتی ہے۔ اسی طرح وہ شخص جو عالم دین تو نہیں ہے مگر معاملات کا اتنا سچا ہے کہ کبھی سچ کے خلاف نہیں کرتا اور نہ کبھی جھوٹ بولتا ہے اور لوگ اپنے معاملات اس سے طے کراتے ہیں، بڑی بڑی پنچائتوں میں بھی لوگ اس کو بلاتے ہیں اور اس کی طرف عام طور سے رجوع کرتے ہیں اور اس کے ساتھ معاملہ کرنے سے کسی کو عار نہیں ہوتا تو ایسا شخص بھی کسی اونچے سے اونچے درجہ و خاندان کی عورت سے نکاح کرے تو کسی کو عار نہ ہوگا۔ اور وہ نکاح بلاشبہ جائز و درست رہے گا، بلکہ اگر مسلمان سچے اعمال و معاملات کا ہو اور سچے ایمان کا ہو اور ایسا خوش اخلاق و ملنسار ہو کہ اس کی غیر مسلم مرد و عورت بھی اس سے معاملہ کر کے خوش ہو جائیں تو آج بھی متعصبین کے علاوہ عام غیر مسلمین عام طور سے اسلام کی جانب رجوع کریں گے اور قبول اسلام کریں گے، اس کی زندہ مثال تمام جزائر کے باشندے ہیں کہ محض تاجران کی خوش اخلاقی اور محض ان کے معاملات کی سچائی سے بغیر جہاد کے اور بغیر جنگ وجدال کے ملک کا ملک اور خطہ کا خطہ مسلمان ہوگیا اور آج بھی مسلمان ہیں، لہذا معلوم ہوا کہ محض کفاءت کی قید غیر مسلموں کے مسلمان ہونے میں حائل نہیں ہے، بلکہ مسلمان اور خاص کر مسلمان تاجران کی بداخلاقی اور بدمعاملگی حائل ہیں اور آج بھی جس کو دیکھنا ہو وہ مسلمان دوکانداروں اور غیر مسلم دوکانداروں کے درمیان اخلاق و معاملات کا کافی فرق محسوس کر سکتا ہے۔

مسئلہ کفاءت

مولانا سعید الرحمن اعظمی ☆

سوال نامہ میں اصل سوال اگرچہ فقہی ہے، لیکن ضمناً بہت سارے اصول حدیث کے مسائل کے جوابات طلب کئے گئے ہیں، تمام سوال کا جواب خاص طور سے اصول حدیث کے مسائل پر بحث سے جواب لمبا ہوجائے گا، اس لئے صرف فقہی حصہ کا حسب حکم بہت اختصار سے جواب پیش خدمت ہے۔

فقہ کی کتابوں میں کفاءت کا اعتبار حسب ذیل چیزوں میں کیا گیا ہے۔

۱-حسب ونسب:

فقہاء کی تشریح کے مطابق قریش کا ہر قبیلہ ایک دوسرے کا کفو ہے، اور عام عرب سے فائق ہے، البتہ بعض فقہاء کی رائے میں خانوادہ خلافت عام قریشی قبائل سے فائق ہوگا، بقیہ عرب آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، البتہ بنوباہلہ کو ان کی بعض اخلاقی کمزوریوں کی وجہ سے عام عرب سے کم تر قرار دیا گیا ہے، غیر عرب میں نسب کی بنیاد پر کفاءت کا اعتبار نہیں ہے، نسب کے محفوظ نہ ہونے کی وجہ سے۔

۲-حریت:

اس زمانہ میں غلامی کا رواج نہیں، اس لئے اس کی تفصیل بے سود ہوگی۔

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

۳-اسلام:

اس کی تفصیل یہ ہے کہ وہ لوگ جو خاندانی طور سے مسلمان چلے آرہے ہیں وہ ان لوگوں سے فائق ہوں گے، جو نومسلم ہیں، یا ان کے والدین نومسلم تھے، البتہ جن کے باپ دادا مسلمان ہوں وہ خاندانی مسلمان کا کفوقرار دیا گیا ہے، خاکسار کی رائے میں فقہاء کی رائے اگر چہ اپنی جگہ درست ہے، لیکن جو لوگ کسی نومسلم سے بہ نیت اشاعت اسلام اور ایک نومسلم کی حوصلہ افزائی کے لئے اپنی بیٹی یا بہن کا رشتہ کریں، تو اجر وثواب کے مستحق ہوں گے۔

۴-دینداری:

ایک صالح عورت کسی فاسق کی کفو نہیں ہوسکتی، بلاشبہ یہ جزئیہ امام محمدؒ کے علاوہ تمام فقہاء کے نزدیک مسلم ہے، اور اس کا ثبوت نہایت صحیح اور صریح روایتوں سے ہے۔

۵-مالداری:

اس کا مطلب یہ ہے کہ جو شوہر مہر اور نفقہ کی ادائیگی کی قدرت رکھتا ہے، وہ کسی عورت کا کفو ہوسکتا ہے، اگر چہ بعض فقہاء کے نزدیک مہر پر قدرت ضروری نہیں، رہی عرفی مالداری اور ثروت تو وہ بھی طرفین کے نزدیک معتبر ہے، اگر چہ امام ابو یوسف اس کا اعتبار نہیں کرتے۔

۶-صنعت وحرفت:

صاحبین کے نزدیک اس کا اعتبار ہے، امام صاحب سے اعتبار اور عدم اعتبار دونوں طرح کی روایتیں ہیں، جو لوگ اعتبار کرتے ہیں ان کی دلیل یہ ہے کہ صنعت وحرفت کا آدمی کے اخلاق ومعاملات پر اثر پڑتا ہے اور معاشرہ میں اس کی بنیاد پر تفاخر ایک عام بات ہے، اس لئے معزز پیشہ سے تعلق رکھنے والی لڑکی کمتر پیشہ سے تعلق رکھنے والے لڑکے کے یہاں سبکی محسوس

کرے گی، جو لوگ اعتبار نہیں کرتے ان کی دلیل یہ ہے، عزت سے کمانے کا کوئی ذریعہ برا نہیں ہے، اور آدمی کسی وقت بھی اپنا پیشہ بدل سکتا ہے۔

کمتر پیشوں کی مثال میں عام طور سے حجامت، حیاکت اور دباغت کو بیان کیا جاتا ہے، لیکن محققین کی رائے میں اگر چمڑے کی فیکٹری قائم کر لی جائے تو یہ پیشہ معزز پیشوں میں شمار ہوگا، حیاکت کسی زمانہ میں برا رہا ہوگا لیکن حضرت ابن ہمام کے زمانہ میں اسکندریہ میں یہ پیشہ عطار اور دیگر تجار کے برابر سمجھا جاتا رہا، اس لئے کپڑے کی مشین اور لوم کے زمانہ میں جبکہ اس پیشہ سے تعلق رکھنے والوں کا علوم سے بھی گہرا تعلق ہو اور اپنی تہذیب، رہن سہن اور معاملات میں معزز ترین پیشوں کے برابر، بلکہ فائق ہوں تو فقہ کی پرانی عبارتیں اور ان کے حوالے غیر مناسب ہیں، عجیب بات یہ ہے کہ کپڑے کے میٹیریل کو بیچنا اور پھر تیار کپڑے کو بیچنا متقدمین کے نزدیک بھی معزز پیشہ تھا۔

جیسا کہ آغاز میں عرض کیا گیا دینداری میں کفاءت کی روایتیں صحیح، مضبوط اور صریح بھی ہیں اور اوفق بالقرآن بھی ہیں اور نسب میں کفاءت کی روایتیں ضعیف بلکہ موضوع بھی ہیں اور صنعت وحرفت میں کفاءت کی کوئی روایت موجود نہیں، اگر جناب رسول اللہ ﷺ نے کفاءت کے بارے میں کوئی ہدایت دی ہو تو شاید وہ کوئی تشریعی حکم نہیں، بلکہ نکاح کی استواری کے لئے شفقۃ للامۃ ایک مشورہ ہے جسے ضرور قبول کیا جانا چاہئے، لیکن آپ کی صریح ہدایت کے مطابق اس کو اونچ نیچ کا معیار قرار نہیں دینا چاہئے۔

غالباً جناب رسول اللہ ﷺ کی ہدایت کا مطلب یہ تھا کہ لڑکی ایسے خاندان سے لاؤ جس کی تہذیب اور جس کا رہن سہن تمہاری تہذیب اور رہن سہن کے مطابق ہو، تاکہ میاں بیوی میں خوشگوار تعلقات ہوں اور نکاح کے مقاصد صحیح طور سے حاصل ہوسکیں، آپ نے بطور علامت خاندانوں کا ذکر فرمایا تھا لیکن غلط فہمی سے علامت کو اصل قرار دے دیا گیا۔

کفاءت کے تشریعی حکم نہ ہونے کی دلیل:

حضرت زینبؓ کا حضرت زیدؓ کے نکاح میں دیا جانا، جناب رسول اللہ ﷺ کا زندگی کے بالکل اخیر دور میں ایک حائک کی لڑکی سے نکاح کرنا، اور مرض وفات کی وجہ سے ان کی رضامندی سے طلاق دینا، حضرت ابو بکرؓ کا اپنی بہن کا رشتہ ایک حائک سے کرنا وغیرہ۔

مسئلہ کفاءت قرآن وحدیث کی روشنی میں

مولانا شمس پیرزادہ ☆

۱-شریعت نے نکاح کے معاملہ میں کفاءت کا کہیں حکم نہیں دیا ہے کہ اس کے بغیر نکاح منعقد نہ ہو، سوائے اسلام کی شرط کے۔

البتہ فقہاء نے کفاءت کو ضروری قرار دیا ہے جو ان کا استنباط واجتہاد ہے، اس استنباط واجتہاد سے اتفاق ضروری نہیں۔

۲-کفاءت کا اعتبار جن چیزوں میں کیا جائے گا اس کے بارے میں فقہاء کی رائیں مختلف ہیں۔ اسلام کے علاوہ جن چیزوں کو ضروری قرار دیا گیا ہے ان میں نسب، حریت، دیانت اور مالی حالت شامل ہیں۔ مالکیہ کے نزدیک صرف دو امور میں کفاءت کافی ہے، ایک دین داری اور دوسرے برص وغیرہ عیوب سے پاک ہونا۔ امام مالک کے نزدیک نسب، آزادی، پیشہ اور مال غیر اعتباری چیزیں ہیں (مجموعہ قوانین اسلام ۱/ ۲۶۴)۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے مرد کا مسلمان ہونا اور عورت کا مسلمان یا اہل کتاب میں سے ہونا نکاح کے لئے شرط ہے اور یہ نصوص قرآن سے واضح ہے۔ ایک مرد مشرک سے نکاح نہیں کرسکتا اور ایک عورت نہ مشرک مرد سے نکاح کرسکتی ہے اور نہ اہل کتاب کے کسی مرد سے، اس بات پر سب کا اتفاق ہے، رہا نسب وغیرہ تو اسلام نے اس کو نکاح کے لئے کہیں بھی شرط قرار نہیں دیا ہے۔ نسب کی بنیاد طبقاتی تقسیم پر ہے جس کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ عہد رسالت میں عربی

☆ بانی ادارہ دعوۃ القرآن ممبئی۔

النسل عورتوں کا نکاح عجمیوں سے ہوا ہے، مثال کے طور پر حضرت زید کا نکاح حضرت زینب سے۔

آزادی یعنی مرد کا غلام نہ ہونا، تو چونکہ موجودہ زمانہ میں غلامی کا رواج نہیں رہا، اس لئے اس مسئلہ پر بحث کی ضرورت نہیں رہی۔

پیشہ بھی کوئی مستقل چیز نہیں ہے، آج ایک شخص کا ایک پیشہ ہے تو کل دوسرا اور اسلام نے پیشہ کو عزت اور ذلت کا معیار کہاں بنایا ہے؟

دیانت، تو ایک صالح عورت کے لئے صالح مرد کا ہونا مطلوب ضرور ہے، لیکن اسلام نے اس کو نکاح کے لئے شرط نہیں قرار دیا ہے ورنہ ایک صالح مرد کا ایک غیر صالح عورت سے نکاح درست نہیں ہوگا۔

مالی حالت بھی کوئی مستقل چیز نہیں۔ آج ایک شخص مالدار ہے تو کل وہ غریب ہوسکتا ہے اور آج غریب ہے تو کل وہ مالدار ہوسکتا ہے۔ نیز حدیث میں جب عورت کے مالدار ہونے کی بنا پر اس سے نکاح کرنے کو فروتر قرار دیا گیا ہے تو مرد کے مالدار ہونے کو مالدار عورت کے نکاح کے لئے ضروری قرار دینا کس طرح جائز ہوگا؟

حقیقت یہ ہے کہ عورت کے لئے مرد کے انتخاب میں عورت کی نفسیات کو ملحوظ رکھنا اور عمر وغیرہ کے اعتبار سے مرد کا عورت کے مناسب حال ہونا ایک مصلحت کی بات ضرور ہے تا کہ شوہر اور بیوی کے درمیان نباہ کی صورت پیدا ہوسکے، لیکن اسے شریعت کا حکم تصور کرنا صحیح نہیں اور نہ یہ نکاح کے شرائط میں سے ہے، علاوہ ازیں موجودہ زمانہ میں جب آفاقیت پیدا ہوگئی ہے حسب ونسب وغیرہ کی قیدیں لگانا بے سود ہے۔

اسلام نے جس چیز کو شرف کا ذریعہ قرار دیا ہے وہ تقوی ہے نہ کہ حسب ونسب۔

''إن أكرمكم عند الله أتقاكم'' (سورۂ حجرات: ۱۳)۔

(اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ عزت وشرف والا وہ ہے جو تم میں سب سے

زیادہ متقی ہے)۔

اس سلسلہ میں عہد رسالت کے متعدد واقعات سے بھی ہماری رہنمائی ہوتی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ عورت کے غیر کفو میں شادی کر لینے سے عورت کے خاندان والوں کو عار محسوس ہونے لگتی ہے مگر یہ بات مرد کے غیر کفو میں شادی کر لینے سے بھی ہوتی ہے، لہذا اگر یہ صورت گوارا کی جاسکتی ہے تو وہ صورت بھی گوارا کی جائے۔ مصلحت کی بات اور ہے لیکن کفاءت کو نکاح کے لئے شرط قرار دینے اور ولی کو عدم کفاءت کی بنا پر نکاح فسخ کرانے کا حق دینے کے لئے کوئی واضح دلیل نہیں ہے۔ اگر شریعت میں کفاءت کی یہ اہمیت ہوتی تو صراحۃً اس کا حکم دیا جاتا۔

۳- اس کا جواب اوپر گذر چکا۔

۴- قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے کا اعتبار کفاءت کے معاملہ میں صحیح نہیں، یہ تصور یقیناً نومسلموں کو مسلم سوسائٹی میں جذب کرنے اور ان کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہے، اور اسلام کی دعوت وتبلیغ میں بھی سد راہ ہے۔ اس تصور کے علی الرغم نومسلموں سے قدیم الاسلام عورتوں کی شادی کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایک نومسلم ڈاکٹر ایک قدیم الاسلام عورت سے شادی کرلی، جن کی اولاد آج نہایت صالح ہے۔

نومسلم سے نکاح کے سلسلہ میں یہ بات البتہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ اپنے اسلام میں پختہ ہے یا نہیں تاکہ عورت کے لئے آئندہ کوئی مسئلہ پیدا نہ ہو۔ رہے معاشرتی طور طریقے تو ان کا تعلق مصالح سے ہے۔

۵- کفاءت محض مصلحت کی بات ہے نہ کہ شرعی مسئلہ۔

۶- کفاءت کا اعتبار جس طرح مرد کے لئے شرعاً ضروری نہیں ہے، اسی طرح عورت کے لئے بھی شرعاً ضروری نہیں۔

۷: الف- کفاءت کے ولی کا حق ہونے پر کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔

ب-عاقلہ بالغہ خاتون نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ شرعاً منعقد اور لازم ہوگا۔دلائل اوپر بیان ہو چکے۔

ج -مذکورہ بالا نکاح کو فسخ کرانے کا ولی کو اختیار نہیں ہے۔شریعت نے ایسا کوئی اختیار ولی کو نہیں دیا ہے۔

۸ -جو نکاح دھوکہ دے کر کیا گیا ہو اس کو فسخ کرانے کا لڑکی کو اختیار ہے، کیونکہ اس کی رضامندی غلط بیانی کر کے حاصل کی گئی تھی۔

مسئلہ کفاءت

مولانا محمد رضوان القاسمیؒ ☆

۱- اکثر فقہاء کے نزدیک کفاءت نکاح کے لازم ہونے بلکہ بعض کے نزدیک نکاح کے صحیح ہونے کے لئے بھی شرط ہے (ردالمحتار ۴/۲۰۶)، البتہ امام مالک، سفیان ثوری، حسن بصری، علامہ کرخی اور صحابہ کی ایک جماعت نے کفاءت کو نکاح کے لئے شرط قرار نہیں دیا ہے (بدائع الصنائع ۲/۶۲۳)۔

کفاءت کا اعتبار کرنے والوں نے کفاءت کی مصلحت یہ بتائی ہے کہ کفاءت و برابری کے بغیر زوجین اور ان کے خاندان والوں کے درمیان خوشگوار تعلقات پیدا نہیں ہوسکتے، غیر کفو میں نکاح کرنے سے نکاح کے بہتر نتائج سامنے نہیں آسکتے، ایک شریف عورت جس مرد کو اپنے سے کم تر تصور کرتی ہو، اس کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی، اس لئے کفاءت کا اعتبار ہونا چاہئے (ہدایہ مع الفتح ۳/۲۹۳، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۲۳۴، ۲۳۳)۔

۲- حنفیہ کے نزدیک چھ چیزوں میں کفاءت معتبر ہے: نسب، حریت، اسلام، دیانت، مال اور حرفت (کنز الدقائق مع البحر ۳/۱۳۰)، شوافع کے نزدیک چار چیزوں میں کفاءت ہے: دین، نسب، حریت اور حرفت (المجموع ۱۶/۱۸۴)، مالکیہ کے نزدیک صرف دین اور مال کا اعتبار ہے، غالباً یہی راجح ہے (الشرح الصغیر ۲/۴۰۰، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۲۳۴) حنابلہ کے نزدیک بنیادی طور پر دو ہی چیز کا اعتبار ہے: دین اور نسب، البتہ امام احمد سے ان دو کے علاوہ حریت، حرفت اور

☆ سابق ناظم اعلی، دار العلوم سبیل السلام حیدرآباد۔

مالداری کی بھی روایت ہے (المغنی ۷/ ۲۷)۔

کفاءت میں مختلف چیزوں کے اعتبار کی بابت فقہاء کا اختلاف اس وجہ سے ہے کہ فقہاء نے اپنے زمانہ کے عرف کے مطابق کفاءت کا اعتبار کیا ہے نہ کہ نصوص کی بنیاد پر، لہذا عرف کے بدل جانے پر مسئلہ کفاءت میں تبدیلی ہوسکتی ہے، شیخ وہبہ زحیلی لکھتے ہیں:

جمہور کی سب سے قوی دلیل عقلی ہے، جو عرف پر مبنی ہے تو جب لوگوں کا عرف کفاءت کے اعتبار نہ کرنے کا ہو، جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے کہ کفاءت پر نظر نہیں رکھی جاتی اور مساوات تعامل کی بنیاد بن چکا ہے اور لوگوں کے درمیان قبائلی اور طبقاتی رجحان ختم ہورہا ہے تو اب کفاءت کے اعتبار کی گنجائش باقی نہیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۲۳۴)۔

۳- ائمہ اربعہ میں سے مالکیہ کو چھوڑ کر تمام فقہاء نے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، لیکن حقیقت میں یہ کوئی ایسی ضروری چیز نہیں ہے، جس کو نکاح کے لئے شرط قرار دیا جائے، اس سلسلہ میں مالکیہ کے مذہب کو اختیار کرنا شاید بہتر ہو، ڈاکٹر وہبہ زحیلی نے مالکیہ کے مذہب کو صحیح قرار دیا ہے، کیونکہ جن احادیث پر جمہور نے اعتماد کیا ہے، وہ ضعیف ہیں، نسلی امتیازات وبرتری کا رجحان اسلامی تعلیمات کے مغائر ہیں (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۵، ۴، ۲۴۴)، البتہ جہاں سماجی طور پر رشتہ نکاح کے دوام واستمرار میں کفاءت کے تصور کو خاص دخل ہو، وہاں اس کی رعایت مناسب ہوگی۔

۴- اسلام میں کفاءت کا اعتبار صرف حنفیہ کے نزدیک ہے جو جمہور فقہاء کی رائے کے خلاف ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۲۴۲)، اس کی تائید کسی نص سے نہیں ہوتی، موجودہ حالات میں ایسی شرط لگانا مناسب نظر نہیں آتا۔

۵- میرے خیال میں مالکیہ کے قول کے مطابق صرف دین اور مال کا اعتبار کیا جانا چاہئے، لیکن ان کو نکاح کے لئے لازمی شرط قرار نہیں دیا جاسکتا، ڈاکٹر وہبہ زحیلی کی رائے سے مجھے بھی اتفاق ہے۔

"والذی یظهر لی رجحان مذهب مالک فی هذا الشان، وهو اعتبار الکفاءة فقط فی الدین والمال، أی السلامة من العیوب التی توجب للمرأة الخیار فی الزواج" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۲۳۴)۔

(میرے نزدیک راجح ہے کہ کفاءت کا اعتبار صرف دین اور مال میں ہو، یعنی ان عیوب سے حفاظت جن کی بناپر عورت کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت ہوتی ہے)۔

۶- فقہاء نے عورت کے لئے مرد کے بارے میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے، نہ کہ مرد کے لئے عورت کے حق میں (بدائع الصنائع ۲/ ۶۲۹، المغنی ۷/ ۳۰)، اس لئے کہ بیوی شوہر کا فراش ہوتی ہے اور غیر کفو کا فراش ہونا سماجی طور پر عورت کے لئے باعث ننگ وعار تصور کیا جاتا ہے۔

الف- کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے:

ب- ولی کی رضامندی کے بغیر عاقلہ بالغہ کا غیر کفو میں نکاح منعقد ہوجائے گا، علامہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

"(قوله من نکحت غیر کفوء فرق الولی) لماذکرنا، وهذا فی انعقاده صحیحا وهو ظاهر الروایة عن الثلاثة فتبقی أحکامه، من إرث وطلاق" (البحر الرائق ۳/ ۱۲۸)۔

(جولڑکی غیر کفو میں نکاح کرے تو ولی زوجین کے درمیان تفریق کراسکتا ہے، کیونکہ یہ نکاح صحیح طور پر منعقد ہوا ہے، ائمہ ثلاثہ سے ظاہر الروایت یہی منقول ہے، چنانچہ نکاح کے احکام یعنی وراثت طلاق وغیرہ باقی رہیں گے)۔

ج- جمہور کی رائے کے مطابق ولی کو مذکورہ بالا نکاح فسخ کرانے کا اختیار ہوگا، مالکیہ اور امام کرخی وغیرہ کے نزدیک چونکہ کفاءت شرط کے درجہ میں نہیں ہے، اس لئے مذکورہ نکاح میں ولی کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہونا چاہئے۔

۸- رشتہ طے کرتے وقت لڑکے والوں کا غلط بیانی سے کام لینے کا مسئلہ بھی دراصل

کفاءت کو شرط ماننے اور نہ ماننے پر مبنی ہے، جمہور علماء کے قول کے مطابق لڑکی والوں کو فسخ نکاح کا اختیار رہوگا اور دھوکہ دہی کی صورت میں یہی راجح قول معلوم ہوتا ہے، البتہ امام کرخیؒ، امام مالکؒ، سفیان ثوریؒ، اور حسن بصریؒ کے نزدیک فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا۔

مسئلہ کفاءت

مولانا ارشاد احمد اعظمی ☆

کفاءت عربی زبان میں مماثلت اور مساوات کے معنی میں ہے، اور اس سے بنے لفظ کفوکو برابر اور مثل کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

نکاح کے باب میں اس کا مطلب یہ ہے کہ شوہر قدروحیثیت میں بیوی کے برابر ہو، اور معاشرتی، مالی واخلاقی لحاظ سے اس سے میل کھاتا ہو (فقہ السنہ ۲/۱۴۳)۔

کفاءت کا مقصد یہ ہے کہ منعقد ہونے والا ازدواجی رشتہ بے جوڑ نہ ہوتا کہ نکاح کے شرعی مقاصد کو زیادہ سے زیادہ تحفظ حاصل رہے، اور کوئی ایسی رکاوٹ نہ پیش آجائے جس سے اس رشتہ کے استحکام یا اس کے مقاصد کو نقصان پہنچ جانے کا اندیشہ ہو (نکاح کے اسلامی قوانین رص ۶۳)۔

سفیان ثوری، حسن بصری، زید بن علی زین العابدینؒ اور حنفیہ میں سے کرخی نکاح میں کفاءت کا اعتبار نہیں کرتے (الفقہ الاسلامی وادلتہ اور عقد الزواج وآثارہ مبحث الکفاءۃ) ان کا کہنا ہے کہ سارے مسلمان (مردوعورت) برابر ہیں، ان کے مابین کوئی تفاوت نہیں، چنانچہ کوئی بھی مسلمان مرد کسی بھی مسلمان عورت سے شادی کرسکتا ہے، احادیث نبویہ یہ ہے:

"الناس سواسية كأسنان المشط، لا فضل لعربي على عجمي إنما الفضل بالتقوى، وليس لعربي على عجمي فضل إلا بالتقوى"، اسی طرح قرآن

☆ بھوپال۔

حکیم میں فرمایا گیا ہے: "إن أكرمكم عند الله أتقاكم"۔

لیکن کفاءت کی تفصیلات کیا ہوں گی؟ دین داری اور تقوی کو چھوڑ کر کسی اور چیز کی صراحت نصوص شرعیہ میں نہیں ملتی، کفاءت میں نسب کا ذکر بعض روایتوں میں ملتا ہے، لیکن محققین نے ان روایتوں پر کلام کیا ہے، شوکانی امام شافعی کے حوالہ سے کہتے ہیں:

"ولم يثبت في اعتبار الكفاءة بالنسب من حديث" (نیل الاوطار ۱۳۶/۶)۔

علماء نے کفاءت کی تفصیلات اپنے زمانے کے عرف کو سامنے رکھ کر طے کی ہیں، ابن الہمام فتح القدیر میں لکھتے ہیں:

"فإذا ثبت اعتبار الكفاءة بما قدمناه فيمكن ثبوت تفصيلها أيضا بالنظر إلى عرف الناس فيما يحقرونه ويعيرون به" (فتح القدیر ۳۲۰/۲)۔

ابن قدامہ کہتے ہیں: "فإذا أطلقت الكفاءة وجب حملها على المتعارف" (المغنی لابن قدامہ ۳۷۳/۷)۔

حنفیہ نے کفاءت کے لئے چھ چیزوں کا ذکر کیا ہے، جو یہ ہیں: نسب، اسلام، حریت، مال، دین وتقوی، ذریعہ معاش (حرفت)۔

مالکیہ کے نزدیک کفاءت کے لئے دینداری وتقوی اور پانچ بڑے عیوب سے سلامتی مطلوب ہے، امام شافعی دین وتقوی کے ساتھ نسب، پیشہ، حریت اور عیوب سے سلامتی کو دیکھتے ہیں، حنابلہ کے نزدیک دین وتقوی، نسب، مال، صناعت اور حریت ہیں۔

اسلام میں کفاءت کی حیثیت

مولانا محمد ابوالحسن علی ☆

"الکفاءة لغة: المماثلة والمساواة، يقال: فلان كفء لفلان، أى مساوله، منه قوله تعالى "كفوا أحد" وفى اصطلاح الفقهاء: "المماثلة بين الزوجين دفعا للعار فى أمور مخصوصة" (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/۲۲۹)۔

۱- کفو کی حقیقت:

اس سے اجتماعی امور میں مساوات کو ثابت رکھنا ہے، تا کہ ازدواجی رشتہ مضبوط رہے اور عورت یا اس کے اولیاء شوہر سے عار محسوس نہ کریں۔

علامہ ابن ہمام صاحب ہدایہ کے قول "ولأن انتظام المصالح بين المتكافئين عادة" پر گفتگو فرماتے ہوئے لکھتے ہیں کہ نکاح کی مشروعیت کا مقصد یہی ہے کہ شوہر و بیوی میں سے ہر ایک کی مصلحت کا خیال ورعایت کی جائے، اس لئے شریعت مطہرہ نے کفو کو عورت کے لئے باعث عزت وناموس قرار دیا ہے (فتح القدیر ۳/ ۲۹۴، عینی ۵/ ۶۱۹، شامی زکریا ۴/ ۲۰۵)۔

۲- کفو کے اعتبار کے سلسلہ میں دلائل فقہاء:

بعض فقہاء کا قول عدم کفو کا ہے، یعنی کفو نہ شرط صحت نکاح ہے نہ شرط لزوم ہے، بغیر کفو کے نکاح ہو جائے گا اور لازم بھی ہوگا چاہے شوہر بیوی کا کفو ہو یا نہ ہو۔ یہ مسلک سفیان ثوری،

☆ دار العلوم اسلامیہ عربیہ ماٹلی والا، بھروچ، گجرات۔

حسن بصری اور حنفیہ میں سے امام کرخی کا ہے، ان کا استدلال چند آیات قرآنیہ واحادیث مبارکہ سے ہے جو مساوات انسانی کی طرف مشیر ہیں ۔مثلاً: ''إن أکرمکم عند الله أتقاکم''، ''خلق من الماء بشرا'' اور مشہور روایت: ''لیس لعربی علی عجمی فضل إلا بالتقوی'' اور ''الناس کأسنان المشط لا فضل لأحد علی أحد إلا بالتقوی'' اس مضمون کی اور بھی روایات ہیں، نیز دور نبوی کے کچھ واقعات مساوات انسانی اور تفاضل بالعمل پر دلالت کرتے ہیں۔

''من بطأ به عمله لم یسرع به نسبه'' (المبسوط ۵/ ۲۳، الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۲۳۰)۔

ان دلائل کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ لوگ حقوق اور ذمہ داریوں میں یکساں اور برابر ومساوی ہیں، ان میں شرافت وفضل کی بنیاد تقوی ہوگا، اس کے علاوہ شخصی اعتبارات جن کا تعلق لوگوں کے عرف وعادات سے ہے، اس میں فرق مراتب ضروری ہے۔

عدم کفو کے قائلین کا استدلال یعنی جنایات کی مساوات پر قیاس کرنا تاکہ اس میں شریف ورذیل، عالم وجاہل میں کوئی فرق نہیں بلکہ سب کی سزا یکساں ہے، اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ قیاس مع الفارق ہے، کیونکہ جنایات میں مساوات لوگوں کی جان کی حفاظت اور مصلحت عامہ وسیاست مدنیہ کے پیش نظر ہے، تاکہ کوئی ذی وجاہت اور اعلی خاندان والا کسی کمزور کے قتل کی جرأت نہ کرے، اور نکاح میں تو زوجیت کو دوامی طور پر الفت ومحبت سے رہنا ہے اور یہ بغیر کفو کی شرط کے متحقق نہیں ہوسکتا ہے۔

جمہور کی رائے: مذاہب اربعہ میں کفو لزوم نکاح کی شرط ہے، شرط صحت نہیں ہے۔ حنفیہ کا مفتی بہ قول یہ ہے کہ کفاءت بعض حالات میں شرط نفاذ اور شرط لزوم بھی سمجھا جاتا ہے (شامی ۲/ ۳۱۷، بدائع ۲/ ۳۱۵)۔

اعتبار کفو:

فقہاء کا اس سلسلہ میں اختلاف ہے، مالکیہ کے نزدیک دو چیزیں ہیں: دین، حال یعنی

خیار کے ثبوت کے لئے معتبر امراض سے سلامت ہونا نہ کہ حسب نسب کا ہونا۔

حنفیہ کے نزدیک چھ چیزیں ہیں: دینداری، اسلام، آزادی، نسب، مال، پیشہ۔

شافعیہ کے نزدیک پانچ چیزیں ہیں: دینداری یا عفت، حریت، نسب، خیار کو ثابت کرنے والے عیوب سے سلامتی، نیز حرفت۔

حنابلہ کے نزدیک بھی پانچ ہیں: دین، حریت، نسب، مال، حرفت۔

چاروں فقہاء کرام دین میں متفق ہیں، اور مالکیہ کے علاوہ حریت، نسب اور حرفت میں متفق ہیں، مالکیہ اور شافعیہ خیار ثابت کرنے والے عیوب سے سلامتی میں متفق ہیں، حنفیہ (ظاہر الروایہ) اور حنابلہ مال میں متفق ہیں اور حنفیہ اصول کے مسلمان ہونے والے وصف میں منفرد ہیں۔

۳-نسب میں کفاءت کا اعتبار:

الف، ب-حنفیہ نے نسب میں عربیت کا اعتبار کیا ہے، چنانچہ قریش آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں چاہے ہاشمی ہوں یا نہ ہوں، نیز حنفیہ کا صحیح قول یہ ہے کہ قریش کے علاوہ تمام عرب باہم کفو ہیں اور غیر عرب عرب کے کفو نہ ہوں گے، ہاں آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہوں گے (دیکھئے: تاتارخانیہ ۳ر۲۹۷)۔

ج-نسبی کفاءت کو فقہاء کرام نے قریشی، عربی، موالی (عجمی) کی تقسیم کرتے ہوئے کفو کے مسائل ذکر کئے ہیں، قریش کی فضیلت نیز عرب کی فضیلت میں جو روایات مذکور ہیں ان سے استدلال کیا ہے اگرچہ وہ روایات ضعیف ہیں، صاحب ہدایہ، علامہ سرخسی، کاسانی، عینی، ابن ہمامؒ وغیرہ محققین نے ان روایات کے ضعف پر گفتگو کی ہے۔

اور عجمی لوگوں میں نسب کا اعتبار نہیں کیا ہے، بلکہ دین کو ہی بنیاد قرار دیا ہے، جیسے کہ علامہ عینی اور علامہ ابن ہمام کے حوالہ سے عبارت گذر چکی۔

حنفیہ نے اسلام کو بھی مدار کفو قرار دیا ہے۔اور جدید الاسلام وقدیم الاسلام کا فرق کیا

ہے۔معاشرتی زندگی میں اس وصف سے دونوں میں قرب اورنزدیکی پیدا ہوتی ہے اور ازدواجی رشتہ میں استواری کا سبب ہوتا ہے اوراس کے مساوی نہ ہونے سے بعد واجنبیت کا احساس نیز سوچ وفکر کافرق دونوں کو ایک دوسرے سے دور ہونے کا باعث ہوسکتا ہے،لہذا حنفیہ نے آبائی اسلام اورخودمسلمان ہونے والے کو ایک دوسرے کا کفونہیں قرار دیا ہے،لیکن موجودہ زمانہ میں بہت سے غیرمسلم جودائرہ اسلام میں داخل ہوتے ہیں ان کوکئی اعتبار سے بہت سی پریشانیاں لاحق ہوتی ہیں،اگر وہ مرد ہیں تب تو شادی میں کم پریشانی ہوتی ہے،لیکن عورت ہویا اسلام قبول کرنے والے کی نومسلم بہن کا مسئلہ ہوتو ہمارے معاشرے میں جلدی سے ان کا نکاح نہیں ہوتا لوگ شرم و عارمحسوس کرتے ہیں،دوسری طرف شادی ہوبھی جائے تو لوگ لڑائی جھگڑے اورآپسی نا چاقی کے موقع پرطعن وتشنیع کرتے ہیں،اس لئے من وجہ اس وصف کا اعتبار کیا بھی جائے اورمن وجہ اس کولازم بھی نہ سمجھا جائے،بلکہ باہمی تعلقات پرچھوڑ دیا جائے۔

حنفیہ نے یہ شرط جس بنیاد پر رکھی ہے،وہ یہ ہے کہ آدمی باپ دادا کی نسبت سے کامل ہوتا ہے،لہذا جس کے باپ دادا مسلمان ہوں گے وہ کامل اسلام والا سمجھا جائے گا (الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۲۴۲)۔

یہ چیزآج بھی معتبرسمجھی ضرور جاتی ہے،لیکن اسلام کے بین الاقوامی مذہب ہونے نیز مساوات انسانی کے عملی علم بردار ہونے سے میل نہیں کھاتی ہے،لہذا اس میں تشدد سے کام نہ لیا جائے،مسلمانوں کورواداری کا ثبوت پیش کرتے ہوئے جدید الاسلام مرد اورعورت دونوں کا استقبال کرنا چاہئے،اگرچہ یہ نفس کے لئے بارگراں ضرور ہے،دورنبوی ﷺ میں صحابہ کرام اورمسلم معاشرہ کے اسی توسع والے عمل نے اسلام کی اشاعت تیز رفتاری وسرعت کے ساتھ کروائی ہے۔

۵-دورحاضر میں کفو کا مدار:

کتاب وسنت کی روشنی میں بنیادی سبب دینداری ہی معلوم ہوتا ہے۔دین داری سے رسمی دینداری (مخصوص اعمال والی دینداری) مرادنہیں ہے بلکہ دین کے تمام شعبے یعنی عبادات،

معاملات، معاشرت، عفت وعصمت اور اعلی اخلاقی اوصاف مراد ہیں، حضرت حسن بصریؒ سے ایک آدمی نے کہا کہ میری لڑکی کے لئے مختلف لوگوں کی طرف سے پیغامات آرہے ہیں تو آپ سے مشورہ کا طالب ہوں کہ کس شخص سے اس کا نکاح کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ایسے شخص سے نکاح کرنا جو اللہ تعالی سے ڈرتا ہو، پھر اس کی حکمت بیان فرمائی: ''فانه إن أحبها أكرمها و إن أبغضها لم يظلمها'' یعنی اگر وہ اس کو پسند کرے گا تب تو قدر کرے گا، ناپسند کرنے کی صورت میں بھی (وہ خوف خداوندی کی وجہ سے) ظلم نہیں کرے گا (مرقاۃ)۔ ایک روایت میں صاف اور واضح انداز میں فرمایا گیا: ''إذا خطب إليكم من ترضون دينه وخلقه فزوجوه إلا تفعلوه تكن فتنة في الأرض وفساد عريض'' (ترمذی ۱/ ۱۲۸)۔ یعنی جب کسی ایسے شخص کی طرف سے پیغام آجائے جس کے اخلاق اور دین سے تم مطمئن ہو تو فوراً شادی کردو ورنہ زمین کے اندر عظیم فتنہ وفساد برپا ہوگا۔

مردوں کو عورت کے انتخاب کے لئے جن چیزوں کو بنیاد قرار دیا گیا ہے اس میں بھی دین داری کو ہی ملحوظ رکھا گیا ہے۔

''إنما الدنيا متاع وليس من متاع الدنيا أفضل من المرأة الصالحة'' (ابن ماجہ/ ۱۳۴)۔

''ما استفاد المؤمن بعد تقوى الله خيرا له من زوجة صالحة إن أمرها أطاعته وإن نظر إليها سرته وإن أقسم عليها أبرته، وإن غاب عنها نصحته في نفسها وماله'' (مشکوۃ ۲/ ۲۶۸)۔

''تنكح المرأة لأربع: لمالها ولحسبها ولجمالها فاظفر بذات الدين تربت يداك'' (بخاری ۲/ ۷۶۲)۔

''المرأة إذا صلت خمسها، وصامت شهرها، وأحصنت فرجها، وأطاعت بعلها فلتدخل من أي أبواب الجنة شاءت'' (مشکوۃ ۲/ ۲۸۱)۔

ان تمام روایات کا حاصل یہ ہے کہ مرد میں دینداری (تقوی) اور اعلی اخلاق کی حتی الامکان کوشش کی جائے اور عورت میں عفت وعصمت وعبادات کی ادائیگی، شوہر کی اطاعت اور اس کے مال واپنی عفت کی حفاظت کرنا وغیرہ امور کالحاظ کیا جاوے۔

دین داری واخلاقی معیار کے علاوہ آج کل لڑکے کا صنعت وحرفت، تجارت یا بہتر ملازمت والا ہونا بھی ضروری ہے، سست بے کار اور بیوی بچوں کے نفقہ وضروریات زندگی کی فکر نہ رکھنے والا نہ ہو، (مالداری مطلوب نہیں ہے) لیکن نفقہ وضرورت کا اعتبار ہوگا، صنعت وحرفت اور تجارت میں کچھ پیشہ آج بھی گھٹیا سمجھے جاتے ہیں تو اس کا بھی اعتبار ہوگا، لیکن اس کی تعیین زمان ومکان کے فرق کی وجہ سے مشکل ہے اس کا تعلق ہر جگہ کے عرف واحوال سے متعلق ہوگا۔

علامہ زحیلی فرماتے ہیں کہ آج کل نسب، مال وغیرہ کا اعتبار ساقط ہوگیا ہے، آپ نے ملک شام کے قانون کفاءت کی کچھ دفعات کا ذکر کیا ہے جو درج ذیل ہے:

۱-لزوم نکاح کے لئے مرد وعورت کا کفو ہونا ضروری ہے۔

۲-بالغ لڑکی اگر غیر کفو میں نکاح کرے (اولیاء کی رضامندی کے بغیر) اگر وہ مرد کفو ہے تو نکاح لازم ہوگا ورنہ ولی کو فسخ نکاح کے مطالبہ کا اختیار ہوگا۔

۳-کفو میں اس شہر وعلاقہ کے عرف کا اعتبار ہوگا۔

۴-کفاءت عورت واولیاء دونوں کا حق ہے۔

۵-عورت کے حاملہ ہونے کی صورت میں عدم کفو ہونے کے باوجود حق کفو ساقط ہوجائے گا۔

۶-کفاءت کا اعتبار عقد نکاح کے وقت ہوگا بعد میں اعتبار نہ ہوگا۔

۷-عقد کے وقت کفاءت کی شرط لگائی یا شوہر نے کفو ہونے کی خبر دی پھر پتہ چلا کہ شوہر غیر کفو ہے تو لڑکی وولی دونوں کو فسخ عقد کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

ان دفعات کے ذکر کے بعد لکھتے ہیں کہ ان میں سے اکثر حنفی مسلک کے مطابق ہے۔

حاصل یہ کہ دینداری، اخلاق، رہن سہن وغیرہ کو ترجیح دی جائے اور کسی قدر لڑکے کے

ذریعہ معاش کو بھی دیکھا جائے۔

کفاءت کا اعتبار:

جمہور فقہاء کرام کے نزدیک کفاءت عورت کا حق ہے نہ کہ مرد کا، لہذا یہ شرط لگائی جاتی ہے کہ جن امور میں کفو کا اعتبار ہوتا ہے ان میں مرد کا عورت کا کفو ہونا ضروری ہے، عورت کے مرد کے مساوی ہونے کی شرط نہیں لگائی جاتی ہے۔ بلکہ اس سے کم درجہ ہو تو بھی نکاح صحیح ہو جاتا ہے، کیونکہ شوہر اپنے سے ادنی حال والی عورت سے عار محسوس نہیں کرتا ہے، اور عورت یا اس کے رشتہ دار شوہر کے ادنی حال سے عار محسوس کرتے ہیں۔

البتہ اس اصل سے دو قاعدے مستثنی ہیں جن میں عورت کی جانب سے بھی کفو کی شرط لگائی جاتی ہے۔

۱- باپ دادا اور بیٹے کے علاوہ نے غیر اہلیت یا ناقص اہلیت والے نے لڑکے لڑکی کا نکاح کردیا، مثلاً مجنون مجنونہ یا صغیر صغیرہ کا غیر کفو میں نکاح کروایا تو یہ نکاح فاسد ہے، کیونکہ غیر الاب والجد والابن کی ولایت مصلحت پر موقوف تھی اور غیر کفو میں نکاح کرانا کفو نہیں ہے۔ اسی طرح باپ یا دادا (جو عقد سے پہلے ہی لوگوں میں بے پروائی یا بے وقوفی میں مشہور ہوں) نے لڑکے کا نکاح غیر کفو یا غبن فاحش میں کردیا تو یہ عقد بھی صحیح نہ ہوگا، اس کو سوء اختیار سے تعبیر کیا جاتا ہے (شامی ۴/ ۴۱۸)۔

ایک آدمی دوسرے کو اپنی شادی کرانے کا مطلق وکیل بنائے (وکالۃ مطلقہ) تو موکل کے لئے عقد لازم ہونے کی شرط یہ ہے کہ عورت مرد کی کفو ہو، یہ قول مالکیہ اور صاحبین کا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۲۴۰)۔

۷-الف: کفاءت کا حق:

فقہاء کرام کا اتفاق ہے کہ کفاءت عورت و اولیاء دونوں کا حق ہے، اگر عورت غیر کفو

میں نکاح کرلے تو اولیاء کو طلب فسخ کا اختیار رہے، اور اگر اولیاء غیر کفو میں نکاح کرادے تو عورت کو طلب فسخ کا حق ہے، کیونکہ یہ مبیع میں نقص کے خیار کی طرح ہوگا، لہذا اخیار بیع کی طرح اس کو بھی خیار کا حق ہوگا۔ ایک روایت سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے جس میں ایک صحابیہؓ نے آپ ﷺ کے پاس آکر عرض کیا کہ اللہ کے رسول ﷺ میرے والد نے اپنے بھتیجے کا نکاح میرے ساتھ کروایا تاکہ میرے ذریعہ اس کا کمینہ پن دور ہو آپ ﷺ نے عورت کو اختیار دیا۔ اس نے عرض کیا کہ میں نے اپنے والد کے فعل کو منظور کردیا ہے، لیکن میں نے چاہا کہ عورتوں کو اطلاع کردوں کہ باپ کو اختیار نہیں ہوتا۔

حاصل یہ کہ عورت یا ولی میں سے کوئی بھی غیر کفو میں نکاح کردے تو دوسرے کا حق باقی رہتا ہے (بدائع ۲/ ۳۱۸، شامی ۲/ ۳۳۶، فتح القدیر ۲/ ۴۲۴، بحوالہ فقہ الاسلامی ۷/ ۲۳۶)۔

ب: عاقلہ بالغہ کا غیر کفو میں نکاح کرنا:

کفاءت چونکہ دونوں کا حق ہے، لہذا اگر عورت نے اپنے اولیاء کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا تو ولی کو فسخ کا حق ہوگا۔ اس جزئیہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نکاح تو ہوجائے گا لیکن موقوف رہے گا، اگر ولی نے اعتراض نہ کیا تو نکاح باقی رہے گا اور اگر ولی نے مطالبہ کیا تو قاضی زوجین کے درمیان تفریق کردے گا۔ یہ ظاہر الروایۃ ہے (شامی ۲/ ۳۱۸، ۳۲۰ بحوالہ الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۲۳۵)۔

موجودہ حالات کی نزاکت: ملکی قانون نیز اولاد کا اس بے حیائی و بے شرمی والے ماحول سے متاثر ہوکر کسی بھی وقت کوئی غلط قدم اٹھاتے ہوئے غیر کفو میں نکاح کرلینے کے واقعات کا روزمرہ ظہور پذیر ہونا، یہ سب اس بات کا تقاضا کرتے ہیں کہ آج کے ماحول میں فتوی ظاہر الروایۃ کے مطابق دیا جائے کہ نفس نکاح تو منعقد ہوجائے اور لڑکا لڑکی کا یہ عمل زناکاری وحرام کاری نہ شمار ہو۔ یہ ان کو اس فعل قبیح پر آمادہ کرنے کے لئے نہیں بلکہ حرام کاری کی نسبت

لگانے سے بچاتا ہے، قبل العقد وبعد العقد کا لحاظ بھی کسی قدر مسئلہ میں آسانی پیدا کرسکتا ہے۔ دوسری طرف خطرہ بھی ہے کہ اگر لڑکیوں کو یہ معلوم ہوجائے کہ نکاح منعقد ہوجاتا ہے تو اس مسئلہ میں اور بھی جری ہوجائے اور اولیاء کے لئے شرمندگی کا باعث ہو۔ بہتر ہے کہ اس سلسلہ میں تمام پہلوؤں اور تجربات وقانون کے گہرے مطالعہ کے بعد ہی سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا جاوے۔

اسلامی ممالک کے احوال شخصیہ اور اس پر عمل کے نتائج وغیرہ سے بھی کافی مدد مل سکتی ہے۔

ج - اولیاء کو فسخ کا حق بہر صورت باقی رہے گا۔ جس کی تفصیل ماقبل میں گزر چکی ہے۔

علامہ وہبہ الزحیلی نے مصر اور شام کے احوال شخصیہ (پرسنل لا) کے حوالے سے لکھا ہے کہ ولی کو غیر کفو کی شکل میں فسخ کا حق باقی رہتا ہے (الفقہ الاسلامی وادلتہ ۷/ ۲۳۵)۔

۸ - شوہر کا عقد کے وقت غلط بیانی سے کام لینا:

فقہاء کرام کی عبارتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر عقد کے وقت کفو کے سلسلہ میں لڑکی یا اس کے اولیاء نے تحقیق کی اور شوہر نے غلط بیانی سے کام لیا تو بعد میں اصل حقیقت ظاہر ہونے کے بعد فسخ کے مطالبہ کا حق ہوگا۔

تاتارخانیہ میں ہے: "**أما إذا شرطوا الکفاءۃ و أخبرهم بالکفاءۃ ثم ظهر أنه غیر کفء کان لهم الخیار**" (۳/ ۶۹)۔

یہ سب گفتگو غیر کفو کے سلسلہ میں ہے، اگر دھوکا دہی کی بنیاد پر ماقبل میں مذکور کفو کی شرائط کے خلاف ثابت ہوتا ہے تو اولیاء کو فسخ کا حق باقی رہتا ہے۔

اسلام میں مسئلہ کفاءت کی شرعی حیثیت

مفتی جمیل احمد نذیری ☆

۱- کفاءت کے معنی برابری کے ہیں، لیکن اصطلاح شرع میں رشتۂ نکاح کو پائدار اور اپنے مقصد سے زیادہ ہم آہنگ بنانے کے لئے چند مخصوص امور میں مخصوص انداز کی برابری کفاءت کہلاتی ہے۔

یہاں کفاءت سے مراد ہے چند مخصوص امور میں زوجین کے درمیان مماثلت، یا عورت کا مرد سے ادنی ہونا۔ کفاءت کا نکاح میں اعتبار کیا گیا ہے کیونکہ مصالح نکاح دو برابر والوں میں ہی اچھی طرح انجام پاتے ہیں (البحر الرائق ۳؍۱۲۷)۔

۲- عام طور پر کفاءت کا اعتبار اسلام، دیانت وتقوی، نسب، مال، پیشہ اور حریت میں کیا گیا ہے۔

ان میں سے بعض مثلاً دیانت وتقوی کا تعلق نصوص سے ہے۔ اور بعض مثلاً مال وپیشہ وغیرہ کا تعلق عرف وحالات اور مصالح نکاح سے ہے۔

۳: الف، ب، ج- فی الجملہ کفاءت میں نسب کا بھی اعتبار ہے، مگر علم وتقوی کے مقابلے میں نسب کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔

رسول اللہ ﷺ ارشاد فرماتے ہیں:

''من بطأ به عمله لم يسرع به نسبه'' (مشکوۃ المصابیح ۱؍۳۳ کتاب العلم)۔

☆ مہتمم جامعہ عربیہ احیاء العلوم ... مبارک پور، یوپی۔

(جس کے عمل نے دیر کی، اس کا نسب اس کو جلدی نہیں پہنچا سکتا)۔

اس کی شرح میں ملا علی قاری لکھتے ہیں: جس کے برے اعمال نے آخرت میں درجہ سعادت حاصل کرنے سے مؤخر کردیا اور پچھڑا ہوا بنادیا، یا دنیا میں عمل صالح کی کمی نے اسے پیچھے کردیا، تو اس کا نسب اس کو آگے نہیں بڑھا سکتا۔ یعنی اس کمی کی تلافی اس کے قوم میں صاحب نسب ہونے سے نہیں ہوسکتی، اس لئے کہ اللہ تعالی کا تقرب نسب سے نہیں بلکہ اعمال صالحہ سے ہوتا ہے (مرقات ۱/۲۷۲)۔

علامہ شامی لکھتے ہیں:

کیسے یہ صحیح ہوسکتا ہے کہ کوئی کہے کہ ابوحنیفہ اور حسن بصری وغیرہ جیسے حضرات جو عربی نہیں ہیں، وہ کسی قریشی جاہل لڑکی کے کفو نہیں ہیں، یا ایسے عربی کی لڑکی کے کفو نہیں ہیں جو اپنی ایڑیوں کے بل پیشاب کرتا ہے (رد المحتار ۴/۳۵۱)۔

۴- یہ سب چیزیں حالات ومصالح کے پیش نظر ہیں، موجودہ احوال وظروف میں احقر کا رجحان یہ ہے کہ قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونے میں کفو کی نوعیت غور کی طالب ہے۔

۵- دینداری، تقوی وپرہیزگاری، اگر نسب محفوظ ہو تو نسب کا بھی اعتبار کیا جاسکتا ہے، اسی طرح معاشی واقتصادی حالات کے اعتبار سے ذہنی ہم آہنگی اور طرز معاشرت کا یکساں ہونا۔ کفاءت میں مذکورہ امور کا لحاظ کرنا چاہئے۔

۶: الف- کفاءت کا اعتبار صرف مرد کے بارے میں ہے، عورت کے بارے میں نہیں، اور صاحبینؒ کا جو قول دونوں جانب میں کفاءت کے اعتبار کا ہے، علامہ شامیؒ نے اسے بحر نجر اور بدائع کے حوالہ سے ضعیف وغریب قرار دیا ہے (رد المحتار علی الدر المختار ۴/۳۴۴، قولہ لکن فی الظہیریۃ الخ)۔

کفاءت کا اعتبار مرد کی جانب سے ہے، عورت کی جانب سے نہیں...... صحیح مذہب کے مطابق یہ سب کے نزدیک ہے، جیسا کہ بزازیہ میں ہے۔ لیکن ظہیریہ وغیرہ میں ہے کہ یہ امام صاحب

کے نزدیک ہے، اور صاحبینؒ کے نزدیک عورت کی جانب میں بھی اعتبار ہوگا (ردالمحتار ۲/ ۳۴۴)۔

۷: الف- کفاءت لڑکی اور ولی دونوں کا حق ہے، علامہ شامی کہتے ہیں: "وفیه نظر بل هی حق لها ایضا" (ردالمحتار ۲/ ۳۴۴ باب الکفاءۃ)۔

ب- اگر عاقلہ بالغہ نے ولی کی رضامندی کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا، تو مفتی بہ قول کے مطابق نکاح ہی نہ ہوگا (درمختار ۲/ ۳۴۲ مع ردالمحتار)۔

ج- یہ نکاح قابل فسخ ہوگا۔ اور مفتی بہ قول کے مطابق نکاح ہی منعقد نہ ہوگا۔

۸- مذکورہ دھوکہ دہی کی صورت میں لڑکی اور اس کے اولیاء کو نکاح فسخ کرنے کا اختیار ہے۔

مسئلہ کفاءت کی حقیقت و مصلحت

ڈاکٹر عبد العظیم اصلاحی ☆

۱-کفاءت کی حقیقت و مصلحت خود سوالنامہ کی تمہید میں درج ہے۔

۲-فقہاء نے کفاءت کا اعتبار جن چیزوں میں کیا ہے وہ زیادہ تر اس دور کے حالات اور عرف پر مبنی ہیں، اگر چہ ان میں بعض کی تائید انہوں نے آیات واحادیث سے کرنے کی کوشش کی ہے، چونکہ ان کا مدار براہ راست نصوص پر نہیں ہے، اس لئے وہ عرف وحالات کی تبدیلی سے بدل سکتی ہیں۔

کفاءت کا اعتبار کن چیزوں میں کیا جائے گا، اس سلسلہ میں فقہاء کے درمیان کافی اختلاف ہے، دینداری کو اکثر فقہاء نے کفاءت کے لئے ضروری قرار دیا ہے، اس کے علاوہ حرام کمائی سے پاکی بھی کفاءت میں دیکھی جائے گی۔نسب، حریت، مالداری، عیوب سے پاکی، مہر مثل وغیرہ کے سلسلہ میں فقہاء کے درمیان اختلاف ہے، بعض نے اسے مانا ہے، بعض نے انکار کیا ہے۔حسن کو کفاءت کا معیار کسی نے نہیں قرار دیا ہے، حالانکہ عیوب سے پاکی کو شرط قرار دیا جائے تو بدصورتی بھی کفاءت کے خلاف ہوگی۔

۳: الف-نسب میں کفاءت ہے یا نہیں؟ یہ فقہاء کے درمیان مختلف فیہ ہے، اسے کفاءت کا معیار قرار دینا آیت: ''يا أيها الذين آمنوا إنا خلقناكم من ذكر و أنثى'' اور حدیث: ''كلكم من آدم...... إنما المؤمنون إخوة'' وغیرہ کے خلاف ہے۔

☆ علی گڑھ۔

ب-**لا فضل لعربی علی عجمی** - اسلام اس طرح کی تفریقات مٹانے کے لئے آیا تھا نہ کہ اسے قائم کرنے کے لئے۔

ج-اس سلسلہ میں شریعت نے کوئی ضابطہ نہیں دیا ہے۔

۴-قدیم الاسلام اور جدید الاسلام میں فرق کرنا غیر اسلامی ہے۔ اکثر نسلی مسلمانوں کے مقابلہ میں جدید الاسلام شعوری مسلمان بہتر ہوتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اس کو کفاءت کا معیار قرار دینا قبول اسلام کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے۔ قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کے درمیان شادیوں کو کارِ ثواب قرار دینا چاہئے اور اس کی ہمت افزائی ہونی چاہئے۔

۵-اس دور میں دینداری، تہذیب وتمدن، تعلیم وتربیت، مالداری، حسن، قد وقامت وغیرہ میں کفاءت کا لحاظ کیا جاسکتا ہے۔

۶-انصاف کا تقاضا ہے کہ دونوں کے بارے میں کیا جائے۔

۷: الف-کفاءت زیادہ عورت کا حق ہے، لیکن ولی کو اس سے بالکل لاتعلق نہیں کہہ سکتے۔

ب-نکاح لازم ومنعقد ہوگا۔

ج-ولی کو اختیار نہیں ہے کہ وہ اس طرح کے نکاح کو فسخ کرانے کی کوشش کرے۔ اس میں خیر کے بجائے خرابی زیادہ ہوگی۔

۸-اس طرح دھوکہ اور غلط بیانی سے نکاح کرنے والے کے خلاف عدالت سے چارہ جوئی اور مطالبہ فسخ کا اختیار رہنا چاہئے۔

مسئلہ کفاءت-شرعی تناظر میں

مفتی عزیز الرحمٰن فتحپوری ☆

ا-کفاءت کے معنی ہے برابری۔

''والكفاءة بالفتح مصدر والاسم منه الكفء وهو النظير من كافاه إذا ساواه فهي معتبرة في النكاح قال النبي ﷺ: ألا لا يزوج النساء إلا الأولياء ولا يزوجن إلا من الأكفاء اه''

اس روایت کو علامہ ابن ہمام نے بھی نقل فرمایا ہے اور اس سے کفاءت کو شرعاً معتبر ماننے پر استدلال کیا ہے لیکن اس پر نظر قائم کرتے ہوئے اس کے ضعف کی وضاحت بھی فرمادی ہے۔

۲-کفاءت کا اعتبار کئی امور میں کیا جاتا ہے، ان میں ایک نسب ہے دوسرا امر ہے قبول اسلام چنانچہ جو خود مسلمان ہوا ہے وہ اس کا کفو نہیں جس کا باپ مسلمان ہوا ہو اور جس کے باپ نے اسلام قبول کیا ہو وہ اس کا کفو نہیں ہوگا جس کا دادا بھی مسلمان تھا، لیکن جس کے باپ اور دادا دونوں مسلمان تھے وہ ہر ایک کا کفو ہے، قبول اسلام میں کفاءت کا اعتبار بعد کے زمانوں کے لئے ہے چنانچہ اگر کسی مقام پر لوگ عام طور پر نئے نئے اسلام میں داخل ہورہے ہیں وہاں اس کی رعایت نہیں کی جائے گی۔

تیسری چیز جس کی رعایت کی گئی ہے وہ حریت ہے، لہذا غلام آزاد عورت کفو نہیں ہے۔

☆ مولانا آزاد روڈ ممبئی۔

حسن وجمال کی رعایت کو عالمگیری نے کفاءت میں شامل تو نہیں مانا لیکن اس کے بہتر ہونے کی طرف اشارہ کردیا:

''والجمال لا تعتبر فی الکفاءۃ'' کذا فی فتاوی قاضی خان۔

خاص امر توجہ طلب یہ ہے کہ یہ امور جن میں کفاءت معتبر ہے ان کی بنیاد یہ ہے کہ یہ ایسے امور ہیں جن کی بناپر لوگوں میں تفاخر کا پایا جانا بدیہی ہے اسلام اس کی حوصلہ افزائی تو نہیں کرتا لیکن نکاح جیسے نازک رشتے کے استحکام کو مدنظر رکھتے ہوئے رعایت کی گئی ہے کیونکہ لوگوں کی جو ذہنیت ہے اس کو دیکھتے ہوئے ان معاملات میں ناہمواری کسی بھی وقت افتراق کا سبب بن کر سامنے آسکتی ہے (بحرالرائق)۔

ب-عرب اورعجم میں فرق یہ ہے کہ عربوں نے عام طور سے اپنے نسب کو محفوظ رکھا، ان کے یہاں ہزاروں سال پہلے بھی علم الانسان مستقل ایک علم تھا لیکن اہل عجم کے یہاں خصوصیت من حیث القوم موجود نہیں ہے اس لئے عرب عجم کو الگ الگ شمار کیا گیا ہے، عالمگیری میں ایک قول یہ بیان کیا گیا ہے کہ عرب تمام کے تمام ایک دوسرے کے کفوء ہیں

''والصحیح أن العرب کلھم أکفاء کذا ذکرہ أبو الیسر فی مبسوطہ کذا فی الکافی''۔

ایک روایت میں بھی آیا ہے: ''العرب بعضھم أکفاء لبعض''۔

ج-مسئلہ کفاءت استحبابی ہے نہ کہ وجوبی اور اس کا اعتبار بھی مردوں میں کیا گیا ہے کہ وہ عرب کے کفو ہوں، اگرعورت کا ولی عدم کفاءت کا علم ہوجانے کے بعد بھی اس کے اس رشتے پر رضامند ہیں تو کوئی اس نکاح کو نہ باطل کہے گا نہ کسی قاضی کو یہ حق ہے کہ از خود نکاح کو فسخ کردے جو کچھ ہے وہ ذہنی یکسوئی کے نہ ہونے کی بناء پر ہے اور چونکہ لوگ اس کو تفاخر کا سبب گردانتے ہیں اس وجہ سے مصالح نکاح کی رعایت کرتے ہوئے نسبی کفاءت کا لحاظ بھی کیا جاتا ہے، فقہاء کے تمام گفتگو ماحصل یہی ہے اور یہی اس مسئلے میں بنیادی ضابطہ ہے۔

۴- جہاں جدید الاسلام ہونے کو کمتر درجہ نہ دیا جاتا ہو وہاں ایسی کوئی تفریق نہ ہوگی البتہ اگر کہیں اس معاملے میں تفاخر ہو تو وہاں اس کی رعایت بہر حال کرنی ہوگی۔

۵- ایسی چیزیں جو باہمی تفاخر اور سماجی ناہمواری کا واتعاتی دنیا میں سبب بنتی ہے، نکاح کے معاملے میں اگر ان کی رعایت نہ کی گئی تو جو معاشرتی فساد پیدا ہوگا، اس کا ہر عاقل تصور کرسکتا ہے، لہذا ایسے تمام امور کا لحاظ کیا جانا چاہیے، چنانچہ موجودہ ذہنیت کو دیکھتے ہوئے تعلیم میں عدم مساوات اور خوبصورتی وبدصورتی کو بھی اس میں شمار کرسکتے ہیں۔

۶- مرد کی جانب سے اس کا لحاظ ہوگا بایں معنی کہ وہ عورت سے کسی معاملے میں کمتر نہ سمجھا جاتا ہو۔

۷: الف- کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے۔

ب- غیر کفو میں عاقلہ بالغہ عورت ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرے تو ولی کو حق اعتراض حاصل ہے۔

ب- ولی اس نکاح کو قاضی کے ذریعہ فسخ کراسکتا ہے، لیکن اس کی حد بچے کی پیدائش تک ہے، اس کے بعد اسے یہ حق نہیں رہتا۔

۸- ہاں اگر کفاءت کے معاملے میں نکاح سے پہلے غلط بیانی سے کام لیا گیا اور نکاح ہونے کے بعد اس کا علم ہوا تو یہ نکاح قاضی کے ذریعہ فسخ کیا جاسکتا ہے۔

کفاءت کے چند مسائل

مولانا تنویر عالم قاسمی ☆

۱- لغت میں ''کفوء'' نظیر اور مثل کو کہتے ہیں، بمعنی النظیر لغۃ (بحر ۳؍ ۱۲۷)، شرع میں یہ ہے کہ چند مخصوص امور میں مرد عورت کے مساوی ہو وہ امور چھ ہیں: نسب، اسلام، حرفت، حریت، دیانت، مال (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴؍ ۵۴)۔

صاحب بحر کے الفاظ یہ ہیں:

''المراد هنا المماثلة بين الزوجين في خصوص أمور'' (۳؍ ۱۲۷)، کفاءت کی مشروعیت مصالح کی بنیاد پر ہے، سب سے بڑی مصلحت خوشی ومسرت اور خوشگوار زندگی طے کرنا ہے، اور یہ کہ عورت شوہر کی رضا، خوشنودی کو پیش نظر رکھ کر تدبیر منزل اور انتظام بیت (جس میں تحصیل نسل اور پھر اس کی تعلیم وتربیت ہے) کو انجام دے۔

ظاہر ہے کہ اگر کفاءت متروک ومفقود ہو جائے تو یقیناً وہ مصالح جو نکاح سے وابستہ ہیں حاصل نہیں ہو سکتے۔

''لأن المصالح انما تنتظم بين المتكافئين عادة'' (بحر الرائق ۳؍ ۱۲۷)۔

۲- کفاءت کا اعتبار کن کن چیزوں میں ہوگا، اس سلسلہ میں مابین فقہاء ومجتہدین زبردست اختلاف ہے۔

امام احمد بن حنبلؒ کے نزدیک دو چیزیں ہیں: ایک دین، دوسرا منصب، منصب سے

☆ اشرف العلوم کنہواں، بہار۔

مرادنسب ہے، جبکہ ان سے دوسری روایت یہ ہے کہ وہ پانچ امور ہیں جن میں کفاءت شرط ہے: وہ دین، نسب، حریت، صنعت وحرفت، مال ودولت ہے۔

حضرت امام مالکؒ کے نزدیک کفاءت میں قابل اعتبار صرف دین ہے۔

حضرت امام شافعیؒ کا ایک قول امام مالکؒ کے مذہب کے مطابق ہے اور دوسرا قول امام احمد کے قول ثانی (امور خمسہ) کی طرح ہے، لیکن اس پر سلامت من العیوب الاربعۃ کی بھی شرط ہے (المغنی ۷/ ۳۷۴)۔

لیکن ''الفقہ علی المذاہب الاربعہ'' میں مالکیہ کا مذہب یہ منقول ہے کہ کفاءت کے لئے دو چیزیں ہیں: ایک دین، دوسرا برص، جنون، جذام، جیسے مرض سے شوہر کا محفوظ ہونا، لیکن دوسری شرط کے فوت ہونے کے وقت صرف خیار کا حق عورت کو ہے ولی کے لئے نہیں (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۵۸)۔

۳-الف: اسلامی شریعت میں نسب کا اعتبار ہے جس کی تفصیل سوال ۲ کے جواب میں آ چکی، جس میں کہا گیا تھا کہ نسب کا اعتبار عربی کے مابین ہے عجمی میں نہیں، لیکن حضرت تھانویؒ ایک سوال کے جواب میں تحریر فرماتے ہیں کہ باہم عجم میں جو نسبا کفاءت معتبر نہ ہونا فقہاء نے لکھا ہے، یہ بھی مقید ہے، اس کے ساتھ کہ جب عرف میں اس تفاوت کا اعتبار نہ ہو ورنہ ان میں بھی باعتبار نسب قومیت کو معتبر ہوگا (امداد الفتاوی ۲/ ۳۵۶)۔

۳و۴- ''وأما الموالی فمن كان له أبوان فی الإسلام فصاعدا فهو من الأكفاء يعنی لمن له آباء فيه، ومن أسلم بنفسه أوله أب واحد فی الإسلام لا يكون كفوا لمن له أبوان فی الإسلام، لأن تمام النسب بالأب والجد'' (ہدایہ ۲/ ۳۰۰)۔

مذکورہ بالا عبارت تمام کتب فقہ حنفی میں موجود ہے، جس میں ''اسلام'' کا اعتبار کیا گیا ہے۔

جس شخص کے باپ دادا سے اسلام چلا آ رہا ہے وہ قدیم الاسلام ہوگا اور یہ شخص اس کا

کفو بنے گا، جس میں چند پشتوں سے اسلام ہے، ان تمام باتوں کے باوجود کیا موجودہ دور میں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کا اعتبار کفو میں ہوگا؟ اس جز کا جواب سوال ۵ کے تحت آرہا ہے۔

۵- ہمارے ہندوستان میں بہت سی قومیں ایسی ہیں کہ وہ کسی زمانے میں نچلی سطح اور خاندانی اعتبار سے عرفاً بہت گھٹیا سمجھی جاتی تھیں۔ لوگ انہیں عزت وشرافت کی نگاہ سے نہیں دیکھتے تھے، خواہ اس کے اسباب خسیس حرفت وپیشہ اختیار کرنے کی بناپر ہو یا افعال وکریکٹر یا اور اخلاق وتہذیب سے عاری ہونے کی بناپر ہو۔

اب اس طرح کے لوگوں نے وہ حرفت وپیشہ چھوڑ دیا جو خسیس ودنی تھے اور اپنی تہذیب اور تمدن عمدہ سے عمدہ بنالی، اب وہ لوگ معزز اور شریف سمجھے جاتے ہوں، مثلاً وہ قوم یا خاندان جو کسی زمانے میں حجام، یا حائک کے پیشہ کو اختیار کی ہوئی تھی جس کی وجہ سے عرفاً وہ لوگ اپنی عزت وشرافت کھو بیٹھے تھے، ایسے لوگوں نے ان پیشوں کو چھوڑ کر تجارت وغیرہ ایسا پیشہ اختیار کرلیا جو عرفاً باعث ذلت نہیں۔ تو اس طرح کے لوگ اب اس خاندان قوم کا کفو ہونا چاہئے جو پہلے سے عزت وشرافت میں مشہور ومعروف ہیں، لہذا میرے دل کا رجحان ومیلان اس طرف ہے کہ موجودہ شرافت وکرامت کا اعتبار ہونا چاہئے نہ کہ ماقبل کی حالت وکیفیت کا۔

مذکورہ بالا رجحان ومیلان پر اس جزئیہ سے روشنی پڑتی ہے کہ بنو باہلہ عام عرب کے لئے کفو آخر کیوں نہیں بنے؟

"وبنو باهلة ليسوا بأكفاء لعامة العرب، لأنهم معروفون بالخساسة" (ہدایہ ۲/۳۰۰)، اور دوسرے یہ کہ ایک عجمی عالم، عربی جاہل کا کفو کیوں قرار دیا گیا؟

"والعجمي العالم كفء للعربي الجاهل" (الفقہ علی المذاہب الاربعۃ ۴/۵۴)۔

مذکورہ بالا عبارت اور گفتگو کی روشنی میں موجودہ دور میں یہی ہونا چاہئے کہ قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کا فرق اور اس کا اعتبار نہ ہونا چاہئے، بلکہ معیار کفاءت عزت وشرافت

ہونی چاہئے۔

۶ - عرف میں یہ بات معیوب اور باعث شرم وعار نہیں کہ مرد ہم مقابل اور ہمسر سے نچلے درجہ کی خاتون سے شادی وبیاہ کرے، لیکن برخلاف اس کے کہ عرف میں یہ بات معیوب ہونے کے علاوہ خود اس خاتون کے لئے طبعی اور ذہنی طور پر نا قابل برداشت ہے کہ اس کی شادی ایسے شخص سے ہو جو اس خاتون کے مقابلہ میں نچلے سطح اور حیثیت کا ہو، بنا بریں کفاءت کا اعتبار مرد کی طرف سے قابل اعتبار ہوگا نہ کہ عورت کی طرف سے (دیکھئے: الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴؍ ۵۷، وہکذا فی الدر المختار ۴؍ ۳۱۷)۔

''والکفاءۃ معتبرۃ فی الرجل دون المرأہ فإن النبی ﷺ لا مکا فیٔ لہ وقد تزوج من أحیاء العرب، وتزوج صفیۃ بنت حیي وتسری بالاماء'' (المغنی ۷؍ ۳۷۹)۔

۷ - (الف): کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے۔

''حق الکفؤ للنساء ولأولیائها کلیهما ثابت'' (اعلاء السنن ۱۱؍ ۷۷)۔

ج - ان دونوں شقوں کا جواب سوال ۳ کے تحت تفصیل سے دیا جا چکا ہے۔

۸ - کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے اگر رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالت کے بارے میں خلاف واقع باتیں بیان کر کے لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کیا اور نکاح کرلیا، لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوئی تو ایسی صورت میں ولی اور لڑکی ہر ایک کو خیار فسخ ملے گا، اس کی صورت یہی ہوگی کہ معاملہ دار القضا میں پیش ہوگا اور قاضی کے فسخ سے نکاح فسخ ہوگا۔

''أما إذا شرطوا فأخبرهم بالکفاءۃ فزوجها علی ذلک، ثم ظهر أنہ غیر کفء، کان لهم الخیار'' (بحر الرائق ۳؍ ۱۲۸)۔

نکاح میں کفاءت-حقیقت ومصلحت

مولانا عطاء اللہ قاسمی ☆

کن چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہوگا:

درج ذیل چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے:

نسب، حریت، دین، حرفت، مال، غنی، اسلام اور امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مہر مثل میں بھی کفاءت کا اعتبار ہے (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/ ۳۱۸، بدایۃ المجتہد ۲/ ۱۶، ہدایہ ۲/ ۳۲۰)۔

۲-فقہاء نے کفاءت کے بارے میں جن چیزوں کی تعیین کی ہے، ان کا مدار نصوص پر نہیں بلکہ عرف پر ہے۔

۱-کفاءت معتبر ہے، اور کفاءت کا مبنی عرف ہے، جس کا حدیث میں بھی اعتبار کیا گیا ہے، نیز عجم میں جو نسباً کفاءت کا عدم اعتبار ہے وہ مقید ہے اس کے ساتھ کہ جب عرف میں اس تفاوت کا اعتبار نہ ہو، ورنہ ان میں بھی باعتبار نسب قومیت کے معتبر ہوگا (امداد الفتاوی ۲/ ۳۵۶)۔

۲-عرب جو شرافت نسب میں سب کے سب شریک ہیں، لیکن بنو باہلہ کو عام عربوں کی کفاءت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے، اس استثناء کا مدار عرف ہی ہے (امداد الفتاوی ۲/ ۳۵۷)۔

۳-عام طور پر فقہی متون معتبرہ میں جو یہ لکھا گیا ہے کہ "والعرب اکفاء، فلا یکافئہم غیرہم" یہ جزئیہ بھی مطلق نہیں مقید ہے عرف کے ساتھ (امداد الفتاوی ۲/ ۳۵۷)۔

فقہاء کرام کی تصریحات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ کفاءت دفع عار کے لئے ہے، اور

☆ کوپا گنج، مئو۔

عار کا دارومدار عرف اور حالات پر ہوا کرتا ہے، لہذا کفاءت کا مدار عرف ٹھہرا، اور عرف کی تبدیلی سے کفاءت کا معیار بدل سکتا ہے۔

۳: الف - اسلامی شریعت میں نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے (بدائع الصنائع ۳۱۸/۲)۔

ب - نسب میں کفاءت معتبر ہے۔ اس کا اعتبار صرف اہل عرب کے لئے ہے۔ اہل عجم کے لئے نہیں، کیونکہ اہل عرب نے اپنے نسب کو صحیح اور معتبر طریقے سے محفوظ رکھا ہے، اہل عجم نے نہیں محفوظ رکھا ہے، مگر شاذ و الشاذ کالمعدوم۔

''إنما خص الكفاءة في النسب في العرب، لأن العجم ضيعوا أنسابهم'' (شرح وقایہ ۲۶/۲)۔

ج - نسبی کفاءت کے شرعی ضابطے اور ضروری تفصیلات:

۱ - اگر نسب عار کا سبب ہو تو کفاءت معتبر ہوگی۔

۲ - علمی برتری اور علمی فضل وکمال بہر حال نسب سے بڑھا ہوا ہے، ارشاد باری ہے:

''قل هل يستوي الذين يعلمون و الذين لا يعلمون''۔

۳ - کفاءت کا اعتبار دفع عار کے لئے ہے۔ اور عار کا مدار عرف ہے۔ لہذا اگر کہیں قدیم الاسلام اور جدید الاسلام ہونا عار کا سبب ہے تو وہاں اس کے بارے میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا ورنہ نہیں۔

''ثم مفاخرة العجم بالإسلام لا بالنسب إلى قوله...... فأما إذا كان في موضع كان عهد الإسلام قريبا، بحيث لا يعير بذلك ولا يعد عيبا يكون بعضهم كفء لبعض'' (بدائع الصنائع ۳۱۹/۲)۔

بعض حضرات کا یہ خیال ہے کہ قدیم الاسلام اور جدید الاسلام میں کفاءت کا تصور نو مسلموں کو مسلم سوسائٹی میں جذب کرنے اور ان کے معاشرتی مسائل حل کرنے میں رکاوٹ بن رہا ہے اور ایک حد تک اسلام کی دعوت وتبلیغ میں سد راہ ہے۔

یہ خیال بالکل بے بنیاد ہے، کیونکہ ''رکاوٹ'' اور ''سدراہ'' بننے میں اس تصور کفاءت کی کیا تخصیص ہے؟ مسلمانوں کا کون سا فعل اور عمل دعوت وتبلیغ کے لئے معاون ہے؟ تو پھر کس کس تصور کو ختم کیا جائے یا اس میں نرمی جائز رکھی جائے۔

۵-کفاءت کا اعتبار دفع عار کے لئے ہے، اور عار کا مدار عرف ہے۔ لہذا دور حاضر میں وہ تمام اوصاف جو عار، شرم اور عیب کی بنیاد بنتے ہیں ان میں کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا۔

۶-کفاءت کا اعتبار مرد کے بارے میں کیا جائے گا یعنی مرد عورت کے برابر ہو۔

''فالكفاءة تعتبر للنساء لا للرجال على معنى أنه تعتبر الكفاءة في جانب الرجال للنساء ولا تعتبر في جانب النساء للرجال، لأن النصوص وردت بالاعتبار في جانب الرجال خاصة'' (بدائع الصنائع ۲/ ۳۲۰)۔

۷: الف-کفاءت بعض حالات میں ولی کا حق ہے اور بعض حالات میں عورت کا حق ہے۔ یعنی کفاءت عورت اور مرد دونوں کا حق ہے (درمع الرد ۲/ ۳۴۴)۔

ب-عاقلہ بالغہ خاتون نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح صحیح نہیں ہوا۔ ولی کی رضا صراحۃً ضروری ہے۔

''(ويفتى) في غير الكفوء (بعدم جوازه أصلا) وهو المختار للفتوى'' (درمختار ۲/ ۳۴۲)۔

ج-مذکورہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوا۔

۸-کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے اگر رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا، اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی وسماجی حالت کے بارے میں خلاف واقع باتیں بیان کر کے لڑکی اور اس کے اہل خاندان کو نکاح پر آمادہ کرلیا، اور نکاح کرلیا، لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوئی تو یہ نکاح صحیح اور منعقد ہے، لیکن اگر اولیاء نے کفاءت کی شرط کے ساتھ نکاح کیا تھا تو انہیں فسخ کا اختیار حاصل ہے ورنہ نہیں (درمختار ۲/ ۳۴۵)۔

مسئلہ کفاءت

مولانا عبداللطیف پالنپوری ☆

۱-کفاءت کے معنی برابری کے ہیں، اور شریعت کی اصطلاح میں مرد کا چند امور میں عورت کے برابر ہونا، نکاح میں کفاءت کو مشروع قرار دینے کی مصلحت یہ ہے کہ میاں بیوی کے ازدواجی تعلقات میں خوشگواری اور استحکام پیدا ہو، نیز ان دونوں میں زیادہ سے زیادہ مودت و محبت پیدا ہوتا کہ رشتۂ نکاح ایک کھیل تماشہ نہ بن جائے۔

"الکفاءة لغة المساواة، وشرعا مساواة الرجل للمرء ة في الأمور الآتية" (شامی ۳۱۷/۲)۔

۲-کفاءت کا اعتبار کن چیزوں میں ہونا چاہے، اس سلسلہ میں ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ چھ چیزوں میں کفاءت کا لحاظ کرتے ہیں، یعنی اسلام، دیانت وتقوی، نسب، مال، پیشہ اور حریت۔

امام شافعیؒ چار چیزوں میں برابری کا لحاظ کرتے ہیں: دیانت و مال کو اس میں شامل نہیں کرتے۔

امام احمد بن حنبلؒ پانچ چیزوں میں کفاءت کا لحاظ کرتے ہیں اور دیانت ہی میں اسلام کو بھی شامل سمجھتے ہیں، مگر امام ابوحنیفہؒ نے اسلام اور دیانت کو الگ الگ شمار کیا ہے، اس لئے ان کے یہاں چھ شرطیں ہوگئیں۔

☆ گجرات۔

امام مالکؒ نے صرف دو چیزوں میں برابری کو ضروری قرار دیا ہے، بقیہ اور چیزوں میں برابری ہو یا نہ ہو: دین ودیانت یعنی وہ عقیدۃً بھی مسلمان ہو اور اس میں صلاح ہو یعنی وہ بد اخلاق اور بدکردار نہ ہو۔ اور وہ ان عیوب و امراض سے پاک ہو جن کی بنا پر عورت کو فسخ نکاح کا حق ملتا ہے، مثلاً جذام اور جنون وغیرہ۔ بعض تمدنی اور معاشرتی مصالح کے پیش نظر ائمہ ثلاثہ نے دین و اخلاق کے ساتھ دوسری چیزوں میں بھی برابری کا لحاظ کیا ہے، اس لئے کہ تجربہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر ان کا بالکل خیال نہ کیا جائے تو میاں بیوی میں مودت ورحمت کی روح پیدا نہ ہوگی۔

۴: الف-شریعت میں نسب میں کفاءت کا اعتبار ہے:

"ثم الكفاءة تعتبر في النسب لأنه يقع به التفاخر" (ہدایہ)۔

ب-نسب میں کفاءت کا اعتبار عربوں کے لئے ہے نہ کہ عجمیوں کے لئے، چاہے وہ شہری ہوں یا دیہاتی، عربی بولتے ہوں یا غیر عربی، کیونکہ عجمیوں نے اپنے نسب کو بھلا دیا ہے، اور ان کا آپس میں تفاخر دین کے ذریعہ ہوتا ہے نہ کہ نسب کے ذریعہ، البتہ وہ عجمی لوگ جو عربی قبیلوں میں سے کسی قبیلہ کا خلفاء اربعہ یا انصار میں سے کسی کی طرف منسوب ہیں، اور ان کا نسب معروف ہے تو ان میں بھی کفاءت فی النسب کا اعتبار ہوگا۔

موجودہ حالات میں قدیم الاسلام ہونا اگر فخر کی چیز شمار ہوتا ہو اور جدید الاسلام ہونا عیب کی چیز شمار ہوتا ہو تو کفاءت میں اس کا اعتبار کیا جائے گا، ورنہ نہیں، نیز اگر کسی علاقہ میں یہ عیب اور فخر کی چیز ہے تو وہاں کفاءت میں اس کا اعتبار کیا جائے گا اور دوسرے علاقہ میں یہ فخر اور عیب کی چیز نہیں ہے تو وہاں کفاءت میں اس کا اعتبار نہیں ہوگا۔

"(قوله وأبوان فيهما كالآباء) أي فمن له أب وجد في الإسلام أو الحرية كفوء لمن له آباء" (شامی ۳۱۹/۴)۔

۵-امام صاحبؒ نے کفاءت میں چھ چیزوں کا اعتبار کیا ہے، اسلام، دیانت وتقوی، نسب، مال وحرفت، پیشہ، حریت ورقیت، لیکن چونکہ اس زمانے میں غلامی کا مسئلہ نہیں ہے، لہذا

اس کو چھوڑ کر باقی پانچ چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہونا چاہئے، جیسا کہ تمام کتب فقہ میں مصرح ہے، نیز اس زمانے میں حسن و جمال میں بھی کفاءت کی رعایت مناسب ہے، جیسا کہ فتاوی ہندیہ میں ہے:

''قال صاحب الكتاب النصيحة أن يراعى الأولياء المجانسة في الحسن والجمال كذا في التاتار خانيه ناقلا عن الحجة'' (فتاوی ہندیہ ۱/ ۲۹۲)۔

نیز عقل میں بھی کفاءت کا اعتبار ہونا چاہئے (الفقہ علی المذاہب الاربعہ ۴/ ۵۷)۔

۶-کفاءت کا اعتبار صرف عورت کے لئے مرد کی جانب میں کیا جائے گا، البتہ بچہ اگر چھوٹا ہے اور باپ دادا کے علاوہ کوئی دوسرا ولی اس کا نکاح کراتا ہے تو اس صورت میں اس کے حق میں بھی کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا، لیکن صاحبینؒ کے نزدیک عورت کی جانب میں بھی مرد کے لئے کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا (درمختار علی الشامی ۲/ ۳۱۷)۔

۷: الف-کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے۔

ب، ج- عاقلہ بالغہ خاتون نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو شرعاً یہ نکاح سرے سے منعقد ہی نہیں ہوگا۔

''ويفتى في غير الكفوء بعدم جوازه أصلا، وهو المختار للفتوى لفساد الزمان'' (درمختار مع الشامی ۲/ ۲۹۷)۔

۸-کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے اگر رشتہ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا اور لڑکی سے اپنی کفاءت بیان کر کے لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو نکاح پر آمادہ کیا اور نکاح کرلیا، لیکن بعد میں اس کی دھوکا دہی واضح ہوئی تو لڑکی اور اس کے اولیا کو یہ نکاح فسخ کروانے کا اختیار ہوگا (درمختار ۲/ ۳۱۸)۔

اسلامی شریعت میں مسئلہ کفاءت کی اہمیت

مولانا ابراہیم گجیا فلاحی ☆

۱-شریعت مطہرہ نے بعض مصالح کی رعایت رکھتے ہوئے کفاءت کو نکاح کے لزوم کے لئے شرط قرار دیا ہے، یہاں تک کہ شریعت مطہرہ کا حکم ہے کہ اگر عورت نے خود اپنا نکاح اپنے اولیاء کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں کرلیا تو وہ نکاح لازم اور پختہ نہ ہوگا اور اولیاء کو حق اعتراض ہوگا (بدائع الصنائع ۲/۳۱۷)۔

کفاءت کو نکاح میں مشروع قرار دینے کے چند مصالح ہیں:

۱-منجملہ یہ کہ عدم کفاءت کی وجہ سے مصالح نکاح میں خلل واقع ہوسکتا ہے؟ کیونکہ نکاح کا سب سے بڑا مقصد استفراش ہے؟ اور شریفہ اپنے آپ کو رذیل کا فراش بنانے سے عار محسوس کرتی ہے۔

۲-نیز زوجین میں آپس میں دل لگی کا ہونا ضروری ہے، دل لگی کے بغیر عادۃً نکاح کا بقاء دشوار ہوتا ہے اور غیر کفو میں عام طور پر اس طرح کی دل لگی نہیں ہوپاتی نتیجۃً وہ نکاح بھی پائدار نہیں رہ پاتا، لہذا کفو کا اعتبار ضروری قرار دیا گیا۔

۳-نیز اولیاء بھی اپنے داماد کے اعلی نسب سے تفاخر حاصل کرتے ہیں اور دناءت نسب سے شرم محسوس ہوتی ہے، لہذا شریعت نے کفاءت کو مشروع فرما کر اولیاء کی عار کو دفع فرمایا (دیکھئے: بدائع الصنائع ۲/۳۱۳)۔

اسلامی شریعت میں نسب کا اعتبار:

اسلامی شریعت میں نسب کا اعتبار صرف عرب میں ہے اور غیر عرب میں نسب کا اعتبار

☆ گجرات۔

نہیں؟ کیونکہ عرب میں نسب سے تفاخر حاصل کیا جاتا ہے، اور غیر عرب میں تفاخر قدیم الاسلام ہوتا ہے، لہذا غیر عرب میں نسب کا اعتبار نہ ہوگا۔

البحر الرائق میں ہے: "والحاصل ان النسب المعتبرھناخاص بالعرب، و أما العجم فلا یعتبر في حقهم، ولذا کان بعضهم کفأ لبعض" (البحر الرائق ۱۴۱/۳)۔

لہذا اسلامی شریعت میں نسب کا اعتبار اہل عرب میں ہوگا اور عجم میں قدیم الاسلام کا اعتبار ہوگا۔

نسبی کفاءت کے شرعی ضوابط:

نسب میں کفاءت کا اعتبار اصل عرب میں ہوگا، غیر عرب میں نہ ہوگا۔

قریش کے قبائل آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں، لقول النبی ﷺ "قریش بعضهم أکفاء لبعض" (بدائع ۳۱۹/۲)۔

عرب کے قبائل آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہیں "والعرب بعضهم أکفاء لبعض، حی بحي، و قبیلة بقبیلة"۔

۴-جدید الاسلام اور قدیم الاسلام کا اعتبار:

پہلے معلوم ہو چکا کہ غیر عرب یعنی عجم میں صرف اسلام میں کفاءت کا اعتبار ہوگا، چونکہ کفاءت سے مقصود نکاح کے فوائد کو کماحقہ حاصل کرنا ہے اور جب کفاءت کا اعتبار نہ ہوگا تو حصول فوائد میں خلل واقع ہوگا، لہذا اس خلل سے بچانے کے لئے شریعت نے کفاءت کا اعتبار کیا ہے۔

لیکن بدائع میں علامہ کاسانی نے تحریر فرمایا ہے کہ اسلام میں کفاءت وہاں معتبر ہوگی جہاں اسلام بہت پہلے سے داخل ہوا ہو، اگر کوئی جگہ ایسی ہو جہاں اکثر باشندے جدید الاسلام ہوں تو وہاں اسلام میں کفاءت کا اعتبار نہ ہوگا، کیونکہ جہاں اس کو عار ہی نہ سمجھا جاتا ہوگا وہاں کوئی فساد کا بھی اندیشہ نہ ہوگا، لہذا اگر کسی معاشرہ میں جدید الاسلام ہی کا دور دورہ ہو اور اس سے عار محسوس نہ کی جارہی ہو تو وہاں اسلام میں کفاءت کا اعتبار نہ ہوگا (بدائع ۳۱۹/۲)۔

۵-کفاءت کالحاظ:

کفاءت میں ان ہی چھ چیزوں کالحاظ کیا جائے گا جن کی فقہاءکرام نے تشریح فرمائی ہے۔اگر چہ فتاوی حامدیہ میں لکھا ہے کہ مرد کا استراحت خاص پر قادر ہونا بھی کفاءت کی شرط ہے، یعنی اگر باپ دادا کے علاوہ کوئی اور ولی عورت کا نکاح کسی عنین کے ساتھ باوجود علم کے کر دے تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا، یا مثلاً قاضی خان میں لکھا ہے کہ عقل میں کفاءت شرط ہے یا نہیں مگر یہ اقوال ضعیف ہیں (ماخوذ از علم الفقہ/۶۹۹)۔

۶-کفاءت کا اعتبار:

کفو ہونے کا اعتبار صرف مرد کی طرف سے ہے، یعنی مرد کو عورت کا کفو ہونا چاہئے، عورت اگر غیر کفو میں ہو تو کوئی حرج نہیں، کیونکہ نصوص مرد کے بارے میں وارد ہوئی ہے، دوسری بات یہ ہے کہ عورت عار محسوس کرتی ہے، کیونکہ عورت مستفرشہ اور مرد مستفرش ہوتا ہے، اسے کوئی عار نہیں ہوتی (بدائع ۲/ ۳۲۰)۔

۷-کفاءت ولی کا حق ہے یا عورت کا یا دونوں کا؟

کفاءت ولی کا حق ہے، اس وجہ سے کہ اولیاء کو غیر کفو میں نکاح پر اعتراض کا حق ہے، کیونکہ کفو سے اولیاء کو فائدہ ہوتا ہے، اور غیر کفو ہونے سے ان کو عار محسوس ہوتی ہے اور کفو میں ہونے سے فخر کرتے ہیں، لہذا یہ کفاءت ولی کا حق ہے (بدائع ۲/ ۳۱۷-۳۱۸)۔

ب، ج-عاقلہ بالغہ لڑکی نے ولی کی رضا کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرلیا تو وہ شرعا منعقد نہ ہوگا۔شامی میں ہے:

”ویفتی فی غیر الکفء بعدم جوازہ أصلا وھو المختار للفتوی لفساد الزمان، قال شمس الأئمة وھذا أقرب إلی الاحتیاط کذا فی تصحیح العلامة قاسم“ (شامی ۲/ ۴۰۸)۔

زوجین کے درمیان مسئلہ کفاءت اور اسلام

مولانا محمد امین ☆

۱- کفاءت کا معنی مساواۃ اور مماثلت کے ہیں۔ عادۃً مصلحتوں کا انتظام دو مساوی المرتبہ انسان کے درمیان ہوتا ہے، اس لئے کوئی شریف زادی کسی کمینہ آدمی کی مستفرش یعنی بیوی بننا نہیں چاہتی، لہذا نکاح میں کفو کا اعتبار ضروری ہے (فقہ السنۃ ۲/ ۲۵۵)۔

۲- کفاءت کا اعتبار فقہاء کرام نے مختلف چیزوں میں کیا ہے، البتہ ابن حزم اندلسی نے کفاءت کا اعتبار نہیں کیا، انہوں نے کہا: ''و أهل الاسلام كلهم إخوة، لا يحرم على ابن من زنجية لغية نكاح لابنة الخليفة العباس و الفاسق المسلم مالم يكن زانيا كفو للمسلمة الفاسقة ما لم تكن زانية''۔ ان کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالی کا ارشاد ہے: ''إنما المؤمنون إخوة'' (سورۂ حجرات: ۱۰)، ارشاد باری ہے: ''فانكحوا ماطاب لكم من النساء'' (سورۂ نساء: ۳)، اور فرمان باری تعالی ہے: ''و أحل لكم ما وراء ذلكم'' (سورۂ نساء: ۲۴)، نیز ارشاد باری تعالی ہے: ''والمؤمنون و المؤمنات بعضهم أولياء بعض'' (سورۂ توبہ ۷۱)۔ حضور ﷺ نے زینب بنت جحش (ام المؤمنین) کا نکاح اپنے آزاد کردہ غلام زید کے ساتھ کیا تھا۔

اسلام: یعنی جو خود مسلمان سے پہلے کافر تھا وہ اس عورت کا کفو نہیں جو خود مسلمان اور باپ بھی مسلمان ہے، اسی طرح جو خود مسلمان ہے، باپ بھی مسلمان ہے، دادا مسلمان نہیں تھے وہ

☆　بنگلہ دیش۔

اس عورت کا کفو نہیں جو خود مسلمان ہے، باپ مسلمان ہے، دادا بھی مسلمان ہے۔

حرفۃ: یہ بھی ان کے نزدیک کفاءت میں معتبر ہے مثلاً جولاہا لڑکا کفو ہے جولاہا لڑکی کے لئے مگر جولاہا لڑکا درزی کی لڑکی کے لئے کفو نہیں، اسی طرح نائی دھوبی بھی درزی کے برابر نہیں۔

مال: یہ بھی کفاءت میں معتبر ہے، سمرۃ بن جندبؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''الحسب المال والكرم التقوى'' لہذا بالکل مفلس ومحتاج مرد مالدار عورت کا کفو نہیں ہوسکتا۔

عیب سے پاک ہونا بھی شافعیہ نے کفاءت میں اعتبار کیا ہے، البتہ حنفیہ وحنابلہ اس کا اعتبار نہیں کرتے (فقہ السنۃ ۲/۲۵۶)۔

جمہور فقہاء نے کفاءت کے بارے میں دیانت وتقوی کے علاوہ اور جن چیزوں کی تعیین کی ہے، ان میں سے بعض کا مدار نصوص پر ہے جو قوی نہیں، اور بعض کا مدار ان کے دور کے حالات پر ہے، جو حالات اور عرف کی تبدیلی سے بدل سکتے ہیں، حقیقت یہ ہے کہ جن چیزوں کی تعیین کا مدار نصوص پر بتایا گیا ہے اور اس سلسلہ میں جو حدیث پیش کی گئی ہے وہ یا تو منکر ہے یا موضوع ہے۔

کفاءت کے لئے معتبر چیز اسلامی اخوۃ اور تقوی ہے۔ باقی حسب، نسب، مال و دولت وغیرہ وزنی چیز نہیں اگر ہو فبہا ورنہ کوئی حرج نہیں۔ حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عمل میں اسلامی اخوۃ اور تقوی کی روح کارگر ہے، ورنہ آدم علیہ السلام اور حوا علیہا السلام کی اولاد ہونے میں سب برابر ہے۔ ''الناس من جهة التمثال أكفاء ۔ أبوهم، آدم والأم حواء''۔

مال و دولت غاد ورائح ہے، اور حرفہ کا حشر بھی ایسا ہی ہے، اصل بات اسلامی اخوۃ اور تقوی ہے، خدا کا فرمان: ''إنما المؤمنون إخوة'' (سورۂ حجرات: ۱۰)، ''إن أكرمكم عند الله أتقاكم'' (سورۂ حجرات: ۱۳)، ''والمؤمنون والمؤمنات بعضهم أولياء بعض'' (سورۂ توبہ: ۷۱)۔

س: الف - اسلامی شریعت میں کفاءت کا اعتبار نسب میں نہایت ضعیف قول ہے، خود حضور ﷺ کا عمل اس کے خلاف ہے، آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کے ساتھ اپنی پھوپھی زاد بہن زینب بنت جحش قریشی کا نکاح کیا۔ حضور ﷺ کے عمل کی بنیاد پر نسبی کفاءت کو غیر معتبر کہنا ہی ٹھیک ہے، یہ حقیقۃً غیر مسلم قوم کی غیر فطری نظریہ ہے۔

ب- باوجود نسبی کفاءت کے سلسلہ میں ضعیف حدیث ہونے کے پھر بھی اگر اعتبار کیا جائے تو یہ صرف اہل عرب کے لئے ہے عجم کے لئے نہیں، عجم نے اپنے نسب کو ضائع کردیا ہے (فقہ السنۃ ۲/۲۵۸)۔

ج - جو لوگ نسبی کفاءت کے قائل ہوئے ان کے نزدیک شرعی ضابطے اور ضروری تفصیلات یہ ہے کہ شیخ، سید، انصاری اور علوی یہ سب ایک دوسرے کے برابر ہیں، اگرچہ سیدوں کا رتبہ اوروں سے بڑھ کر ہے، لیکن اگر سید کی لڑکی شیخ کے یہاں گئی تو یہ نہ کہیں گے کہ بے میل ہیں نکاح نہیں ہوا بلکہ یہ بھی میل ہے۔

۵ - کفاءت کا مسئلہ زمانہ اور حالات وعرف پر مبنی ہونا غیر اسلامی نظریہ ہے، اسلام ہمیشہ دیانت اور تقوی کو اہم قرار دیتا ہے، خود حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا عمل بھی اس پر ہے، ہمارے نزدیک ہر دور کے عرف وحالات پر مبنی کفاءت کا کچھ اعتبار اور قدر و قیمت نہیں ہے، لہذا عرف اور حالات پر مبنی کفاءت میں کسی چیز کا لحاظ کرنا ضروری نہیں ہے۔

٦ - کفاءت کا اعتبار مرد کے بارے میں کیا جائے گا، عورت کے بارے میں نہیں (فقہ السنۃ ۲/ ۲۶۴)، البتہ حنفیہ کے نزدیک مرد کے علاوہ عورت کے بارے میں صرف دو حالات میں اعتبار کیا جائے گا۔

اولاً: کوئی آدمی کسی کو وکیل بنائے کہ وہ کسی غیر متعین عورت کے ساتھ اس کا نکاح کرے تو وکیل کی تزویج مؤکل پر نافذ ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ ایسی عورت ہو جو اس کی کفو ہو، اس صورت میں لڑکی کی کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا۔

دوم: باپ کے علاوہ دوسرے ولی جو ناپسندگی نہیں پہچانتا ہو، نابالغ لڑکی کا نکاح کرے تو صحت نکاح کے لئے شرط یہ ہے کہ لڑکے کی مصلحت کا لحاظ کرتے ہوئے لڑکی کی کفاءت کا اعتبار کیا جائے (فقہ السنہ ۲/۲٦۲)۔

کفاءت کا اعتبار مرد کے بارے میں ہے نہ کہ عورت کے بارے میں، اس کی دلیل یہ ہے:

قال النبی ﷺ: من كانت عنده جارية فعلمها وأحسن تعليمها، وأحسن إليها ثم أعتقها وتزوجها''، رواه البخاری ومسلم۔

''إن النبی ﷺ لا مكافئی له فی منزلته، وقد تزوج من أحياء العرب، وتزوج صفية بنت حيي وكانت يهودية فأسلمت''۔

۷: الف- جمہور فقہاء کے نزدیک کفاءت ولی اور عورت دونوں کا حق ہے۔سو ولی کے لئے جائز نہیں کہ لڑکی اور اس کے دیگر اولیاء کی رضامندی کے بغیر اس کی غیر کفو میں شادی کردے، اس لئے کہ غیر کفو میں لڑکی کو بیاہ دینے میں سب کے لئے عار وذلت ہے، لہذا وہ سب کے رضا کے بغیر جائز نہیں، ہاں لڑکی اور دیگر اولیا کے راضی ہونے کی صورت میں جائز ہے، اس لئے کہ منع جواز ان سب کے حق کی حفاظت کے لئے تھا، سب راضی ہوگئے تو منع زائل ہوگیا (فقہ السنہ ۲/۲٦۳)۔

ب- عاقلہ بالغہ لڑکی اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلے تو یہ نکاح منعقد نہ ہوگا، فتوی اسی پر ہے (عالمگیری ۲/۳۰۰، شامی ۲/۵۳۱)۔

ج- عاقلہ بالغہ لڑکی نے اگر غیر کفو میں ولی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرلیا تو یہ نکاح غیر مختار قول کے مطابق منعقد ہوجائے گا، لڑکی کے خود مختار ہونے کی وجہ سے (ہدایہ ۲/۲۹۴)، مگر چونکہ اس نے اپنے میل میں نکاح نہیں کیا ہے، بلکہ اپنے سے کم رتبہ والے سے نکاح کیا اور ولی ناخوش ہے تو ولی اس مسلمان حاکم کے پاس فریاد کرکے اس نکاح کو توڑ سکتا ہے۔

۸-کسی لڑکے یا اس کے گھر والوں نے اگر رشتۂ نکاح طے کرتے وقت غلط بیانی سے کام لیا، اور اپنے نسب وخاندان یا معاشی یا سماجی حالت کے بارے میں غیر واقع باتیں بیان کر کے لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو آمادہ کیا اور نکاح کرلیا، لیکن بعد میں اس کی دھوکہ دہی اور غلط بیانی واضح ہوئی تو اس نکاح کا حکم یہ ہے کہ عقد منعقد ہوگا، مگر لڑکی اور اس کے اہل خانہ کو حق ہوگا کہ وہ کسی مسلمان حاکم کے ذریعہ اس نکاح کو توڑ ڈالے، اس لئے کہ لڑکے یا اس کے گھر والوں نے اس سلسلہ میں خداع کیا جو حرام ہے۔ ہر انسان کو خداع سے بچنے کا حق ہے، لہذا اس نکاح کو توڑ کر دھوکہ سے بچنے کا حق ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اس خداع میں ضرر بھی ہے، فقہی قاعدہ کے مطابق الضرر یزال (الاشباہ والنظائر)، اسی طرح لا ضرر ولا ضرار بھی فقہی قاعدہ ہے (المجلہ، قواعد الفقہ للفقہاء، اتی السہا المحلیۃ العباس) خداع میں ظلم کا شائبہ بھی ہے۔ قاعدہ ہے کہ: "المظلوم له أن يدفع الظلم عن نفسه بما قدر عليه" (شرح السیر الکبیر)۔

لہذا نکاح توڑنے کا حق لڑکی اور اس کے اولیاء کو حاصل ہے۔

شریعت اسلامیہ میں مسئلہ کفاءت

مولانا محمد ارشاد القاسمی ☆

۱-کفاءت کی حقیقت: "المماثلة بين الزوجين في خصوص أمور" ہے۔اس کا اعتبار زوجین کے درمیان ربط محبت اور خوشگوار فضاء قائم ہونے کے لئے ہے تا کہ معاشرتی زندگی بہتر طور پر گذر سکے۔

۲-کفاءت پانچ امور کے درمیان تو متفق علیہ ہے:

نسب، حریت، دین، مال، صنائع۔مزید ان کا بھی اعتبار ہے: اسلام، عقل۔

ائمہ کے مسالک: شافعیہ کے یہاں دو قول۔ایک قول میں حنفیہ کے ساتھ، مع سلامتی عیوب کے، دوسرا قول امام مالک کے مثل۔کفاءت کا اعتبار نہیں۔

کذا فی المغنی: "عن الشافعي كقول مالك، وقول آخر إنها الخمسة التي ذكرناها والسلامة من العيوب للأربعة" (المغنی ۷/۳۷۷)۔

حنابلہ کے یہاں بھی دو قول۔ایک قول میں وہ حنفیہ کے ساتھ ہیں۔

"الرواية الثانية انها ليست شرطا" (۳۷۳/۷)۔

مالکیہ "الكفاءة في الدين لا في ......" (المغنی ۷/۳۷۷)۔

مدار: کفاءت کا مدار اس دور کے حالات پر ہے اور حالات کی کچھ رعایت نصوص میں ہے۔

۳: الف-کفاءت میں نسب کا اعتبار ہے۔مگر مدار نکاح نہیں ہے۔

☆ مدرسہ ریاض العلوم گوریٰی جونپور۔

ب- اہل عجم میں نسبا کفاءت معتبر نہیں، ہاں مگر یہ کہ کسی قبیلہ کی جانب تحقیقا منسوب ہوں تو کفاءت کا اعتبار کیا جائے گا۔

ج -غیر عرب کے لئے نسبی کفاءت نہیں، نسبی کفاءت اہل عرب کے لئے ہے۔ قریش کے درمیان تفاضل انساب نہیں ہے۔

موالی آپس میں ایک دوسرے کے کفو ہوں گے، نسبی کفاءت کا شہر گاؤں کا اعتبار نہیں۔ حسیب وشریف واہل علم ذونسب کے کفو ہوجائیں گے۔ آزادشدہ غلام خاندان موالی کے کفو ہوجائیں گے۔

۴- آج کل کے ماحول کے اعتبار سے اور دور حاضر کی ضرورتوں کے پیش نظر اس کا اعتبار نہ ہوگا۔

۵- دور حاضر میں نسبی کفاءت کے بجائے دین اور تقوی اور اخلاق اور معاشرتی موافقت کو معیار بنانا چاہئے، علم شرافت کے مقابلہ نسب کو معیار نہیں بنانا چاہئے۔

۶- کفاءت کس کے حق میں معتبر ہے، اس میں علماء کرام کے دونوں اقوال ہیں۔

کذا فی الشامیۃ:

"فثبت اعتبار الکفاء ۃ من الجانبین فی الصغیرین"۔

حضرات صاحبین کے یہاں دونوں کے درمیان کفاءت کا اعتبار ہے (۳؍ ۸۵)۔

۷: الف- جس طرح کفاءت کا اعتبار اولیاء کا حق ہے، اسی طرح عورت کا بھی حق محققین فقہاء کرام کے نزدیک ہے۔

"فإن قوله کحق الکفائة یدل علی أنه حق لکل منهما" (البحر الرائق ۳؍ ۱۳۷)۔

ب- عاقلہ بالغہ غیر کفو میں نکاح کرے تو اصل مذہب اور قوی دلائل اور اصول حنفیہ کے اعتبار سے نکاح منعقد ہوجائے گا۔ اب مصالح زمان کا تقاضہ یہ ہے کہ حسن بن زیاد کے قول پر فتوی کے بجائے اصل مذہب پر اور ائمہ ثلاثہ کے قول پر فتوی دیا جائے۔

ج - انعقاد نکاح کے بعد حق فسخ اولیاء کو رہے گا، اور اس فرقت کے لئے قضاء قاضی ضروری ہے۔ محض ولی کا قول فسخ کافی نہیں بلکہ اس کے مطالبہ سے قاضی یا فی زماننا شرعی پنچایت کمیٹی کرے گی۔

۸ - اگر لڑکی یا اس کے اولیاء کو دھوکا دے کر نکاح کر لیا اور واقعۃ معاملہ اس کے خلاف نکلا تو لڑکی یا اولیاء کو فسخ نکاح کا حق ہوگا۔

''فإن ظهر دونه وهو ليس كفوء فحق الفسخ'' (بحر ۳/ ۱۳۷)۔

مناقشہ

مناقشہ کے آغاز کے لئے حضرت مجیب اللہ صاحب ندوی سے درخواست ہے کہ وہ مناقشہ کا آغاز کریں:

مولانا مجیب اللہ ندوی:

بعد الحمد: بزرگو یہ رسالہ آج سے پندرہ بیس برس پہلے لکھا گیا تھا اور اس جذبہ سے لکھا گیا تھا کہ ہمارے سامنے دن رات ایسے واقعات آتے رہتے ہیں کہ ایک شخص اسلام سے متاثر ہوتا ہے اور اسلام قبول کر لیتا ہے تو یہ جب سوال کرتا ہے کہ ہم یہاں کس برادری میں رہیں گے اس لئے کہ ہندو قوم سے جو الگ ہو کر وہ اسلام میں داخل ہوتا ہے تو وہاں کی جو ذات برادری کی بندشیں ہیں اس سے گھبرا کر آتا ہے اور جب یہاں آتا ہے تو وہ دیکھتا ہے کہ یہاں بندشیں موجود ہیں تو اس کو بڑی دقتیں پیدا ہوتی ہیں اور بعض حضرات اسلام سے اس لئے رک گئے کہ انہوں نے سوچا کہ ہماری لڑکے لڑکیوں کی شادی کا کیا مسئلہ کیا ہوگا اور کیا کیریر ہوگا۔ دوسری چیز اس وقت ہندوستان کی حکومت چاہے وہ صوبائی ہو یا مرکزی ہو ذات برادری کے مسئلہ کو مسلمانوں میں ہوا دے رہی ہے اور وہ چاہتی ہے کہ جو ہندوؤں میں تفریق ہے وہ مسلمانوں میں ہو جائے اور ان میں اتحاد و اتفاق کی کوئی کیفیت نہ پیدا ہونے دیں، انہیں جذبات کی بنا پر میں نے یہ رسالہ لکھا تھا جس کا تھوڑا سا حصہ میں آپ کے سامنے پڑھ لیتا ہوں: نسبی و خاندانی برتری کے احساس و تفاخر میں پہلے کے مقابلہ میں اب مسلمانوں میں بہت کمی آگئی ہے اور برادریوں کی جو مصنوعی دیوار قائم ہوگئی وہ گری تو نہیں ہے مگر ذہنی طور پر بڑی حد تک کمزور ضرور ہوگئی ہے مگر خاندانی و نسبی تفاخر

کی جگہ اب سیاسی ومعاشی برتری مال ودولت کی خواہش اور تعلیم کی ہم آہنگی حسن وجمال نے لے لی ہے، ادھر کچھ دنوں سے سیاسی مفاد کے پیش نظر حکمراں طبقے کے لوگ برادریوں کی تقسیم اور طبقاتی عصبیت کو نئے سرے سے ہوا دیئے جارہے ہیں جس سے نئے نئے فتنے پیدا ہورہے ہیں اور مزید پیدا ہونے کے امکانات ہوگئے ہیں مگر افسوسناک بات یہ ہے کہ دین واخلاق ہمارے پاکستانی وہندوستانی مسلم معاشرہ میں نہ تو پہلے معیار شرافت تھا نہ اب ہے خاص طور پر اس وقت غیر مسلموں کا ایک طبقہ جو اسلامی معاشرہ سے متاثر ہورہا ہے اس میں بہت سے اسباب کے ساتھ معاشرتی اونچ نیچ اور اونچی ذات برادریوں کے ہندوؤں کا نسبی تفاخر سب سے بڑا محرک دکھائی دے رہا ہے، ان حالات میں مسلمانوں کے اندر سے اس ذہنیت کو ختم کرنے کی شدید ضرورت ہے تاکہ اسلام میں داخل ہونے والوں کو اسلامی معاشرہ میں اونچ نیچ اور تنگی ونسبی تفاخر محسوس نہ ہو، جس سے وہ بیزار ہوکر اس نئے معاشرہ میں داخل ہورہے ہیں۔ میاں بیوی کے تعلقات کو زیادہ سے زیادہ خوشگوار بنانے میں اور اس میں زیادہ محبت ومودت اور ہم آہنگی پیدا کرنے کے لئے شریعت نے نکاح میں دوسرے قیود کے ساتھ یہ قید بھی لگائی ہے کہ رشتہ قائم کرنے میں دینی اخلاقی، معاشی ومعاشرتی مناسبت کا بھی لحاظ کیا جائے، ورنہ اس سے رشتہ میں استواری وخوشگواری پیدا ہونا مشکل ہے اور جب یہ بات نہ پیدا ہوگی تو پھر نکاح کا اصل مقصد یعنی اچھے خاندان کا وجود میں آنا فوت ہوجائے گا، اسی مناسبت سے اور برادری کو اسلامی شریعت میں کفاءت کہتے ہیں۔کفاءت کے لفظی معنی برابری کے ہیں، رسول ﷺ نے خود بھی کفاءت کا لحاظ فرمایا ہے، اس کا حکم بھی فرمایا ہے: ''تخیروا .... وأنکحوا الأکفاء'' اپنے نطفہ کے لئے اچھی لڑکی کا رشتہ انتخاب کرو اپنے برابری کے لوگوں میں شادی بیاہ کرو، مگر حضور ﷺ نے ایک دوسری حدیث میں برابری کی یہ تشریح فرمائی ہے: ''إذا جاء کم من ترضون دینه وخلقه فانکحوا'' لڑکے اور لڑکی کے انتخاب کے سلسلہ میں بعض اور احادیث آگے آئے گی۔کفاءت کن چیزوں میں ہونی چاہئے؟ ائمہ اربعہ میں امام ابوحنیفہ، امام شافعی، امام احمد بن حنبل نکاح میں

کفاءت وبرابری میں مندرجہ ذیل پانچ یا چھ چیزوں کوضروری سمجھتے ہیں:

اسلام، دیانت وتقوی، نسب، مال، پیشہ، مرض سے اور عیوب سے خالی ہونا، یہ تو کفاءت میں داخل نہیں ہے مگر بہر حال اس کا ذکر کرتے ہیں فقہا مگر امام مالک صرف دو چیزوں میں برابری کا لحاظ کرتے ہیں، ایک دین یعنی اس کا دین وایمان درست ہو، دوسرے صلاح وتقوی، یعنی بد اخلاق وبدکردار نہ ہو، میں سب تشریح نہیں کرسکتا اس میں سب ذکر آچکا ہے۔ اسلام ضروری ہے، دیانت وتقوی بھی ضروری سبھی سمجھتے ہیں، اصل میں مال، پیشہ اور نسب پر تھوڑی سی بات سن لیں آپ:

کفو کے سلسلہ میں مال کا بھی اعتبار کیا گیا ہے، یعنی لڑکی اگر کسی مال دار وخوش حال گھرانے کی ہوتو حتی الامکان اس کا رشتہ کسی مفلس، قلاش بےصلاحیت کے ساتھ نہ کرنا چاہئے مگر اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ جب تک کسی دولت مند اور لکھ پتی کا لڑکا نہ ملے اپنی لڑکی کو بٹھائے رکھے۔ مال کے لحاظ سے کم درجے کے آدمی سے نکاح نہ کرے بلکہ مال کے لحاظ سے مطلب صرف یہ ہے: "وهو إن كان مالكا بالمهر والنفقة" ہدایہ میں یہ عبارت ہے، جو لڑکا مہر ادا کرنے اور بیوی کا خرچ اٹھانے کی قدرت رکھتا ہو وہ مالدار لڑکی کا کفو ہوسکتا ہے یعنی نکاح کے وقت اگر مہر کی ادائیگی کی صلاحیت اور ایک مہینہ تک کا خرچ اس کے پاس موجود ہے تو ایسا شخص مالدار لڑکی کا کفو ہے، فتح القدیر میں اس کی اور تشریح کرتے ہوئے کہا: "الصحيح إذا كان قادراً على النفقة على طريق الكسب" تو پیشہ کا جہاں تک تعلق ہے مال کا سلسلہ اتنا ہی ہے کہ آدمی ایسا ہو کہ صلاحیت اس کے اندر ہو کما لینے کی۔

ایک پیشہ کے لوگوں کا رہن سہن، طرز معاشرت عموماً ایک طرح کا ہوتا ہے، اس لئے اپنے پیشہ والوں کے یہاں شادی کرنے میں سہولت بھی ہوتی ہے اور میاں بیوی میں اس کی وجہ سے مناسبت بھی رہتی ہے اور بسا اوقات ہم پیشہ ہونے کی وجہ سے معاشی اعتبار سے بھی دونوں کو سہولت ہوتی ہے، اس لئے ائمہ ثلاثہ نے رشتہ نکاح میں اس کا لحاظ واعتبار کرنے کی بھی اجازت

دی ہے مگر اسلامی نقطہ نظر سے یہ سمجھنا سخت غلطی ہے کہ کسی پیشہ کے ساتھ ذلت اور کسی پیشہ کے ساتھ عزت چمٹی ہوئی ہے یا کسی نے دو ایک پشت کوئی پیشہ اختیار کیا تو وہ ذلیل ہوگیا اور وہ کتنے ہی خوبیوں کا مالک کیوں نہ ہو پیشہ کی ذلت اس کے ساتھ لگی رہتی ہے۔ چنانچہ امام ابوحنیفہؒ سے جو روایت زیادہ صحیح طریقہ سے مروی ہے وہ یہی ہے کہ دائمی طور پر یہ کوئی قابل اعتبار شی نہیں ہے ہدایہ میں ہے: " إن الحرفة ليس بلازمة ويمكنه التحول من الخسة إلى النفيسة" پیشہ کسی کے ساتھ چمٹا نہیں رہتا بلکہ ایک آدمی معمولی پیشہ چھوڑ کر دوسرا پیشہ کرسکتا ہے۔ یہ بھی ملحوظ رہے کہ پیشوں کا معیار زمانہ کے حساب سے بدلتا رہتا ہے، ضروری نہیں کہ ایک پیشہ جو کسی زمانہ میں پست درجے کا اور جاہل لوگ اختیار کرتے ہوں وہ پیشہ ایسے ہی لوگوں کے لئے ہوتا ہو، ہمارے زمانہ میں کپڑا دھونا، جوتا بنانا نہایت گھٹیا لوگوں کا پیشہ تھا لیکن اب اہل علم اور گریجویٹ اور شرفاء بھی اس طرح کا کام کر رہے ہیں، اس لئے کسی پیشہ کو ذلیل سمجھنا صحیح نہیں ہے۔

نسب: نسب کے سلسلہ میں ابھی جو باتیں آئی ہیں ایک بات آپ سمجھ لیں کہ فقہاء نے نسب کا جو ذکر کیا ہے وہ ہم اپنے ماحول کے لحاظ سے برادریوں اور اس کے ماحول میں سوچتے ہیں ایسا نہیں ہے۔ دو چیزیں ہیں: نکاح اور سفاح نسب میں صرف سفاد کا اعتبار کیا جائے گا کہ سفاح نہ ہو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: میرے نسب میں نکاح ہے سفاح نہیں معلوم ہوا کہ اصل خرابی جو نسب کی ہے وہ یہ برادریوں کے ماحول میں نہیں بلکہ سفاح نہ ہو، اگر کسی ایک ہی خاندان میں اگر سفاح ہے تو وہ غیر کفو ہے لیکن اگر سفاح نہیں ہے تو کسی کے ساتھ بھی نکاح ہوسکتا ہے، اس لئے اس بناء پر نسب کے سلسلے میں بھی مخالفت کی ہے۔

امام مالک کا نقطہ نظر: امام مالکؒ کا نقطہ نظر یہ ہے کہ اسلام میں اگر کسی انسان کو عزت وشرف کا مستحق قرار دیا گیا ہے تو دین وتقوی کے لحاظ سے، محض نسب، مال اور حسن وجمال کی وجہ سے کسی کو بھی عزت وشرف قرار نہیں دیا گیا ہے قرآن میں ہے: "يا أيها الناس إنا خلقناكم من ذكر وأنثى" سبھی آیتیں نقل کی جاچکی ہیں یعنی جغرافیائی تقسیم یا اختلاف زبان کی وجہ سے

یا تمدن کی ایک بنیادی ضرورت، تقسیم عمل اور پیشہ کی وجہ سے جولوگ مختلف گروہوں اور قبیلوں میں بٹ گئے ہیں وہ تقسیم محض ایک تعارف کے لئے ہے تا کہ ایک دوسرے کو پہچانا اور ان کے خصوصیات کو جانا جا سکے، اس تعارف کی وجہ سے یہ جانا جاسکتا ہے کہ کون قریب ہے کون بعید ہے۔ اسی علم کی بناء پر اعزاء واقارب کے حقوق کی ادائیگی کی ذمہ داری ڈالی گئی ہے ورنہ یہ تقسیم شرف وعزت کا ذریعہ نہیں ہے۔ حدیث میں آتا ہے: "**الناس سواسية كأسنان المشط لا فضل لعربي على عجمي وإنما الفضل بالتقوى**"، آپ ﷺ نے نسب کی حیثیت کو واضح کرتے ہوئے فرمایا ہے: یہ تمہارے انساب کسی کے لئے عار اور عیب کا سبب نہیں ہے تم میں سے ہر شخص آدم کی اولاد ہے جس میں تھوڑا بہت فرق ہوتا ہے۔ مگر اس کے باوجود سب برابر ہیں کسی کو کسی پر صرف تقوی کی وجہ سے فضیلت ہے، میر انقطہ نظر اتنی تھوڑی سی گفتگو میں آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ خود آگے چل کے نسب کے سلسلہ میں امام ابوحنیفہ کا رد المحتار نے یہ قول نقل کیا ہے: "**كيف يصح لأحد أن يقول أنه مثل أبي حنيفة والحسن البصري وغيرهما ممن ليس لعربي أنه لا يكون كفواً لبنت قريشية جاهل أو لبنت عربي بوال على عقبيه**" یہ کہنا کس طرح صحیح ہوسکتا ہے کہ امام ابوحنیفہ وحسن بصری جیسے ائمہ عربی النسل نہیں ہیں وہ کسی جاہل قریشی یا کسی عربی بدوی لڑکی کے کفو نہیں ہوسکتے جس کو پیشاب کرنے کی بھی تمیز نہیں ہے اسی طرح فتح القدیر وغیرہ کی بھی میں نے عبارت نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فقہ حنفی میں جو چیزیں ثابت ہیں وہ بھی کسی عوارض کی وجہ سے، انہوں نے دوسری چیزوں کو کفو میں داخل کیا ہے ورنہ اصل بنیاد دین تقوی ہی ہے۔

قاضی صاحب:

مولانا عبد الرحیم قریشی صاحب نہایت اختصار کے ساتھ اپنے خیالات کا اظہار کریں گے۔

مولانا عبدالرحیم قریشی:

میں جوبات آپ کے سامنے یہاں رکھنا چاہتاہوں وہ یہ کہ صاحب اس وقت ایک تو یہ کہ اس مسئلہ میں ہم کو کیا کیا نقصان اٹھانا پڑا، ایک تاریخی نقصان میں آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں، آپ جانتے ہیں کہ ٹیپو سلطان شہید کی بڑی آرزو تھی کہ انگریزوں کے قدم کو ہندوستان سے اکھاڑ دیا جائے اور ٹیپو سلطان شہیدؒ پہلا ہندوستانی سلطان ہے جس نے بیرون سلاطین سے تعلقات قائم کرنے کی کوشش کی اس نے حجاز کو مہم بھیجی، اس نے حرمین کو وفود بھیجے، اس نے خلافت عثمانیہ سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی، اس کے علاوہ ہندوستان میں جتنے مسلم حکمران تھے ان سے تعلق پیدا کرنے کی کوشش کی، اور انگریزوں کے مقابلہ کے لئے اس کی بڑی کوشش کی کہ نظام حیدرآباد سے تعلق پیدا ہو چنانچہ ٹیپو سلطان کی طرف سے یہ تجویز آئی تھی کہ صاحب آپ کے خانوادہ آصفی نظام کے کسی شہزادی کو ان کے نکاح میں دیئے جائیں جب دربار کے اندر یہ ٹیپو سلطان کی خواہش پر مبنی تحریر پڑھی گئی تو دربار میں جو صاحب تھے انہوں نے کہا کہ سرکار آپ تو سلطان بن سلطان ہیں اور ٹیپو سلطان اس کا دادا تو آپ ہی کے ایک جگہ نائب تھا اور اس کا باپ تو نائب سے ترقی کرتے کرتے اقتدار پر قبضہ حاصل کرلیا یہ آپ کے خاندان کا کفو نہیں ہوسکتا، چنانچہ بات رک گئی اور اس کے بعد جو کچھ ہوا ہمارے پاس تاریخ کا ایک جزء ہے، میں اپنا ایک حال کا تجربہ بیان کرتا ہوں کہ جب مرادآباد میں فساد ہوا تھا، مرادآباد کے فساد کے بعد ہم نے وہاں باضابطہ کیمپ لگائے کوئی چھ مہینہ وہاں آپ کے ریلیف اور بازآبادکاری کا کام کیا اور میں اس کی نگرانی کے لئے مہینہ ڈیڑھ مہینہ میں جاتا تھا اور مجھے جو تجربہ ہوا وہ یہ کہ میرے پاس جو شکایتیں آتی تھیں وہ شکایت یہ تھی کہ ایک شخص مستحق تھا اور اس کو امداد نہیں دی گئی یا اس کے کچھ کام نہیں کیا گیا، شکایتیں آتی تھیں کہ صاحب آپ نے فلاں برادری کو اتنا دیا اور ہماری برادری کو نہیں دیا، اس برادری کو اتنا دیا ہماری برادری کے مکانات نہیں بنوائے، تو آپ دیکھئے کہ یہ لوگوں کا ذہن ہے، ساؤتھ وجنوب کا جہاں تک تعلق ہے تو دو مسلمان اگر ملیں گے تو کسی کے ذہن میں یہ نہیں رہے گا

کہ سامنے والا مسلمان کس برادری سے تعلق رکھتا ہے جس سے میں گفتگو کررہا ہوں، لیکن میں سمجھتا ہوں کہ شمال میں یہ چیز اب بھی موجود ہے۔

قاضی صاحب:

میں نہیں جانتا کہ میں جو بات کہنا چاہتا ہوں آپ کے سامنے پوری صراحت ووضاحت کے ساتھ کہہ سکوں گا یا نہیں میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ جو بات کہلوادے وہ حق کہلوادے، صحیح کہلوائے اور ہم سب کے ذہنوں تک اس بات کو پہنچادے، پہلی بات تو میں اپنے حضرات علماء سے کہنا چاہتا ہوں: ہر دور میں آپ نے اپنا فرض ادا کیا ہے، گالیاں بھی سنی ہیں مجھے معلوم ہے اور سنتے رہنا ہے یہ بھی طے کیجئے، گالیاں ماضی میں سنی ہیں، حال میں سن رہے ہیں اور مستقبل میں سننا ہے تو یہ ہمارے لئے سلف کا ورثہ ہے نبی ﷺ کا ترکہ ہے، تو سنئے، اس کے لئے کسی پریشانی کی ضرورت نہیں ہے، حق پر صلابت اور دین کی حفاظت آپ کی ذمہ داری ہے اس لئے بحیثیت عالم دین آپ روح شریعت کو کبھی مجروح نہ ہونے دیں، انشاء اللہ مستقبل میں بھی ایسا ہوگا۔

دوسری بات مجھے یہ کہنی ہے کہ علماء کی فراست ایمانی ہمیشہ معروف رہی ہے، ایمانی فراست فإنه ينظر بنور الله اور جب بھی ایسا وقت آیا ہے علماء نے کھڑے ہوکر ان مسائل کو حل کیا ہے، ابھی ابھی ماضی قریب میں حضرت تھانویؒ اور حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجادؒ، ان بزرگوں نے وقت کے بڑے سلجھتے ہوئے مسائل میں رہنمائی کی، سلف کو برا کہے بغیر حال پر نظر رکھتے ہوئے اور شریعت کی بنیادوں اور اس کی اساس پر گہری نظر رکھ کر میں سمجھتا ہوں کہ ایسا نازک وقت آپ کے لئے آچکا ہے، اگر آپ صحیح ایمانی فراست کا ثبوت نہیں دیں گے تو مجھے بہت بڑا اندیشہ ہے کہ حاشیہ اور بین السطور میں الجھ کر آپ اگر روح شریعت اور حقیقت اسلام کو نظر سے دور کردیں گے اگر آپ نے اس کو شریعت کی روح اور اس دین کی حقیقت کو سامنے نظر میں نہیں

رکھا تو میں سمجھتا ہوں کہ اس میں بہت بڑا نقصان ہندوستان میں اسلام کو پہنچے گا یہ مسئلہ جو آپ کے سامنے ہے میں سمجھتا ہوں کہ جتنے مسائل پر آپ نے بحث کی ہے پہلے، کونسا ذبیحہ حلال ہے؟ کونسا حرام ہے؟ مشینی ذبیحہ کیسا ہوتا ہے؟ کلوننگ کی کیا حقیقت ہے؟ اور جناب والا اعضاء کی پیوندکاری کا کیا حکم ہے؟ واللہ ان مسائل میں سے کوئی مسئلہ بھی عوام کے حالات اور مسلم سماج کے حالات اور اسلام کے لئے انتہائی خطرناک صورت حال کے پیش نظر ایک نازک اور حساس مسئلہ کو چھیڑا نہیں تھا جتنا نازک تر اور حساس مسئلہ آج آپ نے چھیڑا ہے، میں ان کی سنگینیوں سے واقف تھا لیکن میں نے محسوس کیا کہ اگر اس وقت ہم اس مسئلہ کو نظر انداز کرتے ہیں تو شاید ہم بحیثیت عالم دین اپنے فرض کی انجام دہی سے فرار اختیار کریں گے اور حقیقتوں کو سامنے دیکھتے ہوئے آنکھوں پر پردہ ڈال لیں گے کہ حقیقتیں اپنی کڑواہٹوں کے ساتھ سامنے نہیں آئیں۔

مسئلہ کا دو پہلو ہے- ایک تو خوف کا پہلو ہے کہ اگر بولیں گے تو فلاں ناراض ہوجائے گا، صاف کہوں میں سید صاحب ناراض ہوجائیں گے، بولوں گا تو انصاری صاحب ناراض ہوجائیں گے۔ یاد رکھو! اسلام نہیں نہ سید صاحب کا ہے نہ انصاری صاحب کا ہے اسلام امام محمد کی اتباع کا ہے اس کو برقرار رکھنا ہے اور نہ کوئی محض جذباتی فتوی (فتوی کبھی جذباتی نہیں ہوسکتا لیکن میں قصداً بولتا ہوں) غیر عملی جو پریکٹیکل نہ ہو غیر عملی محض نظریاتی اور Ideological فتوی مسائل کا حل نہیں ہوا کرتا اور نہ حقائق کو نظر انداز کر کے دیا گیا فتوی مسائل کا حل ہوسکتا ہے اگلی بات کسی بھی مسئلہ کو حل کرنے کے لئے دو راستے ہیں یا تو دلائل کی روشنی میں ہم سلف کا رد کریں (ایک راستہ یہ ہے) جس کو ترجیح کا راستہ کہتے ہیں- حضرات علماء آپ سب اصول فقہ سے واقف ہیں اور میں اپنی حالت کی وجہ سے بہت تفصیل سے بات نہیں کرسکتا، اندر سے قوت نہیں محسوس ہوتی لیکن میں اشاروں میں جو باتیں کہہ رہا ہوں آپ کے سامنے کتابیں کھلی پڑی ہیں ایک راستہ ترجیح کا ہے، امام ابوحنیفہ کی دلیل غلط، امام مالک کی دلیل غلط، امام شافعی کی دلیل صحیح نہیں، امام احمد بن حنبل کی رائے غلط، دلائل سے کمزور، میں سمجھتا ہوں کہ ترجیح ادلہ کے پوزیشن

میں ہم نہیں ہیں یہ بات میں صاف عرض کرنا چاہتا ہوں کسی امام کی دلیل کی ترجیح کی شاید پوزیشن کم ازکم میں اپنے بارے میں سمجھتا ہوں کہ نہیں ہوں، دل چاہتا ہے کہ ہاں یہ کچھ زیادہ قوی لگتی ہے، سمجھ میں آتا ہے لیکن میں ترجیح دینے کی ہمت اور قوت اپنے اندر نہیں پاتا کہ میں کہہ ڈالوں کہ صاحب امام مالک یا امام ابوحنیفہ کی دونوں دلائل میں سے فلاں دلیل کمزور ہے، فلاں دلیل قوی ہے۔ ہماری نہ نظر وسیع نہ ہمارا علم عمیق نہ ہمارا ورع اور نہ ہمارا تقوی اور خارج کے ماحول سے متاثر ہونے کی ذہنی صلاحیت، میں ان تمام چیزوں میں اپنے کو مامون نہیں سمجھتا اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ ہم مقام ترجیح میں نہیں ہیں، ہاں سلف نے ہم کو ایک راستہ دیا ہے کہ مدارج احکام کو پہنچائیں اور جو احکام منصوصہ قطعی ہیں ان پر جم جاؤ اور جو احکام مبنی علی الاعراض ہیں اور مبنی علی الاحوال ہیں، "إذا تغيرت تلك الأحوال إذا تبدلت تلك الحوائج" تو ایسی حالت میں "يجوز لنا أن نغير الحكم أن نغير الفتوى، وليس هذا من تغير الحجة والبرهان وهذا من ترجيح الحجج والبراهين ولهذا بسبب تغير الأحوال، اس کو بہت آپ سختی سے مانتے ہیں شامی وغیرہ سب نے ان میں بحث کررکھا ہے کہ صاحب حجت وبرہان کا مسئلہ الگ ہے اور احوال وازمان کا مسئلہ الگ ہے، احوال اور زمانہ کے اعتبار سے ہم کسی حکم میں کسی بھی امام کے قول کو اگر علماء اتقیاء کی جماعت صالحین اس کو قبول کرتی ہے وہ عند اللہ بھی ماجور ہے اور شریعت کے صحیح حکم پر کام کر رہی ہے اس لئے کہ سبھی ائمہ سبھی فقہاء کے سارے اجتہادات ہم سب کا مشترک اجتماعی سرمایہ ہیں وہ کسی ایک کا خاص نہیں۔

میرے بزرگو! اب آؤ مسئلہ کفاءت پر، کفاءت کی حقیقت اس کا لغوی ترجمہ اگر ہم کریں تو بڑے زور سے ہمیشہ مساوات، مساوات کرتے ہیں لیکن اس کا ترجمہ مماثلت بھی ہے اس کو ہم نے کل ہی پرسوں اپنے تمہیدی تقریر میں Matching کے لفظ سے تعبیر کیا تھا کیونکہ Matching colour آپ حضرات کو بھی بہت تلاش رہتی ہے کہ صاحب اس کرتے کا وہ Match اس پاجامہ کا یہ Match ہے اور اس گاڑی کا وہ میچ ہے تو Matching یا مماثلت

''لم يكن له كفواً أحد'' کے معنی جہاں یہ ہے ''لم يكن له مساوی'' وہیں یہ بھی معنی ہیں ''لم یکن لہ مثل'' اللہ کا کوئی مماثل نہیں ہے پس کفاءت مساوات کا مفہوم بھی دیتی ہے اور مماثلت کا مفہوم بھی دیتی ہے اگر کفاءت کو مساوات اور عدم مساوات، چھوٹے اور بڑے کی بنیاد پر عزیز وذلیل کی بنیاد پر اور جو اصطلاح غیر شرعی وغیر اسلامی ہیں اس کو قطعاً میں غیر اسلامی اور کافرانہ اصطلاح سمجھتا ہوں چاہے جاگیردارانہ نظام نے ہمارے اندر اس کو پیدا کردیا ہو، پوری ایمان داری سے میں اس کو کفر سمجھتا ہوں، ایک شخص کو دوسرے شخص سے چھوٹا سمجھنا اور بڑا سمجھنا، تو اگر کفاءت مساوات کے مفہوم میں ہے تو قطعاً غلط، سوفیصد قابل رد اور باطل ہے کہ کوئی شخص نہ عزیز ہے نہ ذلیل ہے إلا بالتقوی إن أكرمكم عند الله أتقاكم'' البتہ اگر مماثلت مراد ہے ایک دوسرے جیسا ہونا جس سے دونوں میں صحیح Adjustment ہو سکے جس کو میں نے انگریزی کے لفظ Match سے تعبیر کیا تھا تو بلاشبہ مصالح نظام کا یہی تقاضا ہے کہ کبھی بھی جس کو ہم کہتے ہیں بے جوڑ شادی مت کیجئے تیرہ برس کی لڑکی کو ساٹھ برس کے بڈھے سے مت بیاہئے، امام شافعی کے ایک شاگرد نے اسی لئے کفاءت فی السن کا بھی اعتبار کیا ہے تو مماثلت ہونی چاہئے چاہے مال ودولت کے معیار کے اعتبار سے ہو چاہے معاشرتی حالات کے اعتبار سے ہو میں اتنی بات عرض کرنا چاہتا ہوں کہ بنیادی بات ہے معاشرتی حالات کی یکسانیت، بنیادی بات، مگر یہ ٹوٹتی کب کب ہے ایک پڑھا لکھا خاندان جو بہت عرصہ سے اس کے گھر میں علم آرہا ہو ایک ایسا گھر جس میں آدم کے دور سے لے کر اب تک کسی نے پڑھا ہی نہ ہو، ظاہر ہے کہ دونوں کے معاشرتی حالات یکساں نہیں ہوں گے۔

مطلب یہ ہے کہ ایک جاہل گھرانہ اور ایک عرصہ سے پڑھا لکھا تعلیم یافتہ گھرانہ دونوں برادری ایک ہے لیکن ایک ہے برسہا برس سے ان کے گھر میں سرمایہ ہے، دولت ہے، رہائش کا ایک انداز ہے اور ایک بیچارہ اسی برادری کا ہے لیکن اس کے پاس دولت نہیں، بولئے معاشرتی فرق دونوں میں ہوتا ہے کہ نہیں چاہے دونوں سید صاحب ہوں، دونوں جناب شیخ صاحب ہوں

اور دونوں پٹھان صاحب ہوں، دونوں انصاری صاحب ہوں، دونوں منصوری صاحب ہوں، اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ہے، ایک خاندان ہوتے ہوئے بھی علم کی وجہ سے فرق پڑتا ہے ایک برادری ہونے کے باوجود علم کے فرق سے فرق پڑتا ہے، مال کے فرق سے فرق پڑتا ہے یہ ایک سچائی ہے ایک واقعہ ہے اس کو کوئی ختم نہیں کرسکتا اور کوئی جذباتی فتوی بھی ختم نہیں کرسکتا، ایک لڑکی جو ہے پڑھے لکھے ماحول میں، ایک شخص فٹ پاتھ پر کھڑے ہوکر بھیک مانگتا ہے اور وقال النبی ﷺ السؤال ذلۃ اور وہ اس بھیک منگے سے ایک لاکھ پتی باپ کی اس بیٹی کو اس کا باپ بیاہ دیتا ہے، آپ کہیں گے لڑکی کو اس بات کا حق نہیں ہے اس کو تو اس کے ساتھ رہنا ہی پڑے گا، کیا سمجھتے ہیں آپ، کیا وہ شادی نبھ سکتی ہے کیا؟ وہ شادی نہیں نبھے گی، تو نظریاتی طور پر بہت سی باتیں بڑی اچھی لگتی ہیں لیکن یہ طے ہے کہ شادی ہر قیمت پر جوڑ میں ہونی چاہئے اور جوڑ ہوتا ہے معاشرتی حالات کے اعتبار سے، اس میں فرق پڑے گا جناب والا گاؤں اور دیہات کے اعتبار سے شہر کی بچی اور ایک گاؤں کا رہنے والا ایک لڑکا، کبھی مالی حالات کے اعتبار سے، کبھی کسی برادری کے مخصوص رہائش کے اعتبار سے، کبھی جناب والا کسی پیشہ کے مخصوص حالات کے اعتبار سے، ورنہ امام اعظم ابوحنیفہؒ، امام شافعیؒ، اور امام احمد بن حنبلؒ نے سب نے مل کر بلکہ خود امام مالک نے بھی کفاءت کے اعتبار کی بات نہیں کہی ہوتی پس کفاءت کا اعتبار نکاح میں یہ مسئلہ سوائے سفیان ثوریؒ، احناف میں سے امام کرخیؒ، اور ایک دو اور بزرگوں کے تقریباً اکثر ائمہ مجتہدین کے درمیان میں متفق علیہ کہ کفاءت کا اعتبار نکاح کے مسئلہ میں ہے جس کفاءت کا ترجمہ میں نے مماثلت کے ساتھ کیا ہے لہذا اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا، اب اس کی تعبیر میں مختلف ادوار میں مختلف اعتبار سے فرق ہوتا رہا ہے اسی میں امام مالک نے صرف دیانت کا اعتبار کیا اور صحت وتندرستی کا خیال کیا، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی نے، نسب، پیشہ، مال، اور دین اور امام احمد بن حنبل کے بعض قول میں کچھ اور چیزوں کا اضافہ ہے یہ سب چیزیں مل ملا کر میں سمجھتا ہوں کہ بنیادی روح ہے، میاں اور بیوی کا صحیح جوڑ ہونا، اب اس کے بعد سنئے!

کسی باپ نے کسی لڑکی کو بیاہ دیا اور لڑکی خوشی خوشی وہاں ہے اپنا آرام سے یا کسی لڑکی نے اپنا بیاہ کرلیا، باوا بھی اس سے خوش ہیں کفاءت کا کچھ مسئلہ نہیں اٹھتا کہیں کردیا ہو کہیں کرلیا ہو یہاں مسئلہ کہیں نہیں آتا، یہ مسئلہ اس وقت ہوگا جب کفاءت کو شرط صحت مانیں، میں سمجھتا ہوں کہ حسن بن زیاد کی وہ روایت جس میں اس کو شرط صحت قرار دیا گیا ہے جس کو لکھتے ہیں متاخرین لفساد الزمان ہم نے قبول کرلیا یہ خود بتاتا ہے کہ حالات کی تغیر کی بنیاد پر اس کا فتوی بدلہ ہے، بنیادی فتوی یہ ہے کہ شرط صحت نہیں ہے خود حنفیہ کا بھی لیکن حسن بن زیاد کی روایت میں حالات کی تبدیلی پر فساد زمان کو Refer کرتے ہوئے یہ کہا گیا کہ صاحب اس کا اعتبار صحت کے لئے کیا جائے گا لہذا نکاح منعقد نہیں ہوگا۔ یہ مسئلہ میرے سامنے South Africa میں آیا وہاں پر ایک لڑکا جو غیر مسلم تھا اور دعوت پر اس نے اسلام قبول کرلیا ایک صاحب جو چند پشتوں سے مسلمان تھے ان کی لڑکی سے اس کا نکاح ہوا، یہ کم پڑھے لکھے لوگ جنہوں نے مولویت کی سندیں حاصل کرلی ہیں یا تبلیغی جماعت کے چلوں میں جاجا کر مولوی کہلانے لگے ہیں انہوں نے ہنگامہ کھڑا کردیا کہ نکاح صحیح نہیں ہے، میں سب سے معافی چاہتا ہوں لیکن معاملہ اتنا کڑوا ہے کہ مجھے کہنا پڑ رہا ہے کہ صاحب یہ لوگ بے سند کے مولوی صاحبان آج کل مدارس بھی فضول ہوگئے ہیں جنہوں نے یہ فتوی دیدیا کہ نکاح صحیح نہیں ہوگا، کاہے بھائی! کیونکہ حسن بن زیاد کی روایت ہے اور متاخرین کا فتوی ہے اور فساد زمان ہے فلاں فلاں فلاں، وہ ساؤتھ افریقہ جو سب سے بڑا میدان دعوت ہے اس وقت اسلام کی دعوت جس تیزی کے ساتھ پھیل سکتی ہے اور پھیل رہی ہے وہاں پر آپ نے اور جہاں پر سب سے بڑا مسئلہ ذات اور برادری رنگ اور نسل کی بنیاد پر فرق تھا، اتنے حساس ہیں وہ لوگ اس مسئلہ میں کہ اگر ذرا سی اس کی بھنک بھی پڑتی ہے مذہب کے بارے میں تو وہ پورے ساتھ ہو کر بھاگ کھڑے ہونے کو تیار ہیں، اتفاق سے میں تھا موجود میں نے فتوی دیا نکاح صحیح ہے، مولوی صاحبان ناراض ہوئے لیکن میری خوش قسمتی سے اس وقت مفتی محمود الحسنؒ وہاں موجود تھے ان سب علماء کو بٹھا کر میں نے ان کے سامنے مسئلہ پیش کیا حضرت یہ سوال

ہے کیا جواب ہے؟ انہوں نے جواب دیا کہ نکاح صحیح ہوا، نکاح صحیح ہوا، حسن بن زیاد کی روایت پر اس زمانہ میں عمل نہیں کیا جائے گا اور پھر دوسری بحث وہ کہیں، قدامت اسلام اور جدت اسلام والی بحث، مفتی محمود صاحب کی تائید کے بعد یہ سارا قصہ وہاں کا ختم ہوگیا، اب عام بات یہ ہے کہ جمہور علماء ہیں اور جمہور مجتہدین وہ لزوم نکاح کے لئے کفاءت کو ضروری قرار دیتے ہیں صحت نکاح کے لئے وہ ضروری نہیں قرار دیتے ہیں الا یہ کہ بعض خاص حالات میں بعض علماء نے ایسا فتوی دیا ہے یا اس کو اختیار کیا ہے میں سمجھتا ہوں کہ اس کا آپ کو اختیار رہے کہ آیا ہم جمہور کے اس قول کو قطعی کہیں گے دلائل پر مت جائیے، ہر دلیل کا دوسرا جواب موجود ہے اس لئے بجائے اس کے کہ رائے ترجیح اختیار کریں جو اوفق بالزمان ہے بہت پڑھا ہوگا آپ نے آپ کو جو قرب الی الفقہ معلوم ہو ایسی معتدل رائے قائم کریں بس بحث اس کی ہے کہ کفاءت ابھی مطلق کفاءت میں کہہ رہا ہوں کفاءت بالنسب کی بات میں نہیں کہہ رہا ہوں کفاءت چونکہ ہمارے نزدیک اس کا یہی مطلب سمجھا جاتا ہے مطلق کفاءت کو بھی تقریباً چند ائمہ جن کا نام لیا ہے ان کو چھوڑ کر تقریباً سبھی لوگوں نے مطلق کفاءت کو شرط لزوم قرار دیا ہے، شرط صحت اسے کوئی نہیں مانتے اور چند علماء نے سرے سے اس کا اعتبار ہی نہیں کیا، نہ شرط صحت کے اعتبار سے نہ شرط لزوم کے اعتبار سے۔

اب سوال یہ ہے کہ اگر آپ یہ طے کریں کہ ہم موجودہ حالات میں فقہ مالکی کو قبول کر لیں، ہندوستان کے باہر تو تقریباً یہ مسئلہ ہے ہی نہیں سرے سے اور ہندوستان میں بھی ساؤتھ کا جو علاقہ ہے کم از کم مدراس کا، تامل ناڈ کا اور آپ کے عرض کروں کہ کرناٹک کا وہاں بھی مسئلہ نہیں ہے، حیدرآباد میں آدھا ساؤتھ ہے اور آدھا نارتھ ہے، اس لئے بہت سی خرابیاں نارتھ کی وہاں پائی جاتی ہیں اور وہاں کی بہت سی خرابیاں نارتھ میں پائی جاتی ہیں، مگر شمالی ہندوستان کا یہ بہت بڑا مرض ہے مولانا بیٹھے ہیں کیرالہ سے میرے خیال میں وہاں بھی نہیں ہے یہ جھگڑا کیرالہ میں نہیں ہے اس وقت آپ کا یہ ایسا اجتماع جہاں تقریباً ہر صوبے کے لوگ موجود ہیں پس اگر عرف جاننا چاہیں تو یہ عرف عام تو نہیں، عرف خاص ہے اور عرف خاص بھی پورے ہندوستان کا نہیں بلکہ

ایک مخصوص علاقہ کا ہے اب یہاں پر یہ مسئلہ میں آپ کو اگر اطلاع دوں کہ یہ کیرالہ فائنانس کررہا ہے بہار میں ذات وبرادری کے مسئلہ کو ابھارنے کے لئے، میں پورے اطمینان کے ساتھ یہ خبر آپ کو بتادیتا ہوں کہ Birla نے باضابطہ ایک اسکول قائم کرکے کچھ لوگوں کو بڑی اونچی تنخواہیں دے کر اسی کام کے لئے رکھا ہے کہ یہاں پر مسلمانوں کے درمیان برادریوں کی تفریق کو کیسے ابھارا جائے، میں یہ سمجھتا ہوں کہ چاہے سید صاحب، شیخ صاحب ہوں، پٹھان صاحب ہوں، مرزا صاحب ہوں، انصاری صاحب ہوں، منصوری صاحب ہوں بھائی! اگر کوئی لڑکا کسی لڑکی سے شادی کرتا ہے، لڑکی اگر کسی لڑکے سے شادی کرتی ہے، کوئی باپ اپنی بیٹی کی شادی کردیتا ہے، انٹر کاسٹ ایک برادری کا دوسری برادری والوں میں، اور نہ ولی کو اعتراض ہے نہ لڑکی کو اعتراض ہے تو آپ کو حق اعتراض کیا ہے اس میں تو کسی کو اعتراض کی کوئی گنجائش ہی نہیں، ہاں! گنجائش وہاں ہوگی جب لڑکی باپ کے علی الرغم کرے یا باپ لڑکی کے علی الرغم کرے، تو اس میں دوصورتیں ہیں، ایک تو خاندانی بندھن کمزور پڑا ہے خاندانی بندھن بہت کمزور پڑا ہے، جو گرفت پہلے گارجین کو اپنے لڑکے لڑکی پہ تھی وہ اب نہیں رہی ہے، میرے ایک دوست نے حیدرآباد سے مجھے بار بار لکھا کہ آپ لوگ فتوی دیجئے اور اکیڈمی میں زیر بحث لائیے کہ ولی کی اجازت کے بغیر نکاح صحیح نہیں ہونا چاہئے لڑکی کا یعنی فقہ حنفی کا وہ حکم دراصل آج کے زمانہ میں سب سے زیادہ دنیا کو قبول ہوسکتا ہے کہ حریت شخصیت جو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک سب سے بڑا اور سب سے امتیازی مسئلہ ہے حریت شخصیہ کہ وہ ہر جگہ حجت بناتے ہیں یہاں تک کہ وہ حجر میں بھی تیار نہیں ہیں اس بات کو ماننے کے لئے کہ کسی کو محدود کیا جائے اسی مسئلہ دکھتا کیا تھا، ان کی مجبوری یہ تھی کہ جب انہوں نے اپنی لڑکیوں کو کالجوں میں آزادی کے ساتھ مخلوط تعلیم کے لئے بھیجا اس وقت ان کو یہ نہیں سوجھا کہ شریعت کیا کہتی ہے لیکن لڑکیوں نے جب کالجوں میں تعلیم کے ساتھ ساتھ لمبے لمبے گھوڑے اور جوڑے کی رقم سے آپ کو بری کردیا اور اپنا حصہ خود طے کرلیا اتفاق سے غیر برادری میں تو آپ کو یہ سمجھ میں آیا کہ صاحب لڑکی کو حق نہیں ہونا چاہئے، ''فنکاحها باطل، باطل،

باطل" آج وہ حدیث یاد آئی لیکن جب اس مخلوط معاشرہ میں ایک مخلوط، وہاں کسی مسلمان کا سوال نہیں صاحب غیر مسلموں سے نکاح ہورہا ہے بہت زیادہ وہاں پر آپ کی غیریت نہیں جاگتی ہے۔

غرض میرے کہنے کی یہ ہے کہ بدلتے ہوئے حالات خاص کر آج کل لڑکیوں کے مخلوط تعلیم کے جانے کے نتیجے میں وہ تمام بندشیں جو گرفت میں تھیں اور اب بہت کم باعث عار رہ گیا ہے، یہ بھی میں صاف کہتا ہوں کہ اگر میری بیٹی کا بیاہ کسی ایسی جگہ ہوگیا جہاں عرف میں پہلے نہیں ہوتا تھا ایسی جگہ برادری ہوگئی یا لڑکی نے کرلیا تو اب میری دوسری بیٹی کا بیاہ نہیں ہوگا اس لئے پڑی رہے گی ایسا اب نہیں ہے میرے خیال میں وقت اور حالات کے غیر معمولی تبدیلی کی وجہ سے، میری ہر بات کا جواب بھی ممکن ہے میں صاف کہتا ہوں، ہر بات کا جواب بھی دیا جاسکتا ہے، میں اس بات کی درخواست کرتا ہوں کہ اس وقت آپ کو فراست ایمانی سے ان سازشوں کو سامنے رکھتے ہوئے حالات کی تبدیلی کو سامنے رکھتے ہوئے اور میں کہتا ہوں کہ فساد زمانہ کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کو یہ فتوی دینا چاہئے کہ نام ونسب کہ نام پر جبکہ نام ونسب کو اگر محض ذریعہ مماثلت مانا جاتا تو کوئی حرج نہیں لیکن یہ ذریعہ عزت اور ذریعہ ذلت سمجھ لیا گیا ہے اس غیر اسلامی تصور کو رد کرتے ہوئے ہم حالات کی تبدیلی کے پیش نظر کفاءت کے اس قول کو اختیار کریں جو امام مالکؒ کا ہے تو ہم اسلام کے اندر رہیں ہم دین کے اندر رہیں ہم اپنی حنفیت کے اندر بھی ہیں، اس لئے کہ اگر کوئی حنفی امام مالک کا قول بوقت ضرورت اختیار کرتا ہے بغیر دلیل کے بغیر اس کے کہ کسی دلیل کو ترجیح دی جائے، اگر کوئی مالکی حنفی کے قول کو اختیار کرتا ہے اگر حد میں جانے والا شافعی مس مرأۃ کے ناقض وضو ہونے پر فقہ حنفی کا قول اختیار کرکے اپنی جان بچالے سکتا ہے تو اتنے بڑے سماجی مسئلہ میں ہم کیوں نہیں صرف اتنا امام مالک امام مدینہ کے قول کو اختیار کرکے امت کو اس بڑے خطرہ سے بچائیں اور سارے دنیا کے سامنے اعلان کردیں کہ اسلام کسی ذات وبرادری کو باعث عزت وذلت نہیں سمجھتا ہے گنجائش وہاں ہوگی، جہاں لڑکی جبراً بیاہ دیا جائے بلاشبہ وہ سوچنے کی

بات ہے تو وہ نابالغ کا مسئلہ ہے بالغ میں تو ہمارے یہاں سوال ہی نہیں ہے کہ اس کی اجازت کے بغیر شادی صحیح ہو نابالغہ ہوگی تو مسئلہ کھڑا ہوگا، غیر اب وجد نے کیا بھی تو کوئی مسئلہ نہیں کوئی پرابلم نہیں ہے، اب وجد نے کیا تو وہ معروف بسوء الاختیار ہے یا لا ابالی ہے تو بھی کوئی مسئلہ نہیں ہے ہاں اگر یہ سب باتیں نہیں ہیں تو دیکھا جائے گا کہ کیا وفور شفقت اس لائق ہے کہ اس کو قبول سمجھا جائے اس پر غور کر لیجئے گا لیکن اس مسئلہ پر محض اس بنیاد پر غور کیجئے، لفظی بحثوں اور موشگافیوں میں میں سمجھتا ہوں کہ اگر ہم لگیں گے تو ہم امت کے اس مسئلہ کا حل نہیں کر سکیں گے یہ آپ کے ایک بھائی کی درخواست ہے جو برسوں سے آپ کے بیچ آپ سے بات کر رہا ہے طعنہ بھی سنتا ہے تشنیع بھی سنتا ہے آپ سب جانتے ہیں اللہ نے ایسے کرم فرما پیدا کئے ہیں اللہ سب کو معاف کرے اور مجھے بھی راہ صحیح کی توفیق عطا فرمائے۔ وآخر دعوانا أن الحمد للہ رب العالمین۔

مولانا ارشاد احمد اعظمی ندوی بھوپال:

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ، کفاءت کا معاملہ بڑا ہی حساس اور نازک ہے جیسا کہ آپ حضرات نے فرمایا، لوگوں کے جذبات سے اس کا تعلق ہے اس لئے سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کفاءت جس کی حضرت قاضی صاحب نے بہت عمدہ تعریف کی ہے کہ مماثلت کے معنی میں مساوات کے معنی میں نہ لے کر اس کو مماثلت کے معنی میں لیا جائے، کفاءت کا عقد ازدواج میں اعتبار ہوگا یا نہیں ہوگا اور اگر اس کا اعتبار ہے تو یہ عقد کی صحت کے لئے ہے یا لزوم کے لئے اور اگر ہم اس کا اعتبار کرتے ہیں تو کن کن چیزوں میں کرتے ہیں اور پھر کفاءت کن کا حق ہے یہ چند بنیادی سوالات ہیں جن پر میں مختصراً گفتگو کروں گا:

میرے خیال میں کفاءت جو دو دلوں کو قریب لانے اور دو خاندانوں کے درمیان تعلقات استوار رکھنے اور اس کے استحکام کے لئے جیسا کہ آپ حضرات بھی تسلیم کریں گے اسکی حیثیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اس کی حیثیت مسلم ہے لیکن یہ کفاءت کن چیزوں میں ہوگی تو اس

سلسلہ میں میں عرض کروں گا کہ کچھ امور تو ایسے ہیں جن کی رعایت شریعت نے کی ہے، نہ صرف رعایت کی ہے بلکہ اس کی ترغیب دی ہے شریعت میں وہ مطلوب ہیں کچھ مشکلات ایسی ہیں جو حقیقی ہیں اور فطری ہیں آپ اس سے انکار نہیں کرسکتے اور کچھ مشکلات ایسی ہیں جو انسان کی بنائی ہوئی ہیں اس کے ذہن کی اختراع ہیں اس کے عرف اس کے رسم و رواج اس کے عادات اس کے اطوار کی وہ پیداوار ہیں۔

پہلی قسم: وہ چیز جو شریعت کی نظر میں مطلوب ہے اور اس کے تعلق سے ہمیں مختلف نصوص بھی ملتی ہیں وہ یہ کہ مرد وعورت کے درمیان دینداری میں کفاءت میں مماثلت کا لحاظ کرنا چاہئے اور یہ شریعت کی نظر میں مطلوب ہیں اس پر جیسا کہ آپ حضرات نے فرمایا سارے ائمہ کا اتفاق ہے اور یہ شریعت کا منشا ہے کہ سارے لوگ اس معیار پر اتر جائیں جہاں دینداری اور تقوی اور انہیں بنیاد پر لوگوں کے ازدواجی رشتے اور دوسرے معاملات طے ہوتے ہیں اگر ہم اس اصول میں کامیاب ہوجاتے ہیں اور ذریعہ معاش میں قربت عادات اور خاندانی روایت وذریعہ معاش میں قربت کو میرے خیال کے مطابق بہت ساری چیزیں آجاتی ہیں اس میں پیسے کی کمی اور زیادتی بھی آجاتی ہے، تعلیم اور امید بھی آجاتی ہے اور بھی دوسری چیزیں آجاتی ہیں تو میرا خیال یہ ہے کہ ان کا بھی لحاظ اگر کرلیا جائے تو دو خاندانوں کو یا دو زندگیوں کو ایک دوسرے سے قریب لانے میں مدد ملے گی، یہ چند باتیں تھیں جو میرے خیال سے ضروری تھیں اس لئے میں نے آپ حضرات کا وقت لیا، وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین۔

ایک آواز:

دوسرے یہ کہ کسی اور روایت میں جو کہ عمومی ہیں، مثلاً "**الناس معادن کمعادن الذهب والفضة خيارهم في الجاهلية خيارهم في الإسلام**" اس طرح کی کچھ چیزیں ایسی ہیں جو خاص قسم کے اعتبار کی طرف جاتی ہیں تو میں سمجھتا ہوں کہ ان مسائل پر مختلف علماء کے

مختلف دلائل ہیں ہم ان پر کسی میں سے بحث کر کے ان کو ترجیح دینے کے بجائے اور اس کے لئے بحث کا دروازہ کھولنے کے بجائے یہ سمجھ کے کبھی مجتہدین کی آراء ہمارا سرمایہ ہے موجودہ حالات کے مسئلہ کا حل کیا اس میں ہوسکتا ہے کہ ہم امام مالک کے قول کو اختیار کریں... اگر چہ ہم چاہیں گے کہ ہم باہر نہیں نکلیں انہیں کے درمیان کسی حل کو تلاش کر کے مسئلہ کو حل کرنے کی کوشش کریں۔ ورنہ دشواری پیدا ہوسکتی ہے یہ بھی عقلی بات ہے کہ مطلقاً عدم کفاءت ومماثلت معاشرتی زندگی میں خلل پیدا کرے گا، یہ بات بھی صحیح ہے، ان حالات میں میں اپنے سبھی علماء سے بہت احترام کے ساتھ عرض کرتا ہوں کہ وہ ان دلائل پر بحث کرنے کے بجائے یہ دیکھیں کہ حالات کا تقاضا کیا ہے اور امر مستحب فیہ ہے امر مستحب فیہ میں دروازہ کھلا ہوتا ہے حالات کے تقاضہ کی بنیاد پر۔

مفتی عزیز الرحمٰن صاحب فتحپوری:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اس مسئلہ میں سب سے پہلی بات تو ہے میں سمجھتا ہوں کہ کسی مرعوبیت سے کام نہیں لینا چاہئے غالباً گفتگو کا رخ یہ ہوتا ہے کہ ہم یہ سمجھ لیتے ہیں کہ کفاءت کا مسئلہ مساوات انسانی کے خلاف جا رہا ہے حالانکہ کئی بزرگ کہہ چکے ہیں کہ اس مسئلہ کا دارومدار اونچ نیچ یا برادری پر نہیں ہے اس مسئلہ کی اور بھی بنیادیں ہیں جن کی فقہاء نے رعایت کی ہے وہ سب تو کہہ چکے دہرانے کی ضرورت نہیں، اصل چیز یہ ہے کہ نباہ کہاں اور کب ممکن ہے اور کب نہیں ممکن، تو فقہاء نے جو رعایت کی ہے اور کفاءت کا مسئلہ ان کی ایجاد بھی نہیں ہے احادیث میں اس کی بنیادیں بھی ملتی ہیں اور وہ احادیث یہ بھی جیسے کہ فرمایا گیا کہ مؤید ہے دوسرے طرق سے تو اس کا سرے سے انکار تو ممکن نہیں۔ میں ایک بات دوسری کہنا یہ چاہتا ہوں کہ جو بعض دقت سامنے آتی ہے کہ صاحب اس سے اسلام کی تبلیغ رک جائے گی اور اگر ہم اس کفاءت پر نظر ثانی کرلیں تو تبلیغ کا دروازہ کھل جائے گا تو ہمیں تصویر کا دوسرا رخ بھی دیکھنا چاہئے۔

مفتی محبوب علی وجیہی:

حضرات علماء کرام! کفاءت ولایت کے مسئلہ شریعت نے اس لئے قائم کئے تھے کہ جو گھر کے بڑے سمجھدار ہوتے ہیں تجربہ کار ہوتے ہیں وہ اس بات پر غور کریں گے کہ اس لڑکے کا اس لڑکی سے رشتہ قائم رہ سکتا ہے کہ نہیں اس کا نکاح اس کے مزاج کا ہوسکتا ہے کہ نہیں، اسی فارمولے اور بنیادی اصل کے مطابق فرعی چیزیں ہیں ہمیں یہی بنیاد قائم رکھنی چاہئے ہمارے بزرگوں کو بھی اس بات کا خیال رکھنا چاہئے اور ہمارے چھوٹوں کو بھی اور ہمارے مفتیان کرام کو بھی کہ یہ جو خاندان نیا بن رہا ہے لڑکی نئے گھر میں جارہی ہے یہ لڑکی اس معاشرہ کی اس رہائش کو اس گھر کو نبھا سکے گی یا نہیں ایک اچھا خاندان بنا سکے گی یا نہیں اگر یہ بات ہے تو کفو و کفاءت سے یہ بات نہیں ہے تو کفاءت نہیں ہے اور ولایت کا بھی اسی لئے مسئلہ رکھا تھا شریعت نے باپ شفقت بھی رکھتا ہے دادا اور وہ تجربہ کار بھی ہوتا ہے جوانی کے جذبات صحیح فیصلہ نہیں کرسکتے ہیں لیکن لوگوں نے اس کو غلط موڑ دیدیا اگر کہیں دولت مند کوئی آجاتا ہے کوئی بھی ہو تو ماں باپ نہیں دیکھتے لڑکی کا رشتہ کردیتے ہیں اور کوئی بے چارہ انہیں کا آتا ہے کمزور آتا ہے تو نسب بھی دیکھی جاتی ہے اور ہر چیز اس کا دیکھا جاتا ہے اگر آج آپ کے بہار کا منسٹر اپنے لڑکے کا پیغام کسی سید لڑکی کے لئے بھیجے گا چاہے وہ دوسری برادری کا ہو فوراً دیدیں گے کہ ہماری لڑکی کی معراج ہوجائے گی اور اگر کوئی غریب آدمی بھیجے گا تو کہیں گے بھائی ہم سید ہیں ہم پٹھان ہیں، ہم مغل ہیں، ہم ایسے ہیں ہم ایسے ہیں میں نے اپنے مقالے میں لکھا ہے کہ صرف اس کی بنیاد لڑکی اور لڑکوں کے مزاج کی مناسبت پر اور ہم آہنگی پر رہنا چاہئے کسی چیز کو شرط نہیں بنانا چاہئے جہاں یہ چیز پائی جائے وہیں نکاح کامیاب ہوگا جہاں یہ چیز نہیں پائی جائے گی چاہے آپ جتنی شرطیں لگائیں نکاح کامیاب نہیں ہوگا، واتعاتی دنیا میں یہی تجربہ کہہ رہا ہے اور یہی شریعت کا منشا و مقصد بھی ہے تو مفتیان کرام ذرا وسعت نظر پیدا کرنی چاہئے اور جو نئی چیزیں سامنے آتی ہیں ان کو پیش نظر رکھنا چاہئے باقی ہم حنفی ہیں انہیں حدود میں رہنا ہے لیکن زمانے کے حالات کو بھی سامنے رکھنا ہے۔ والسلام

مولانا زبیر احمد قاسمی:

بسم اللہ الرحمن الرحیم، میرا انداز ہے اس مناقشہ کے راہ کو مختصر تر کرنے کے لئے ہمارے قاضی صاحب نے جو تفصیلات پیش کی ان پر ہم سب کی نظر رہنی چاہئے یہ الگ مسئلہ ہے کہ یہ ائمہ کے درمیان ترجیحی طریقہ یا پھر عدول عن المذہب اور خروج عن المذہب یہ آج ضروری امر بن چکا ہے یا نہیں اس کا فیصلہ کریں۔

ڈاکٹر عبدالعظیم اصلاحی:

الحمدللہ، حضرت مولانا مجاہد الاسلام صاحب کی وضاحت کو سن کر بے اختیار میرے دل میں غالب کا یہ شعر آیا۔

دیکھنا تقریر کی لذت کو جو اس نے کہا
میں نے یہ جانا کہ گویا یہی میرے دل میں ہے

آپ نے جو اس کی وضاحت مماثلت اور Matching سے کی ہے اگر ہم اس معنی کو اپنائیں تو بڑی حد تک مسئلہ حل ہوجاتا ہے، صحیح بات تو یہ ہے کہ کفاءت ایک فطری امر ہے اور ہر شخص طبعًا اپنے ہم مثل کی طرف مائل ومتلاشی ہوتا ہے اور اس کو لازم اور واجب قرار دینے کی کوئی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔

کفو ہم جنس با ہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز

تو اس طریقہ سے یہ فطری امر ہے یہ مسئلہ اس وقت اہم چیز بن جاتا ہے جب عدم کفاءت زوجین میں سے کسی پر تھوپی گئی ہو یہ مسئلہ جس کی طرف میں سمجھتا ہوں کہ تمام شرکاء کو زیادہ توجہ دینی چاہئے، ایک دو اور بات جس کی طرف مختصراً میں عرض کروں گا، جہاں تک قدامت اسلام اور جدت اسلام کا تعلق ہے یہ چیزیں اس زمانہ میں تو صحیح تھیں جب لوگوں نے

تکلیفیں برداشت کر کے اسلام قبول کیا نبی صحابہ اور اس طرح کے اولین صحابہ لیکن آج کے دور میں ہمارا تجربہ تو یہ بتاتا ہے کہ معاملہ بالکل برعکس ہے ہم نسلی مسلمانوں کے بدلہ میں اکثر وہ مسلمان جو شعوری طور پر اسلام قبول کرتے ہیں اور مختلف شدائد اور مشکلات کے باوجود ہمت کرتے ہیں وہ دینداری تقوی میں کہیں بہتر ہیں اور کہیں قابل ترجیح ہے جہاں تک ایک صاحب کی مثال کا تعلق ہے میں سمجھتا ہوں کہ یہ تو دھوکہ اور فریب دہی کا مسئلہ ہے اور یہ یعنی اس کے امکانات قدیم اور جدید کسی کے ساتھ ہوسکتے ہیں اس کے علاوہ ایک چیز اور جو ہمارے علماء کفاءت کو لازمی اور ضروری قرار دیتے ہیں ان کی توجہ میں ایک اور مسئلہ کی طرف مبذول کراؤں گا کہ کفاءت کے سلسلہ میں سات آٹھ امور لوگوں نے گنائے ہیں بہت ضروری ہوگا کہ اس میں سے ہم ترجیحات قائم کردیں کس چیز کو ترجیح دی جائے گی جیسا کہ ہمارے بزرگ عالم نے فرمایا کہ دینداری اور اس طرح کی چیز تو اس وقت دیکھی جاتی ہے جبکہ مالی اور اس طریقہ کے دنیاوی ترغیبات سامنے نہ آئے تو ہم اپنے دل سے پوچھیں کہ کیا کوئی معمولی خاندان سے جیسا کہ ہمارے یہاں خاندان بنے ہوئے ہیں اگر دینداری وتقوی میں بڑھ کر ہے تو کیا تہہ دل سے یہ غور کریں کہ کیا ہم اس کی سفارش لوگوں کے لئے کریں گے کہ اس کو ترجیح دی جائے اور خود اس پر بڑھ کر عمل کرنے کے لئے تیار رہوں گے یا نہیں، وآخر دعوانا أن الحمدللہ رب العالمین۔

مولانا خیرالدین صاحب:

مسئلہ کفاءت اس نازک موڑ پر ہے اور اس کا اثر کہاں تک ہے اور آپ کے فیصلہ کا اثر کہاں تک پڑے گا میں اپنی بات عرض کررہا ہوں کہ ہمارے یہاں یہ مسئلہ چھڑا ہوا ہے کہ یہود ونصاری جو اصلاً یہود ونصاری ہے برطانیہ وامریکہ میں ان سے ہم نکاح کریں کہ نہ کریں؟ ہمارے ہندوستانی پاکستانی حضرات تو اس میں احتیاط کرتے ہیں لیکن اور ممالک کے مسلمان جو وہاں موجود ہیں وہ اس آیت سے استدلال کر کے کہتے ہیں کہ صاحب ہمارے لئے جائز ہے اور

مرد کا حال یہ ہے کہ وہ اپنے ملکوں سے بیویاں نہیں لاتے اپنے قوم اور خاندان سے، بہت کم پر سنٹیج میں دیکھا جولاتے ہیں اور وہاں کی گوریوں سے دھڑلے کے ساتھ وہ شادی کررہے ہیں اور جب ان سے یہ کہتے ہیں کہ آپ کیوں شادی کررہے ہیں وہ یہود ونصاری ہیں آپ مسلمان ہیں تو کہتے ہیں مولانا وہ تو جائز ہے نص قطعی سے ثابت ہے، ہمارے حالات کا آپ اندازہ لگائیں، آپ مسئلہ کفاءت پر بحث کررہے ہیں بہت مبارک لیکن اس مسئلہ کا پہلو دوسرے انداز میں دوسرے ممالک میں یہ بھی ہے میرے پاس کئی صاحب آئے تھے شادی کرادیجئے میں نے کہا کہ صاحب شادی کس سے کررہے ہیں تو فلاں سے میں نے کہا کہ کیا وہ مسلمان ہوچکی تو نہیں معلوم کہ مسلمان ہوچکی ہے کہ نہیں پھر کہا کہ وہ جائز ہے اور ایک دو نہیں ہزاروں کی تعداد میں ایسے لوگ ہیں جو اس سے شادی کررہے ہیں، مسئلہ کفاءت اس وقت آپ چھیڑیں گے جبکہ مسلمان ہو صرف قوم کا فرق ہو پیشہ کا فرق ہو مسئلہ یہاں قوم اور پیشہ کا نہیں ہے، اس لئے گذارش کروں گا کہ اگلے بحث میں یہ بھی شق رکھیں اور اس پہلو پر بھی غور کریں، اللہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے، معاملہ بھی جیسا کہ قاضی صاحب نے فرمایا اہم مسئلہ کو چھیڑا ہے اور اس مسئلہ کا پہلو بہت ہی دور تک جاتا ہے اور ہمارے حالات یہ ہیں۔ اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

مولانا عبدالسلام ندوی بھٹکلی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، صرف قاضی صاحب سے ایک گذارش ہے جیسا کہ سننے میں آیا معلوم ہوتا ہے کہ اکثر چیزوں کا مدار صرف عرف پر ہے، اکثر مقالات سے واضح ہوتا ہے کہ تمام چیزوں کا مدار عرف پر ہے حالانکہ بعض احادیث نسب وغیرہ کے بارے میں ثابت ہوتا ہے اگر چہ وہ ضعیف ہوں لیکن اس کے شواہد وغیرہ اور حضرت عمرؓ کے عمل وغیرہ سے اس کا اثبات ہوتا ہے تو کیا ہم یہ نہیں کرسکتے کہ اس کا جو ثبوت تو حدیث سے مان لیں لیکن جو صحت لزوم یا صحت شرط قرار دیتے ہیں اس کو اس طرح قرار دینے کے بجائے اس کو صرف استحباب کا درجہ دیں ایک صرف طالبعلمانہ استفسار ہے۔ والسلام۔

مولانا مفتی عزیز الرحمٰن چمپارنی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اب تک جو مسئلہ کفاءت پر ہمارے اکابر کی گفتگو آئی ہے اس میں حضرت قاضی صاحب مدظلہ کی گفتگو میں ایک خاص چیز جس کی طرف ہم طالبعلموں کو توجہ دلائی گئی ہے وہ یہ کہ فقہاء کرام کی بحثوں اور علمی موشگافیوں میں پڑنے کے بجائے حالات اور ظروف کے تناظر میں اس مسئلہ پر غور کیا جائے اور اس بنیاد پر حضرت قاضی صاحب نے فرمایا کہ اگر امام مالکؒ کے قول پر ان کے اصول پر صرف دیانت اور سلامت عن العیوب کا کفاءت میں اعتبار کرلیا جائے تو وہ جو خدشہ ہے اور جس کی طرف اغیار کی کوشش ہے اس میں امت اسلامیہ ہندیہ محفوظ رہ سکتی ہے اور ایک چیز سوال میں بھی پیدا کی گئی ہے کہ ان اعتبارات سے دعوت وتبلیغ کی راہ میں دشواری پیدا ہوتی ہے میں عرض کرنا چاہتا ہوں کہ نسب وغیرہ کا اعتبار پر جس پر فقہاء کی بحثیں ہیں نص پر ہے یہ مسئلہ منصوص بھی ہے یا مستحب فیہ بنیادی سوال یہ ہے، نص کے متعلق جو بحثیں ہوئی ہمارے مفتی عزیز الرحمٰن صاحب نے جواب دینا چاہا تھا اور اس پر قاضی صاحب نے بھی مطمئن کرنے کی کوشش کیا اس کے ساتھ ان تمام روایتوں کو ہمارے بعض دوستوں نے راوی اور ان کی سندوں میں جو ضعف ہے راوی پر حوالہ دیتے ہوئے ان روایتوں کو غیر معتبر قرار دینے کی کوشش کی ہے لیکن جہاں تک میں نے پڑھا ہے کہ ان روایتوں کو غیر معتبر قرار دینے سے ایک اصول بنے گا مستقل دوسرے احکام میں بھی اس طرح کی روایتیں ملی گئی ہیں تو یہ مسئلہ بنیادی طور پر غور کرنے کا ہے منصوص یہ ہے تو کیا منصوص یہ مسئلہ میں تغیر تغیر احوال کی وجہ سے ہوسکتا ہے کہ نہیں اور اگر عرف پر اور آراء پر ہے تب تغیر احوال کی وجہ سے احکام میں جو تغیر کا اصول فقہا کا ہے اس پر غور کیا جا سکتا ہے، دوسری دشواری یہ ہوگی کہ اگر کفاءت میں صرف امام مالکؒ کے قول پر اعتبار تسلیم کرلیا جائے تو وہ تمام بحثیں اور خود اس سوالنامہ میں جو سوالات قائم کئے گئے ہیں وہ تمام سوالات کالعدم ہوجائیں گے اور ان سوالات پر بحث اور ان سوالات کے متعلق کسی طرح کی جو مقالہ نگاری کی گئی ہے وہ سب بے کار ہوجائے گی تو دوسری یہ کہ حضرت مدظلہ نے فرمایا تھا کہ جو فتوی جذباتی ہو اور

حقائق وحالات سے صرف نظر کر کے دیا جائے وہ نظری ہوسکتا ہے تو کیا یہ کفاءت میں امام مالکؒ کی رائے پر اعتبار نظری نہیں ہوسکتا ہے؟ یہ دشواری نہیں پیدا ہوسکتی ہے کہ ہندوستان کے اندر جن لوگوں کے یہاں برادریوں کا اور نسب کا اعتبار بہت شدت سے کیا جاتا ہے کیا آپ کی مجلس کی یہ طے شدہ چیز قابل عمل ہوگی اگر نہیں ہوتی ہے تو یہ تو نظری اور جذباتی ہی ہوگا۔

قاضی صاحب:

جب لفظ منصوص مجتہد فیہ کے مقابلے میں بولا جائے تو اس کا مطلب ہوتا ہے **الحکم ثابت بالنص القطعي قطعي الثبوت وقطعي الدلالة لا يحتمل التأويل** اور اس اعتبار سے چاہے اعتبار یا عدم اعتبار کی دونوں میں سے کوئی منصوص نہیں یعنی نص سے قطعی غیر محتمل التاویل قطعی ثبوت اور قطعی دلالت نہیں ہے، اسی لئے ائمہ کی رائے مختلف ہے اسی لئے یہ امر مجتہد فیہ ہے ایک بات تو یہ ہے دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک نکاح میں اس بات کا اعتبار ہے کہ میاں بیوی میں جوڑ ہونا چاہئے ایک دوسرے کے ساتھ مناسبت ہونی چاہئے مماثلت ہونی چاہئے یہ بالکل معقول بات ہے، اور ائمہ کے اقوال کی بھی بہت ہی معقول اصولی بنیادیں موجود ہیں اس سے کوئی انکار نہیں کرسکتا لیکن جب اس کو ذلت وعزت کی بنیاد بنالیا جائے اور کسی کو گھٹیا سمجھا جائے اور کسی کو چھوٹا سمجھا جائے اور کسی کو بڑا سمجھا جائے تو میں سمجھتا ہوں کہ یہ فکر قطعاً اسلام سے متصادم ہے، شادی میں جوڑ نہیں بیٹھتا نہیں کریں گے لیکن کسی کو اس کی وجہ سے ذلیل سمجھیں گے چاہے کوئی سمجھے یہ بات صحیح نہیں ہوگی۔

ایک آواز:

امام مالکؒ کے قول کو اختیار کرنے کی بات کہی گئی جس میں صرف دو چیزوں کا اعتبار کیا گیا ہے دینداری اور عیب سے محفوظ ہونا اور اس کی وجہ عرف عام میں تغیر بیان کیا جارہا ہے لیکن کمیٹی تشکیل دیتے وقت اور کمیٹی کو بحث کرتے وقت یہ چیز بھی سامنے رکھنی پڑے گی کہ عرف

خاص جس کو وہ چھوٹا حصہ نہیں کہا جا سکتا اس میں جب امام ابوحنیفہؒ کی متعین کردہ کفو میں جتنی اشیاء ہیں ان کے مخالف لڑکی کو یا لڑکی کے اولیاء کو اعتراض ہوگا تو اس کے لئے بھی کچھ دفعات اور ضابطے متعین کرنے پڑیں گے، دوسری بات کے مماثلت لڑکے اور لڑکی شوہر اور بیوی کے درمیان ہونی ضروری ہے جس کی قاضی صاحب مدظلہ العالی نے مثال دے کر سمجھایا کہ ایک فقیر لڑکی کو ایک صاحب عزت مالدار گھرانے سے شادی کردی جائے یا ایک بہت جاہل لڑکے سے بہت اچھے عالمہ لڑکی کی یا اس کے برعکس شادی کردی جائے تو نباہ ہونا مشکل ہوجائے گا، امام مالکؒ کا مسلک کا جہاں تک تعلق ہے وہ صرف دیند اری سے ہے اور عیب سے محفوظ ہونے سے ہے اور قاضی صاحب مدظلہ نے بیان فرمایا وہ یہ دو چیزیں مثال کے طور پر تھیں ورنہ اس سے زیادہ بھی کچھ مثالیں پیش کی جا سکتی تھیں تو میرا خیال یہ ہے کہ اگر امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہو اور ہم بگڑے ہوئے احوال پر دوسری طرح سے کوئی قدغن نہیں لگا سکتے مثال کے طور پر جب احوال بگڑتے ہیں جس طرح ابھی سامنے آئی بات کے مخلوط تعلیم جب بچیوں کو اسکول بھیجنا شروع کیا تو جب نہیں سوچا اور جب اس کے نتیجہ میں کچھ حالات بگڑ کر سامنے آئے تو سوچنے پر مجبور ہوئے تو میرے خیال میں اگر مخلوط تعلیم ہی کا علاج کردیا جاتا تو بعد میں دوسرے مسائل پر غور کرنے کی ضرورت پیش نہ آتی۔

ایک آواز:

الحمدللہ، میں صرف قرآن پاک کی ایک نص صریح کو پڑھتا ہوں امید یہ ہے کہ اس کے عموم پر پوری توجہ فرمائیں گے اللہ پاک نے قرآن شریف میں فرمایا: "فانکحوا ما طاب لکم من النساء"، فقط والسلام۔

مولانا صلاح الدین صاحب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، یہ میری خوش قسمتی ہے کہ اس سے پہلے جو آیت پڑھی گئی وہ میری

گفتگو کا تمہید تھی ہے ایک آیت اور جس کی طرف میں توجہ دلانا چاہ رہا ہوں اس سلسلہ میں وہ آیت محرمات ہیں یعنی یہ کہ ایک مرد اور ایک عورت کے درمیان جو عقد نکاح منعقد ہوتا ہے، ان کے درمیان محرمات کی فہرست کیا ہے قرآن نے اس کو بہت واضح طور سے بتایا ہے اس کے پڑھنے کی ضرورت نہیں ہے اور پھر یہ آیت جو بار بار یہاں بیان کی گئی کہ "یا أیھا الناس إنا خلقناکم من ذکر و أنثی" اور پھر اس کے بعد وہ حضور علیہ السلام کا اسوہ کہ آپ نے جن لوگوں سے شادی کی اور اپنے خاندان کے جن لوگوں کی شادی کرائی اس میں کوئی فرق ملحوظ نہیں رکھا اس کے علاوہ حضور علیہ السلام کی وہ حدیث جس میں آپ نے یہ فرمایا کہ اس رواج کے بارے میں کہ جس میں چار طریقہ سے شادی ہوتی ہے مال دیکھا جاتا ہے، نسب دیکھا جاتا ہے، وغیرہ وغیرہ، اس میں کسی کو آپ نے ممانعت کی وجہ نہیں بتائی جس طرح شادی ہوتی ہے آپ نے کہا: "فاظفر بذات الدین" تو ایک ترجیحی بات بتائی یہ چند باتیں بہت واضح طور سے یہ بتاتی ہیں کہ عقد نکاح میں ایک مرد اور عورت کے درمیان جو اصل ہے وہ یہ ہے کہ ایمان کافی ہے مرد اور عورت کے درمیان اگر وہ ایمان اور اسلام مشترک ہے تو شادی کوئی رکاوٹ حقیقتاً نہیں ہے یہ بنیاد ہے باقی کفاءت کا مسئلہ اس کے بعد آتا ہے۔

کفاءت کے مسئلہ میں جو ہماری اپنی سوچ ہے اور یہاں فقہاء کرام بیٹھے ہیں کل بھی میں نے تذکرہ کیا تھا کفاءت کا مسئلہ چاہے آپ اس کی لسٹ بڑھادیں، پانچ چھ سات، بارہ، بیس اپنے زمانہ کے اعتبار سے وہ قضاء کا مسئلہ یا قانون کا مسئلہ اس وقت بنتا ہے حقیقت تو یہ ہے کہ یہ مسئلہ دینی نہیں ہے حقیقتاً یہ ایک دنیاوی مسئلہ ہے جس کو آپ شریعت کی اصطلاح میں بولیں تو مسئلہ یہ مسئلہ ہے منافع اور مضار یہ عقد جو ہوتا ہے اس میں منافع اور مصالح کو دیکھا جانا چاہئے کسی کی حق تلفی نہیں ہونی چاہئے، کسی پارٹی کی اور کسی کے ساتھ ظلم نہیں ہونا چاہئے، اگر اس عقد کے نتیجے میں ایک مرد اور ایک عورت جو براہ راست دو فریق ہیں ان کے درمیان مصالح نکاح متاثر ہوں یا ان دونوں میں سے کسی فریق کے ساتھ حق تلفی ہو یا ظلم ہو اور اس سے آگے بڑھ کر

ان دونوں افراد کے جو تعلقات ہیں مختلف اقرباء جیسے ولی اگر اس عقد سے ان کو کوئی ظلم واقع ہوتا ہو اور وہ قاضی کے سامنے سمجھا بھی سکے اور ثابت بھی کر سکے کہ اس عقد کے نتیجہ میں میرے اوپر ظلم ہو رہا ہے تو یہ قاضی کا اور اسلامی عدالت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ اس ظلم کو اور حق تلفی کو رفع کرے میں یہ سمجھتا ہوں کہ یہ اس کی بنیاد ہے اس میں جو خامی ہوگی اسے آپ پورا کریں گے ایک بات اور اس کے بعد میری بات ختم ہو جاتی ہے وہ میرا مشورہ یہ ہے کہ جو سمینار واقع ہوا ہے اس کا جو اور اس کے جو سوالات کی فہرست وہ سوال نمبر تین ہے یہ اور جیسا کہ قاضی صاحب محترم نے فرمایا کہ اس مسئلہ کی سنگینی اگر اس مسئلہ کے نتیجہ میں اس مسئلہ کا واضح حل، واضح نقطہ نظر اور غیر متذبذب فیصلہ یہاں سے نہیں دیا گیا تو وہ سنگینی اپنی جگہ موجود رہے گی تو اس کا خیال ہونا چاہئے کہ ہم جب یہاں سے نکلیں تو وہ جو نسب کا مسئلہ ہے بنیادی طور پر کفاءت وغیرہ کی فہرست میں کی گئی ہیں اصلاً نسب کا مسئلہ ہے تو ایک غیر متذبذب قسم کے الفاظ اور تعبیر میں یہ بات بتائی جائے کہ دو ایسے شخص مرد اور عورت جو ایمان میں مشترک ہیں وہ شادی کر سکتے ہیں صحت نکاح میں کوئی چیز مانع نہیں ہے اور دوسری بات کفاءت کا اس کو اس سے مشروط کیا جائے کہ چاہے وہ نسب ہو یا مال ہو کفاءت کی جتنی بھی لسٹیں ہوں اگر فریق کو کوئی ظلم پہنچا رہی ہے یا حق تلفی ہو رہی ہے تو وہ قضاء میں جا سکتا ہے اور اگر وہ ثابت کر دے کہ اس قضاء سے ظلم اس پر ہو رہا ہے یا حق تلفی ہو رہی ہے تو قضاء بلاشبہ اس میں رفع ظلم کے لئے اس میں مداخلت کر سکتی ہے۔ وآخر **دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔**

قاضی صاحب:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، دوستو! دو باتیں کہہ کر پندرہ منٹ کے لئے آپ کو چائے پینے کا وقفہ دیا جائے گا انشاء اللہ۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ سب جانتے ہیں کوئی نئی بات نہیں ہے صرف توجہ دلانے کے لئے کہ وہ مسئلہ کفاءت جانب مرأۃ میں ہے جانب رجل میں نہیں ہے

اس لئے مرد صاحب کو تو اختیار ہے ما طاب لکم من النساء جس عورت سے جہاں چاہیں شادی کرلیں اگر حلال ہو مسئلہ صرف یہ ہے کہ کیا عورت کو جہاں بھی اس کو پسند ہو یا نہیں اس کو مجبور کیا جاسکتا ہے کیا؟ مسئلہ کفائت کی جڑ یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ کیا عورت کو مجبور کیا جاسکتا ہے یا عورت اپنے ولی کو مجبور کرسکتی ہے کہ میں جہاں چاہوں شادی کرلوں چاہے تو اس کو اپنا ذلت سمجھے، عزت سمجھے، بڑائی سمجھے، چھوٹائی سمجھے کوئی بات نہیں، اس میں یہ بحث سرے سے ہے ہی نہیں ایک بہت اہم بات ہے اور میرے نزدیک خطرناک بات ہے میرے عزیز شاید مولانا صباح الدین عبد الملک وہی ہیں جو میں جانتا ہوں وہی ہو بھائی؟ یہ بول بھی گئے اور کچھ لوگوں نے لکھا بھی اور پتہ نہیں ہوسکتا ہے میں نے غلط سنا ہو، جرأت بہت ہوگئی ہے ہم لوگوں کی یہ کہہ دینے میں کہ یہ کوئی دینی مسئلہ نہیں ہے یہ بہت خطرناک بات ہے یہ مسئلہ دینی نہیں ہے یہ کہہ دینا بڑی خطرناک بات ہے مسائل دینیہ جتنے بھی ہیں وہ مصالح معاش پر مبنی ہیں پوری شریعت اللہ کے کچھ فائدے کی چیز نہیں مخلوق سے ضرر کو رفع کرنے یا مخلوق کی کسی مصلحت یا اس کی کسی خیر کو مضبوط بنانے کے لئے ہے، لہذا چاہے وہ معاشرتی ہم آہنگی کا مسئلہ ہو اور اس کی خاطر کفاءت کا اعتبار ہو یا کچھ دیگر مسائل ہوں یہ تمام مسائل چاہے منصوص یا چاہے مجتہد فیہ یا مستنبط ہوں یہ سارے کے سارے مسائل دینی ہیں آج جو متجددین کا طبقہ وہ یہ کہہ کر نکل جاتا ہے کہ فقہاء کے یہ اجتہادات اصل دین نہیں ہیں یہ اتنا عظیم فتنہ ہے کہ پورے دین کی بنیاد کو منہدم کردے گا، اس لئے اس طرح کی تعبیر سے اور یہ اگر محض تعبیر نہیں فکر بھی ہے تو اس فکر سے توبہ کرنی چاہئے اور پناہ مانگنی چاہئے اللہ کی خدا ہم سب کی حفاظت فرمائے اور ہمیں دین کے لئے قوت بنائے دین کے لئے فتنہ نہ بنائے۔

ایک آواز:

مروجہ رسم ورواج میں تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں ہوسکتی ہیں اور ہوتی رہتی ہیں مثلاً سماج

میں ڈاکٹر اور باربر کا جو تصور ہے امریکن سوسائٹی میں اس میں تبدیلیاں ہیں ایک صاحب امریکہ کے دورے پر گئے تھے وہ اپنے دورے کے حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ اپنے ایک دوست کے یہاں مقیم رہے اور اس دوست کے دو فرزند تھے ایک تھا حجام ایک تھا ڈاکٹر اور دونوں کا تعارف ہوا کسی قسم کی کوئی ذلت کا احساس کسی کے بارے میں نہیں ہے دونوں محنت کرتے ہیں اور کماتے ہیں دونوں کو عزت بھی دی جاتی ہے اور سوسائٹی میں کسی قسم کا کمتری یا احساس کمتری کا، ذلت کا تصور نہیں پایا جاتا، جیسا کہ یہاں بار بار کہا گیا ہے کہ ہم حالات کے بدلنے سے فتوی بھی بدلتے ہیں تو تصورات بھی بدلتے ہیں اس لئے دینداری سب سے مقدم ہوتی ہے اگر ایک دوسری صورت میں ڈاکٹر دیندار نہ ہو تو اخلاقی طور پر اچھے نہ ہوں تو لڑکی حجام ہی کو جو دیندار اور حسن معاشرت سے پیش آتے ہوں محبت کرتی ہے اس لئے حالات کے بدلنے سے فتوی بھی بدلتے ہیں اور ایسے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے کفاءت کے معیار میں بعض حالات میں نظر ثانی کی جانی چاہئے۔ والسلام علیکم۔

مولانا اختر امام عادل صاحب:

اب تک کی جو گفتگو ہوئی ہے اس سے چند باتیں ہم کو سوچنے کی طرف لے جارہی ہیں:
پہلی بات تو یہ ہے کہ کفاءت کا دو تصور قاضی صاحب نے پیش کیا تھا ایک تصور وہ جس سے خرابی پیدا ہوتی ہے شرافت یا عزت یا خاندانی اونچ نیچ کا مسئلہ آتا ہے دوسرا تصور وہ ہے جسے Matching یا مماثلت کہتے ہیں جتنی خرابیاں بیان کی جارہی ہیں یا اسلام کے دعوتی میدان میں جو رکاوٹ کی بات کی جاتی ہے وہ اس تصور کی بنیاد پر ہے جس میں شرافت یا عزت کا معیار اس تصور کو سمجھا جاتا ہے ضرورت اس بات کی ہے کہ اس تصور کی اصلاح کی جائے نہ یہ کہ کفاءت کے دفعات کو اسلامی قانون سے خارج کردیا جائے کفاءت کا جو صحیح مفہوم ہے مماثلت یا Matching جو معاشرتی ہم آہنگی کے لئے ضروری ہے اس تصور کو صحیح طور پر عام کیا جائے کہ

کفاءت کا اسلام میں یہ تصور ہے نہ یہ کہ تصور کے رائج ہوجانے پر کفاءت کوختم کردیا جائے۔ ایک بات آئی ہے کہ کفاءت ایک حق ہے بندہ کا حق العبد ہے رکن شرعی ہے مگر اس کی بنیاد حق عبد پر ہے اور اسلام کا جو دعوتی کام ہے اس کو اگر غور کیا جائے تو وہ حق اللہ ہے کیا حق اللہ اور حق العبد کے درمیان جب تصادم ہو تو حق اللہ کو چھوڑ کر حق العبد کو ترجیح ہوگی یا حق العبد کو ترجیح دی جائے گی حق اللہ پر اس پہلو سے بھی غور کیا جائے۔ دوسری بات یہ ہے کہ جب ہمارے معاشرے میں ہماری سوسائٹی میں فرق کو محسوس کیا جاتا ہے، آج فرق کی بنیاد کو محسوس کئے جانے کے تصور پر ہی کفاءت آیا ہے اسلام نے اس کو باقی رکھا ہے تو جب تک اس فرق کو مٹایا نہیں جائے گا اس تصور کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے یا اس دفعہ کو کیسے ختم کیا جاسکتا ہے ایک بات یہ بھی غور طلب ہے کہ جہاں نومسلموں کا مسئلہ آتا ہے اسلام کی اشاعت کا مسئلہ آتا ہے تو ابھی قاضی صاحب نے فرمایا کہ یہ مسئلہ جنوبی ہندوستان اور دنیا کے کسی حصہ کا نہیں ہے بلکہ شمال کا ہے خاص طور پر۔ تو شمال میں جیسا کہ دیکھنے میں آتا ہے اسلام کی اشاعت یا نومسلموں کا بھی مسئلہ نہیں ہے۔ اسلام کہاں کوئی قبول کرتا ہے زیادہ زیادہ تر اسلام کی اشاعت جنوبی ہندوستان میں ہورہی ہے یہاں یہ مسئلہ ہی نہیں ہے تو جہاں اسلام کی اشاعت ہورہی ہے وہاں یہ مسئلہ زیر بحث نہیں ہے اور جہاں اسلام کی اشاعت نہیں ہورہی ہے وہاں یہ مسئلہ زیر بحث ہے تو جو مسئلہ ہمارے زیر بحث ہے وہ بنیادی ہمارے سامنے نہیں ہے، اس چیز کو کیوں پیش نظر رکھا جارہا ہے؟

مولانا حبیب اللہ بستوی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ،قدیم الاسلام اور جدید الاسلام میں جہاں تک کفاءت کا مسئلہ ہے تو اگر دونوں کفاءت کوختم کردیا جاتا ہے تو دشواری یہ لازم آتی ہے کہ دشمنان اسلام کہیں اس عمل کو سازش کے طور پر اختیار نہ کریں کہ بظاہر وہ اسلام قبول کریں اور ان کے دل میں نفاق ہو اسلام کی دشمنی ہو اور اس کے تحت وہ مسلم لڑکیوں کو اپنے گھروں میں لے جائیں اور ان کا دین اور

ایمان برباد کردیں اور فقہاء نے قاعدہ بیان کیا ہے کہ دفع مضرت جلب منفعت سے مقدم ہے تو وہیں اندیشہ خطرہ اور مضرت بھی ہے کہ کہیں وہ اپنے اس عمل کو سازش کے طور پر استعمال نہ کریں، لہذا اس کے لئے جو کمیٹی تشکیل کی جائے تو اپنی تجویز میں اس کو بھی سوچے اور اس پر بھی غور کرے اور جس طریقہ سے فقہاء نے قدیم الاسلام اور جدید الاسلام میں ایک نسل یا دو نسل کا اعتبار کیا ہے اسی طریقہ سے ایسی کمیٹی بنائی جائے جس کی طرف سے اس کو یہ سند دی جائے اور اس کی روش کو اور اس کے طرز کو دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جائے کہ ہاں یہ اس قابل ہے کہ اس کا نکاح اب کسی مسلم لڑکی سے کیا جا سکتا ہے، و آخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمین۔

مولانا حبیب اللہ صاحب پوکھران:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، اگر کفاءت فی النسب کا مطلقاً اعتبار نہیں کیا جائے گا تو معاشرہ میں بڑی پریشانیاں اور فتنہ و فساد کھڑے ہوجاتے ہیں جیسے ہمارے یہاں سندی قوم ہے اگر کسی کا غیر کفو میں نکاح کردیا جائے تو لوگ مرنے کو پسند کرتے ہیں اور عمر بھر قبائلی ٹکراؤ بند نہیں ہو پاتے ہیں اس لئے کفاءت کا اعتبار حدود اور قیود کے ساتھ ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر سکندر علی اصلاحی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، دراصل مولانا قاضی مجاہد الاسلام صاحب نے جو باتیں فرمائی ہیں وہ گویا کہ میرے دل کی آواز تھی جو انہوں نے کہی ہیں بہت ساری باتیں آچکی ہیں دلائل بھی آچکے ہیں میرا خیال ہے کہ کمیٹی کی تشکیل کے وقت کمیٹی کے ممبران کو ان باتوں کا خیال رکھنا چاہئے، یہ چند باتیں تھیں جو عرض کرنا چاہتا تھا۔

مفتی جنید عالم قاسمی ندوی:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم، حضرت قاضی صاحب نے یہ فرمایا ہے کہ امام مالک کے قول کو

اختیار کیا جائے تو بہتر ہے اس سلسلہ میں مجھے پہلی بات یہ عرض کرنی ہے جو مولانا احسان قاسمی دار العلوم دیوبند وقف نے پیش کیا ہے وہ یہ کہ ایک طرف تو امام مالکؒ کے قول کو اختیار کرنے کی بات کہی جارہی ہے اور دوسری طرف یہ فرمایا کہ اگر کوئی نمازی بھیک منگے جو بھیک مانگ رہا ہو اگر اس کی شادی کسی مالدار خاتون سے کردی جائے تو فتوی تو دے سکتے ہیں فیصلہ تو کر سکتے ہیں لیکن عملی اعتبار سے اس پر عمل کرنا مشکل ہے کوئی تیار نہیں ہوگا۔ دوسری بات یہ عرض کرنی ہے کہ امام مالک کے قول کو اختیار کرنے اور احناف کے قول سے عدول کی ضرورت نہیں کی جارہی ہے۔ جس وقت میں نے مقالہ لکھنا شروع کیا تھا اس وقت یہی میرا بھی ارادہ تھا اور ذہن بنایا تھا کہ امام مالک کے قول کو اختیار کیا جائے لیکن فقہاء احناف کی عبارتوں کو جب میں نے دیکھا اور غور کیا تو مجھے یہ احساس ہوا کہ عدول کی ضرورت نہیں ہے، مثال کے طور پر کفاءت فی المال، کفاءت فی المال کا مسئلہ ہے فقہاء حنفیہ میں خود اختلاف ہے کہ کفاءت فی المال کا اعتبار ہوگا کہ نہیں جیسے امام ابو یوسفؒ کفاءت فی المال کے قائل نہیں ہیں، امام ابوحنیفہ اور امام محمد کفاءت فی المال کے قائل ہیں، لیکن یہ دونوں حضرات بھی اس بات پر متفق ہیں کہ مالداری میں کفاءت کا اعتبار نہیں ہوگا صرف نفقہ پر قدرت ہو، مہر مثل کی ادائیگی پر قدرت ہو تو وہ کسی مالدار خاتون کا کفو سمجھا جائے گا اس بات کی صراحت موجود ہے اور نفقہ میں بھی یہ صراحت ہے چھ ماہ، ایک سال، ایک مہینہ، لیکن صحیح بات یہ ہے کہ اگر روزانہ کما کر ملازمت کے ذریعہ سے بیوی کا نفقہ ادا کر سکتا ہو وہ کسی مالدار خاتون کا کفو ہوسکتا ہے، میں پوچھتا ہوں کہ کفاءت فی المال میں کیا ضرورت پڑی ہے کہ ہم حنفیہ کے قول سے عدول کر کے امام مالک کے قول کو اختیار کریں، اگر ایک شخص ایک دن کے نفقہ پر بھی قادر نہیں ہے تو ظاہر ہے کہ اگر وہ نکاح کرتا ہے کسی خاتون سے تو اس خاتون پر ظلم کرے گا اور جب ظلم کا یقین ہو، نکاح حرام ہے اور اس کی اجازت امام مالک بھی میرے خیال سے نہیں دے سکتے۔

دوسرا مسئلہ ہے کفاءت فی الاسلام: کفاءت فی الاسلام کا اعتبار حنفیہ نے کیا ہے لیکن

دو پشتوں تک کیا ہے اور اس بارے میں بھی کتب فقہ حنفی میں صراحت موجود ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے عرف کی بنیاد پر فقہاء حنفیہ نے کفاءت فی الاسلام کا اعتبار کیا ہے۔ ہمارے ہندوستان میں یہ عرف ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد قدیم الاسلام سے بھی نکاح کیا جاتا ہے اور اس کو کوئی برا نہیں سمجھتا ہے۔ مفتی کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم اس سلسلہ میں ایک جواب لکھتے ہیں: نومسلم جو نیک، صالح اور صوم وصلوۃ کے پابند ہوں ان کو لڑکی دینا جائز بلکہ موجب اجر وثواب ہے، جو لوگ اس کام میں رخنہ اندازی کرتے ہیں وہ سخت گنہگار ہیں، دوسرا جواب لکھا ہے کہ نومسلم کے اولاد کی شادی ہر مسلمان سے ہوسکتی ہے یہ بات نہیں ہے کہ نومسلم کی اولاد کی شادی نومسلم کی اولاد کے ساتھ ہو جو مسلمان یہ کہتا ہے کہ نومسلم کے اولاد کی شادی نومسلم کی اولاد سے ہونی چاہئے، وہ جاہل اور اسلامی احکام سے ناواقف ہے شریعت مقدسہ نے ہر مسلمان کو خواہ وہ موروثی مسلمان ہو یا نومسلم ہو بھائی بھائی قرار دیا ہے اور مناکحت کا رشتہ باہم قائم کرسکتے ہیں کوئی ممانعت نہیں ہے جو مسلمان اپنے نومسلم بھائی کو رشتہ دے گا وہ دوہرے ثواب کا مستحق ہوگا جب یہ بات ہے تو حنفیہ کے قول سے عدول اور امام مالک کے قول کو اختیار کرنے کی ضرورت نہیں ہے جہاں تک کفاءت فی النسل کا معاملہ ہے تو خود فقہاء حنفیہ کی یہ صراحت موجود ہے کہ کفاءت فی النسب کا اعتبار عربوں میں ہوگا عجمیوں میں نہیں ہوگا، اس لئے عجمیوں نے اپنے نسب کو محفوظ نہیں رکھا ہے اس کی حفاظت نہیں کی ہے اگر ہم فقہاء حنفیہ کے اس قول کو مان لیتے ہیں تو ہندوستان میں پھر کیا ضرورت رہ جاتی ہے کہ کفاءت فی النسب میں امام مالک کے قول کو اختیار کیا جائے، ہمارے پروفیسر مومن صاحب نے یہ فرمایا اور اپنے مقالے میں شیخ اور سید کا جو جائزہ لیا ہے اس سلسلہ میں مجھے کچھ نہیں کہنا ہے صرف اتنی بات عرض کرنی ہے کہ اگر ایک شخص اپنے پاس اپنے نسب کو محفوظ رکھتا ہے اور پورا سلسلہ نسب دکھلاتا ہے تو ہم اس کی تردید کیوں کریں گے، جیسے کہ حضور اکرم ﷺ کی پگڑی، آپ کا کرتا، آپ کے بال کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے کہ فلاں جگہ محفوظ ہے اس کے بارے میں کیا حکم ہے تو ہم کہہ دیتے ہیں "لا نصدق ولا نکذب "نہ ہم

اس کی تصدیق کرتے ہیں نہ تکذیب کرتے ہیں اسی طرح جو اپنا سلسلہ نسب دکھلاتا ہے نہ ہم اس کی تصدیق کریں گے نہ تکذیب کریں گے اس کی تردید کیوں کریں گے ہمیں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی، فقہاء حنفیہ کی تصریح سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس کا مدار عرف پر ہے جب ہم عرف پر مدار مان لیتے ہیں تو جہاں جیسے حالات ہوں گے اصل یہ کہ دونوں کا مزاج موافق ہو، جوڑ پیدا ہو، زندگی میں نباہ پیدا ہو جہاں تک اس کے خلاف ہوگا اس کو ہم تسلیم نہیں کریں گے وہ جو مسئلہ تھا کہ غیر کفو میں اگر کوئی لڑکی نکاح کرلے تو یہ نکاح منعقد ہوگا یا نہیں ہوگا اس سلسلہ میں حضرت قاضی صاحب کی گفتگو بھی آ گئی میرا مقالہ بھی سامنے آ گیا اس سلسلے میں مزید کوئی بات کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ امام مالک کے قول کو اختیار کرنے اور حنفیہ کے قول سے عدول کرنے کی ضرورت مجھے محسوس نہیں ہورہی ہے، **وآخر دعوانا أن الحمد لله رب العالمين۔**

مولانا عتیق احمد بستوی:

الحمد لله رب العالمين، والصلاة على خاتم النبيين محمد وعلى آله وصحبه أجمعين، أما بعد!

کفاءت کے موضوع پر اچھا خاصا مناقشہ ہو چکا ہے یہ بات شروع میں کہہ دی گئی ہے کہ ہم اس مقام پر نہیں کہ ترجیح دیں ادلہ کے درمیان حالاں کہ اس کے باوجود بہت سے حضرات نے ترجیح کی کوشش کی لیکن میں سمجھتا ہوں کہ واقعی یہ ہمارا مقام نہیں ہے اور یہ تصور دینا کہ جیسے کہ امام شافعی، امام ابوحنیفہ، امام احمد بن حنبل ان سب نے نسب میں کفاءت کا اعتبار کیا ہے گویا وہ اسلام کے نظریہ مساوات سے ناواقف تھے کہ انہوں نے ایسی چیز کو داخل کیا اور شامل کیا اپنے مسائل میں جو اسلام کے نظریہ مساوات سے ٹکراتی ہے یہ بات کسی طرح سے قابل قبول نہیں باقی

اس بحث کو تو ہمیں ختم کرنا ہے مجھے چند باتیں عرض کرنی ہیں:

ایک تو امام مالکؒ کے مسلک کو اختیار کرنے کی بات ہے تو میرا اپنا خیال یہ ہے کہ ہر مسلک میں جو مسائل ہوتے ہیں ایسے باہم مربوط ہوتے ہیں کہ کسی ایک جزئیے کو اگر آپ لے لیتے ہیں اور باقی مسائل کو چھوڑ دیتے ہیں تو ایک عدم توازن پیدا ہو جاتا ہے، امام مالکؒ کے یہاں جہاں یہ مسلک ہے کہ کفاءت میں دین داری کا اور امراض سے محفوظ ہونے کا اعتبار ہے تو ان کا مسلک یہ بھی ہے کہ "لا نکاح إلا بولی" ولی کے مرضی کے بغیر نکاح نہیں، عورت چاہے کفو میں نکاح کرے غیر کفو میں نکاح کرے اس نے خود نکاح کیا ہے تو نکاح منعقد نہیں ہوگا ولی کی رضامندی لی جائے گی تو سوال یہ ہے کہ انہوں نے شروع سے مسئلے کو ختم کر دیا ہے، ولی کو اتنا اختیار دیا ہے کہ اس کے بغیر نکاح منعقد نہیں ہوگا، اگر لڑکی کوئی رشتہ پسند کرتی ہے کفو میں تو خود نکاح نہیں کرسکتی وہ قاضی کے یہاں جائے مقدمہ قائم کرے کہ صاحب میں فلاں لڑکے سے نکاح کرنا چاہتی ہوں وہ کفو ہے اور ولی میرا راضی نہیں ہے تیار نہیں ہے، اب وہ مقدمہ قاضی کے یہاں جائے گا فقہ مالکی کے اعتبار سے اور وہاں جب یہ تشریح ہو جائے گی کہ واقعی یہ رشتہ کفو کا ہے اور خواہ مخواہ ولی انکار کر رہا ہے تب وہ قاضی حکم دے گا کہ تم اس کا عقد فلاں سے کر دو، اس کے باوجود اگر وہ انکار کرتا ہے تب قاضی خود عقد کرے گا تو غرضیکہ ایک کنٹرول وہاں موجود ہے "لا نکاح إلا بولی" کی صورت میں اس میں دونوں مسئلے پیدا ہوتے ہیں یعنی اگر ہم اس مسئلہ کو تنہا اختیار کرتے ہیں سارے مسائل کو نظر انداز کرتے ہوئے آپ کو یہ بات معلوم ہے کہ ولایت اجبار امام مالک کے یہاں تنہا باپ کو حاصل ہے یعنی نابالغہ کے نکاح کا اختیار نہ دادا کو ہے نہ بھائی کو نہ چچا کو صرف باپ کو اختیار حاصل ہے باپ نے نکاح کر دیا لڑکی کا لحاظ نہیں کیا، اور سماجی حالات کا لحاظ نہیں کیا محض دین کا لحاظ کرتے ہوئے نکاح کر دیا اب وہ لڑکی قاضی کے یہاں جاتی ہے کہ صاحب یہ رشتہ بہت نامناسب ہو گیا ہے بے جوڑ ہو گیا ہے اور میں اس سے راضی نہیں ہوں، تو سوال یہ ہے کہ اگر کفاءت محض دین میں معتبر ہے اور اس تعلق سے اس کو نظر انداز کرنے

کی بنیاد پر گویا لڑکی اس پوزیشن میں نہیں ہے کہ لڑکی اپنا مسئلہ وہاں لیجا کر کے کوئی انصاف حاصل کر سکے، اس لئے میرا خیال یہ ہے کہ فقہ مالکی کے اس جزئیہ کو اختیار کرنے سے پہلے ہمیں اس کی اور جو پہلو ہے ان پر غور کر لینا چاہئے۔

دوسری بات یہ مجھے عرض کرنی ہے یہ کہ ایک مسئلہ قدیم الاسلام اور جدید الاسلام کا ہے جن پر مقالات میں بھی گفتگو ہوئی آپ لوگوں نے بھی گفتگو کی یہ مسئلہ صرف فقہ حنفی کے اندر ہے اور تینوں ائمہ اور باقی ائمہ کے یہاں اس کا اعتبار نہیں، اب صورت حال یہ ہے کہ جو دعوت کے میدان کھلے ہیں اس وقت دنیا میں بہت سے ملکوں میں امریکہ میں، یورپ میں، ہندوستان میں مختلف ملکوں میں دعوت کے نئے امکانات پیدا ہوئے ہیں، میرا خیال یہ ہے کہ جو لوگ دعوت کے لائن سے کام کر رہے ہیں جو افراد ہیں یا تنظیمیں ہیں اس میں ان کی ضرور رائے لی جانی چاہئے کہ کیا واقعۃً کفاءت کے اعتبار کرنے کی بنیاد پر ان میں بڑی رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں، دشواری پیش آرہی ہے، اگر واقعی ہے ایسا تو میرا اپنا ذاتی خیال یہ ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک سے عدول کر کے ائمہ ثلاثہ کا اعتبار کرنا اور اس میں کفاءت کا اعتبار نہ کرنا معقول بات ہوتی ہے اور اگر کوئی رکاوٹ نہیں ہے تو کوئی خاص ضرورت نہیں ہے۔

تیسری بات مجھے یہ عرض کرنی ہے کہ خود فقہ حنفی کے اعتبار سے عجمیوں کے کفاءت فی النسب کا اعتبار نہیں عرب وعجم میں کفاءت دیکھی جائے گی عجمیوں کے اندر کفاءت نہیں ہے ہمارے فقہاء کی تصریحات میں یہ بات بھی ملتی ہے، حضرت تھانویؒ نے بعض عبارتوں سے یہ بات نکالی ہے اور ان کا خیال یہ ہے کہ اگر کچھ عجمی خاندان اگر اس کا لحاظ کرتے ہوں تو وہاں بھی اس کی بنیاد پر اس کا لحاظ کیا جانا چاہئے تو اس مسئلہ میں اگر ہم جو فقہاء کی عام عبارتیں ہیں کہ انہوں نے عجمیوں میں کفاءت نسبی کا اعتبار نہیں کیا ہے اس کو اختیار کرتے ہیں مثلاً یہ جو مسئلہ ہے بہت سے ملکوں میں پیدا ہوا بہت بڑا خود حل ہو جاتا ہے ہاں اگر اس کو آگے بڑھاتے ہیں کہ نسب کا اعتبار کریں گے عجمیوں میں عرف کی بنیاد پر تو مسئلہ آگے بڑھتا ہے۔

تیسری بات یہ ہے کہ پیشہ اور حرفت کے تعلق سے حرفت وصناعت کے تعلق سے عرف میں تبدیلی کہیں ہو چکا ہے کہیں ہو رہا ہے جو عرف پہلے تھا پیشوں کے بارے میں لیکن زمانہ کے ترقیات کے ساتھ اور صناعت کے ترقیات کے ساتھ عرف میں تبدیلی ہو رہی ہے اور پیشہ میں اعتبار کفاءت ختم ہو رہا ہے تو ہمیں غور یہ کرنا چاہئے کہ جب اس کا مبنی عرف کے اوپر ہے اور واقعی عرف تبدیل ہو چکا ہے اور صنعت وحرفت میں کفاءت ختم ہو چکا ہے یا ہوتا جا رہا ہے اس میں اگر ہم کفاءت کا اعتبار نہ کریں تو کیا یہ بات مناسب ہوگی، بہر حال یہ چند نکات جو میں نے آپ کے سامنے رکھیں آپ لوگوں کے غور کرنے کے لئے اور پھر میں یہ بات کہتا ہوں کہ فتوی جو بھی ہو فیصلہ جو بھی کریں وہ اسلام کے تصورات سے اس کے نظریات سے موافق بھی ہو اور ساتھ ساتھ عملی بھی ہو ایسا کوئی فتوی جو محض کاغذ پر ہو عملی دنیا میں قابل لحاظ نہ ہو میرے خیال سے قابل عمل نہیں ہوگا، اور اس کے خیالات مرتب نہیں ہوں گے۔ ہاں یہ بات ضرور ہے کہ ہمارے کفاءت کے تعلق سے جو بے اعتدالی ہے کہ لڑکا بھی راضی ہے نکاح کرنے پر اور لڑکی بھی راضی ہے اس کے اولیاء راضی ہیں اس کے خلاف ہم کو کوئی تجویز لانی چاہئے۔ اور ساتھ ساتھ جس اونچ نیچ کا تصور ہے ذات برادری کی بنیاد پر یہ اسلامی تصورات کے خلاف ہے اس کے بارے میں بھی ایک تجویز لائیں اپنے اس فیصلے کے اندر تو ہمارا یہ فیصلہ متوازن ہوگا اس میں گویا اسلام کے تصورات ونظریات کا پورا خیال بھی ہوگا اور ساتھ ساتھ یہ آپ کے فیصلے معاشرے میں نافذ بھی ہوں گے انشاء اللہ، اس میں انشاء اللہ خیر ہے۔

ایک آواز:

میں مولانا عتیق صاحب سے گذارش کروں گا کہ اگر لڑکی بھی چاہتی ہے لڑکا بھی چاہتا ہے، طبیعت میں میل بھی ہے لیکن کفو نہیں ہے اور ولی نہیں چاہتا تو اس میں آپ کیا کریں گے؟

اناؤنسر:

یہی تو مسئلہ زیر بحث ہے کہ کفاءت صرف لڑکی کا حق ہے یا لڑکی کے اولیاء کا بھی حق ہے جو تجویز آپ حضرات منظور کریں گے اسی کے مطابق فیصلہ ہوگا اگر یہ اولیاء کا بھی حق ہے اور لڑکی کا بھی حق ہے تو ظاہر ہے کہ اولیاء کو حق اعتراض باقی رہتا ہے، دو باتیں مجھے بھی عرض کرنی ہے: ایک بات تو یہ ہے کہ علامہ کاسانی نے بدائع الصنائع میں اس کی صراحت کی ہے کہ گو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک مذہب میں اور حرفت میں اور ان چیزوں میں کفاءت کا اعتبار ہے لیکن صرف کفاءت فی الدین پر اکتفاء کرنا یہ اولی اور افضل ہے ہماری تجویز میں اس پہلو کو بھی اگر نمایاں کیا جائے تو مناسب ہوگا۔

دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک عجمیوں میں کفاءت کا مسئلہ ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قریش میں اور عربوں میں قریش بعضهم أكفاء لبعض والعرب بعضهم أكفاء لبعض اس کے تحت فی الجملہ کفاءت کا مسئلہ منصوص ہے گو وہ نصوص قابل بحث ہیں کہ وہ کس درجہ کے ہیں لیکن عجم میں فقہاء نے خانوادۂ خلافت میں اور دوسرے خاندانوں میں جو فرق کیا ہے یا حضرت تھانویؒ نے جو لکھا ہے وہ خالصتاً عرف پر مبنی ہیں نص پر مبنی نہیں ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو مسئلہ خالصتاً عرف اور مصلحت پر مبنی ہو احوال زمانہ میں تغیر کی وجہ سے اس میں زیادہ گنجائش ہوتی ہے اور جو مسئلہ فی الجملہ نص سے متعلق ہو اس میں تغیر کا مسئلہ زیادہ قابل بحث اور محل غور ہوتا ہے۔